للشیخ العارف باللہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

علی

ترصیع الجواہر المکیة

للشیخ عبد الغنی الرافعی الطرابلسی

الإفادات الوصية

منجانب حضرت مصلح الامت عارف باللہ مرشدنا و مولانا شاہ وصی اللہ صاحب

نور اللہ مرقدہٗ

علیٰ

ترصیع الجواہر المکیۃ فی تزکیۃ الاخلاق المرضیۃ

للشیخ عبد الغنی رافعی قدس سرہٗ

باہتمام حاجی عبد المجید صاحب

در اسرار کریمی پریس حلیہ طبع پوشید

ہدیہ: آٹھ روپئے

فہرست ترصیع الجواہر المکیۃ

چند مخصوص عنوانات

(یعنی ان مقامات کی فہرست جو حضرت اقدسؒ کے منتخب کردہ اور پسند فرمودہ ہیں)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

مثل مشہور ہے کہ ع "قدر گوہر شاہ داند یا بداند جوہری" یعنی کوئی کتنا ہی قیمتی گوہر ہو اس کی حیثیت عوام کے نزدیک ایک رنگین پتھر سے زیادہ کچھ بھی نہیں ہوتی۔ لیکن کسی جوہری (یعنی گوہر فروش) اور بادشاہ (یعنی جوہر پوش) کے نزدیک اس کی بڑی قدر و قیمت ہوتی ہے۔

چنانچہ کتاب مستطاب "ترصیع الجواہر المکیۃ فی تزکیۃ الاخلاق المرضیۃ" بھی انھیں کمیاب بلکہ نایاب جواہرات میں سے ایک بیش بہا گوہر تھا جو طریق کی کساد بازاری اور اہل طریق کے فقدان کے سبب منجملہ رنگین پتھروں کے ایک سنگ رنگین ہی سمجھا جاتا تھا۔ لیکن مصنف رحمۃ اللہ کے اخلاص اور اہل اللہ کی توجہات باطن کی برکت سے اس کا بھی نصیبہ جاگا اور وہ اپنے ایک اہل اور قدر داں کے پاس آپہونچی۔

یعنی ہمارے مرشد و مقتدا مصلح اور رہنما عارف باللہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ نے (یہاں اپنے ایک خرید کردہ) کتب خانہ میں سے منجملہ دیگر کتب کے ملاحظہ کے لئے اسے بھی منتخب فرمایا۔ اب آپ خیال فرماسکتے ہیں کہ ترصیع الجواہر جیسا گوہر اور حضرت اقدس والا گہر جیسا قدر داں جو بیک وقت شاہ بھی تھا اور جوہری بھی جب ان دونوں کا امتزاج ہوا ہوگا تو وہی کیفیت ہوئی ہوگی جسے کسی کہنے والے نے ایک موقع پر یوں ادا کیا ہے کہ ؎

ساقی ترا مستی سے کیا حال ہوا ہوگا؟
جب تو نے یہ مے ظالم شیشے میں بھری ہوگی

میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ مصنف ترصیع علیہ الرحمہ کی روح تو ہی تو گئی ہوگی یہ خیال کرکے کہ الحمدللہ حق بحقدار رسید یعنی میں نے جو اس کی تالیف میں محنت اٹھائی تھی وہ کار آمد ہوئی اور ٹھکانے لگی۔

چنانچہ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسکی قدردانی یوں فرمائی کہ حاضرین خانقاہ میں سے چند مخصوص حضرات کیلئے سبقاً سبقاً اس کا پڑھنا تجویز فرمایا اور اثنائے درس میں کہیں کہیں کچھ تشریح بھی فرماتے جاتے تھے جسے ناظرین کتاب (افادہ) کے تحت یہاں ملاحظہ فرمائیں گے۔

اولاً تو اصل کتاب ہی ایسے عالی اور نفیس مضامین پر مشتمل ہے کہ سبحان اللہ کیا کہنا پھر حضرت والا کے افادات نے اس میں مزید چار چاند لگا کر اسکی نافعیت کو اور بڑھا دیا اسلئے باہم مشورہ کے بعد اسے رسالہ معرفت حق سے الگ کر کے مستقل کتابی شکل میں پیش کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرمائے اور بلا استحقاق اس کے صلہ میں ہم سب کو اپنی رحمت و نسبت۔ قرب و قبول اور رضا، و ثواب سے نوازے اور قارئین کو اسکے فیض سے پورا پورا حصہ نصیب فرمائے۔ اس کے مصنف علامہ رافعیؒ کو ان کی اس خدمت پر جزائے خیر عطا فرمائے اور ہمارے حضرت نور اللہ مرقدہٗ کے مراتب کو آخرت میں بلند سے بلند تر فرمائے کیونکہ اس ترجمہ واشاعت کے آمر بھی حضرت ہی تھے اور اس کے ضبط و تحریر میں بھی توجہ والا ہی کارفرما رہی۔

پیش نظر ترجمہ حامل متن ہے یعنی اس کے ایک کالم میں اصل کتاب عربی میں ہے اور دوسرے کالم میں اس کا ترجمہ ہے۔ خط کے نیچے حاشیہ کے عنوان سے قولہ کے تحت حضرت مصنف رحمہم اللہ کا ہی منہیہ ہے جو عربی میں تھا۔ یہاں صرف اس کے ترجمہ پر اکتفا کیا گیا ہے اور ایک قول کا حاشیہ ختم ہونے پر منہ لکھ دیا گیا ہے۔

اسی حاشیہ میں کہیں کہیں افادہ کا عنوان قائم کر کے حضرت نور اللہ مرقدہٗ کے وہ افادات درج کئے گئے ہیں جو حضرت اقدس نے کہیں توضیح مسئلہ کے سلسلہ میں فرمائے ہیں اور کہیں کسی شیخ و مصلح کا کوئی طریقہ جو خلاف سنت معلوم ہوا تو حضرات مشائخ کا پورا احترام باقی رکھتے ہوئے ان کے قول اور عمل کی مناسب توجیہ فرما دی ہے اور غایت ادب سے انھیں کی برکت کی جانب منسوب کر کے اس موقع کے لئے مسنون طریقہ تعلیم فرمایا اور کھلے لفظوں اس کا اعلان فرما دیا کہ ایمان تو بس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے اور معصوم حضرات انبیاء علیہم السلام ہی ہیں باقی کوئی ولی اور بزرگ نہ تو معصوم ہے اور نہ کسی خاص ذات پر ایمان ہے۔ اسلئے مشائخ بھی مکلف ہیں کہ خود بھی اتباع سنت کریں اور اپنے مریدین اور متبعین کو بھی اسی راستہ پر لگائیں۔ اس طور پر حضرت والا نے الحمد للہ مشائخ کے طریق کو بالکل سنت کے موافق کر دیا۔ یہی حضرت کا وہ خصوصی کارنامہ ہے جس نے کتاب کی افادیت کو دوبالا کر دیا ہے۔

حضرت والا کی اس حسن نیت اور استحسان سنت کا اجر آخرت میں جو ملیگا وہ تو ملیگا ہی

اس دنیا میں بھی دربار رسالت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے یہ انعام ملا کہ بذریعہ خواب ایک جوان صالح کو جو کہ حضرت والا کے مخصوص احباب میں سے تھے یہ ہدایت فرمائی گئی کہ ترصیع الجواہر المکیہ کے سرورق پر مولانا کا نام ہونا چاہیئے۔ چنانچہ ان صاحب کا وہ خواب بعینہ نقل کرتا ہوں جس میں یہ بشریٰ موجود ہے ان صاحب نے جناب قاری محمد مبین صاحب مدظلہ کو اپنا یہ خواب لکھ کر پیش کیا کہ :۔

"احقر نے دیکھا کہ جناب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جسم مبارک سامنے موجود ہے۔ میں اور کئی اصحاب سامنے بیٹھے درود شریف پڑھ رہے ہیں اور فرطِ محبت وعقیدت سے کبھی کبھی جسم مبارک چھو بھی لیتے ہیں۔ تھوڑی دیر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر بیٹھ گئے۔ بستر وغیرہ بہت عمدہ قسم کا ہے۔ ذرا دیر بیٹھنے کے بعد حضور اس بستر سے اٹھ کر قریب ہی دوسرے بستر پر تشریف فرما ہو گئے۔ اور یہ بستر مشابہ ہے اس بستر کے کہ جس پر ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ بیٹھا کرتے تھے .... میرے دل میں مصافحہ کا بیحد اشتیاق ہوا۔ مگر ادب کی وجہ سے ہمت نہیں پڑتی تھی کہ اتنے میں ایک صاحب نے مصافحہ کی ابتدا کی تب احقر نے بھی مصافحہ کیا۔ دست مبارک مثل ریشم کے نرم ہے ایسا کبھی اس سے پہلے نہیں دیکھا تھا۔

.... اتنے میں دیکھتا کیا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے غریب خانہ پر تشریف فرما ہیں اور دروازے کے کمرہ میں جو تخت ہے اس پر رونق افروز ہیں اس تخت پر ایک چھوٹی سی میز ہے جس پر میری کتابیں رکھی ہوئی ہیں ان کتابوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ملاحظہ فرما رہے ہیں اور مجھ سے مخاطب ہو کر دریافت فرمایا کہ تمہارے پاس "ترصیع" ہے میں نے پوچھا کہ "ترصیع الجواہر المکیۃ" فرمایا کہ ہاں! اب میں یہ خیال کر کے کہ وہ میرے پاس ہے۔ تمام اس کو تلاش کرنے لگا لیکن وہ کتاب مل ہی نہیں رہی ہے۔ گھر میں بھی میں نے کہلایا کہ شاید وہاں ہو۔ چنانچہ گھر سے میرا ایک بچہ چند کتابیں لایا کہ اس میں دیکھ لیں اس میں تو نہیں ہے۔ لیکن اس میں بھی وہ کتاب نہیں ملی۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اس کتاب کو صرف اسلئے دیکھنا چاہتا ہوں کہ اس کتاب پر "مولانا وصی اللہ کا نام ہے یا نہیں"؟

خواب طویل ہے۔ یہاں صرف یہی بیان کرنا مقصود ہے کہ اچھے خواب کو حدیث شریف میں مبشرات فرمایا گیا (رؤیا المؤمن بشریٰ لہ) ہے۔ الحمدللہ اس خواب سے معلوم ہوا کہ انشاءاللہ تعالیٰ یہ کتاب بھی مقبول ہے اور اس کی وضاحت کے سلسلہ میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات بھی سب مقبول ہیں اور حضرت کا یہ حق ہے کہ حضرت والا کا نام اس کے سرورق پر لکھا جائے۔ اسی اشارۂ نبوی کے پیش نظر اس کتاب کا نام "الافادات الوصیۃ علی ترصیع الجواھر المکیۃ" تجویز کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور ناظرین کے لئے نافع فرمائے۔

کتاب کے شروع میں حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ کی مرتب کردہ ایک فہرست ہے اور آخر میں بھی ایک فہرست ہے جو کہ حضرت والا کے پسند فرمودہ مضامین پر مشتمل ہے۔ اللہ تعالیٰ اصل کتاب اور حضرت والا کے افادات سے ہم سب کو مستفید فرمائے اور ہماری اس خدمت کو قبولیت کا شرف بخشے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین ٥

طالب دعا

مترجم عفی عنہ

الہ آباد۔ ۵ ر جمادی الثانیہ ۱۳۸۹ھ

۲۳۔ بخشی بازار۔ الہ آباد

مقدمہ

(از مؤلفؒ)

مَاشَاءَ اللّٰہُ کَانَ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله الذي سهل بتوفيقه تهذيب اخلاق السالكين[ے] واذن لهم بقرع باب الخدمة في زمرة الطالبين، وعصم قلوبهم بنور الهداية عن ظلمات الضلال، وكحل بصائرهم باثمد الاعتبار فلاحظوا حضرة الجلال، ونزّه خواطرهم عن الالتفات الى ما عداه، وصرف سرائرهم عن ملاحظة كل ما سواه، ثم كشف لهم عن طلائع انوار الجمال ومبادي نسمات القرب والوصال، فاقبلوا بكنه الهمة اليه وقاموا على بساط الخدمة بين يديه ولما اراد ان يختار منهم خزائن لاسراره ومظاهر لانواره، وكان فيهم القوي والضعيف والبطئ والخفيف تخصهم بمطالعة بوارق المقامات

تمام تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کیلئے ہیں جس نے توفیق دیکر سالکین کے لئے تہذیب اخلاق کو آسان فرمادیا۔ اور ان کو طالبین کے زمرہ میں داخل کرکے اپنی خدمت کا دروازہ کھٹکھٹانے کی اجازت عطا فرمائی۔ اور ان کے قلوب کو ہدایت کے نور کے ذریعہ گمراہی کی تاریکیوں سے محفوظ فرمایا اور ان کی بصیرتوں کو عبرت کا سرمہ لگایا جسکی وجہ سے انہوں نے حضرت جلال کا مشاہدہ کیا۔ اور انکے قلوب کو ماسوا اللہ کی جانب التفات کرنے سے پاک فرمادیا۔ اور ان کے باطن کو غیر اللہ کی جانب توجہ کرنے سے پھیردیا۔ پھر ان کے لئے اپنے انوار جمال کے اوائل کو اور اپنے قرب اور وصال کی ابتدائی جھلک کو منکشف فرمادیا۔ جس کی وجہ سے یہ لوگ ہمہ تن اس کی جانب متوجہ ہوگئے اور اس کے آگے بساط خدمت پر پوری ہمت اور تندہی سے لگ گئے۔

پھر جب حق تعالیٰ کو یہ منظور ہوا کہ اپنے انھیں بندوں میں سے کچھ ایسوں کا انتخاب فرمائے جو اس کے اسرار کا مخزن اور اسکے انوار کا مظہر بنیں (اور یہاں یہ حال تھا کہ ان میں قوی بھی تھے اور ضعیف بھی۔ تیزگام بھی تھے اور سست رفتار بھی) تو سب سے پہلے امتحاناً انکو انوار مقامات

ے علامہ عروسی نے نتائج الافکار میں فرمایا ہے کہ سالک وہ شخص کہلاتا ہے جو شریعت مطہرہ محمدیہ پر ثابت اور برقرار ہو اور اس سے کوئی حرکت یا سکون اس کے خلاف نہ صادر ہو۔ ۱۲ منہ

وجلّى لهم عرائس الكرامات فوقف عند
المقامات خاطبوها وآنس بالكرامات
طالبوها۔ وجاز الاقلون فلم يلتفتوا الى
السّوى ولم يميلوا مع الهوىٰ۔ فعند ذلك
رماهم بحرب جالوت العلاء ونوّع عليهم
اصناف الابتلاء فانماع منهم ببوتقة
ميزان المحن من انماع وثبت لها كل علىّ
الهمة ياقوت الطباع۔ فما وهنوا لما اصابهم
فى سبيل الله۔ ولا تزلزلت اقدامهم فى
مثابرة امتحانه وابتلاءه۔
وامتاز قوم بالتلذذ ببلاءه حبًّا
بربه وبقضائه ؎
ان كان فى تلفى رضاك صبابةً
ولك البقاء وجدتُ فيه لذاذاً
ولما رآهم راسخى القدم فى محبته ثابتى
الهمم فى ارادته۔ وان حالهم كحال الطفل
مع امه التى الف خيرها كلما دفعته عنها
تراحى عليها لا يعرف غيرها۔ فتح لهم باب
اجتبائه وادخلهم حضرة ولائه۔
ثم اجلسهم على بساط انسه وسقاهم
من شراب قدسه۔ فمنهم من عربد سكرًا
ولم يستطع معه صبرًا فباح بمواجيده

کے مشاہدہ کا تحفہ عطا فرمایا اور کرامات کی دلہن ان کے سامنے نمودار فرمائی
(جس کا انجام یہ ہوا کہ) طالب مقامات۔ مقامات ہی میں پھنس کر رہ گئے اور
محب کرامات اسی میں الجھ گئے۔ تاہم کچھ تھوڑے سے اللہ کے بندے ایسے
بھی ہوئے جو اس گھاٹی کو پار کر گئے اور انھوں نے غیر کی جانب التفات تک
نہیں کیا۔ اور باوجود خواہشات کے کسی کی طرف مائل نہیں ہوئے (پھر جب یہ لوگ
اس امتحان میں کامیاب ہوگئے تو) حق تعالیٰ نے انکو آزمائش کے جالوت کے مقابلہ میں
لا ڈالا اور طرح طرح کی آزمائشوں سے انکا امتحان کیا اور تپایا (جس طرح سے کہ سنار
برتن میں معدنیات کو رکھ کر آگ میں تپاتا ہے) چنانچہ ان آلام و مصائب کی کٹھالی (گھریا)
میں پڑ کر جسکو پگھلنا تھا پگھل گیا مگر جو لوگ کہ عالی ہمت اور یاقوت مزاج (یعنی پختہ اور
ٹھوس قسم کے) تھے وہ بدستور قائم رہے اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں انھیں جو کچھ بھی پیش آیا
اسکی وجہ سے وہ سست گام نہیں ہوئے اور نہ اسکے امتحان و آزمائش کے برداشت کرنے میں
انکے قدموں کو ذرا بھی لغزش ہوئی۔ اور ان میں ایک ممتاز جماعت تو ایسی بھی ہوئی جس نے اپنے
رب اور اسکے فیصلہ کی محبت کی خاطر ان آزمائشوں میں لذت و راحت محسوس کی اور بزبان حال یہ کہا کہ
اگر آپ کی خوشی اسی میں ہے کہ میں آپکے عشق و محبت میں ہلاک ہو جاؤں اور تمہارے لئے
بقا رہے تو مجھے اس ہلاکت ہی میں مزا اور راحت ہے۔

اور جب اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو اپنی محبت میں راسخ القدم اور ثابت الہمم پایا اور یہ دیکھا
کہ انکا تعلق اپنے مالک حقیقی کے ساتھ بالکل ماں اور بچے کا سا ہو گیا ہے۔ وہ ماں جسکی جانب سے
بچہ ہمیشہ خیر ہی دیکھتا رہا ہے اگر وہ دھکے بھی دیتی ہے تو یہ پھر اسی پر ٹوٹ کر گرتا ہے اور یہ
اسلئے کہ اسکی نگاہوں میں اسکے سوا کوئی دوسرا ہوتا ہی نہیں۔ (تو حق تعالیٰ نے بھی جب ان
سالکین کا یہ حال دیکھا تو (اپنے اجتبا (یعنی انتخاب محبوب) کا باب انکے لئے کھول دیا اور
ولایت دوستی کے دربار میں ان کو داخل فرما لیا۔ اور پھر ان کو اپنے انس کے فرش پر بٹھایا۔
اور اپنی شراب قدس کا گھونٹ پلایا جسکی وجہ سے کچھ لوگ تو مست ہو کر بہکی بہکی باتیں کرنے

عہ یہی حال ہمارے شیخ محمد رشید کا تھا چنانچہ میں نے خود محسوس کیا کہ مصائب سے حضرت کو لذت ملتی تھی یہاں تک کہ کبھی ایسا ہوتا تھا کہ رنج و
مصیبت کے وقت آپ مارے لذت و خوشی کے قہقہہ مار کر ہنستے تھے۔ اور یہ ناچیز تو بس ایسا ہوا ہے کہ اسکو معمولی مرض میں بسا اوقات کسی قدر لذت ملی ہے۔
۱۲ منہ

في كنايات الأشعار وصرح بمشاهدة من وراء الأستار، ومنهم من كتم سرّ حبيب القلوب واصطلم في حضرات الشهود فلم يفه بسره لغير المحبوب، وقوي على حاله فما جال ولا جاب، وترى الجبال تحسبها جامدة وهي تمر مر السحاب۔

ثم سلك بهم طريقي الظهور والخفاء والفناء والبقاء صحاة وسكارى وراسخين وحيارى، وأقامهم في مقاماتهم معروفاً ومستوراً كلاً نمد هؤلاء وهؤلاء من عطاء ربك وما كان عطاء ربك محظوراً۔

فبنفحات فضله تقوت القلوب على حمل الأسرار وبيمن توفيقه ألقت في بابه جران الرضاء براءة من التدبير والاختيار، فمنه العطاء والجزاء وبيده التقريب والإقصاء۔

والصلوٰة والسلام على روح نشأة الوجود ومصباح صباح الشهود قطب دائرة الكمالات ومظهر أنوار التجليات سيدنا ومولينا محمد واسطة كل واصل وعلم كل عامل۔ بل باب الله الذي لا يتوصل إليه إلا منه۔ ولا تصل نعمة لمنعم عليه إلا عنه

لگے اور صبر کا دامن انکے ہاتھوں سے چھوٹ گیا۔ پس وجد اور شوق کی باتوں کو بطور کنایہ اشعار میں اور شہود و مشاہدہ کی باتوں پردے پردے میں بیان کرنے لگے۔

مگر کچھ لوگ ان ہی میں ایسے بھی ہوئے جنھوں نے راز محبوب کو پوشیدہ ہی رکھا۔ اور زبان سے تو کچھ نہیں کہا لیکن اپنے قلب کا گریبان چاک کر لیا اور حق تعالیٰ کے شہود سے ٹکرا کر خود کو پارہ پارہ کر لیا مگر غیر محبوب سے سر محبوب کو بیان نہیں کیا اور اپنے اس حال پر نہایت درجہ مستحکم رہے اور ذرا بھی ٹس سے مس نہیں ہوئے۔ تو تم ان پہاڑوں کو ٹھہرا ہوا خیال کرتے ہوگے حالانکہ یہ بادلوں کی مانند اڑتے پھر رہے ہیں (یعنی انکو قرار نہیں ہے۔ کچھ [illegible] ایسے بھی تھے)

پس اللہ تعالیٰ انھیں ظہور و خفا۔ فنا اور بقا دونوں ہی راہوں سے لے چلے اس طرح سے کہ ان میں باہوش بھی تھے اور مدہوش بھی۔ بعضوں کے چلنے میں رسوخ تھا اور بعض کے اندر حیرانی و سرگردانی۔ تاہم سب ہی کو ان کے مقامات پر متمکن فرما دیا۔ کسی کو معروف و مشہور کر کے اور کسی کو مخفی و مستور کر کے (چنانچہ سچ فرمایا ہے کہ) ہم سب ہی کی مدد کرتے ہیں آپ کے رب کی عطا کے ساتھ ان کی بھی اور انکی بھی اور آپ کے رب کا عطیہ لوگوں سے ممنوع یعنی رکا ہوا نہیں ہے۔

چنانچہ اسکے فضل کے جھونکوں سے انکے قلوب میں تقویت آگئی کہ وہ لوگ حامل اسرار الٰہی بنگئے اور اسکی توفیق کی برکت سے اس کے چوکھٹ پر ان کی رضا کی گردن اپنے تدبیر و اختیار کے جوئے کو پھینک کر اس سے دست بردار ہوگئی یعنی سمجھ لیا کہ بس اسی کی جانب سے عطا ہے اور اسی کی طرف سے بدلہ ہے اور اسی کے قبضہ میں نزدیک کرنا اور دور کرنا ہے۔

اور درود و سلام ہو اس ذات پر جو نشأۃ وجود کی روح ہیں۔ وہ صبح مشاہدہ کا چراغ ہیں۔ دائرہ کمالات کے قطب ہیں اور انوار تجلیات کے مظہر ہیں۔ یعنی سیدنا و مولانا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو کہ ہر واصل کے لئے واسطہ ہیں اور ہر عامل کے لئے نشان راہ ہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کا وہ دروازہ ہیں جس میں داخل ہوئے بغیر اس تک رسائی ناممکن ہے۔ اور ایسی ذات ہیں کہ حق تعالیٰ کا کوئی انعام کسی منعم علیہ پر بجز آپ کی وساطت کے ہوتا ہی نہیں۔ اس لئے کہ آپ ہی کے مبارک ہاتھوں پر معارف

اذ لیس الاعلیٰ یدیہ تخرج ذخائر المعارف الربانیۃ ونفائس الحکم والعلوم اللدنیۃ + وببرکتہ ویمن اتباعہ تحلی بجواھر الاسرار من تحلی + وتملی بجنات خزائن الغیوب من تملی + فھو مورد فیوضات جمیع الکمالات + وافق مطالع انوار الحسیات والمعنویات + فلا یستغنی عن التعلق باذیال کرمہ الطالب ولا یکتفی عن الانتماء الی عتبۃ حرمہ الاحباب کیف لا + ومن اجلہ خلق اللہ تعالیٰ الکمال الدنیوی والاخروی + وبشفاعتہ تجلی شموس النعیم الابدی السرمدی + وعلیٰ آلہ واصحابہ نجوم الاھتداء و ائمۃ الاقتداء الذین عنھم تقتبس التربیۃ الروحانیۃ بالمعارف والعلوم ومنھم یکتسب ضبط الحرکات والسکنات علیٰ ما یرضی الحی القیوم +

ربانیہ کے ذخیرے ظاہر ہوتے ہیں اور انھیں پر حکم نفیسہ اور علوم لدنیہ کا فیضان ہوتا ہے۔ جو لوگ کہ اسرار کے جواہرات سے مزین ہوئے یا جو لوگ کہ غیوب کے مخفی خزانوں کو پاکر مالامال ہوئے وہ سب آپ ہی کی برکت سے اور آپ ہی کی اتباع کی بدولت ہوئے۔ پس آپ ہی جملہ کمالات کے فیضان کا سرچشمہ ہیں۔ اور ہر قسم کی حسّی ومعنوی اور ظاہری وباطنی انوار کے طلوع ہونے کا افق ہیں۔ جب ایسا ہے تو پھر آپ کے دامن کرم سے وابستہ رہنے سے طالبین کبھی مستغنی ہو نہیں سکتے اور آپ کے حرم کی چوکھٹ کی جانب منسوب ہونے سے احباب کبھی بے نیاز ہو نہیں سکتے۔ اور یہ ہو بھی کیسے سکتا ہے؟ کیونکہ آپ ہی کی خاطر اللہ تعالیٰ نے تمام کمالات دنیوی اور اخروی کو پیدا فرمایا۔ اور آپ ہی کی شفاعت سے آئندہ بھی ابدی اور سرمدی نعمتوں کا سورج چمکیگا۔

نیز آپ کے آل اور اصحاب پر بھی صلوٰۃ وسلام ہو جو کہ ہدایت کے درخشاں ستارے ہیں اور اتباع واقتداء کیلئے پیشوا ہیں اور اس درجہ کامل لوگ ہیں کہ ان کے علوم اور معارف سے روحانی تربیت کے اصول اخذ کئے جاتے ہیں۔ اور ان ہی کے افعال کے ذریعہ مولائے حیّ وقیوم کی رضا کے مطابق حرکات اور سکنات کا انضباط ہوتا ہے۔ (یعنی یہ معلوم ہوتا ہے کہ کون سی حرکت اور کونسا سکون حق تعالیٰ کو پسند ہے اور کون ناپسند) +

(اما بعد) فیقول العبد الحقیر العاجز الفقیر عبد الغنی بن احمد بن عبد القادر الرافعی الفاروقی الطرابلسی اقبسہ اللہ تعالیٰ النور القدسی ان صریق القوم فی معالجۃ امراض القلوب

بعد حمد وصلوٰۃ کے بندۂ حقیر جو عاجز بھی ہے اور فقیر بھی یعنی عبد الغنی بن احمد بن عبد القادر رافعی فاروقی طرابلسی (اللہ تعالیٰ اس کو اپنے نور قدس سے حصۂ وافر نصیب فرمائے)

عرض پرداز ہے کہ .... قوم (صوفیہ) کا امراض قلوب کے معالجہ کے باب ہیں۔ مجاہدۂ نفس اور مداومتہ ذکر کو طریق علاج تجویز فرمانا اس لئے کہ انسان (اس کے ذریعہ)

بمجاهدة النفس ومداومة الذكر لتخلص من الرعونات النفسية وتحلي بالاخلاق المرضية مما تظاهرت عليه شواهد الشرع والتجارب وصرح بافتراضه علماء الملة والدين

نفس کی رعونتوں (یعنی رذائل نفس) سے نکل جائے اور پسندیدہ اخلاق کے ساتھ متصف ہو جائے۔ ایک ایسی تجویز ہے جس پر شرع اور تجربہ (یعنی عقل) ہر دو کے بے شمار شواہد موجود ہیں۔ اور علماء ملت اور اکابر دین نے اس کے فرض ہونے کی تصریح فرمائی ہے۔

ے (قولہ بمجاهدة النفس الخ) مشائخ نے امراض قلوب کے معالجہ کا طریق دو چیزوں کو قرار دیا ہے ایک مجاہدۃ النفس دوسرے مداومۃ الذکر۔ اول کی دلیل یعنی یہ کہ مجاہدہ مثمر ہدایت ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ والذین جاهدوا فینا لنهدینهم سبلنا یعنی جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم ان کو اپنے قرب و ثواب یعنی جنت کے راستے ضرور دکھا دیں گے۔ نیز رسول اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ اپنے نفس کے ساتھ جہاد کرنا جہاد اکبر ہے۔ نیز آپ کا یہ ارشاد کہ مجاہد تو دراصل وہی شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کی طاعت کے بارے میں اپنے نفس سے جہاد کرے۔ نیز آپ کا یہ ارشاد کہ اپنی ایذا رسانی سے اپنے نفس کو بچاؤ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں میں نفس کی اتباع نہ کرو۔ اور اس کا کہنا مانو + اب باقی رہی یہ بات کہ مجاہدہ کا طریق وہی ہے جو حضرات صوفیہ بیان فرماتے ہیں یعنی قلت طعام۔ قلت منام۔ قلت اختلاط مع الانام اور قلت کلام تو اس کے دلائل ہیں۔ مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ ابن آدم کے لئے تو بس اتنے چند لقمے ہی کافی تھے جس سے اس کی پیٹھ سیدھی رہتی ــــــ نیز یہ ارشاد کہ اگر یہ شیاطین بنی آدم کے قلوب کے گرداگرد چکر نہ لگاتے ہوتے تو لوگ تو آسمانوں اور زمین کا ملک دیکھ لیتے۔ نیز یہ روایت کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اے داؤد! تم خود بھی احتیاط کرو اور اپنے اصحاب کو بھی موافق شہوت اشیاء کے کھانے سے منع کرو اور ڈراؤ۔ اس لئے کہ وہ قلوب جو کہ شہوات دنیا سے متعلق ہو جاتے ہیں۔ ان کی عقول مجھ سے حجاب میں ہو جاتی ہیں (یعنی میری معرفت انھیں نصیب نہ ہوگی۔) اور یہ اس لئے کہ قلوب بنی آدم میں شیاطین کے لئے جو شے بمنزلہ چراگاہ اور سبزہ زار کے ہے وہ ان کی شہوات ہی ہیں۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ جس شخص کا پیٹ بھرا ہوگا وہ ملکوت سموات میں داخل نہ ہو سکے گا (یعنی فرشی ہی رہے گا عرشی نہ ہو سکے گا) نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ ارشاد کہ اے حواریین کی جماعت! اپنے بطون کو بھوکا رکھو۔ امید ہے اسکی وجہ سے تمہاری عقول اپنے رب کا مشاہدہ کریں۔

اور امر ثانی یعنی ذکر کے بھی مثمر ہدایت ہونے کی دلیل۔ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ بیشک نماز بے حیائی اور ناشائستہ کاموں سے روک ٹوک کرتی رہتی ہے اور اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے یعنی فحشا اور منکر سے روکنے میں اس کو نماص دخل ہے۔ چنانچہ ذکر اللہ کی فضیلت کے متعلق نصوص میں جو کچھ آیا ہے وہ احاطہ سے بالاتر ہے۔ ہمارے حضرت سید شیخ عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہ کا معمول یہ تھا کہ جو شخص بھی ان سے کسی چیز کی شکایت کرتا مثلاً یہ کہ نماز ترک ہو جاتی ہے یا اس میں کچھ سستی ہونے لگی ہے۔ یا زنا

(بقیہ حاشیہ)
و شراب وغیرہ کسی معصیت کے ارتکاب کے متعلق کہا تو سب کو ذکر کی تلقین فرماتے۔ سیدی قاسم خانی رحمہ نے حضرت کے اس معمول کو اپنی کتاب السیر والسلوک میں ان سے نقل کیا ہے۔ انتہی منہ ۱۲

ص (قولہ مداومۃ الذکر) اور مداومۃ الذکر طریقۂ اصلاح اس لئے ہے کہ ذکر کے متعلق آتا ہے کہ وہ قلوب کے لئے شفا ہے۔ علامہ قشیری رح فرماتے ہیں کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ذکر طریق کا اہم رکن ہے۔ اس لئے بدون دوام ذکر حاصل کئے وصول نا ممکن ہے۔ اھ منہ

ص (قولہ وصرح بافتراضہ الخ) احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ تمام امت کو تو اس کا مکلف بنانے میں بڑا حرج ہے۔ بالخصوص ان لوگوں کو مکلف کرنے میں جن کے متعلق گمان غالب یہ ہے کہ وہ طریق کی بالکل ہی استعداد نہیں رکھتے اور یہ وہ لوگ ہیں جنکو کوئی شیخ کامل ذکر دے دیہ کہدے کہ تم بازار میں جاکر کوئی کام کرو کیونکہ اگر اسکی فرضیت کو عام رکھا جائیگا تو اسباب عالم میں تعطل واقع ہو جائیگا۔ علاوہ ازیں خود حدیث شریف میں بھی ایسا مضمون آتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مجاہدہ مذکورہ (ہر شخص پر) واجب نہیں ہے۔ اس لئے کہ ایک مقام پر جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ حسد۔ بدفالی اور سوء ظن یہ سب ایسے امور ہیں کہ ان سے کوئی انسان خالی نہیں ہوتا + وہیں اسکے بعد آپ نے یہ بھی فرمایا کہ جب تم میں سے کسی سے سوء ظن کا ارتکاب ہو جائے تو بس اسکو اسی حد پر رکھے حقیقت اور واقعہ نہ یقین کرے اسیطرح سے جب تم حسد کرو تو اسمیں حد سے نہ بڑھ جاؤ۔ اور جب کسی کام کے وقت شگون بد کا خطرہ قلب پر آوے تو اس کام کو ہرگز نہ ترک نہ کرو۔ تو دیکھئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو ان امور سے خلاصی کی صورت تلقین فرمائی مگر سب لوگوں کو اسکا حکم نہیں فرمایا کہ ان رذائل ثلثہ (یعنی حسد شگون بد اور سوء ظن) کے ازالہ کیلئے مجاہدۂ نفس کریں اسطرح پر کہ نفس ایسا ہو جائے کہ اسمیں حسد وغیرہ نام کو بھی باقی نہ رہ جائے تب اگر مجاہدہ سے مراد یہی ہے کہ نفس کو بدفالی میں مثلاً کام کرگذرنے پر مجبور کیا جائے اور سوء ظن میں مثلاً یہ کہ یقین اور تحقیق کی حد سے اسکو روکا جائے نیز زبان پر لانے سے پرہیز کیا جائے اور حسد کے وقت مثلاً حد سے تجاوز کرنے سے اسکو باز رکھا جائے۔ تب تو ظاہر ہے کہ (عام ہی ہوگا مگر اہل طریق کے یہاں اسکا نام مجاہدہ نہیں ہے) اور گر مراد یہ ہے کہ ان رذائل کو عقل اور شرع کی سیاست کے تحت اسطرح سے دبا دیا جائے کہ وہ پھر بالکل مضمحل ہو جائیں تو اسکی تعمیم میں یقیناً حرج ہے۔ بالخصوص جبکہ ارباب طریق یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس نوع کا مجاہدہ بدون مرشد کامل کے ممکن بھی نہیں ہے اور یہ معلوم ہے کہ شیخ کامل فی زمانہ معدوم یا کالمعدوم ہے پھر اس صورت میں تو یعنی یہ کہ ایک شئی فرض بھی ہو اور اسکا موقوف علیہ معدوم یا کالمعدوم ہو امت کا گمراہی میں پڑ جانا لازم آجائیگا۔ انتہی منہ ۱۲

ص (قولہ علماء الملۃ والدین) جن حضرات علماء نے اسکے فرضیت کی تصریح فرمائی ہے ان میں ایک حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی رح بھی ہیں چنانچہ انھوں نے اسکی فرضیت پر اسطرح استدلال فرمایا ہے کہ دیکھو! اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب عزیز میں توکل شکر۔ صبر اور اخلاص وغیرہ کا حکم اسی طرح سے فرمایا ہے جسطرح سے کہ نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ اور حج کا حکم دیا ہے تو جب ان تمام ہی امور کا آمر ایک ذات (رب واحد) ہے تو یہ سب ہی چیزیں فرض ہونگی (کیونکہ کسی ذات کا ایک حکم تو ضروری ہو اور دوسرا حکم ضروری نہ ہو اسکے کوئی معنی نہیں) نیز اعمال ظاہرہ کا بھی تعلق اعمال باطنہ سے ہے انہیں کی وجہ سے وہ اعمال ظاہری سب صحیح یا فاسد ہوتے ہیں جیسے اخلاص۔ ریا اور عجب وغیرہ تو جو شخص اعمال باطنہ ہی کو نہ جانے گا اور اسکو نہ جانے گا کہ اعمال ظاہرہ کو کیونکر مفسدات سے محفوظ رکھا جاتا ہے تو اس کے اعمال ظاہری بھی بہت کم ہی صحیح ہوں گے۔ (اس سے بھی ضرورت اعمال باطنہ کی معلوم ہوئی۔

انتہی منہ ۱۲

ولما منّ الله تعالى عليّ وله الفضل الجزيل والثناء الحسن الجميل بسلوك الطريقة العلية الخلوتية على يد المرشد الكامل والعارف الواصل شيخ الشيوخ ومعدن الاسرار والرسوخ مربي المريدين بالحال والمقال وموصل السالكين الى درجات الكمال سيدي واستاذي وقدوتي الى الله تعالى وملاذي سيدنا الشيخ محمد رشيد الموقت في الجامع الكبير المنصوري في بلدنا طرابلس الشام عليه رحمة الملك السلام تحفني رحمه الله تعالى بكتاب الجواهر المكية في السير والسلوك على طريقة السادة الخلوتية الذي الفه شيخه العارف بالله تعالى سيدي السيد الشيخ ابو حامد القصبي بمكة المكرمة في سنة ثلث وثلاثين ومائتين والف من هجرة من خلقه الله تعالى على اكمل وصف ❊

اور جب کہ اللہ تعالیٰ نے اس ناکارہ پر فضل فرمایا اور اسکے تو بڑے ہی الطاف و کرم ہیں اور اسکے ہی لئے ثنائے جمیل ہے وہ فضل یہ کہ طریقہ علیہ خلوتیہ پر مجھے سلوک طے کرنے کی توفیق عطا فرمائی چنانچہ میں مرشد کامل، عارف واصل شیخ الشیوخ کے ہاتھ پر بیعت ہوا جو اسرار و رسوخ کے خزانہ تھے، مریدین کی تربیت قول کے ساتھ ساتھ حال سے بھی فرماتے تھے اور سالکین کو درجہ کمال تک پہونچانے والے تھے یعنی میرے سید اور استاذ۔ اور خدا تعالیٰ کی راہ میں میرے رہبر اور رہنما اور میرے ملجا و ماویٰ سید شیخ محمد رشید ان پر اللہ مَلک سلام کی رحمت ہو۔ اور جو ملک شام میں ہمارے شہر طرابلس کی جامع مسجد کے امام تھے ایسے مقتدا مسلک پر حضرت مرشدی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے کتاب "الجواهر المكية في السير والسلوك على طريقة السادة الخلوتية" کا تحفہ عطا فرمایا جسکو کہ حضرت عارف باللہ تعالیٰ سیدی سید الشیخ ابو حامد قصبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مکہ مکرمہ میں سوقت تالیف فرمایا تھا جبکہ اس ذات والا صفات کو جسے اللہ تعالیٰ نے اکمل ترین وصف سے متصف فرما کر مبعوث فرمایا (تھا) ہجرت فرمائے ہوئے بارہ سو تینتیس سال گذر چکے تھے

---

۵۱ قولہ الشیخ حسن ابو حامد قصبیؒ، یہ ایک صادق الانفاس، صاحب خرق و کرامات بزرگ تھے۔ اور حسینی سید تھے۔ آپ کو اپنے جد امجد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار سے یہ بشارت ملی تھی کہ جو ان سے مصافحہ کریگا یا ان سے مصافحہ کرنے والوں سے مصافحہ کریگا اسی طرح سے سلسلہ تا قیام قیامت۔ وہ جنتی ہوگا۔ آپ مصر کے ایک شہر میں جس کا نام قصبہ تھا مدفون ہوئے آپ کی جائے ولادت بھی بہت بابرکت تھی لوگ دور دراز سے اس کی زیارت کے لئے جاتے تھے۔ اور آپ کے بعد آپ کی اولاد بھی بہت مشہور و مقبول ہوئی جن میں دو حضرات پر جذب کا غلبہ تھا۔ ایک سید حسن اور دوسرے سید حامد۔ اور آپ کے ایک تیسرے صاحبزادے سید امام بھی تھے جو علم و فضل میں طلبا کے بڑے شخص شمار ہوتے تھے آپ کا مکان لوگوں کیلئے زیارت گاہ تھا بلکہ حقیقت میں وہ سید بدوی کا مہمان خانہ درلنگر خانہ تھا۔ حضرت شیخؒ کی سب ہی اولاد امیر اور مالدار ہوئی ہے حالانکہ شیخ حسن قصبی نے اپنے بعد ان ورثہ کیلئے صرف ستر و قرش (تقریباً سوا روپیہ) نقد چھوڑا تھا وہ بھی ایام بیماری میں ان کے پاس کہیں سے آگئے تھے۔ اس واقعہ کی اطلاع مجھے ان کے صاحبزادے سید امام نے دی۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۱۲ منہ

فوجدته كتاباً فائقاً في هذا
الباب موضح الطريق لجميع الطلاب
الا انه كان باقياً في مسودة المؤلف
بيض الله تعالى صحائفه وكان لم يجد
ذلك وقتاً لاعادة النظر فيه فاذن لاستاذنا
الموحى اليه ان يصلح فيه ما شاء وكان الموحى
اليه لم يجد وقتاً ايضاً لتهذيبه واعادة
النظر فيه فناولنيه بعد ما اكملت
السلوك وامرني بتهذيبه وترتيبه
وكان ذلك في عام خمس وسبعين
وبحسب امره ضممت اليه بعض
زيادات مزجتها مع الاصل وجمعت
فيه جميع ما حضرني من الفوائد
السنية التي لقطتها من كتب القوم
ورتبته على الترتيب الآتي وبقي في
مسودة مدة سنين الى ان من الله
تعالى علي في هذه السنة التي هي
سنة احدى وثلث مائة والف بالايواء
حرمه والوقوف بابواب كرمه فنظرت
مرة في بعض الاوراق المتروكة
في زوايا النسيان فعثرت على مسودة
مذكورة ثم سمعت بعضها للعالم
العامل والفاضل الكامل الشيخ محمد بن
علي الكتاني نزيل مكة المكرمة فاستحسنها
واستجادها والح على تبييضها ونشرها

میں نے جب اس کتاب کو دیکھا تو اسے تمام سالکین
راہ اور طالبین طریق کے لئے ان کے مقصد کے حصول میں
نہایت کامیاب واضح اور جملہ کتب پر فائق پایا۔ لیکن افسوس
یہ کہ وہ ہنوز مولف کے مسودہ ہی میں تھی (اللہ تعالیٰ ان کے
صحائف اعمال کو روشن فرمائے) معلوم ایسا ہوتا ہے کہ حضرت
مولفؒ کو اب تک اس پر نظر ثانی فرمانے کا کبھی موقع نہ مل سکا تھا چنانچہ
انھوں نے ہمارے استاذ (شیخ محمد رشیدؒ کو) جن کا تذکرہ اوپر آچکا ہے
اجازت دی کہ وہ اس پر نظر ثانی کر کے مناسب اصلاح دیدیں۔
مگر استاذ رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اس کی تہذیب اور اس پر نظر ثانی کرنے
کا موقع نہ ملا اسلئے انھوں نے میری تکمیل سلوک کے بعد وہ مسودہ مجھے
عطا فرمایا اور حکم دیا کہ تم اسکی ترتیب تہذیب کا کام انجام دو۔ یہ
واقعہ ۱۲۷۵ھ کا ہے۔ چنانچہ میں نے حسب ارشاد حضرت مرشدی رح
اصل کے ساتھ ساتھ کچھ اضافات بھی کر دیئے اور جو فوائد نفیسہ کہ
بروقت مجھے مستحضر تھے یا جنکو کہ میں نے کتب قوم سے اخذ کیا تھا
ان کو بھی اس میں شامل کر دیا۔ اور میں نے اسکو اس ترتیب سے مرتب
کیا ہے جسکی تفصیل آگے آرہی ہے۔ پھر میرے پاس کبھی یہ مسودہ سالوں
پڑا رہا یہانتک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اپنا فضل وکرم فرمایا اور امسال
کہ یہ سن ۱۳۰۱ھ ہے مجھے اپنے حرم میں حاضری کی توفیق بخشی اور اپنے
باب کرم پر باریابی نصیب فرمائی چنانچہ ایک دن (اتفاقاً) میں نے
بعض ان کاغذات پر نظر ڈالی جو کہ طاق نسیان پر رکھے ہوئے تھے
ان میں یہ مسودہ مجھے مل گیا —————— تو پھر
میں نے اس کا کچھ حصہ عالم باعمل۔ فاضل باکمال شیخ محمد بن علی
کو سنایا جو وارد مکۃ المکرمہ تھے۔ انھوں نے اسے بہت پسند کیا اور اسکی
بہت تحسین فرمائی۔ اور مجھ سے اصرار کیا کہ (جلد) اسکو صاف
کرو اور اس کی اشاعت کرو۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے

رجاءَ ان الله تعالیٰ ينفع بها الراغبين في سلوك طريق المقربين فما كان الا ان شرح الله تعالیٰ صدري لذلك فشرعت تبييضها تجاه الكعبة المعظمة كما بدئ اصلها وضممت اليها زيادات سنية خطرت لي الآن وقد كنت اردت ان انشرها من دون ذكر اسمي فيها استقصاراً لنفسي عن مسامتة العارفين بالتاليف في هذا الفن فأبى الشيخ المؤما اليه وقال ان الكتاب الذي لم يذكر فيه اسم مؤلفه لا يعتمد عليه بناءً عليه صرحت باسمي فيه وانا منكس الرأس حياءً وذكرت القصة بتمامها واسئل الله ان يجعله خالصًا لوجهه الكريم وان ينفع به عباده المؤمنين وان لا يجعل حظي من هذه الطريقة وصفها للمدلجين دون السير في جملتهم انه البر الرحيم وسميته ترصيع الجواهر المكية في تزكية الاخلاق المرضية۔

ذریعہ سے مقربین کے طریق میں رغبت کرنے والوں کو نفع عظیم عطا فرما دیں گے۔ میں انھیں حالات سے گذر رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لئے میرا بھی شرح صدر فرما دیا۔ چنانچہ میں نے بیت اللہ کے مواجہ ہی میں اس کی تبییض شروع کر دی۔ جس طرح سے کہ اس کے اصل کی بھی ابتدا یوں ہی ہوئی تھی۔ اور میں نے اس اصل میں کچھ بیش بہا اضافات بھی کر دیے ہیں۔ جو بروقت میری سمجھ میں آئے۔ اور میرا تو ایک خیال یہ بھی تھا کہ میں اسکی اشاعت بدون اظہار نام ہی کے کرونگا۔ حصماً نفسی یعنی اپنے آپ کو اس بات سے کمتر تصور کرتے ہوئے کہ میں بھی ان عارفین حضرت کے زمرہ میں گنا جاؤں جو اس فن میں تالیف وتصنیف کے واقعی اہل ہیں مگر انھیں شیخ مذکور (یعنی شیخ محمد بن علی کنانی) نے مجھے اس سے منع کیا اور یہ فرمایا کہ جس کتاب پر مؤلف کا نام نہیں درج ہوتا وہ درخور اعتنا نہیں سمجھی جاتی اور نہ اس پر کوئی اعتماد کرتا ہے! چونکہ یہ مصلحت معقول تھی، اس لئے میں نے اپنا نام لکھنے کو تو لکھ دیا مگر مارے شرم کے سرنگوں بھی ہو گیا میں نے جو تفصیل تھی من وعن بیان کر دی اور اب حق تعالیٰ شانہٗ سے درخواست کرتا ہوں کہ اس تالیف کو خالص اپنے وجہ کریم کیلئے بنادیں اور اسکے ذریعہ سے اپنے مومنین بندوں کو نفع پہونچائیں۔ اور یہ دعا ہے کہ میرا نصیب اس طریقۂ صوفیہ سے صرف اسکو نہ فرما دیں کہ میں دوسرے چلنے والوں کو بس بتا دوں اور خود سیر وسلوک میں انکا ہمراہی نہ ہوں! العیاذ باللہ، بلاشبہ اللہ تعالیٰ حسن معاملہ والے اور رحیم ہیں۔ اور میں نے اس تالیف کا نام ترصیع الجواہر مکیہ فی تزکیۃ الاخلاق المرضیہ رکھا۔

وهذا اوان الشروع في المقصود بعون الملك المعبود۔

اچھا اب مقصود کا بیان کرتا ہوں اور اس سلسلہ میں اللہ ملک معبود کی امداد کا طالب ہوں۔

(کتاب ہٰذا دس ابواب اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے)

الباب الاول فی طلب المرشد وعلامتہ وبیان الادب اللازم معہٗ

پہلے باب میں تلاش مرشد۔ شیخ کامل کی پہچان اور آداب مشائخ کا بیان ہے۔

الباب الثانی فی ادب المرید فی نفسہ۔

دوسرے باب میں مریدین کے ان آداب کا ذکر ہے جو خود ان کی ذات سے متعلق ہیں۔

الباب الثالث فی ادب المرید معہ اخوانہ۔

تیسرے باب میں اپنے اخوان الطریق (پیر بھائیوں) کے آداب کی تفصیل مذکور ہے۔

الباب الرابع فی المقام الاول۔ — چوتھا باب مقام اوّل کے بیان میں ہے۔

الباب الخامس فی المقام الثانی۔ — پانچواں باب مقام دوّم کے بیان میں اور

الباب السادس فی المقام الثالث — چھٹا باب مقام سوّم کے بیان میں اور

الباب السابع فی المقام الرابع۔ — ساتواں باب مقام چہارم کے بیان میں اور

الباب الثامن فی المقام الخامس۔ — آٹھواں باب مقام پنجم کے بیان میں اور

الباب التاسع فی المقام السادس۔ — نواں باب مقام ششم کے بیان میں اور

الباب العاشر فی المقام السابع۔ — دسواں باب مقام ہفتم کے بیان میں ہے۔

اور

(الخاتمہ) فی بعض اوراد الطریق وحکم ذلک الفریق۔ فاقول وباللہ التوفیق۔

خاتمہ میں طریق کے بعض اوراد اور وظائف کا بیان ہے۔ نیز اس فریق (یعنی اہل سلوک والطریق) کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کی توفیق کے سہارے اب (اس اجمال کی تفصیل) بیان کرتا ہوں۔

الباب الاول فی طلب المرشد وعلامته وبیان الادب اللازم معہٗ

(باب اول - تلاش مرشد - علاماتِ شیخ کامل اور آدابِ مشائخ کے بیان میں)

اعلم ارشدک اللہ تعالیٰ ان الحکمۃ[۵] فی خلق العالم انما ھی معرفۃ اللہ تعالیٰ ففی الحدیث القدسی کنت کنزاً مخفیاً[۶] فاجببت ان اعرف فخلقت الخلق لیعرفونی. وقال تعالیٰ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون

قال بعض المفسرین ای لیعرفونی وکانہ فسر العبادۃ بغایتہا المرتبۃ علیہا وحکمتہا المقصودۃ منہا التی ھی المعرفۃ من حیث ان اعمال الجوارح وسیلۃ لاصلاح وانارۃ القلوب بحکم ارتباط الظاہر بالباطن واذا استنارت القلوب حصل الکشف والمعرفۃ فاصلاح القلوب

سنو! (اللہ تعالیٰ تم کو نیک راہ کی ہدایت فرمائے) عالم کی تخلیق میں حق تعالیٰ کی حکمت و مصلحت اور اس سے مقصود صرف اپنی معرفت[۵] تھی چنانچہ حدیث قدسی میں ہے کہ میں ایک مخفی خزانہ تھا میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں تو میں نے مخلوق کو پیدا کیا تاکہ لوگوں کو میری معرفت حاصل ہو۔ نیز حق تعالیٰ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ میں نے جن اور انس کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔

چنانچہ بعض مفسرین نے اس موقع پر عبادت کی تفسیر معرفت ہی سے فرمائی ہے۔ تو گویا یہ ایک شے کی تفسیر اسکی ایسی غایت سے کرنا ہوا جو اس پر مرتب ہونے والی ہے یا یہ کہا جائے کہ یہ شے کی تفسیر اسکی حکمت مقصودہ کے ساتھ کی گئی ہے یعنی معرفت (کہ یہی عبادت کی غایت اور اس کی حکمت ہے) اسلئے کہ اعمال جوارح قلب کے تنور اور باطن کی اصلاح کا ذریعہ ہیں کیونکہ ظاہر کو باطن کے ساتھ ایک ربط خاص حاصل ہوتا ہے لہذا جب قلب منور ہوگیا تو کشف اور معرفت تو اس

---

۵ (قولہ ان الحکمۃ فی خلق العالم انما ھی معرفۃ اللہ تعالیٰ) بعض آثار میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ابن آدم میں نے تمام چیزوں کو تو تیرے لئے پیدا کیا لیکن تجھ کو اپنے لئے پیدا کیا ہے۔ لہذا (دیکھو) ان چیزوں میں مشغول ہوکر جو تیرے لئے پیدا کی گئیں ہیں (کہیں) اس ذات سے غافل نہ ہوجانا جسکے لئے تو پیدا کیا گیا ہے۔ علامہ واسطیؒ ولقد کرمنا بنی آدم الآیۃ کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ کہ بنی آدم کے لئے دنیا و مافیہا کو اس لئے مسخر کردیا کہ وہ کسی شے کو مسخر کرنے کی فکر اور مشغولیت میں نہ پڑے اور اپنے کو بس اپنے رب کی عبادت کے لئے فارغ کرے۔ اسی قبیل سے حق تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی ہے کہ اللہ وہ ذات ہے جس نے تمہارے نفع کیلئے زمین کی سب چیزیں پیدا فرمائیں۔ لہذا جب معاملہ یہ ہے تو بندے پر بھی واجب ہے کہ وظائف عبودیت اور حقوق ربوبیت کو پوری تندہی کے ساتھ ادا کرے۔ ۱۲ منہ

۶ (افادہ) وفی موضوعات کبیر لملا علی القاری حدیث کنت کنزاً الخ قال ابو تیمیہ لیس من کلام النبی علیہ السلام ولا یعرف لہ سند صحیح ولا ضعیف... لکن معناہ صحیح مستفاد من قول تعالیٰ (وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون) ای یعرفون کما فسرہ ابن عباسؓ (ص ۶۲ موضوعات کبیر)

هو المقصود الاعظم ان الله لا ينظر الی صورکم وانما ینظر الی قلوبکم ÷

کے لئے لازم ہے۔ پس (جملہ طاعات وعبادات کا) مقصود اعظم اصلاح قلب ہی ٹھہرا۔ (جیساکہ حدیث میں ہے کہ) اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں (یعنی ظاہر) کو نہیں دیکھتے۔ بلکہ تمہارے قلوب (یعنی باطن) کو دیکھتے ہیں ÷

ثم اعلم ان المعرفۃ المذکورۃ کسبیۃ قال سیدی عبدالغنی النابلسی فی کتابہ الفتح الربانی والفیض الرحمانی ان تحصیل مقام الایمان الکامل کسبی یحصل بمواطاۃ اسبابہ وازالۃ موانعہ واسبابہ الاعمال الصالحۃ لانہ نتیجتہا وموانعہ الاخلاق الردیئۃ

پھر یہ سمجھو کہ یہ معرفت (جس کیلئے اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا) ایک کسبی اور اختیاری شے ہے ہمارے سید عبدالغنی نابلسی نے اپنی کتاب الفتح الربانی والفیض الربانی میں فرمایا ہے کہ ایمان کامل کے مقام کی تحصیل اختیاری ہے۔ یعنی اس کے اسباب کے اختیار کرنے اور موانع کے دور کرنے سے حاصل ہوجاتا ہے۔

اور اس کے اسباب یہی اعمال صالحہ ہیں اس لئے کہ ایمان کامل انہیں سب اعمال کا ثمرہ اور نتیجہ ہے اور موانع اس کے نفوس کے اخلاق ذمیمہ ہیں

فادہ ✲ قولہ واسبابہ الاعمال الصالحۃ (**اقول**) شیخ عبدالغنی نابلسیؒ نے ایمان کامل کے اسباب میں اعمال صالحہ کو فرمایا ہے۔ اور اخلاق ردیہ کو اسکے لئے موانع قرار دیا ہے۔ اور صحبت مشائخ وغیرہ کو اسکے لئے ممد ومعاون فرمایا ہے۔ نہایت عمدہ بات ہے مگر ان ہی کی برکت سے ایک بات میں بھی کہتا ہوں وہ یہ کہ صحبت اہل طریق نہ صرف یہ کہ معاون ہی ہے بلکہ سبب الاسباب ہے یعنی مقام ایمان کامل کی تحصیل کا واحد ذریعہ بزرگان دین کی صحبت ہی ہے چنانچہ اعمال صالحہ جسکو شیخ سبب فرماتے ہیں اسکی توفیق بھی، انسان کو کسی بزرگ کی صحبت ہی سے ہوتی ہے۔ گو اعمال صالحہ سبب قریب ضرور ہیں مگر اسکا بھی سبب صحبت ہی ہے۔ تجربہ اس پر شاہد ہے کہ جس کسی کا بھی حال دینی کچھ درست دیکھا جاتا ہے تو اسی لئے کہ کسی شیخ حقانی سے بلاواسطہ یا بالواسطہ اس کا تعلق ہوجاتا ہے۔

واقعہ تو یونہی ہے تاہم ادباً للشیخ ان کے ارشاد کی بھی توجیہ کرتا ہوں کیونکہ شیخ بڑے آدمی ہیں انھوں نے بھی جو کچھ لکھا ہے وہ سمجھ کر ہی لکھا ہے۔ وہ یہ کہ شیخ کو سبب قرار دینے میں ایک دوسری بڑی خرابی کا اندیشہ تھا یعنی یہ کہ لوگ شیخ ہی کو مقصود بنا لیتے اور حضرات مشائخ بھی اگر ذرا تسامح سے کام لیتے تو مریدین سے صرف اپنے ہی ساتھ اعتقاد اور اپنی خدمت کا مطالبہ کرتے اور ذریعہ کو مقصد اور راہ کو منزل سمجھ لیا جاتا، اور ظاہر ہے کہ طالب حق کیلئے اس سے بڑھ کر کوئی فتنہ نہیں کہ وہ طریق ہی میں الجھ جائے اور مقصود سے محروم رہجائے جیساکہ اس زمانہ میں مشاہد ہے کہ لوگوں نے مشائخ ہی کو مقصود بنالیا ہے اور طریق سے بہت دور ہوگئے ہیں ان کے حالات اور مشائخ کے ساتھ ان کے معاملات کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ شیخ ہی انکا قبلۂ مقصود ہے اللہ تعالیٰ مشائخ زمانہ پر رحم فرمائے بہت کم لوگ ان میں ایسے ہیں جنکو مریدین کی اس گمراہی کا غم ہو اور اس سے نکالنے کی فکر ہو عام حالات تو یہی ہیں کہ مریدین کے تابع اور ان سے مغلوب ہوکر رہ گئے ہیں اور بالکل اس کے مصداق ہوگئے ہیں جیساکہ شیخ اکبرؒ نے اپنے وقت میں فرمایا تھا کہ قد رأینا شیوخاً ماسقطوا یعنی ہم نے بہت سے مشائخ کو دیکھا جو اپنے مرتبہ سے ساقط ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مثلاً ریا۔ سمعہ۔ عجب اور اسی طرح کے اور دوسرے رذائل۔ اور جو چیزیں کہ ایمان کامل کی تحصیل میں معین ہیں منجملہ ان کے اہل اللہ کی صحبت ان کی خدمت۔ ان کا احترام۔ آن کے اعتقاد میں اخلاص اور اس امر کا یقین کرنا ہے کہ یہ حضرات آثار الٰہیہ ہیں۔ مؤثر بالذات نہیں ہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی زمین میں اس کے خزانے ہیں جن میں اس نے اپنے اسرار ودیعت فرما رکھے ہیں چنانچہ وہی ان کے دروازوں کو جس کے لئے چاہتے ہیں اپنی عنایت کی کنجی سے کھول دیتے ہیں اور جس کے لئے چاہتے ہیں بند رکھتے ہیں۔	نحو فی النفوس کالریاء والسمعة والعجب ونحو ذلك. وما یعین علی تحصیل صحبة اهله وخدمتهم واحترامهم والاخلاص فی اعتقادهم والقطع بانهم آثار الهیة لا تأثیر لهم البتة وانما هم خزائن الله تعالیٰ فی ارضه اودع فیهم اسراره وهو الذی یفتح ابوابهم بمفاتیح عنایته لمن شاء ویغلق ابوابهم عمن یشاء۔
اسی طرح سے ایک اور چیز جو ایمان کامل کی تحصیل میں معین ہے وہ ان مشائخ کی تصنیفات کا احترام کرنا ہے جو کہ سلوک وطریقت کے امام ہیں۔ (شیخ نابلسیؒ کا کلام تمام ہوا)	ومما یعین علی ذلك تعظیم مؤلفات[ف] المشائخ ارباب السلوك انتهی۔
میں کہتا ہوں کہ جملہ عارفین کا اس بات پر اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت نفس کی معرفت پر مرتب ہوتی ہے۔ پس جس نے اپنے	اقول قد اجمع العارفون علی ان معرفة الله تعالیٰ مترتبة علی

ف (قولہ تعظیم مؤلفات المشائخ الخ) مثلاً امام غزالیؒ کی احیاء العلوم یا شیخ کبریؒ کی شرح الفیہ تصوف یا اسی طرح کی اور دوسری کتابیں (اور ان سے ایمان کامل کی تحصیل اس لئے ہوتی ہے کہ) یہ اللہ تعالیٰ کے لشکروں میں سے ایک ایسا لشکر ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سالک کی تقویت فرماتے ہیں اور اس کو ثابت قدم رکھتے ہیں۔ دیکھو حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ وکلاً نقص علیك من انباء الرسل الآیۃ اور ہم پیغمبروں کے قصوں میں سارے مذکورہ قصے آپ سے بیان کرتے ہیں ان کے ذریعہ سے ہم آپ کے دل کو تقویت دیتے ہیں۔ اور ہمارے استاذؒ نے ہم کو یوں تو ایام سلوک میں حضرات صوفیہ کی بہت سی عمدہ عمدہ کتابیں عطا فرمائیں اور میں نے ان سے نفع بھی حاصل کیا لیکن مذکور الصدر دو کتابوں (احیاء اور شرح الفیہ) سے سب سے زیادہ مجھے فائدہ ہوا۔ باقی تصوف کی مغلق اور مشکل جو کتابیں ہیں مثلاً فتوحات۔ فصوص الحکم یا الانسان الکامل وغیرہ تو ان کا مطالعہ غیر اہل کے لئے جائز ہی نہیں ہے۔ ۱۲ منہ

معرفة النفس فمن عرف نفسه[۵] فقد عرف ربه۔	نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ اور معرفت نفس مرتب ہوتی ہے اس امر پر کہ اللہ تعالیٰ ہی اپنی معرفت تم کو کرا دیں۔
ومعرفة النفس مترتبة علے تعرف اللہ تعالیٰ الیك والتعرف المذکور مترتب علی العلم الوھبی الغیبی والعلم الوھبی الغیبی مترتب علی العلم والعمل معًا من عمل بما یعلم ورثہ اللہ علم ما لم یعلم وعلے تطھیر القلب من الاخلاق الردیئة وتطھیر القلب من الاخلاق المذکورة التی ھی امراض معنویة موقوفٌ علے المداواة والمعالجة من طبیب القلوب الذی ھو المرشد الکامل۔	اور حق تعالیٰ کی معرفت مرتب ہوتی ہے علم وھبی غیبی پر (یعنی انھیں کی جانب سے۔ عالم غیب سے بندہ کو ایک علم عطا ہوتا ہے جس سے وہ اپنے نفس کو پہچان لیتا ہے) اور علم وھبی غیبی مرتب ہوتا ہے علم و عمل پر چنانچہ جو شخص اپنی جانی ہوئی بات پر عمل کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکو نہ جانی ہوئی بات کا بھی علم عطا فرما دیتے ہیں اور جس طرح سے علم وھبی علم و عمل پر موقوف ہے اسی طرح سے اپنے قلب کو اخلاق ردیہ سے پاک کرنے پر بھی موقوف ہے اور قلب کی تطہیر ان اخلاق رذیلہ سے کہ در اصل وہ معنوی اور باطنی امراض ہیں موقوف ہے۔ قلوب کے طبیب (یعنی طبیب روحانی) سے معالجہ کرانے پر۔ اسی طبیب کو مرشد کامل کہا جاتا ہے۔
وھو انسان کامل لہ ملکة روحانیة یقتدر بھا علی ملاطفة النفوس الناقصة من العوارض التی کتسبھا من قالبھا الجسمانی حتی	اور مرشد اس انسان کامل کو کہتے ہیں جسے ایک ایسا روحانی ملکہ حاصل ہو جسکے ذریعہ سے وہ ان نفوس کے ساتھ رفق و نرمی کرکے انکی اصلاح کر سکے جو کہ بالکل خراب ہو چکے ہوں ان عیوب کے ساتھ اتصاف کی وجہ سے جس کو ان نفوس نے اپنے جسمانی قالب سے حاصل کیا ہے۔

(فصل ۱ در تعریف مرشد کامل و ذکر بعض صفات المرشد — margin note, uncertain reading)

---

[۵] (قولہ فمن عرف نفسہ) نتائج اسرار میں جو کہ سید مصطفےٰ عروسی کی تصنیف ہے۔ اس قول کی شرح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جس نے اپنے نفس کو اور اس کی صفات کو پہچانا اور یہ جانا کہ وہ سب حق تعالیٰ اور اس کی صفات کے آثار ہیں۔ اور اس کے اسماء اور صور کا پرتو ہیں۔ یعنی جس نے یہ جان لیا تو اس نے حق کو پہچان لیا۔ مطلب یہ کہ جس نے ان باتوں کو ذوق اور شہود کے ساتھ جانا دلیل و برھان کے ذریعہ سے نہیں کیونکہ یہ تو علماء رسوم کا طور علم ہے۔ اس کا حاصل یہ ہوا کہ حق تعالیٰ کے ماسوا جتنی چیزیں ہیں وہ سب حق تعالیٰ ہی کے آثار ہیں جو کہ اسی کے افعال سے ناشی ہیں تو جس نے اس بات کو کشفًا اور ذوقًا سمجھ لیا جیسا کہ وحدت افعال کی بحث میں اسکی کچھ تفصیل آئیگی تو گویا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ انتہی ۱۲ منہ

تتشاکل مع نفسہ باللطافۃ والاعتدال وتصیر قابلۃ لتلقی الواردات الالہیۃ وھذہ الملکۃ ھی علم السلوک وھو علم یعرف بہ احوال النفس وعوارضہا الذاتیۃ اجمالاً وتفصیلاً وکیفیۃ معالجتہا وثمرتہ تصفیۃ القلب من الشوائب والاکدار وتحلیتہ بالمعارف والاسرار وبیان ذلک ان حقیقۃ الانسان التی کان بہا انساناً وممتازا بہا عن سائر الحیوانات انما ھو القلب۔ وھو لطیفۃ ربانیۃ تقوم بہا العلوم الضروریۃ والنظریۃ، وھو الامیر الحاکم علی اعضاء الجسد لا یستطیع عضو منہا مخالفتہ۔

وھذہ اللطیفۃ مفطورۃ علی قبول الخیر والشر کالمرأۃ[۵] ای شیئ قابلتہ انطبع فیہا۔ ثم ادخلہا اللہ تعالیٰ فی ھذا الجسم الانسانی ولما کان الجسم محتاجاً

یہاں تک کہ وہ عیوب لطافت اور اعتدال میں نفس کے ہم شکل ہوگئے ہوں اور ان میں واردات الہیہ کے اخذ کرنے کی قابلیت بھی پیدا ہوچکی ہو اور یہی ملکہ (جسکے صاحب کو شیخ کامل کہتے ہیں) علم سلوک کہلاتا ہے اور وہ ایک ایسا علم ہے جس کے ذریعہ نفس کے احوال اور اس کے عوارض ذاتیہ کا علم اجمالی اور تفصیلی ہر دو طور پر ہوتا ہے اور انکے امراض کے علاج کا طریقہ معلوم ہوتا ہے۔ غایتہ اس کی قلب کا شوائب اور کدورت نفسانیہ سے پاک صاف ہونا اور اسرار و معارف الہیہ سے آراستہ ہونا ہے۔ اس کی توضیح یوں سمجھئے کہ انسان کی حقیقت جسکی وجہ سے اسکو انسان کہا جاتا ہے اور جسکی وجہ سے وہ تمام حیوانات سے ممتاز ہوتا ہے وہ قلب ہے اور وہ ایک ایسا لطیفۂ ربانیہ ہے جس میں علوم ضروریہ اور نظریہ موجود ہوتے ہیں۔ اور یہی جسم کے جملہ اعضا پر امیر اور حکمراں ہوتا ہے چنانچہ جسم کا کوئی عضو اس کی مخالفت پر قادر نہیں ہوتا۔

اور اس لطیفہ میں فطری طور سے شر اور خیر دونوں کی قبولیت کا مادہ رکھا گیا ہے جیسا کہ آئینہ کہ جس چیز کو بھی اس کے بالمقابل رکھو گے اسکا عکس اس میں آجائیگا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس لطیفۂ ربانیہ (یعنی قلب) کو انسان کے جسم میں رکھدیا اور جسم بھی چونکہ اپنی بقا کے

ایضاً فی تعریف النفس الذی اختص بالانسان

(قولہ کالمرأۃ ۵) اور یہ انعکاس بواسطہ روح حیوانی کے ہوتا ہے توضیح مقام یہ ہے کہ لطیفۂ مذکورہ تو غایت درجہ لطیف ہوتا ہے اور جسم درجہ کثیف ہے۔ اور روح حیوانی لطافت اور کثافت میں بین بین ہے اسی لئے یہ روح لطیفۂ مذکورہ اور جسم کے درمیان واسطہ بنجاتی ہے۔ اور یہ روح حیوانی بہ سبب اپنی کثافت کے اس کثیف اور حسی شے کے مانند ہوجاتی ہے جسکے ذریعہ شیشہ کے دو جانبوں میں سے ایک جانب مسالہ لگا دیا جائے تاکہ تم دوسری جانب اپنی صورت دیکھ سکو پس اسکی وجہ سے وہ لطیفۂ مذکورہ دو جہت والا ہوجاتا ہے۔ ایک جہت تو عالم حس اور شہادت کی جانب ہوتی ہے اور دوسری جہت عالم غیب کی طرف۔ اب اگر یہ زنگ بہ ریاضت و مجاہدہ کیوجہ سے صاف ہوگیا اور بالکل زائل ہوگیا تو وہ ایک روحانی ملک (فرشتہ) ہوجاتا ہے اور اسکی توجہ فقط عالم غیب ہی کی طرف ہوجاتی ہے جیسا کہ بعد موت کے ہوگا۔ اور اگر عالم شہادت کی طرف متوجہ ہوا اس طور پر کہ وہ عالم قدس کو بھول ہی گیا تو جو خصوصیات اس کے اندر تھیں ان سے محجوب اور محروم ہوکر بالکل حیوان بن جاتا ہے۔ اور اگر ان دونوں عالموں میں سے کسی ایک کی طرف ایسی توجہ کی کہ اس کے غیر سے ذہول نہ ہوا تو پھر انسان کامل ہوجاتا ہے۔ انتہی ۱۲ منہ

للغذاء لاجل بقاءه ومحتاجا الى دفع المؤذيات
عنه خلق فيها جندين معينين على
ذلك وهما الشهوة والغضب. ثم خلق
خلقين وسلطهما على القلب وهما
الملك والشيطان. فالشيطان يحرش
الشهوة والغضب للطغيان واستخدام تلك
اللطيفة لتحصيل غرضيهما وطغيان
تينك القوتين هو المسمى نفسا المامور
المكلف بقهرها وردها الى حد الاعتدال
بحيث لا تنبعث الا على وفق الشرع
فى وقت الحاجة وليس للشيطان
طريق للقلب الا من طريق النفس
التى هى طغيان تينك القوتين
واما الملك فناصح يأمر بالخير ويعده
وينهى عن طاعة الشيطان

والحاصل ان الانسان باعتبار
نشأته عنصرية قد اجتمع فيه اربعة
اشياء وهى الصفات السبعية
والبهيمية والشيطانية والروحانية
فهو من حيث سلطت عليه الشهوة
يكون له افعال البهائم ومن حيث
سلط عليه الغضب يكون له افعال
السباع ومن حيث سلط عليه الشيطان
بواسطة تينك الصفتين يكون له
الافعال الشيطانية من حب الشر والقهر
والغلبة والمكر والخديعة ومن

لئے غذا کا محتاج تھا اور اس کو خود اپنے سے موذی چیزوں کا رفع
کرنا بھی ضروری تھا اس لئے حق تعالیٰ نے جسم میں اس کام
کے لئے دو لشکروں کو پیدا کیا اور وہ شہوت اور غضب ہے پھر
(اسکے لئے) دو مخلوق مزید پیدا فرمائی ایک فرشتہ دوسرے شیطان
اور ان دونوں کو قلب پر مسلط فرمایا۔ پس شیطان شہوت اور غضب
کو طغیان اور سرکشی کے لئے بھڑکاتا رہتا ہے اور ان کی خواہش ہوتی
ہے کہ یہ دونوں اس لطیفہ کو اپنی اپنی غرض حاصل کرنے میں استعمال کریں چنانچہ
انھیں دونوں قوتوں کے طغیان کا نام نفس ہے جسکے مقہور کرنے کا انسان
مکلف اور مامور ہے نیز اسکا مامور ہے کہ اسکو اس طور سے اعتدال پر
رکھے کہ ان میں جوش اور ابھار ہی نہ پیدا ہو سوائے اسکے کہ وہ جوش حدود
شرع کے اندر ہو اور بوقت حاجت (اور بقدر حاجت) ہو اور شیطان کیلئے
قلب تک پہنچنے کا کوئی راستہ ہی نہیں ہے بجز نفس کی راہ کے کیونکہ نفس انہیں
دونوں قوتوں کے طغیان کا نام ہے (جو کہ شیطان کا میدان کارزار ہے) اور
رہا ملک تو وہ تو انسان کے حق میں ناصح اور خیر خواہ ہے اسکو خیر ہی کا حکم کرتا
ہے اور اسی پر آمادہ کرتا ہے اور شیطان کی طاعت سے منع کرتا ہے۔

حاصل یہ کہ انسان میں اسکے جسمانی تخلیق کی رو سے چار چیزیں یکجا
طور پر پائی جاتی ہیں۔ اور وہ اس کی صفت سبعیت (یعنی درندگی) حیوانیت
شیطانیت اور روحانیت ہے چنانچہ شہوت کے موجود ہونیکی وجہ سے
اس سے بہائم یعنی جانوروں کے سے افعال صادر ہوتے ہیں اور غضب کے
پائے جانیکی وجہ سے اس سے درندوں جیسے افعال کا صدور ہوتا ہے۔ اور اس
وجہ سے کہ اس پر شہوت اور غضب کے واسطہ سے شیطان کا تسلط ہو جاتا
ہے اس سے شیطانی افعال بھی صادر ہوتے رہتے ہیں مثلاً شر اور
برائی کو پسند کرنا۔ قہر اور غلبہ چاہنا۔ مکر و خداع وغیرہ کرنا۔
اور فرشتہ کے تسلط کے سبب سے اس سے ملکی افعال اور
روحانی کمالات صادر ہوتے ہیں۔ (اس طور پر وہ گویا ان

حيث سلط عليه الملك يكون له الافعال الملكية والكمالات الروحانية ‌+

ساری صفات کا جامع ہوتا ہے۔

ثم انه بحكمة الله تعالى سبقت صفتا الغضب والشهوة ظهور نور العقل في الانسان فانس الطبع بالجري على مقتضاهما۔

پھر بہ مقتضائے حکمت حق تعالیٰ (جل شانہٗ) یہ دونوں صفتیں یعنی غضب اور شہوت انسان کے اندر نور عقل کے ظہور سے پہلے ہی پیدا ہوجاتی ہیں جسکی وجہ سے طبیعت انسانی (قبل اسکے کہ اسے عقل کی روشنی ملے) ان صفات کے تقاضے پر عمل پیرا ہونیکی خوگر اور اس سے مانوس ہوجاتی ہیں۔

ولما اشرق نور العقل وتكامل كلف الانسان بمخالفة الشيطان وضبط تينك القوتين الى حد الاعتدال بحيث تكونان تحت سياسة الشرع والعقل لا تتعديان ما حده الله تعالى كالكلب المعلم ان استعداه صاحبه عدا والا فهو رابض هنا معركة الجهاد الاكبر ‌+

اور پھر جب انسان میں یہ نور عقل روشن ہوکر اپنے کمال کو پہونچ جاتا ہے (یعنی وہ عاقل بالغ ہوجاتا ہے) تو حق تعالیٰ کی جانب سے اسکو شیطان کی مخالفت کا اور اپنی ان دونوں قوتوں کو حد اعتدال پر رکھنے کا مکلف قرار دیا جاتا ہے (یعنی اب یہ ضروری ہوجاتا ہے کہ وہ) ان دونوں کو شرع اور عقل کی ماتحتی اور نگرانی میں رکھے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز نہ کرسکیں اور اسطرح سے ہوجائیں جیسے سکھایا ہوا کتا ہوتا ہے کہ جب مالک ہی اسکو شکار پر چھوڑتا ہے تو وہ اسپر حملہ کرتا ہے ورنہ باوجود تقاضائے شکار کے) نہایت شائستگی کیساتھ ٹھہرا رہتا ہے۔ انسان کا یہی معرکۃ جہاد اکبر کہلاتا ہے۔

فان عالج نفسه بما بينه الشرع ووصفه له طبيب الارواح من تقليل الطعام والشراب لتضييق مجاري الشيطان الآمر بطاعتهما واكثر من ذكر الله تعالى وحصن مدينة القلب بحرس اليقظة من مكايده وتلبيساته غلب جند الملك واستقر في مدينة القلب ‌+ وصار الشيطان لا يمر به الا اختلاسا فاذا

اب اگر اس نے شرع کے بتلائے ہوئے طریقے سے اپنے نفس کا معالجہ کیا اور طبیب روحانی کے ارشاد فرمودہ تدابیر کا استعمال کیا مثلاً کم کھانے اور کم پینے کو اپنا معمول بنالیا تاکہ شیطان جو کہ اسکو شہوت اور غضب پر آمادہ کرتا ہے قلب میں اس کے داخلے کا راستہ مسدود ہوجائے یا مثلاً اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کیا اور تیقظ کے پہرہ داروں کو قلب کے شہر پر مقرر کر کے اس کو شیطان کے مکاید اور تلبیسات سے محفوظ رکھا تو اس سے ملکوتی لشکر کو غلبہ ہوگا اور وہ اس کے قلب کے شہر میں قرار پذیر ہوجائے گا۔ اور شیطان کا یہاں گذر نہ ہوگا۔ بجز ایسے کہ جیسے کوئی اُچکا کہیں سے کچھ اُچکتا ہوا گذر جائے (یعنی وہ صرف وسوسہ ڈالنے کے لئے آسکتا ہے بس) تو جب وہ وسوسہ ڈالے گا یہ شخص

وسوس له ذكر الله[ف] فخنس وانصرف ان الذين اتقوا اذا مسهم طائف من الشيطن تذكروا فاذا هم مبصرون۔

وعند الفراغ من هذه المحاربة الشديدة[ف] مع العدو الاكبر يلتفت الطبيب الروحي لتنظيف القلب من اثار اللعين وتهذيب الاخلاق على

ذکر اللہ[ف] میں مشغول ہو جائے گا۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ شیطان وہاں سے ہٹ جائیگا اور چلدیگا دیکھو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ یقیناً جو لوگ خدا ترس ہیں جب انکو کوئی خطرہ شیطان کی طرف سے آجاتا ہے تو وہ یاد میں لگ جاتے ہیں سو یکایک انکی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔

اور جب انسان اپنے عدو اکبر کی اس جنگ عظیم (یعنی جہاد اکبر) سے فارغ ہو جاتا ہے تو پھر طبیب روحانی اسکی جانب متوجہ ہوتا ہے تاکہ اس کے قلب کو شیطان لعین کے بقایا آثار سے بھی پاک وصاف کردے اور عمدہ نہج پر اس کے اخلاق کو سنوار دے اور اس کے قلب کو ان اسباب سے محفوظ رکھے جن سے

(قولہ ذکر اللہ ف) بعض محققین نے فرمایا ہے کہ اس آیت کریمہ میں ذکر اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے سے مراد یہ ہے کہ اس کی وعید اور اس کے عقاب کو یاد کیا۔ دراس بات کو یاد کیا کہ شیطان بُری ہی باتوں کا حکم کرتا ہے تو جب شیطان اسکو انواع معاصی میں سے کسی شے کا (مثلاً زنا کا) وسوسہ ڈالیگا تو اسوقت حق تعالیٰ کے اس عقاب بے سزا کو یاد کریگا جو اللہ تعالیٰ نے زنا کرنے والوں کے لئے تیار کر رکھا ہے۔ پس اسکی وجہ سے شیطان اس کے پاس سے بھاگ جاتا ہے کیونکہ وہ اس سے یہ تو کہہ نہیں سکتا کہ زناکاروں کو کچھ عذاب ہی نہ ہوگا اسلئے کہ جانتا ہے کہ یہ مومن ہے اس پر تو اسکا ایمان ہے اور اسکی تصدیق کرتا ہے۔ اور اس سے یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ ابھی کر بھی لو بعد میں توبہ کرلینا کیونکہ جانتا ہے کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا بھی ہے لہذا شیطان کے بہکانے میں ہرگز نہ آویگا۔ ہاں جو شخص متقی ہی نہ ہوگا وہ ایسا نہ کرسکے گا اور شیطان اسکو اپنے دھوکے بازیوں میں پھنسائے گا اور جھوٹی جھوٹی آرزوؤں میں اسکو لگائے رکھے گا۔ یہی راز ہے جو اسکو متقین کی قید سے مقید کیا گیا ہے۔ انتہی ۱۲ منہ

(قولہ الشدیدۃ ف) یہ قید ضروری ہے اس لئے کہ مجاہدات خفیفہ تو موت سے پہلے ختم ہونے والے نہیں ہیں کیونکہ شیطان، قلب مومن میں (کچھ اور نہ سہی تو) وسوسہ زنی، ڈالنے سے تو باز آتا نہیں۔ اور یہی حال نفس کا بھی ہے کہ جب تک وہ زندہ رہے گا انسان کی ہلاکت میں سعی ہی کرتا رہے گا کیونکہ وہ تو ایک ڈس لینے والا سانپ ہی ہے۔ لہذا ان دونوں یعنی نفس اور شیطان کی طرف سے غافل کبھی نہیں ہونا چاہیئے (لطیفہ اس جملہ میں یہ ہے کہ حیّۃ لفظ مشترک ہے بمعنی زندہ اور سانپ اسی طرح سے تسعیٰ کے معنی کوشش کرنے کے بھی ہیں اور ڈسنے کے بھی ہیں۔ پس حیّۃ تسعیٰ ہی کے دو مطلب ہوئے۔ ایک یہ کہ (نفس جب تک) زندہ ہے (ہلاکت میں) سعی کرتا ہی رہے گا۔ دوسرا مطلب یہ کہ یہ سانپ ہے جو ڈس لے گا۔ وقیل فی ھذا المعنی ؎

نفس کا مارنا مت جان دیکھو ابھی مرا نہیں غافل ذرا ہو نہیں اس نے ادھر ڈسا نہیں

(از مترجم ۱۲)

النهج المستقيم وحماية القلب من الاسباب المهيجة للامراض المعنوية من كثرة الطعام والشراب والاختلاط مع اهل الغفلة المنهمكين على حب الدنيا۔

امراض باطنی پیدا ہوتے ہیں مثلاً (ایک سبب) کھانے پینے کی کثرت ہے اور (ایک سبب) ان اہل غفلت کے ساتھ اختلاط ہے جو کہ حبُ دنیا میں (شب و روز) منہمک رہتے ہیں۔

والحمية المذكورة هي المشار اليها باركان الطريق الاربعة وهي الجوع والسهر والصمت والاعتزال۔

اور قلب کا یہی تحفظ جس کا ذکر اوپر آیا ہے طریق میں ارکان اربعہ کے نام سے مشہور ہے۔ یعنی قلت طعام۔ قلتِ منام۔ قلتِ کلام اور قلتِ اختلاط مع الانام۔ (بعنوان دیگر) بھوکا رہنا۔ شب بیداری۔ خاموشی۔ اور خلوت گزینی۔

وان اهمل نفسه فلم يداوها بما ذكر وتمادى على الاسترسال مع الشهوات ودواعيها صارت مدينة القلب عشا للشياطين وصار ملك لايمر بها الا اماما۔

اور اگر انسان نے اپنے نفس کو یونہی مہمل رکھا یعنی) مذکورہ بالا طریق سے اسکا معالجہ نہ کیا اور اس طور سے شہوات اور اسکے مقدمات و لوازمات میں اسے ڈھیل دیئے ہوئے اس پر ایک طویل زمانہ گذر گیا۔ تب تو اس کے قلب کا شہر شیاطین کا آشیانہ ہی بن جائے گا۔ اور اب ملک یعنی فرشتے کا یہاں گذر نہ ہوسکے گر بس رددار دی کے طور پر

والنغمر نور العقل[مه] الديني بدخان المعاصي حتى صار مغلوبا لا ينتفع به۔

اور دینی عقل کا نور معاصی کے دھوئیں میں مستور ہو جائے گا اور ایسا ماند پڑے گا کہ اس سے نفع اٹھانا ممکن نہ ہوگا۔

واكثر القلوب وقد فتحتها الشياطين فامتلئت بالوساوس الداعية الى ايثار العاجلة واطراح الآخرة۔ ولا يمكن فتحها بعد ذلك الا باخلائها عن قوة الشيطان الذى هو الشهوات

چنانچہ (معلوم و مشاہد ہے) کہ بہتیرے قلوب ایسے ہیں کہ شیاطین کا ان پر تسلط تام ہوگیا ہے اور وہ ایسے ایسے وساوس ردیہ سے بھر گئے ہیں جن کا تقاضا ہی یہ ہوتا ہے کہ انسان دنیا کو آخرت پر ترجیح دے اور آخرت کو پس پشت ڈالدے۔ پھر اس حالت پر (پہونچنے) کے بعد ان قلوب پر قابو پانا بجز اس کے ممکن ہی نہیں کہ اسکو شیاطین

قولہ وانغمر نور العقل[مه]) اس مرتبہ میں پہونچکر انسان پر سوء خاتمہ کا اندیشہ ہوتا ہے۔ العیاذ باللہ اس لئے کہ معاصی کفر کے قاصد (اور اس کا مقدمہ) ہوا کرتے ہیں۔ ۱۲ منہ

وعمارتها بذكر الله تعالى وحمل
النفس على التقوى والتأدب
بآداب الشريعة وكيفية هذه
المجاهدة موقوفة على المرشد
الكامل الذي وصفناه لك +

ثم اعلم ان ضبط قوتي الشهوت
والغضب على مايقتضيه الشرع و
العقل هو حسن الخلق المحمود و
عكسه هو سوء الخلق المذموم و
ذلك لانه ينشأ عن ضبط قوة
الشهوة على الحد المذكور العفة
والقناعة والزهد والورع والحياء
والظرف وامثالها من الصفات
الشريفة +

وينشاء عن ضبط قوة الغضب
وردها الى حد المذكور الشجاعة
والكرم والنجدة والصبر والحلم والعفو
والاحتمال ونحوها من الصفات
الحميدة +

كما ينشاء عن عدم انضباط
القوتين مذكورتين عكس الصفات
المذكورة فينشاء عن عدم انضباط
قوة الشهوة الشره والتبذير والتقتير
والحرص والملق والحسد والحقد
والشماتة وغيرها من الصفات

کے پنجے سے (جس کا دوسرا نام شہوت ہے) رہائی دلائی جائے اور
ذکر اللہ کے ذریعہ اسکو معمور کیا جائے اور نفس کو تقویٰ وطہارت پر
آمادہ کیا جائے اور شریعت کے آداب کے ساتھ اسکو مؤدب بنایا جائے۔
اور اس مجاہدہ کی کیفیت (یعنی اس راہ کا سلوک) موقوف ہے مرشد کامل
کی رہبری پر جسکی صفات ہم تم سے سابقاً بیان کر آئے ہیں۔

پھر یہ سمجھو کہ (انسان کا اپنی) دونوں قوتوں یعنی شہوت اور
غضب کو ضبط کرنا اور شرع وعقل کے تقاضے کے مطابق انکو استعمال
کرنا یہی حسن خلق اور خلق محمود کہلاتا ہے اور اس کے برعکس صورت
ہو تو اس کا نام سوء خلق اور خلق مذموم ہے اور یہ اس لئے کہ
مذکورہ بالا طریقہ سے قوت شہوت کے انضباط سے عفت۔ قناعت
زہد۔ ورع۔ حیا اور ذہانت و دانائی اور ان کے
مانند اور بہت سی صفات حسنہ انسان میں پیدا
ہو جاتی ہیں۔ (پس ایک ضبط شہوت ان تمام صفات شریفہ
کی اصل ٹھہری)

اسی طرح سے قوت غضب کے انضباط اور اسکو بھی عقل و شرع
کے تقاضے کے مطابق استعمال میں لانے سے آدمی میں شجاعت (یعنی بہادری)
کرم (سخاوت)، دلیری۔ صبر۔ حلم عفو درگذر۔ اور برداشت اور ان جیسی
بہت سی دوسری صفات حمیدہ پیدا ہو جاتی ہیں (پس ایک غضب
کا ضبط اتنی صفات کے حصول کا سبب بنا)

(اور جس طرح یہ ہے) اسیطرح سے ان دونوں مذکورہ بالا قوتوں کے
عدم انضباط سے انکی ضد (جو صفات ہیں وہ) انسان میں پیدا ہو جاتی ہے
چنانچہ قوت شہوت کے ضبط میں نہ لانے سے انسان میں لالچ۔ فضول
خرچی۔ بخل۔ حرص۔ چاپلوسی۔ حسد۔ کینہ اور بغض وعداوت
اور ان ہی جیسے بہت سے اخلاق رذیلہ پیدا ہو جاتے ہیں۔
(پس ایک رذیلہ یعنی عدم ضبط شہوت کتنے رذائل کا

المذمومة ۔

وينشأ عن عدم انضباط قوة الغضب صفة التهور والاستشاطة والتكبر والاستهزء والاستخفاف بالناس وتحقيرهم وشهوة الظلم وغيرها من الصفات الردية ۔

وينشأ عن طاعة الشيطان بالاسترسال على مقتضى طبع القوتين المذكورتين الصفات الشيطانية من المكر والخداع والاحتيال والدهاء والغش والتلبيس و ماشاكلها من الصفات القبيحة

وتلك الصفات هي السموم القاتلة وهي التي تنقلب في القبر حيات وعقارب على ماقاله الامام الغزالي رحمة الله تعالیٰ عليه ۔

والعبد يكون بذلك ظالماً لنفسه من جهة اُخریٰ وهي انه استعمل تلك اللطيفة الشريفة المستحقة للامارة في خدمة هؤلاء الثلاثة الاخساء اعني الشهوة والغضب والشيطان فلاجرم يظلم بذلك قلبه ويقسو حتى يصير بحيث لا تنفع فيه الموعظة ولا تدخله الحكمة

سبب بن گیا)

اسی طرح سے قوت غضب کے عدم انضباط سے آدمی میں زیادتی غصہ۔ ظلم۔ تکبر۔ تمسخر۔ لوگوں کو اپنے سے کمتر سمجھ کر ان کی ہنسی اڑانا اور ان کی تحقیر کرنا۔ اور دوسروں پر ظلم وزیادتی کرنے کا داعیہ اور اسی طرح کے بہت سے دوسرے رذائل پیدا ہوجاتے ہیں۔

اور پھران دونوں قوتوں کے تقاضوں میں نفس کو خوب اچھی طرح سے ڈھیل دینے میں شیطان کی اطاعت کرنے سے انسان میں صفات شیطانیہ پیدا ہوجاتی ہیں مثلاً مکر۔ خداع۔ حیلہ سازی۔ چالبازی۔ دھوکا دہی۔ تلبیس اور اسی طرح اور بہت سی صفات قبیحہ (غرض کہ یہ ہر سہ اصل بے شمار فروع پر مشتمل ہے)

اور ان صفات بد کا حال یہ ہے کہ یہ سم قاتل ہیں بلکہ یہی سب وہ چیزیں ہیں جو بقول حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قبر میں سانپ۔ بچھو کی شکل اختیار کرلیں گی۔

اور انسان ان رذائل کے ساتھ متصف ہونے میں اپنے نفس پر ایک اور طرح سے بھی ظلم کرنے کا مرتکب ہوتا ہے وہ یہ کہ اس شخص نے اپنے اس شریف لطیفہ (یعنی قلب) کو جو کہ حاکم اور امیر بنائے جانے کا مستحق تھا۔ ان تینوں خسیس اور رذیل چیزوں یعنی شہوت۔ غضب اور شیطان کا خدمتگار اور غلام بنادیا۔ اب ظاہر ہے کہ اسکی وجہ سے وہ اپنے قلب پر ظلم ہی کرنے والا ہوگا (کیونکہ اس نے حاکم کو محکوم اور تابع کو متبوع بنادیا اسی کا نام تو ظلم ہے) اور اس کی وجہ سے اس کا قلب ایسا قاسی ہوجاتا ہے کہ پھر نہ تو کوئی نصیحت ہی

وھذا ھو الطابع فھو ظلم کبیر من حیث استخدام الملک الرئیس فی طاعۃ خنزیر الشھوۃ و سبع الغضب والعدو الاعظم الشیطان الرجیم فقد عکس الامر وغیر خلق اللہ تعالی فان اللطیفۃ المذکورۃ ھی الملک والاعضاء مسخرۃ تحت امرہ کما تقدم فیصلاحہا صلاحہا و بفسادہ فسادھا قال صلی اللہ علیہ وسلم ان فی الجسد مضغۃ اذا صلحت صلح لھا الجسد کلہ واذا فسدت فسد لھا الجسد الا وھی القلب انتہی

ولو استعمل تلک اللطیفۃ فی منصبہا اللائق بھا من الامارۃ علی جند البدن ولم یقھرھا تحت امر من ذکر لکانت تتصف بجملۃ من الصفات العلیۃ کالعلم والحکمۃ والیقین والاحاطۃ بحقایق الاشیاء ومعرفۃ الامور علی ما ھی علیہ واستحقاق التقدم علی الخلق لکمال العلم وقوۃ البصیرۃ ٭

اس پر کارگر ہوتی ہے اور نہ کوئی حکمت کی بات ہی اس کے فہم میں سماتی ہے یہی (وہ درجہ ہے جو) طبع کہلاتا ہے اور بلاشبہہ یہ بہت ہی بڑا ظلم ہے اس لئے کہ یہ ایسا ہے کہ گویا اس نے بادشاہ کو جس کا حق سردار ہونا تھا شہوت کے خنزیر اور غصہ کے درندے اور عدو اعظم یعنی شیطان مردود کی خدمت میں لگا دیا اور (ماکان کو مملوک بنا کر) قلب موضوع کردیا اور اللہ تعالی کے خلق میں تغیر کردیا ۔ اس لئے کہ یہ لطیفہ مذکورہ مانند حاکم اور بادشاہ کے ہے اور دیگر تمام اعضاء اس کے ماتحت اور تابع فرمان ہیں جیساکہ ابھی بیان ہوچکا ہے ۔ لہذا اس سلطان کی صلاح سے ان ماتحتوں کی صلاح وابستہ ہے اور اسی کے فساد سے ان سب کا فساد متعلق ہے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بلاشبہہ انسان کے جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے کہ جب وہ درست رہتا ہے تو اسکی وجہ سے سارا جسم ٹھیک رہتا ہے اور جب وہ فاسد ہو جاتا ہے تو تمام جسم فاسد ہو جاتا ہے ۔ سن لو کہ وہ ٹکڑا قلب ہے ۔

چنانچہ اگر انسان نے اس لطیفہ کو اس کا حقیقی منصب جو اسکے شایان شان ہے دیکر اس سے کام لیا یعنی یہ کہ لشکر بدن پر اس کو حاکم اور امیر بنا کر رکھا اور مذکورہ بالا چیزوں (یعنی شہوت ۔ غضب اور نفس) کے حکموں کا زیر نگیں اس کو نہیں کردیا تو وہ بہت سی دوسری اعلی صفات سے متصف ہوجائیگا ۔ مثلاً علم ۔ حکمت ۔ یقین ۔ حقائق اشیاء کا احاطہ جملہ امور کی نفس الامری معرفت ۔ اور اپنے کمال علم اور قوت بصیرت کی وجہ سے تمام مخلوقات پر استحقاق برتری وغیرہ (یہ تمام چیزیں اس کو حاصل ہوجائیں گی ۔)

(تنبیہ) جمیع الصفات الحمیدة فی
الحد الوسط بین طرفی الافراط
والتفریط ؎
بین تبذیر و بخل رتبةٌ
وکلا الحالین ان زاد قتل
وجمیع الصفات المذمومة فی
الطرفین المکتنفین للحد المذکور۔
وذلك ان القوة الغضبیة اذا اعتدلت
کانت شجاعة محمودةً واذا طغت
کانت تهوراً مذموماً واذا ضعفت کانت
ذلة ومهانة مذمومتین ۔ وهکذا
قوة الشهوة اذا اعتدلت کانت عفةً
واذا طغت کانت شرهاً مذموماً و
اذا ضعفت کانت جموداً مذموماً ۔
کلا طرفی قصد الامور ذمیمٌ ۔
ولهذا المعنیٰ خط رسول الله صلی
الله علیه وسلم خطاً مستقیماً وخط عن
یمین ذلك الخط وعن یساره خطوطاً
واخبر ان علی کل واحد من تلك
الخطوط شیطاناً یدعو الیه
والخط المستقیم هو ما کان علیه
صلی الله تعالیٰ علیه وسلم واصحابه
فالاعتدال هو المطلوب فی جمیع
الامور حتی فی العبادة التی هی خیر
محض ۔

(تنبیہ) یاد رکھو کہ یہ جتنی بھی صفات حمیدہ ہیں وہ سب کی سب ایک
وسط اور درمیانی درجہ کی چیز ہے یعنی اس کے ایک جانب افراط ہے تو
دوسری جانب تفریط ہے۔ (جیسا کہ کہا گیا ہے کہ) ؎
اسراف اور بخل (ان دونوں) کے درمیان میں ایک مرتبۂ حسن ہے (جسکا نام کرم ہے)
اور یہ دونوں درجے اگر حد سے تجاوز کر جائیں تو بس سمجھ لو کہ مہلک ہی ہیں۔
اور یہی حال تمام صفات مذمومہ کا بھی ہے کہ ان میں بھی ایک درجہ وسط کا ہے جو کہ
ایک جانب افراط سے اور دوسری جانب تفریط سے گھرا ہوا ہے۔ اور یہ اسلئے کہ
مثلاً قوۂ غضبیہ ہی ہے جب اسمیں اعتدال پیدا ہو جائے اور وہ افراط و تفریط سے
خالی ہو جائے تو اس صفت کا نام شجاعت ہے جو کہ محمود ہے اور جب یہی صفت
طغیان پر آجائے تو اس کا نام تہور ہے جو بری صفت ہے۔ اور اگر یہ بہت ہی ضعیف
ہو جائے تو اس کا نام ذلت و رسوائی ہے جنکا قبیح ہونا معلوم ہے۔ ٹھیک اسی طرح
شہوت کو بھی سمجھو کہ جب وہ اعتدال اور میانہ روی پر ہو تو اس کا نام عفت ہے
لیکن جب اس میں طغیان آجائے تو اس کے اثرات نہایت بد سے بدتر ظاہر ہونگے۔
اور اگر یہ صفت بالکل ہی مضمحل اور کمزور ہو جائے تو اسکی وجہ سے انسان میں جمود اور تعطل
پیدا ہو جائیگا جو کہ بہت ہی برا ہے۔ حاصل یہ کہ قصد اور میانہ روی کی دونوں طرفیں مذموم ہیں
اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک خط مستقیم کھینچا
اور پھر اس کے دائیں اور بائیں دونوں جانب چند خطوط کھینچے اور یہ فرمایا
(کہ دیکھو) ان خطوط پر ایک ایک شیطان رہتا ہے۔
جو لوگوں کو اپنی جانب
دعوت دیتا ہے۔
اور خط مستقیم (جو کہ وسط میں ہے) وہی آپ کا اور آپ کے اصحاب
کا راستہ ہے۔ پس اعتدال تو تمام ہی چیزوں میں مطلوب ہے۔
یہاں تک کہ عبادۃ میں بھی جو کہ سراپا
خیر ہی خیر
ہے۔

فقد امر صلی اللہ علیہ وسلم بالاقتصاد فیہا فقال خذوا من العمل ما تطیقون فان اللہ لا یمل حتی تملوا بل الاعتدال ھو الصراط المستقیم فی الدنیا المامور بہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بقولہ تعالیٰ فاستقم کما امرت وبقدر استقامۃ المؤمن علیہ فی الدنیا یکون سرعۃ مرورہ علی الصراط فی الآخرۃ ۔

(دیکھو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اقتصاد فی العبادۃ یعنی عبادت میں میانہ روی اختیار کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ — اعمال میں سے بس اسی قدر کو اختیار کرو جس کے (علی الدوام) کرنے کی تم طاقت رکھتے ہو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ملول نہیں ہوتے یہاں تک کہ تم ہی نہ ملول ہو جاؤ (بلکہ اور ترقی کر کے کہا جا سکتا ہے کہ) دنیا میں یہ اعتدال ہی وہ صراط مستقیم ہے جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس آیت میں امر فرمایا گیا ہے کہ فاستقم کما امرت چنانچہ جس قدر مومن دنیا میں (صراط مستقیم) پر استقامت کریگا اسی کے بقدر آخرت میں پل صراط پر وہ تیزی کے ساتھ گذرے گا۔

وبالحقیقۃ ان الصراط المستقیم بالمعنی المذکور ادق من الشعر واحد من السیف اذ الحد الوسط بین طرفی الافراط والتفریط رقیق جداً ولم یبلغ کمال الاعتدال علیہ سوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الذی ادّبہ ربہ فاحسن تادیبہ واثنی علیہ بقولہ تعالیٰ وانک لعلی خلق عظیم ۝

(اور درحقیقت (یہ دنیوی) صراط مستقیم (چونکہ افراط و تفریط سے پاک اور دواعئ نفس کے خلاف ہونیکی وجہ سے نفس پر شاق ہے اسی وجہ سے آخرت کے صراط کی طرح یہ بھی) بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے کیونکہ افراط و تفریط کے مابین جو درجہ حد اوسط کا ہے وہ بہت زیادہ شاق اور دقیق ہوتا ہے چنانچہ (اخلاق کے باب میں تو) کمال اعتدال کو سوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی دوسرا پہونچا ہی نہیں جن کی شان یہ ہے کہ ان کے رب نے انھیں ادب سکھلایا اور سبحان اللہ کیسا کچھ ادب سکھلایا۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح وثنا فرمائی کہ وانک لعلیٰ خلق عظیم۔

والناس بعدہ متفاوتون فی ذلک وکل من قرب منہ فی ھذہ الاخلاق فھو قریب من اللہ تعالیٰ بقدر قربہ منہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وقد صرحوا ان التصوف[ف]

اور پھر آپ کے بعد لوگ اس بارے میں مختلف ہوئے ہیں چنانچہ جو شخص بھی کہ ان اخلاق میں آپ سے جتنا قریب ہوا اسی قدر وہ اللہ تعالیٰ سے بھی قریب ہوا۔ اور علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ تصوف[ف] نام ہی ہے اخلاق کا پس جو شخص تم سے اخلاق میں بڑھا ہوا ہے وہ گویا تم سے تصوف میں بڑھا ہوا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے

[ف] قولہ التصوف الاخلاق، بعض حضرات نے تصوف کی یہی تعریف کی ہے چنانچہ فرمایا ہے کہ شریعت تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال اور تقریرات کا نام ہے۔ اور طریقت آپ کے اخلاق کا نام ہے (یہی تصوف بھی کہلاتا ہے)، اور حقیقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال یعنی آپ کے مشاہدات اور وجدانیات کا نام ہے۔ انتہی کلامہ ۱۲ منہ۔

اخلاق فمن زاد بالاخلاق زاد علیك فی التصوف قال صلی اللہ علیہ وسلم بعثت لاتمم مکارم الاخلاق ۔

ہیں کہ میں مکارم اخلاق ہی کی تکمیل کے لئے مبعوث کیا گیا ہوں ۔

(وصل) وحیث ذکرنا لك ان مجاھدۃ النفس موقوفۃ علی المرشد الکامل ۔ فلنبین لك وجہ ذلك حتی لا یغرك الشیطان بقولہ لاحاجۃ للمرشد فان الحرام بین والحلال بین وانت مکلف بفعل الطاعات وترك المحرمات وقد قال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ترکتکم علی بیضاء نقیۃ لیلھا کنھارھا ۔

اور جیساکہ ہم تم سے بیان کرآئے ہیں نفس کے ساتھ مجاہدہ کرنا یہ موقوف ہے کسی مرشد کامل (سے تعلق) پر۔ سو اب تم سے اسکی وجہ بھی بیان کرتے ہیں (سنو) تاکہ تم کو شیطان اس فریب میں نہ مبتلا کرے کہ (دین پر چلنے کے لئے) مرشد کی کیا ضرورت ہے؟ اس لئے کہ حرام بھی واضح ہے اور حلال بھی معلوم ہی ہے اور تم (حق تعالیٰ کی جانب سے) بس اس کے مکلف کئے گئے ہو۔ اسکی طاعات کو بجالاؤ اور اس کے محرمات و ممنوعات سے اجتناب کرو۔ دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ لوگو! میں تم کو ایک ایسے روشن اور واضح طریق پر چھوڑے جاتا ہوں جس کی رات بھی مانند دن کے روشن ہے۔

واما اخلاق المذمومۃ کالکبر والعجب والشحناء ونحوھا فانت تجاھد نفسك بعدم العمل علی مقتضاھا واذا اردت زوالھا من القلب بالمرۃ فطریق ذالك معلوم من کتاب الاحیاء للغزالی ونحوہ من الکتب ولیس قصد اللعین بذلك الا ان تسلك بنفسك

رہے اخلاق مذمومہ جیسے کبر۔ عجب اور کینہ وغیرہ تو اسکے لئے بھی تم خود ہی مجاہدہ کرلو۔ یعنی ان رذائل کے تقاضے پر عمل نہ کرو۔ اور اگر تمہارا یہ خیال ہو کہ ان رذائل کے مادے کو بیخ و بُن سے اپنے قلب میں سے نکال پھینکو تو اس کے لئے بھی مرشد کی کچھ ضرورت نہیں ہے اس کا طریقہ امام غزالی کی احیاء العلوم میں یا اسی طرح کی دیگر کتب قوم میں مذکور ہے اس میں سے دیکھ دیکھ کر اس کے مطابق اصلاح[۵] کرسکتے ہو — پس شیطان جب اس قسم کے خیالات تمہارے قلب میں ڈالے تو سمجھ لو کہ بس

---

[۵] (افادہ) ہم نے ایسے لوگوں کو دیکھا ہے جنھیں شیطان نے یہی وسوسہ ڈالا اور وہ اسکے چکمے میں بھی آگئے اور کہنے لگے کہ شیخ کی حاجت نہیں ہے۔ تصوف کی کتاب بس کافی ہے اور لطف یہ کہ دنیوی امور میں یہ لوگ یہ نہیں کہتے اور نہ شیطان ہی ان کو یہ وسوسہ ڈالتا ہے کہ طب کی کتابیں کافی ہیں اور اردو میں موجود ہیں بس انھیں کو دیکھ کر علاج کرلو طبیب کے پاس جانیکی ضرورت نہیں ہے۔ خواہ چاہے یہ لوگ ناڑی ہوں اور طبیب ماہر ہو تب بھی کتابیں کافی ہیں؟ اس جہالت اور سوءفہمی کا کیا علاج؟ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

فیلقیک فی مهواة لا تتخلص منها ابداً ۔

فنقول وبالله التوفيق اجمع العارفون على انه لا يمكن سلوك طريق القوم من دون المرشد (قال) سيدى عبد القادر جيلانى من لا يرى المفلح لا يفلح واستدل على ذلك بقوله صلى الله عليه وسلم من استغنى برايه ضلّ وبقوله صلى الله تعالى عليه وسلم المؤمن مرآة المؤمن وقال السبب لا بد منه كان الله تعالى قادراً على ان يهدى اليه بلا انبياء وحض رضى الله تعالى عنه على طلب المرشد حضاً شديداً فقال كل واحد منكم اذا جنّه الليل فليقم وليتوضاء وليصل ركعتين ويقول يارب دُلّنى على عبد من عبادك الصالحين المقربين حتى يدلنى عليك ويعرفنى طريقك انتهى نقل ذلك عنه فى كتاب الفتح الربانى والفيض الرحمانى ۔

وقال الشعرانى فى المنن بعد ذكر من اجتمع عليه من مشائخ الطريق وما فتح الله به على ايديهم فعلمت وتحققت

مردود کا مقصد اس سے صرف یہ ہے کہ تم کو کسی ایسے کھڈ (غار) میں لا پھینکے جہاں سے کہ پھر تا ابد تم خلاصی ہی نہ پا سکو۔

اب ہم اس کے بعد بیان کرتے ہیں (اور اس باب میں بھی اللہ تعالیٰ ہی سے توفیق طلب کرتے ہیں) کہ تمام عارفین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ صوفیہ کے طریق پر چلنا بدون کسی مرشد (کی رہنمائی) کے ممکن نہیں ہے۔ چنانچہ سیدی حضرت عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے کسی مفلح کو نہیں دیکھا وہ کبھی فلاح نہ پائیگا اور اپنے اس قول پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے استدلال فرمایا کہ جو شخص صرف اپنی رائے کو لیکر (دوسرے سے) مستغنی ہوگیا وہ گمراہ ہوا۔ نیز اس حدیث سے بھی استدلال فرمایا ہے کہ ایک مومن دوسرے مومن کا آئینہ ہوتا ہے۔ اور یہ فرمایا کہ دنیا عالم اسباب ہے (اسلئے یہاں ہر شے کے لئے) سبب کا پایا جانا ضروری ہے ورنہ تو اللہ تعالیٰ اس بات پر بھی قادر تھے کہ بدون توسط انبیاء علیہم السلام کے اپنی جانب لوگوں کو ہدایت فرمادیتے یہ بیان کرکے پھر حضرت رضؓ نے شیخ کی ضرورت اور اسکے طلب پر خوب ہی خوب ابھارا ہے اور اس کا طریقہ یہ بیان فرمایا ہے کہ تم میں سے ہر شخص (یہ کرے کہ) جب رات کا کچھ حصہ گذر جائے تو اٹھے۔ اور اٹھکر وضو کرے اور پھر دو رکعت نماز پڑھے اور پھر یوں دعا کرے کہ اے رب اپنے مقربین اور صالحین بندوں میں سے کسی ایسے بندہ کی جانب میری رہنمائی فرما دیجئے جو آپ سے مجھے ملادے اور آپ کا طریق مجھے تبلادے۔ انتہی۔ یہ طریقہ دعا حضرت شیخ عبدالقادر قدس سرہٗ سے ان کی کتاب الفتح الربانی والفیض الرحمانی میں منقول ہے۔

اور علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب المنن میں اپنے ان مشائخ طریق کا ذکر کرنے کے بعد جن کی صحبت سے وہ مستفید ہوئے اور ان کی برکات کے بیان کے بعد لکھا ہے کہ میں نے تو خوب اچھی طرح سے اور تحقیق کے ساتھ اس بات کو سمجھ لیا ہے کہ انسان اگرچہ

ان الانسان ولو بلغ فی العلم الغایۃ فلا بُدَّ لہ من شیخ عارف فی طریق العمل بہ کما وقع للامام الغزالی والشیخ عزالدین بن عبد السلام والیافعی وغیرھم انتھی ای لان العلم بتدبیر الاکسیر لا یغنی عن العمل علی العیان واذا کانت الامراض

وہ علم میں کتنے ہی بڑے مرتبہ کو کیوں نہ پہونچ جائے طریق عمل میں دستگیری اور رہنمائی کے لئے اس کو شیخ عارف کامل کی ضرورت یقینی ہے۔ جیساکہ امام غزالی۔ شیخ عزالدین بن عبدالسلام اور علامہ یافعی وغیرہ وغیرہ جیسے ارباب علم وفضل کو بھی بالآخر اس کی ضرورت محسوس ہی ہوئی۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ دیکھو اکسیر بنانے کی محض ترکیب جان لینے سے تو کیمیا بن نہ جائے گی۔ بلکہ اس کے لئے تو کچھ خاص عمل بھی کرنا ہی ہوگا۔

(افادہ) میں کہتا ہوں کہ دین کیلئے علاوہ کتابوں کے کسی بزرگ کی ضرورت اسلئے بھی پڑتی ہے کہ یہ حضرات امور دین کے عملی نمونہ ہوتے ہیں۔ اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ بدون نمونہ اور عمل کے ایک چیز سمجھ ہی میں نہیں آتی۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انزال کتب پر اکتفا نہیں فرمایا۔ بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ارسال رسل کا بھی سلسلہ قائم فرمادیا۔ اور امت کو ان حضرات کے طریقہ کے اتباع کا حکم فرمایا۔ "لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ" (تم لوگوں کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک عملی نمونہ موجود تھا) اور واقعہ بھی یونہی ہے کہ کوئی نمونہ دیکھ کر مشکل سے مشکل چیز کا وجود میں لانا آسان ہوجاتا ہے اور بغیر نمونہ کے آسان سے آسان سی چیز بھی مشکل معلوم ہوتی ہے۔ دیکھئے آپ درزی کو سینے کیلئے کپڑا دیتے ہیں تو وہ آپسے نمونہ طلب کرتا ہے اور نمونہ دیکھ کر اسی جیسا بنا دینا اسکے لئے کسقدر سہل ہوجاتا ہے۔ اور اگر بدون نمونہ محض اندازے سے وہ بنائے تو ہوسکتا ہے کہ آپ کو پسند نہ آوے یا آپ کے بدن پر راست نہ آوے۔

چنانچہ حضرت انور شاہؒ صاحب فرماتے تھے کہ اگر تعامل سلف نہ ہوتا تو پوری نماز تو بجائے خود رہی اسکے ایک رکوع ہی میں اس قدر اختلاف ہوتا کہ کچھ کہنے کو نہیں۔ کوئی کہتا کہ یوں کرنا چاہیئے۔ کوئی کہتا کہ نہیں ایسا ہونا چاہیئے۔ مگر جب تعامل سے منقول چلا آیا ہے تو اب کوئی اختلاف نہیں۔

دیکھئے آپ کسی پڑھے لکھے شخص کو جو دین سے اجنبی ہو وضو کا طریقہ کتاب سے پڑھا دیجئے اور پھر اس سے وضو کرنے کو کہئے پھر دیکھئے کہ کیسا اناڑی معلوم ہوتا ہے اور کیسی کیسی غلطی کرتا ہے۔ اور وضو کرنے والوں کو دیکھ کر جو وضو کرنا سیکھا جاتا ہے تو وہ اتنا آسان ہوتا ہے کہ ہمارے چھوٹے چھوٹے بچے نہایت عمدگی سے کرلیتے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ دنیوی امور میں سے طب اور وکالت وغیرہ میں بھی علاوہ کتابی تعلیم کے ایک درجہ عملی مشق اور ماہرین کی صحبت سے استفادہ کا بھی سمجھا جاتا ہے۔ پھر تعجب کی بات ہے کہ دین ہی میں اس کا کیوں انکار کیا جاتا ہے۔

(افادہ) اور ہم نے تو اپنے زمانہ میں مشاہدہ ہی کرلیا ہے کہ بڑے بڑے فضلاء کے موجود ہونے کے باوجود ہمارے دینی ادارے تباہ ہوگئے یہ اسی لئے کہ ان کا تعلق کسی شیخ کامل سے نہیں تھا اسلئے اصلاح وتربیت کا وہاں کچھ چرچا ہی نہ تھا حقیقت کی جگہ رسوم نے لے لی۔ اور علم جسد بے روح ہوکر رہ گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

الظاهرية المدلول عليها بالعلامات
المحسوسة من الحرارة والبرودة
لا يفيد استعمال ادويتها المعروفة
الا بمعرفة طبيب الحاذق الذى
مارس صناعة الطب علماً و عملاً
واذا استعمل المريض الدواء بنفسه
ربما كان سبب هلاكه لان هناك
اموراً اخر تجب مراعاتها من اعتبار
الزمان والمكان ودرجة المرض
وغير ذلك مما يتوقف معرفته
على الطبيب الحاذق فكيف بامراض
القلوب التى هى غيب محض ليس
لها امارات محسوسة واكثر الناس
راضون عن انفسهم يظنون انهم
على الاستقامة المطلوبة كالذى
فى وجهه برص ولا مراٰة عنده
يبصر بها وجهه لا يعلم انه ابرص
الا ببصير اخر يعلمه بعيبه ويكون
له بمنزلة المراٰة بل سلوك
الطريق محسوسة لا يمكن بدون
دليل خبير الطريق وسار فيها و عرف
اعلامها ومضان الهلاك فيها
ومحل المياه ومحل عدمها والمواطن
المسبعة والمواطن الماهولة ۔

اور جب کہ امراض بدنیہ میں جن کے لئے کچھ محسوس علامات بھی
ہوتی ہیں مثلاً حرارت، برودت، وغیرہ معروف دواؤں کا استعمال
بھی بدون کسی ایسے طبیب حاذق کی تجویز کے جو کہ فن طب کا
عالم ہونے کے ساتھ ساتھ اس میں عملی تجربہ بھی رکھتا ہو۔ مفید و
مناسب نہیں ہوتا چنانچہ اگر مریض کسی مرض میں دوا خود ہی تجویز
کرکے اس کا استعمال کرے گا تو بسا اوقات یہی اسکی ہلاکت کا سبب
بن جائے گا یہ اس لئے کہ یہاں دوا کے علاوہ کچھ اور چیزیں بھی ہیں
جن کی رعایت معالجہ میں ضروری ہوا کرتی ہے مثلاً موسم کا لحاظ
جگہ کا خیال درجۂ مرض کی پہچان اور اس کے علاوہ اسی قسم
کی اور بہت سی چیزیں جنکو طبیب حاذق ہی سمجھ سکتا ہے (تو
جب معالجۂ جسمانی کا یہ حال ہے) تو امراض قلوب کے علاج کی نزاکت
کا تو پوچھنا ہی کیا کیونکہ وہ تو سراسر باطنی شے ہے اور ان کیلئے
علامات محسوسہ کا ہونا بھی ضروری نہیں۔ مزید یہ کہ اکثر و بیشتر لوگ
تو اپنے نفوس سے راضی بھی ہوتے ہیں اور اپنے متعلق اس غلط فہمی
کا شکار رہتے ہیں کہ وہ اسی استقامت پر ہیں جو شرعاً مطلوب ہے ان کی
مثال اس شخص کی سی ہے جسکے چہرے پر برص کے داغ ہوں اور اسکے
پاس آئینہ بھی موجود نہ ہو تو اسکو اپنا ابرص ہونا بھی کسی آنکھ
والے کے بتلانے ہی سے معلوم ہو سکتا ہے اور یہی شخص اسکے لئے
بمنزلہ آئینہ کے ہو جائے گا (بس یہی حال طریق کا بھی سمجھ لو) بلکہ اسکو یوں
سمجھو کہ ظاہری راستہ کا چلنا بھی بدون کسی ایسے رہنما کے ممکن نہیں
جو طریق سے باخبر ہو اس میں چلا ہوا ہو نشان راہ سے بھی واقف
ہو اور اس میں مواقع ہلاکت اور پانی ملنے نہ ملنے کے مقامات کو بھی
جانتا ہو اور اس سے بھی باخبر ہو کہ کن مقامات میں درندے رہتے ہیں
اور کون سے مقامات ہولناک ہیں۔

واذا سلك السالك الغمر فيها بنفسه من دون موافقة الدليل كان ضلاله اكثر من هدايته وهلاكه اقرب من نجاته فكيف بهذا الطريق الذي هو غيب محض لا نظر لسالكه ولا قدم ولا قوة وتكثر فيه السراق وقطاع الطريق من زخارف الدنيا والنفس والهوى وشياطين الجن والانس الذين هم اخوان السوء وانما ضل نحو الطبائعين والدهريين واهل التشبيه والتعطيل واهل البدع والاهواء واهل الاباحة لانفرادهم في السلوك فما قدروا على قطع العقبات والشبهات التي لا يمكن الخلاص منها الا بحماية المرشد الكامل۔

(اگر ان تمام باتوں کی رعایت کئے بغیر) کوئی اناڑی سالک اس میں بطور خود چلے گا اور رہبر کی اتباع نہ کرے گا تو اس کا ضلال اس کی ہدایت سے کہیں زیادہ ہوگا اور بہ نسبت نجات کے اسکی ہلاکت زیادہ قریبی ہوگی (غرض جب ظاہری رستہ پر چلنے کے لئے اتنے سب لوازم ہیں) تو اس طریق کا کیا حال ہوگا جو کہ غیب محض ہے اور غریب سالک کو اس کا نہ علم ہے نہ کچھ تجربہ۔ نہ دم ہے نہ قدم۔ مزید براں یہ کہ یہاں چور[۵] اور ڈاکو بھی بکثرت ہیں اور مراد ان سے یہی دنیا کی دلفریب اشیاء ہیں یعنی خود انسان کا نفس اور اس کی ھوی (خواہشات ۱۲) اور اس کے برے ساتھی خواہ وہ شیاطین الجن میں سے ہوں یا شیاطین الانس میں سے۔ چنانچہ دیکھو یہ علم طبعی والے یا دھریئے یا اہل تشبیہ یا اہل تعطیل اسی طرح سے اہل بدعت۔ اہل ہوا، اور اہل اباحت، یہ سب کے سب فرقے جو گمراہ ہوئے تو صرف اسی وجہ سے کہ انھوں نے راہ حق تنہا طے کرنے کی کوشش کی (یعنی نبوت کے روشنی کی ضرورت نہ جانی) جس کی وجہ سے ایسے عقبات اور شبہات میں پڑ گئے کہ جن سے نکلنا بدون کسی مرشد کامل کے (عادۃً) ممکن ہی نہیں ہوتا۔

(قولہ وتکثر فیہ[۵] السراق) یعنی کیا پوچھنا ہو کہ اس طریق کے چوروں میں ایک ایسی جماعت بھی ہے جو سِتر کی چوری کرتی ہے۔ چنانچہ مجھ کو میرے شیخ نے خود اپنا واقعہ سنایا کہ وہ ایک مرتبہ ملک مصر میں اپنے شیخ سید قعبیؒ کے آگے آگے کہیں کا سفر کر رہے تھے۔ اچانک انکو سامنے سے آتا ہوا ایک شخص نظر پڑا جو جال کا عمامہ سر پر باندھے ہوئے تھا جس سے مچھلی کا شکار کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ ان کے بالکل قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ اسوقت شیخ موصوف نے (یعنی قعبیؒ نے) اسکی طرف غصہ کی نظر سے دیکھا (اور شیخ کا قاعدہ تھا کہ جب وہ غصہ ہوتے تو انکی آنکھیں غصہ سے بالکل سرخ ہو جاتی تھیں) اور اس سے کہا کیوں میاں صاحبزادے! قعبی ہی کی اولاد کے ساتھ یہ حرکت؟ یہ فرمایا اور انکو اس کے ہاتھ سے کھینچ لیا اور ان سے (یعنی میرے شیخ سے) فرمایا کہ دیکھو یہ مصری لوگ حرامی (یعنی ڈاکو) ہیں ان سے بچکر رہنا چاہیئے) اس پر ہمارے شیخ نے عرض کیا کہ حضرت میرے پاس تو کوئی چیز بھی نہیں تھی (وہ چراتے کیا؟) استاذ قعبیؒ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ مال کی نہیں بلکہ سِتر کی چوری کرتے ہیں۔ انتہی کلامہ منہ ۱۲

من ذلك ان مرآة القلب اذا صفت يتجلى الروح فيها مجردًا عن الكسوة البشرية ومتصفًا بالصفات الربانية فيجد العبد فى هذا المقام ذوق انا الحق وسبحانى فيظن انه لا مقام فوقه لا لولى ولا لنبى فلو لم يكن له شيخ يبين له المقامات ويكشف له ما فوق هذا المقام ويرغبه فيه ويشوقه اليه والا بقى فى مقام ذلك ابد الآباد ومنه يخاف اليه زوال الايمان والقول بالحلول والاتحاد۔

(مثلاً دیکھو) انھیں عقبات میں سے ایک یہ ہے کہ قلب کا آئینہ (ریاضت ومجاہدہ کی وجہ سے) جب شفاف ہوجاتا ہے تو اس میں روح کی تجلی اس طرح سے ہوتی ہے کہ بشریت کا لباس اس سے بالکلیہ جدا ہوجاتا ہے اور خود وہ صفات ربانیہ کے ساتھ متصف ہوجاتی ہے جسکی وجہ سے بندہ کو اس مقام میں انا الحق اور سبحانی (ما اعظم شانی) کا ذوق ملنے لگتا ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس سے برتر کوئی مقام ہی نہیں ہے نہ تو کسی ولی کا نہ کسی نبی کا۔ اب اگر اس کا کوئی ایسا شیخ ہوا جو اس سے تمام مقامات طریق کو بیان کرے اور اس مقام سے بھی مافوق مقام کو اس کے لئے منکشف کرے اور اس کی جانب سے رغبت اور شوق دلائے (تب تو اسکی خیر سمجھو) ورنہ یہ شخص اس مقام میں ہمیشہ ہمیش پڑا رہیگا اور یہی وہ عقبہ ہے جسمیں انسان پر سلب ایمان کا خوف کیا جاتا ہے اور اندیشہ اس امر کا ہوتا ہے کہ کہیں وہ حق تعالیٰ کے ساتھ خود کو متحد نہ سمجھ بیٹھے یا اپنی ذات کو ان کی ذات میں حلول کرجانے کا قول نہ کہنے لگ جائے۔

ولقد ذقت شيئًا من المقام وانا فى سجود الصلاة فلم يمكنى ان اقول سبحان ربى الاعلى لانى ارى ذوقًا فى ذلك المشهد ان الله تعالى هو الذى يتكلم على لسانى ولا رب له تعالى ولو قلتُ فى ذلك المقام سبحانى لسهل على فلم يسعنى الا السكوت الى ان انقضى ذلك المشهد۔

اور مجھے بھی اس مقام کا کچھ تھوڑا سا مزہ اس وقت ملا تھا جبکہ میں (ایک موقع پر) نماز کے سجدہ میں تھا تو اس (کیفیت کے طاری ہونے) کی وجہ سے میں سبحان ربی الاعلیٰ کہنے پر قادر ہی نہ ہوسکا اسلئے کہ میں نے اس مشہد میں اپنی نظر ذوق سے یہ دیکھا کہ گویا اللہ تعالیٰ ہی میری زبان سے تکلم فرمارہے ہیں اور ظاہر ہے کہ ان کے لئے کوئی رب نہیں ہے۔ لہذا میں اس مقام میں اگر سبحانی کہہ لیتا تو یہ میرے لئے بہت ہی آسان تھا۔ لیکن مجھ سے تو کچھ بولا ہی نہ گیا یہاں تک کہ وہ کیفیت مجھ سے زائل ہوگئی۔

وهذا من جملة الامتحان والابتلاء الذى يعرض للسالك ولا يمكنه العبور عنه بدون تصرف الشيخ الكامل۔

اور یہ بھی منجملہ ان امتحانات اور ابتلاآت کے ایک ابتلا اور امتحان ہوتا ہے جو سالک کو طریق میں پیش آتا ہے اور جس کو عبور کرجانا بدون شیخ کامل کے تصرف کے ممکن نہیں۔

بل يعرض للسالك فى هذا الطريق علل وامراض

بلکہ سالک کو اس طریق میں بہت سے علل وامراض پیش آتے ہیں مثلاً طلب اور ارادت کے مزاج

من انحراف مزاج الطلب
والارادة فيحتاج للطبيب
الروحي لازالتها بالادوية
الصالحة ولا ينقطع عن
الطريق۔

وكذلك يظهر للسالك في
طريقه ما يشير الى الزيادة والنقصان
وصفاء القلب وكدورته والحجب
الدنيوية والاخروية والاحوال
والخواطر الرحمانية والشيطانية
والنفسانية وسائر المعاني الحاصلة
من الوقائع التي لا تعد ولا تحصى
والمبتدى لا معرفة له بها لانها
لسان الغيب لا يعرفه الا اهله
فيحتاج لمن يكون مويدا بتائيدات
الهية وعالما بالتاويلات الغيبية
حتى يعرفه ذلك فلا يكون محروما
من تلك الاشارات والمعارف ولا
يتعذر عليه معرفة المقامات
ولا مور شتى۔

منها ان السلوك فى الطريق
لا يكون الا بواسطة الذكر وهو لا
يفيد افادة تامة الا اذا اخذه
من تلقين مرشد كامل لسر فى
التلقين يعرفه اهله ولعله

ہی میں فرق کا آجانا۔ تو ان کے ازالہ کے لئے بھی سالک کسی
ایسے روحانی طبیب کا محتاج ہوتا ہے جو مناسب دواؤں
سے اس کے مرض کو زائل کردے اور اگر ایسا نہ ہو تو
آدمی طریق طے کرنے
ہی سے رہجائے۔

اسی طرح سے سالک کو اپنے راہ سلوک طے کرنے میں ایسی
چیزیں بھی ظاہر ہوتی ہیں جن سے کبھی تو اس کو ترقی معلوم ہوتی
ہے اور کبھی نقصان. کبھی قلب میں صفائی محسوس ہوتی ہے
اور کبھی مکدر رمکدر سا رہتا ہے۔ اور کبھی اس پر حجابات دنیویۃ
یا اخرویہ پڑے ہوئے سے معلوم ہوتے ہیں اور کبھی احوال
یا خواطر ربانیہ یا شیطانیہ یا نفسانیہ ہی قلب میں کھڑے
معلوم ہوتے ہیں. اسی طرح سے تمام وہ اثرات قلب پر
مستولی معلوم ہوتے ہیں جو حوادث سے پیدا ہوتے ہیں جن کا
نہ کوئی احاطہ ہوتا ہے نہ شمار، اور ایک مبتدی کو تو ان امور کی معرفت
تک نہیں ہوتی اسلئے کہ وہ سب حالات لسان الغیب ہوتے ہیں
جنکو اہل ہی سمجھ سکتا ہے لہذا ایک ایسی ذات کی طرف احتیاج ہوتی
جو تائیدات الہیہ کے ساتھ موید ہو اور غیبی اشارات کو سمجھتا ہو تاکہ
اسکو سمجھ سکے اور ان اشارات و معارف (کے ثمرات) سے محروم نہ رہے
نیز یہ کہ معرفت کے مقامات اس پر دشوار نہ ہوں. وجہ احتیاج ایک تو یہ ہے
جو بیان ہوئی علاوہ ازیں اور بھی چند امور ہیں جنکی وجہ سے مرشد کامل کی احتیاج ہوتی ہے۔

مثلاً ان میں سے ایک یہ ہے کہ طریق کا سلوک بدون ذکر
کے توسط کے ممکن نہیں. اور ذکر کا معاملہ یہ ہے کہ وہ کامل طور
پر مفید نہیں ہوتا مگر اس وقت جبکہ کسی شیخ کامل کی تلقین
سے اسکو حاصل کیا جائے. اس لئے کہ تلقین میں کچھ خاص
اثرات و برکات ہیں جنکو اہل طریق ہی سمجھتے ہیں. اور

هوالذی اشارالیه فی الذهب الابریز من انه یعطیه الاسم بنوره فیعمل فی تنویرالقلب عمله واذاکان الاسم خالیاً عن النورلایکون له ذلك التاثیرحتی انه اذاوقع قرطاس علیه اسم الله تعالیٰ علی الارض سارعت الملائکة لاخذ النور الذی فیه ولولاذلك لهلك من وطی علیه فی الحال۔

شاید وہ تبریہ ہو جیساکہ کتاب "الذہب الابریز" میں اشارۃً بیان فرمایا ہے کہ شیخ اسم (یعنی ذکر) کو مع اس کے نور[۵] کے دیتا ہے جسکی وجہ سے وہ تنویر قلب کا کام کرتا ہے اور جب اسم نور سے خالی ہوگا تو اس کے لئے یہ تاثیر نہ ہوگی۔

یہاں تک کہ جب زمین پر کوئی ایسا کاغذ پڑا ہوتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا نام لکھا ہو تو فرشتے اس کے نور کی وجہ جو اس میں ہوتا ہے اس کی طرف سبقت کرتے ہیں (اور اس سے نور کو اچک لیتے ہیں) اور اگر کہیں فرشتے اس کے نور کو نہ اٹھالیں تو جس کا پیر اس پر پڑ جائے وہ تو ہلاک ہی ہو جائے۔

منها ان السالك اذا سلك بنفسه طال علیه الطریق لان مشیه اضعف من مشی النملة وکل عقبة مسافة کذا وکذا عاماً ویحتاج فی بعض المقامات الی الطیران ولایمکنه ذلك لانه علی شکل البیضة وهی لاتطیر الا اذا صارت طیراً ولایصیر طیراً الا بتصرف طیرآخرفیها وهوالمرشد الکامل۔

اسی طرح ایک وجہ شیخ کی جانب احتیاج کی یہ بھی ہے کہ سالک اگر راہ سلوک تنہا طے کرے گا تو اس کا راستہ طویل ہو جائے گا اس لئے کہ اسکی رفتار چیونٹی کی چال سے بھی سست ہو اور پھر ہر ہر گھاٹی کے طے کرنے میں اسکو سالہا سال کا زمانہ لگ جائے گا یہاں تک کہ بعض مقامات کے طے کرنے میں اسکو اڑنے تک کی ضرورت پیش آئے گی اور یہ اس سے ہو نہ سکے گا اس لئے کہ وہ ابھی انڈے ہی کی شکل پر ہے اور انڈا اڑتا نہیں جب تک کہ پرند نہ بنجائے اور وہ پرند اسوقت بنتا ہے کہ جب اس میں کوئی دوسرا پرند تصرف کرے (یعنی اسکو اپنے نیچے رکھ کر سیوے) اور یہاں یہ ذات مرشد کامل ہی ہے (پس اسی کی تربیت سے سالک میں سلوک کی روح آسکتی ہے)

حُکی عن ابی بکر الخراسانی من ولایة الجام وکان من مجاذیب الحق تعالیٰ ولکن ماله شیخ معین انه قال بعد ماسرت فی الطریق خمسة واربعین سنة وصلت الی

حضرت ابوبکر خراسانی جو ملک جام کے رہنے والے ایک مجذوب بزرگ تھے گر ان کے لئے کوئی شیخ معین نہ تھا وہ خود اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ میں طریق میں پینتالیس سال تک چکر لگانے کے بعد ایک انتہائی دشوار گذار مقام پر پہنچا (اور ایک ایسی گھائی میں الجھ گیا) جس سے

(افادہ۵) اسی معنی میں کہا گیا ہے کہ ؎ شیخ نورانی زرہ آگہ کند + باسخن ہم نوررا ہمرہ کند

مقام من صعوبتہ اجتھدت فیہ ظاھراً و باطنا و تحملت مقاساۃً شدیدۃً الی سنتین حتی ان الحق تعالیٰ وفقنی للعبور عنہ ثم حکوا ھذہ القصۃ للشیخ مجد الدین البغدادی رحمہ اللہ تعالیٰ فقال لا یعرف احدٌ قدر المشائخ ولا یؤدی حقھم فلی بعض المریدین قطعوا المسافۃ من البدایۃ الی النھایۃ بسنتین ولما وصلوا الی ذلک المقام عبروا عنہ بیوم او یومین

والحاصل ان الشیوخ نواب اللہ تعالیٰ کالرسل علیھم الصلوٰۃ والسلام فلھم حفظ الشریعۃ و حفظ القلوب ومراعاۃ الآداب و وحظ الشیخوخۃ من العلم باللہ تعالیٰ ان یعرف من الناس موارد حرکاتھم ومصادرھم والعلم بالخواطر مذمومھا ومحمودھا وموضع اللبس الداخل فیھا من ظھور الخاطر المذموم فی صورۃ المحمود ویعرف ما لھم وما یکون علیہ من الخیر الذی یرضیہ تعالیٰ ومن الشر الذی یسخطہ و یعرف العلل والادویۃ ویعرف

نکلنے کے لئے میں نے ہرچند ظاہری و باطنی سب طرح کی کوشش کی (مگر کامیاب نہ ہوسکا) اور (آخر میں) دو سال تک تو نہایت ہی سخت مصائب برداشت کئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہی نے مجھے توفیق بخشی اور (اپنا فضل فرمایا کہ) میں اس کو عبور کر گیا۔ پھر لوگوں نے اس قصہ کو شیخ مجدالدین بغدادیؒ سے بیان کیا۔ انھوں نے فرمایا کہ (ہاں بھائی سچ ہے) کوئی شخص مشائخ کی قدر نہ تو پہچان ہی سکتا ہے اور نہ ان کے حقوق ہی ادا کر سکتا ہے۔ (اور یہ بھی کہا کہ) میرے بعض مریدین نے طریق کی مسافت کو از ابتدا تا انتہا دو سال میں طے کیا۔ لیکن جب اس مقام پر پہونچے (جسکی صعوبت کا ابوبکر خراسانی نے اوپر ذکر کیا ہے) تو اسکو ایک دن یا دو دن میں طے کرلیا۔ (یہ اسی لئے کہ شیخ کے زیر تربیت تھے۔

حاصل یہ کہ حضرات مشائخ بھی اللہ تعالیٰ کے نائب ہوتے ہیں جس طرح سے کہ حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام (اللہ تعالیٰ کے خلیفہ ہوتے ہیں) لہٰذا ان کے ذمہ بھی شریعت کی اور قلوب کی حفاظت ہوتی ہے اور آداب باری تعالیٰ کی کامل رعایت۔ اور کوئی شیخ جو عارف باللہ ہوتا ہے تو اس کے لوازم سے یہ ہے کہ وہ لوگوں کی جملہ حرکات کے موارد اور مصادر کو جانتا ہو۔ نیز خواطر کے معاملہ میں مذموم و محمود کی پہچان رکھتا ہو۔ اور ان میں باہم کبھی جو التباس واقع ہوجاتا ہے یعنی یہ کہ کوئی خاطر (قلبی خیال) جو ہوتا تو ہے مذموم مگر بظاہر محمود معلوم ہوتا ہے تو اس کے مواقع اشتباہ اور اس کے مناشی کو سمجھتا ہو۔ اور یہ جانتا ہو کہ ان میں سے کون سالک کے لئے مفید ہے اور ایسے خیر پر مشتمل ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا موجب ہے اور کون کسی شر کو متضمن ہے جو حق تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہے۔ اسی طرح سے شیخ کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ بیماریوں کے اسباب اور ان کے

الازمنة والسنين والامكنة والاغذية وما يصلح المزاج وما يزعجه ويفسده ويعرف[۱] الفرق بين الكشف الحقيقى والكشف الخيالى ويعلم التجلى الالهى والتخيل الشيطانى ويعرف التربية كما ذاق ويعرف انتقال المريد من الطفولة الى الشباب الى الكهولة ويعلم متى يترك التحكم فى طبيعة المريد ويحكم فى عقله ومتى تصدق خواطر المريد ويعلم ما للنفس من الاحكام وما للشيطان من الاحكام والاوهام وما تحت قدرة الشيطان ويعلم الحجب التى تعصم الانسان من القاء الشيطان فى قلبه ويعلم ما تكنه نفس المريد مما لا يشعر[۲] به المريد ويفرق للمريد اذا فتح عليه فى باطنه

دوا علاج سے بھی واقف ہو اور پھر علاج کے سلسلہ میں زمانہ عمر۔ مقام اور غذاؤں سے واقف ہو اور اس بات کو بھی جانتا ہو کہ کس چیز سے مزاج کی اصلاح ہوتی ہے اور کون شے اسکو بگاڑ دیگی اور اس کو فاسد کردے گی۔ نیز اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ کشف حقیقی اور کشف خیالی کے فرق کو پہچانتا ہو اسی طرح تجلی ربانی اور تخیل شیطانی کو بھی سمجھتا ہو اور اصلاح و تربیت کے فن کو اس طریقہ سے پہچانتا ہو جیسے کہ خود اسکو چکھ چکا ہو۔ اور مریدین کے تطورات زمانی یعنی طفولیہ سے شباب اور شباب سے بڑھاپے کی جانب منتقل ہونے کو بھی جانتا ہو (یعنی یہ کہ ہر دور کا حکم جدا ہوا کرتا ہے) اور اسکو جانتا ہو کہ کب مرید کی طبیعت میں حکم کرنا ترک کردیا جائے اور کب اسکے اندر عقل کی صحت کا حکم لگا دیا جائے نیز یہ کہ کب مریدین کے خواطر صادق ہونے لگتے ہیں۔ اسی طرح شیخ کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ یہ جانے کون سے احکام نفس کیجانب سے ہیں اور کون سے احکام یا ادھام شیطان کی جانب سے ہیں۔ اور کن احکام پر شیطان کو قدرت حاصل ہے (اور کن پر نہیں ہے) اسی طرح ان حجابات کو بھی جانتا ہو جو انسان کے قلب میں آکر القائے شیطانی سے اسکو محفوظ کر لیتے ہیں۔ اور ان چیزوں کو بھی جانتا ہو جنھیں سالکین کے نفوس چھپائے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ خود سالک کو بھی ان کا

---

(۱) قولہ ویعرف الفرق بین الکشف الخ) کتاب الذھب الابریز میں کشف کی دو قسمیں بیان کی ہیں ایک نورانی دوسرے ظلمانی۔ اور ان دونوں میں یہ فرق کیا ہے کہ نورانی وہ ہے جس میں اشیاء باقیہ میں سے کسی شے پر اطلاع پائی جائے مثلاً جنت یا لوح محفوظ وغیرہ اور ظلمانی یہ ہے کہ اشیاء فانیہ میں سے کسی چیز پر اطلاع ہوجائے کہ لوگوں کے گھر میں کیا کھانا پکا ہے وغیرہ۔ اور یہ قسم تو ریاضت اور مجاہدے سے بھی انسان کو حاصل ہو جاتی ہے اور طریق میں اس کا چنداں اعتبار بھی نہیں ہے اور نہ کوئی کمال ہے بلکہ اہل سلوک تو اس سے پناہ مانگتے ہیں (اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ یہ حاصل نہ ہو) اھ منہ ۱۲

(۲) قولہ لا یشعر بہ) یہاں تک کہ بعض مریدین کا ہاتھ خلوت کی حالت میں اپنی شرم گاہ پر پڑ گیا تو اس کی وجہ سے اس کی فتوحات موقوف ہوگئیں۔ چنانچہ ان کے شیخ نے کہا کہ تمہاری فتوحات اس لئے موخر ہوگئیں کہ تم نے خلوت میں ایک بار اپنا ہاتھ اپنی شرم گاہ پر رکھ دیا تھا اس پر مرید نے عرض کیا کہ حضرت کو اس کا علم کیسے ہوگیا۔ یہ واقعہ تو بالکل تاریکی میں پیش آیا تھا۔ شیخ نے جواب دیا اگر تمہارے امور مجھ پر مخفی رہتے تو میں تمہیں خلوت میں بیٹھنے کو نہ کہتا۔ انتہی منہ ۱۲۔

بين الفتح الرحمانی والفتح الالٰهی

شعور نہیں ہوتا۔ اور جب مرید کے باطن میں حق تعالیٰ کچھ مفتوح فرما دیں تو شیخ کو لازم ہے کہ وہ اس میں امتیاز کرے کہ وہ فتح رحمانی ہے یا فتح الٰہی (تاکہ ہر ایک کے ساتھ اسکے مطابق معاملہ کر سکے)

ويعلم بالتوسم اهل الطريق الذين يصلحون والذين لا يصلحون ويعلم التحلية التي تحلى بها نفوس المريدين الذين هم عرائس الحق وهم لهم كالماشطة تزينها فهم ادباء الله عالمون بآداب الحضرة وما تستحقه من الحرمة۔

اور اہل طریق میں سے جو لوگ صالح ہوں اور جو صالح نہ ہوں ان کو پہچانے اور ان میں باہم تمیز کرے اسی طرح سے اس کے لئے اس زیبائش کو بھی جاننا ضروری ہے جس سے مریدین کے نفوس کو جو کہ عرائس الحق (یعنی حق کی دلہن) ہیں آراستہ کیا جاتا ہے۔ چنانچہ یہ حضرات مشائخ ان مریدین کے لئے بمنزلہ اس مشاطہ کے ہیں جو دلہنوں کو سنوارا کرتی ہیں۔ بس یہی حضرات ادباء اللہ ہیں جو کہ دربار شاہی کے آداب اور اس کے کما حقہ احترام سے واقف ہوتے ہیں۔

وبالجملة فالشيخ الكامل هو الجامع جميع ما يحتاج اليه المريد السالك في حال تربيته وسلوكه وكشفه الى ان يتأهل للمشيخة ومهما نقص شيئاً مما يحتاج اليه المريد فلا يحل له ان يقعد على منصة الشيخوخة واذا تصدى للتسليك والحالة هذه كان ضالا مضلا كالطبيب الجاهل يمرض الصحيح ويقتل المريض ويفسد اكثر ما يصلح۔

حاصل کلام یہ کہ جو شیخ کامل ہے وہ جامع ہوتا ہے ان تمام چیزوں کا جسکی طرف مرید سالک اپنے تربیت سلوک اور کشف وغیرہ میں محتاج ہوتا ہے اور اس وقت تک محتاج رہتا ہے جب تک کہ وہ خود مشیخت کا اہل نہ ہو جائے اور اگر کسی شخص میں کچھ بھی کمی ہو ان چیزوں میں سے جن کی طرف مرید محتاج ہوتا ہے تو اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ مسند شیخوخت پر بیٹھے اور اگر اس نے اس حالت میں لوگوں کی تربیت شروع کر دی تو وہ ضال بھی ہے اور مضل بھی اور اس کی مثال جاہل طبیب کی سی ہے کہ وہ اگر لوگوں کا علاج کرے گا تو نتیجہ یہ ہوگا کہ اچھوں کو بیمار ڈال دے گا اور مریضوں کا تو خاتمہ ہی کر دیگا۔ غرض اسکا فساد اسکی اصلاح سے کہیں بڑھ کر ہوگا۔

فاذا علمت ذلك وكنت طالباً للكمال والتحلي باوصاف الرجال فالواجب عليك اولاً ان تبحث عن المرشد الكامل وتسلم اليه

اب جب کہ تم نے ان امور کو جان لیا اور تمہیں کمال (باطنی) حاصل کرنے کی طلب اور مردان خدا کے اوصاف کے ساتھ اتصاف کا خیال پیدا ہوا تو تمہارے اوپر سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ تم کسی مرشد کامل کو تلاش کرو۔

نفسك وتدخل تحت تربيته وهو وان كان لا يخلو عنه زمان الا انه في هذا الزمان وقبله بازمانٍ اعز من الكبريت الاحمر۔ واما غالب مشائخ الزمن فانما يلقنون الذكر بقصد التبرك[۵۱] حتى يدخل المريد في سلسلة القوم ومحبتهم والتسليم والاعتقاد لمقالاتهم ولا يجوز[۵۲] لهم التلقين على غير هذا الوجه وكذلك الباس الخرقة وارخاء العذبة انما هو لمحض التبرك بزي القوم ومع هذا فلا يعدون من اتباعهم الا اذا[۵۳] كانوا على طريقتهم

اور خود کو بالکل اس کے حوالہ کردو اور اس کی تعلیم و تربیت میں داخل ہو جاؤ (اور یہ سمجھ لو کہ) یہ شیخ کامل (جو کہ طالبین کی کما حقہ تربیت کر سکے) اگرچہ زمانہ اس کے وجود سے خالی نہیں ہے تاہم اس زمانہ میں بلکہ اب سے بہت پہلے ہی سے اس کا وجود کبریت احمر (کیمیا) سے بھی زیادہ نادر ہو گیا ہے۔ چنانچہ زمانہ حاضر کے اکثر و بیشتر مشائخ اپنے مریدین کو جو ذکر وغیرہ تلقین فرماتے ہیں تو وہ فرمانا بقصد تبرک[۵۱] ہی رہ گیا ہے تاکہ مرید سلسلہ قوم میں داخل ہو جائے اور ان کے محبین اور ان کے ارشادات کے ماننے اور اعتقاد کرنے والوں میں اس کا بھی شمار ہو جائے اور بس۔ اور ان حضرات کے لئے بجز اس جہت[۵۲] کے ذکر کی تلقین جائز بھی نہیں تھی اسی طرح سے جبہ پوشی اور دستار بندی کی بھی رسم محض تبرک کے لئے جاری ہے تاکہ بزرگوں کی کم از کم ظاہری ہیئت برکت کے لئے اختیار کی جائے۔[۵۳] اور باوجود ان سب

---

۵۱ (قولہ بقصد التبرک) یعنی سلوک کے طور پر نہیں، کیونکہ وہ لوگ اس کے اہل نہیں ہیں۔ اور یہ مشیخت صوریہ یعنی ظاہری ہے یعنی محض روایتہ ہے درایتہ نہیں مگر اس کا بھی ایک فائدہ ہے وہ یہ کہ قوم صوفیہ سے تعلق اور محبت کا ذریعہ ہے اور اسکی وجہ سے بعض قلوب بعض سے مرتبط ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ یہ سلسلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک جا پہونچتا ہے اور اسی کی وجہ سے مرید کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے باطنی مدد (روحانی کمک) پہونچتی رہتی ہے۔ انتہی منہ ۱۲

۵۲ (قولہ ولا یجوز لھم) یعنی ان لوگوں کیلئے دوسروں کو تلقین کرنا جائز نہیں بلکہ ان پر واجب ہے کہ جو لوگ ان سے طریق اخذ کرنا چاہیں اور سلسلہ میں داخل ہونا چاہیں ان سے صاف کہدیں کہ بھائی ہم نے اہل طریق کی صرف ظاہری مشابہت اختیار کر رکھی ہے باقی ہم باطن میں انکے اوصاف سے متحقق نہیں ہیں۔ (افادہ) میں کہتا ہوں کہ بزرگوں کے ان حالات میں غور کیجئے کس قدر دیانت پر مبنی ہوتے تھے وہ یہ کہ کسی کو جبہ و دستار بھی بخشتے تھے مگر اسکو اپنا خلیفہ نہیں کہتے تھے خلیفہ دراصل وہی ہوتا تھا جو ان کے طریقہ پر ہوتا تھا یعنی اخلاق جمیلہ اختیار کرتا تھا اور اب خلافت کے لئے یہ سب شرائط ختم ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ۱۲

۵۳ (قولہ الا اذا کانوا علی طریقتھم الخ) اور وہ طریقہ یہی کہ ان کے اخلاق جمیلہ کے ساتھ متخلق ہو جائے تاکہ پھر ان کے اتباع ان سے منتفع ہوں محض بزرگوں کا بھیس بدل لینا اور انکی ہیئت اختیار کر لینا اور اب ان لوگوں میں جن کی مشیخت کہ محض صوریہ ہے جہالت اور بدعت کا دور دورہ ہو گیا اور یہ لوگ بہت زیادہ دعاوی کاذبہ کے ساتھ متصف ہو گئے ہیں۔ انتہی منہ ۱۲

التی کانو علیھما من الزھد[1] والورع وترك الفضول وخوف اللہ تعالیٰ ومن ھنا قیل ان الطریق من النصف الثانی فی القرن العاشر صارت اسماً لا سیما لا الخیام کخیامھم ولا نساء الحی نساءہٗ +

باتوں کے خود یہ مشائخ بھی ان لوگوں کو اپنا متبع (جانشین اور خلیفہ) نہیں شمار کرتے تھے مگر اس وقت جبکہ یہ لوگ ان کے طریقہ پر ہو جائیں جس پر وہ لوگ خود تھے یعنی زہد ورع . لغویات کا ترک اور حق تعالیٰ کا خوف یہ سب چیزیں ان کے قلب کی صفات بن جائیں . انہی حالات کے پیش نظر یہ کہا گیا ہے کہ طریق تو دسویں صدی ہجری ہی کے نصف ثانی سے صرف اسم کے درجہ میں رہ گیا ہے باقی رسوم اسکی مٹ چکی ہیں . خیمے ہی ان کے خیمے جیسے رہ گئے ہیں اور نہ قبیلہ کی عورتیں ہی انکی عورتوں جیسی رہ گئی ہیں ۔

واما من یزعم من اھل ھذا الزمن انہ یرشد الطالبین ویوصلھم الی اللہ تعالیٰ من غیر استکمالہ لصفات المرشد الآتیۃ فانما مدع کاذب و وضح دلیل علی کذبہ انہ یلقن ناساً کثیرین ولا ینتج منھم واحد +

اور جو شخص اس زمانہ میں یہ سمجھتا ہے کہ وہ طالبین کی رہنمائی کر رہا ہے اور ان کو حق تعالیٰ تک واصل کر دیتا ہے بدون اس بات کے کہ خود اپنے اندر مرشد کی صفات بھی (جن کا ذکر آگے آرہا ہے) پیدا کی ہوں تو ایسا شخص مدعی کاذب ہے اور اس شخص کے کذب کی کھلی ہوئی دلیل یہ ہے کہ اس نے نہ معلوم کتنے لوگوں کو تلقین کی مگر ان میں سے کام کا ایک کو بھی نہ بنا سکا ۔

ولنبین لك صفۃ المرشد الکامل الذی یتعسر او یتعذر الوصول الی اللہ تعالیٰ بدون توسطہ الا ما کان بالجذبۃ الالٰھیۃ وسوابق العنایۃ الازلیۃ

اچھا تو اب ہم تم سے مرشد کامل کے (چند) اوصاف بیان کرتے ہیں وہ مرشد کامل جسکی اہمیت کا اس سے اندازہ کرو کہ حق تعالیٰ تک وصول کسی شخص کے لئے بدون اس کے توسط کے ممکن ہی نہیں ہے بلکہ متعذر اور متعسر ہے بجز اس کے کہ جذب الٰہی یا عنایات ازلی ہی کسی کو اپنی جانب کھینچ لے ۔

---

[1] (قولہ من الزھد الخ) میں نے امام غزالی کی کتاب عقبات میں زہد کی فضیلت کے بیان میں ایک حدیث دیکھی جو کہ اس کی فضیلت کیلئے کافی ووافی ہے وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کا قلب زاہد ہو چکا ہو تو اسکی دو رکعتیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک قیامت تک کے جملہ عابدین کی عبادت سے بہتر اور محبوب ہیں اور اسی میں یہ بھی دیکھا کہ اسرائیلیات میں ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام ایک شخص کے پاس سے گذرے جو سو رہا تھا . آپ نے فرمایا او سونے والے اٹھ اللہ کو یاد کر . اس نے جواب دیا کہ یا روح اللہ میں نے دنیا کو اہل دنیا کے لئے چھوڑ دیا . اب آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اچھا تو پھر لے میرے حبیب سو رہو . انتہی (وجہ یہ کہ) یہ تو سب کو معلوم ہے کہ حب دنیا تمام خرابیوں کی جڑ ہے تو دنیا سے زہد بھی تمام حسنات کی اصل ہوگی . انتہی منہ ۱۲

فنقول المرشد الکامل المأذون
من الله تعالیٰ بدعوة الخلق الیه له
خمسة ارکان وعشرون صفة
لا توجد الا فی نحو الابدال۔

اما الارکان فھی عبدیة
الحضرت وستأتی آداب العبودیة
واستعداد قبول الحقائق من الحضرة
بلا واسطة ووجود الرحمة الخاصة
من مقام العبدانیة وثبوت تعلیم
العلوم من الحضرة وکون التعلیم
منها بلا وسطة قال تعالیٰ فوجدا
عبدا من عبادنا آتیناہ رحمة من
عندنا وعلمناہ من لدنا علما۔ فاندرج
فیه جمیع ماذکر من الارکان کما
ھو ظاھر۔

واما الصفات فھی ان یکون عالما
بالشریعة علی قدر ما یحتاجه المرید من
الفقه وعقائد التوحید بحیث یزیل
الشبهة التی تعرض للمرید فی البدایة
وان لم یکن متبحرا ویکون عالما بکمالات
القلوب وآفات النفوس وادویتها
وکیفیة حفظ صحتها واعتدالها
وان یکون عاقلا بالعقل الدینی و
المعاشی وشجاعا وخفیف النفس
بل قال بعضهم انه یجب علی الشیخ

سنو! مرشد کامل وہ ہوتا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے
دعوت الی اللہ کے لئے مامور اور مقرر ہوتا ہے (اور اس منصب پر منجانب
اللہ فائز کیا جاتا ہے) اسکے لئے پانچ ارکان اور بیس صفات ہوتی ہیں
جو کہ ابدال وغیرہ میں پائی جاتی ہیں۔

ارکان خمسہ یہ ہیں اول حضرت حق جل وعلا کی عبدیت
جس کے آداب آئندہ بیان ہوں گے۔ دوم حضرت حق سے
حقائق کو بلا واسطہ قبول کرنیکی استعداد ہونا سوم مقام عبدیت
کے ساتھ جو رحمت مخصوص ہے اس کا موجود ہونا۔ چہارم حق تعالیٰ
سے علوم و معارف اخذ کرنے کے شرف سے مشرف ہونا۔ پنجم ان
سب امور کا تعلم بلا واسطہ کے ہونا جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد
ہے کہ انھوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ کو پایا جس کو
ہم نے اپنی خاص رحمت دی تھی اور ہم نے ان کو اپنے پاس سے ایک
خاص طور کا علم سکھلایا تھا گویا اس ایک ہی میں تمام
مذکورہ بالا ارکان داخل ہیں
جیسا کہ ظاہر ہے۔

اور صفات شیخ کامل کی یہ ہیں کہ وہ مرید کی ضرورت کے
بقدر شریعت کا علم یعنی فقہ وعقائد کو جانتا ہو تاکہ ابتدا میں مرید کو
جو شبہات پیش آتے ہیں ان کا ازالہ کر سکے۔ باقی اس کے لئے یہ
ضروری نہیں کہ وہ متبحر عالم ہی ہو۔ اسی طرح شیخ کے لئے یہ ضروری
ہے کہ قلوب کے کمالات اور نفوس کے افات اس کے تمامی امراض
اس کے علاج سے بھی واقف ہو اور اس کی صحت کی حفاظت
اور اسکو اعتدال پر رکھنے کا طریقہ جانتا ہو۔ نیز یہ کہ اہل سنت
والجماعت کے عقائد رکھتا ہو۔ اسی طرح دین اور معاش کی عقل
رکھتا ہو۔ شجاع اور عفیف النفس ہو بلکہ بعضوں نے تو یہاں تک
کہا ہے کہ شیخ پر واجب ہے کہ مرید کے مال سے محتاط اور عفیف

ان يتعفف عن مال المريد الا من علم انه يفرح ويستبشر بقبول ماله وان يكون عالى الهمة مشفقا على المريد وحليما وعفوا وحسن الخلق وصاحب ايثار وكريما و متوكلا ومسلما وراضيا وساكنا فى الحركات وثابت القدم فى الارادات وصاحب هيبة ۔ فالموصوف بهذه الصفات متخلق باخلاق الله تعالى فيوصل المريد الى الحق باذنه تعالى فى مدة قصيرة بشرط ان يكون المريد قابلا وتأتى اوصافه وبعضهم زاد فى علامات المرشد زيادات وكلها ترجع للعشرين المذكورة فقال ومن علامة المرشد

ہی رہے بجز اس مرید کے جس کے متعلق یہ سمجھتا ہو کہ اگر اس کا مال قبول کرے گا تو اس کو خوشی ہی ہوگی۔ اسی طرح شیخ کے لئے ضروری ہے کہ بلند ہمت ہو۔ مرید پر شفقت کرتا ہو بردبار ہو۔ تسامح کرنے والا ہو حسن الخلق ہو۔ ایثار پیشہ اور کریم النفس ہو۔ متوکل ہو اور اپنے آپ کو سونپ دینے والا ہو حق تعالیٰ کے معاملات سے راضی ہو۔ اپنی جملہ حرکات میں باوقار ہو۔ اپنے ارادوں میں ثابت قدم ہو اور صاحب ہیبت ہو۔ چنانچہ جو شیخ[عٰ] ان صفات کے ساتھ متصف ہوگا وہ چونکہ خود بھی متخلق باخلاق اللہ ہوگا لہذا مرید کو بھی بحکم خدا حق تعالیٰ تک تھوڑی ہی مدت میں پہونچادے گا۔ ہاں شرط یہ ہے کہ مرید بھی قابل ہو یعنی صلاحیت رکھتا ہو اور اس کے اوصاف آگے آتے ہیں۔

یوں بعض لوگوں نے مرشد کی صفات اور اس کی علامات میں کچھ اور اضافہ بھی کیا ہے۔ مگر ان سب کا مآل انھیں بیس مذکورہ کی جانب لوٹتا ہے۔ چنانچہ مرشد کی ایک علامت یہ ہے کہ مرید اس پر اپنا جو حال

(عٰ) قولہ فالموصوف بہذہ الصفات الخ) اور ہمارے شیخ رحمہ اللہ (الحمد للہ) ان تمام ہی صفات سے متصف تھے بلکہ مع شیٔ زائد۔ چنانچہ کسی شخص کو انکی ولایت میں شبہ رہا ہو تو ہو۔ مگر ان کی کمال عقل میں تو کسی کو کلام ہی نہ تھا۔ یہانتک کہ اہل دنیا میں سے بڑے بڑے لوگ اپنے پیچیدہ مسائل میں ان سے مشورہ کیا کرتے تھے۔ اور میں نے ان کو فرماتے ہوئے سنا کہ میرے پاس ایک مالدار آیا اور مجھ سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ اپنا تمام مال فقرا پر صدقہ کردوں اور اپنے رب کی عبادت کیلئے خود کو فارغ کرلوں۔ شیخ کہتے ہیں کہ میں نے ان سے کہا کہ ہاں اس میں کچھ مضائقہ نہیں مگر ذرا ایک ہفتہ ٹھہر جاؤ اگر اسوقت تک خیال قائم رہے تو اسپر عمل کرلینا۔ یہ سنکر وہ صاحب چلے گئے اور دو دن کے بعد آئے اور مجھ سے کہنے لگے کہ جزاک اللہ خیراً یعنی یہ کہ آپ نے خوب بچا لیا کیونکہ میری رائے بدل گئی ہے۔ شیخ نے مہلت جو مقرر کی تھی وہ اسی لئے کہ ایسا نہ ہو کہ انکا یہ خیال مقام کا درجہ نہ رکھتا ہو محض وقتی حال ہو اور دوسرے وقت بدل جائے تو اپنے کئے پر ایسے وقت میں نادم ہوں جبکہ ندامت سے کوئی نفع نہ ہو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور اگر ایک ہفتہ تک وہ ارادہ قائم رہ جاتا تو وہ مقام ہوتا۔ ۱۲ منہ

ان یکون ستاراً لکل ما ظهره علیه المرید لا یغضب الا لله قد استوی عنده جمیع المأکل والمشرب والملبس فی جمیع احواله علی الحالة الوسطی فی الجوع والشبع والنوم والسهر وغیر ذلك وهی حالة لا یقدر علیها الا الکمل وان یکون نصوحاً لجمیع الامة جل همه تقریب السالکین الی الله تعالیٰ غیر محب للمشیخة متمسکا بطریقة رسول الله صلی الله علیه وسلم ناظراً بقلبه فی الهدایة والخذلان الی تقدیر الله تعالیٰ فان فتح علی احد من تلامذته شکر الله تعالیٰ ولا یشهد له فی ذلك شیئاً واذا علم[1] بالکشف الصحیح انه لا فتح لمرید علی یده دله علی من یکون فتحه

ظاہر کرے اس کے حق میں ستّار ہو جب بھی غصہ ہو تو اللہ تعالیٰ کے لئے ہو۔ ہر قسم کے کھانے پینے اور پہننے کی چیزیں اس کے نزدیک یکساں ہو۔ نیز وہ اپنے جملہ حالات میں بحالِ اعتدال ہو۔ بھوک کی حالت ہو یا سیری کی سونے کی ہو یا بیداری کی یا ان کے علاوہ کوئی اور حالت ہو۔ اور یہ میانہ روی وہ درجہ ہے کہ اس پر کوئی کامل ہی قادر ہو سکتا ہے نیز یہ کہ ساری امت کے حق میں خیر خواہ ہو۔ اسکی انتہائی غرض یہ ہو کہ سالکین کو واصل بنادے۔ خود مشیخت کا خواہاں نہ ہو۔ طریق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے ساتھ تمسک کرنے والا ہو۔ اور کسی کی ہدایت یا محرومی کے وقت بس اپنے قلب سے حق تعالیٰ کی تقدیر کا تماشا دیکھتا ہو۔ اگر اس کے مریدین میں سے کسی پر اللہ تعالیٰ کچھ فتح فرمادیں تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔ اور اس بارے میں کسی دوسری چیز کو سبب نہ گردانے اور اگر علم کشفی سے صحیح طور پر یہ معلوم ہو جائے کہ فلاں مرید کا حصہ اس کے یہاں نہیں ہے تو اس کو اس شیخ کا پتہ بتلا دے جس کے یہاں اس کا حصہ ہو۔ اسی طرح جب اس کے پاس ایسا

---

(۱) قولہ واذا علم الخ) اور اسی کی نظیر وہ واقعہ ہے جو شیخ احمد صاوی کا ہمارے شیخ کے ساتھ پیش آیا۔ ہوا یہ کہ ہمارے شیخ نے عم بزرگوار شیخ محمود رافعی کے ہمراہ طرابلس سے مصر کا سفر کیا، تاکہ عم محترم کے شیخ یعنی صاوی سے طریق اخذ کریں۔ جیسے ہی شیخ صاوی کی ان پر نظر پڑی ان سے کہا کہ تم میری اولاد (یعنی سلسلہ) سے نہیں ہو بلکہ شیخ حسن قصبی کی اولاد سے ہو (یعنی ان کے ہاں تمہارا حصہ ہے) میں نے یہ واقعہ اسی طرح اپنے استاد شیخ علی آفندی کے صاحبزادے سے سنا تھا۔

انتہیٰ منہ ۱۲

على يديه واذا اتاه من لا يصلح للارادة يرده الى الاسباب الا ان يقيمه خادمًا للفقراء او يصحب الشيخ للتبرك لا للسلوك۔

وان يكون مراعيًا لحدود الله تعالى موفيًا بعهده يحب ما حب الله ويبغض ما ابغض الله مرًا بالمعروف ناهيًا عن المنكر لا اخذه في الله لومة لائم مسارعًا لى الخيرات ويوقر الكبير ويرحم لصغير ينزل الكبير منزل الاب والصغير بمنزلة الابن وجميع الخلق[1] بمنزلة العائلة ويبر[2] الناس جميعًا ويميط الاذى عن طريق الله يستحي من الله تعالى واذا هفا سارع التوبة وعاد على نفسه باللوم

کوئی شخص آجاوے جو طریق کی صلاحیت ہی نہ رکھتا ہو تو اس کو کاروبار دنیا میں لگادے یا یہ کہ فقراء کی خدمت کے لئے اس کو مقرر کردے یا وہ شیخ ہی کی خدمت میں تبرک کے لئے رہے نہ کہ سلوک کے لئے۔

اور شیخ کے لئے یہ بھی لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حدود کی رعایت کرنے والا ہو۔ اللہ کی پسند کو پسند اور اس کے ناپسند کو ناپسند کرتا ہو۔ آمر بالمعروف ہو اور ناہی عن المنکر ہو۔ اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی پروا نہ کرتا ہو۔ نیکیوں کی جانب سبقت کرنے والا ہو۔ بڑوں کی توقیر کرنے والا ہو اور چھوٹوں پر رحم کرنے والا ہو اس طرح سے کہ کبیر کو بمنزلہ والد کے جانتا ہو اور صغیر کو بحیثیت اولاد کے سمجھتا ہو اور تمام مخلوق کو مانند اپنے کنبے کے جانتا ہو اور سب ہی لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہو اللہ تعالیٰ کے طریق سے ایذا کی چیزوں کو دور کرتا ہو۔ حق تعالیٰ سے شرماتا ہو اور اگر کوئی بات لغو اور فضول زبان سے نکل جائے تو فوراً توبہ کرلیتا ہو اور اپنے آپ کو خوب

---

[1] قولہ وجمیع الناس بمنزلۃ العائلۃ الخ) اور میں نے تو اپنے استاد سے ایسی بات سنی جو اس سے بھی بڑھ کر ہے اس لئے وہ فرمایا کرتے تھے کہ کسی مسلمان کو کوئی نعمت نہیں ملتی مگر یہ کہ مجھے جو خوشی اس پر ہوتی ہے اس کا مقابلہ اگر اس خوشی کے ساتھ کیا جائے جو خود اس شخص کو اس پر ہوئی ہے تو میں یہ سمجھتا ہوں کہ میری خوشی اس کی خوشی سے کہیں بڑھ کر ہوگی۔ اسی طرح اگر کسی مسلمان کو کوئی مصیبت پہونچ جائے اور اس پر میرے غم کا اور اس کے غم کا موازنہ کیا جائے تو میرا غم اس کے غم سے یقیناً بڑھا ہوا ہوگا۔ انتہی منہ ۱۲

([2]) قولہ ویبر الناس جمیعًا الخ) ایسے ہی ہمارے شیخ بھی تھے ان کا ارشاد تھا کہ اپنے آپ کو کسی کے دل کے دکھانے اور ستانے سے بچاؤ خواہ وہ کسی جانور ہی کا دل کیوں نہ ہو۔ انتہی منہ ۱۲

ولا یضرب[1] فی معاصیہ للقضاء والقدر رھین لین فی نظرۃ رحمۃ لعباد اللہ تعالیٰ۔ الھم اغلب علیہ من الفرح لما یعطیہ موطن التکلیف نظرہ للارض اکثرہ من نظرہ الی السماء اذا رءی ذکر اللہ تعالیٰ حجۃ اللہ تعالیٰ علی خلقہ البسہ من نورہ السباطع ورفع لہ اعلام الھدایۃ الی مواصلۃ ورقا مقام الابطال لارادتہ وافرغ علیہ الصبر عن مخالفتہ وطہرہ بمراقبتہ وطیبہ بطیب اھل معاملتہ وکساہ حلۃ مودتہ ووضع علی راسہ تاج کرامتہ واودع فی قلبہ من ذخائر غیبہ واقامہ علی باب قربہ

ہی ملامت کرتا ہو۔ اور معصیت کے بارے میں قضا اور قدر کا بہانہ نہ تجویز کرتا ہو[1] یعنی یہ کہہ کر تسلی نہ دیتا ہو کہ ابھی یہی مقدر تھا اللہ تعالیٰ کے بندوں پر رحم کی نظر رکھے۔ سب اس سے مل سکیں سب سے نرمی سے ملے اس پر بہ نسبت خوشی کے فکر و غم کا زیادہ غلبہ ہو اس خیال سے کہ وہ دار التکلیف میں ڈالا گیا ہے اس کی نظر زمین پر زیادہ رہتی ہو بہ نسبت آسمان کے یعنی اکثر اوقات حیا کی وجہ سے سرنگوں ہی رہتا ہو۔ جب اس کو دیکھا جائے تو خدا تعالیٰ کی یاد آئے۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر اللہ تعالیٰ کی حجت ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے چمکنے نور کا لباس پہنایا ہو اور اس کے لئے اپنے وصال کی جانب ہدایت کا جھنڈا بلند کر دیا ہو۔ اور اسکو اپنے ارادت کے لئے ایک بڑے مقام پر فائز فرمایا ہو اور اسکو اپنی مخالفت سے سختی کے ساتھ روک دیا ہو اور اس کو اپنے مراقبہ کے ذریعہ پاک کیا ہو اور اپنے اہل معاملہ کی خوشبو سے اس کو خوشبو دار کر دیا ہو اور اسکو اپنی محبت کا لباس پہنا کر اس کے سر پر اپنی کرامت کا تاج رکھا ہو۔ اور اس کے قلب پر اپنے غیب کے ذخائر

---

[1] (قولہ ولا یضرب بمعاصیہ للقضاء والقدر الخ) مطلب یہ کہ یوں نہ کہنے لگے کہ میرے لئے مقدر یہی تھا اسلئے میں نے ایسا کیا گویا تقدیر ہی سے سند پکڑنے لگے اور اسکو اپنا عذر بتلائے اگرچہ واقعہ کے بعد ہی کیوں نہ ہو ایسا کہنا منع ہے۔ بلکہ اسکو چاہیئے کہ اپنے ہی نفس کو خوب ملامت اور توبیخ کرے چنانچہ مشائخ نے فرمایا ہے کہ یہی وہ موقع ہے جہاں شرک توحید سے بہتر ہے مطلب یہ کہ اپنے نفس کے متعلق یہ سمجھنا کہ اس نے یہ گناہ کیا ہے یہ فی الواقع شرک ہے اسلئے کہ بندوں کے سب اعمال خواہ اچھے ہوں یا برے سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ تاہم یہ (شرک) توحید سے بہتر ہے یعنی اس کہنے سے کہ اللہ تعالیٰ ہی معصیت کے خالق ہیں۔ دوسرے لفظوں میں گویا یہ کہنا ہوا کہ ہم اسکے کرنے میں معذور ہیں البتہ دوسرے اللہ تعالیٰ کے بندوں کے بارے میں یہی جہت سامنے رکھنی چاہیئے یعنی (ان سے معصیت صادر ہو) ان پر رحم کھائے اور باطناً ان کو معذور جانے (جسکی وجہ سے اپنے قلب میں انکی تحقیر و تذلیل نہ آنے دے) اگرچہ ظاہر میں ان کو زجر و توبیخ بھی کرے تاکہ ظاہر شرع کا حق ادا ہو۔ یہیں سے مشائخ نے فرمایا کہ جس نے ایسے لوگوں کو عین شریعت سے دیکھا تو وہ اس پر غصہ کرے گا اور خفا ہوگا۔ اور جو شخص ۔ ۔ ۔ ۔ ایسوں کو بہ نظر حقیقت دیکھے گا وہ انھیں معذور سمجھے گا اور رحم کرے گا اور عارف چونکہ دونوں نظروں کا جامع ہوتا ہے لہذا وہ بیک وقت دونوں نظروں سے اسکو دیکھتا ہے۔ انتہی منہ ۱۲۔

واجلسه على كرسي الدعاة اليه فدعا الى الله تعالى على بصيرة من ربه وهو الشمس اتى غشاها حجاب الصون والبدر الذي حجب بغمام ظله لكون فهمته طرفة من كراه وفتح عينك في وجوه الرجال فعسى ان تراه۔

ودیعت فرما دیئے ہوں اور اس کو اپنے قرب کے دروازہ پر مقیم کیا ہو اور اپنی جانب دعوت دینے والوں کی کرسی پر اسکو فائز فرمایا ہو پس اسکی وجہ سے اس نے خلق خدا کو اللہ تعالیٰ کی جانب اپنی خداداد بصیرت کیساتھ دعوت دی ہو اس حال میں کہ وہ ایک ایسا سورج ہوتا ہے کہ جسکو خدا کی حفاظت کا پردہ ہی چھپائے ہوئے ہے اور ایسا چاند ہوتا ہے جسے اللہ کا ظل اور سایہ ہی ڈھانکے ہوئے ہے۔ پس اپنی نظر کو بہ تکلف اوپر کو اٹھاؤ اور بڑے بڑے لوگوں کا آنکھ کھول کر جائزہ لو کیا عجب کہ کسی شیخ کامل سے تمہاری ملاقات ہو جائے۔

وان ظفرت به فليهنك الظفر فاقبل عليه بخالص الطوية واخلاص النية وكن تحت اوامره ونواهيه الى ان يفتح الله تعالى بمواهبه وعليك في مدة تطلبك المرشد بمداومة الذكر يستنير قلبك وتنقطع عن الاغيار۔

اور اگر مرشد کامل کی تلاش میں تم کامیاب ہو جاؤ تو پھر مبارک ہو تم کو یہ کامیابی۔ بس اس کی جانب صدق دل سے اور اخلاص نیت سے متوجہ ہو جاؤ اور اس کے اوامر و نواہی کا خود کو پابند بنا لو۔ یہانتک کہ حق تعالیٰ اسکے مواہب اور برکات سے تمہیں نوازیں اور زمانہ تلاش مرشد میں دوام ذکر کو اپنے لئے لازم کرو (یعنی ذکر اللہ پابندی کرتے رہو) تاکہ تمہارا قلب منور ہو جائے اور تم اغیار سے منقطع ہو جاؤ۔

قال العارف بالله تعالى سيدي الشيخ الاكبر اذا كان اسم الله جهيرك نور قلبك وضاعف نورك ومن لازمه ذكر الله قطعه عن كل شيء سواه فبملازمة ذكر الله تعالى يتنور القلب بنور الايمان ثم لا يزال يتضاعف ذلك النور الى ان يمتلئ القلب نوراً فيحصل به الكشف والتوحيد الحقيقي فان الانوار مطايا القلوب

عارف باللہ تعالیٰ سیدی شیخ اکبر فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کا نام تمہارے قلب کی گرمی اور خوشی بن جائے تو اس سے اپنے قلب کو روشن کرو اور اپنے نور کو بڑھاؤ۔ اور ذکر اللہ کا تو یہ خاصہ ہی ہے کہ جو اسکو اپنے اوپر لازم کرلیتا ہے تو پھر وہ اسکو اپنے ماسوا سے منقطع ہی کر دیتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے ذکر کے التزام سے قلب نور ایمان سے منور ہو جاتا ہے۔ پھر وہ نور بڑھتا ہی جاتا ہے۔ یہاں تک کہ قلب اس سے بالکل لبریز ہو جاتا ہے اور پھر اس کے ذریعہ کشف اور

والاسرار۔

توحید حقیقی حاصل ہوتی ہے۔ اسلئے کہ انوار ہی قلوب اور اسرار کی سواریاں ہیں۔

وقیل یلزمہ فی مدۃ طلب الاستاذ تسعۃ اشیاء وھی الجوع والسھر والصمت والعزلۃ والصدق والتوکل والصبر والعزیمۃ والیقین

کہا گیا ہے کہ طالب کے لئے مدت تلاش مرشد میں نو چیزیں لازم ہیں۔ بھوک۔ بے خوابی۔ خاموشی۔ تنہائی۔ سچائی۔ توکل۔ صبر۔ عزم۔ اور یقین۔

وفیہ ان التوکل والیقین من المقامات التی لا تحصل بالتکلیف فالاولی الاختصار علی السبعۃ الباقیۃ ومن طلب الاستاذ بجد وصدق عزیمۃ لابد وان اللہ تعالیٰ یجمعہ علیہ اذ لایخلو زمن من وجودہ وانما بینالک صفۃ المرشد لاجل ان لا تضیع وقتک اذا کنت طالب سلوک بالاشتغال علی غیر اھلہ۔

لیکن اس میں یہ اشکال ہوتا ہے کہ توکل اور یقین تو ان مقامات میں سے ہیں جو انسان کو بہ تکلف حاصل ہوتے ہیں نہ تو اول ہی دن وہ ان کا حامل کیسے ہو جائے گا؟ لہٰذا اولیٰ یہ ہے کہ بقیہ سات ہی پر اکتفا کیا جائے۔ اور یہ سمجھ رکھو کہ جو شخص شیخ کو محنت اور سچے ارادہ کے ساتھ طلب کریگا تو اللہ تعالیٰ ضرور بالضرور اسکو اس سے ملا دیں گے اس لئے کہ کوئی زمانہ ان حضرات کے وجود سے تو خالی ہوتا نہیں۔ رہے ان کے اوصاف سو ہم تم سے بیان ہی کر آئے ہیں محض اس خیال سے کہ لوگو تم سلوک کے طالب ہو تو کسی غیر اہل کے پاس پھنس کر اپنا وقت ضائع نہ کرو۔

فاذا ظفرت بہ فسلم کلک الیہ

اور جب تم شیخ کامل کی جستجو میں کامیاب ہو جاؤ

علہ افادہ۔ اس موقع پر بے ساختہ یہ شعر پڑھنے کو جی چاہتا ہے ؎

از ساحت دل غبار کثرت رُفتن
خوشتر کہ بہرزہ دُرِّ وحدت سُفتن

مغرور سخن مشو کہ توحید خدا
واحد دیدن بود نہ واحد گفتن

ترجمہ: دل کے میدان سے کثرت کا غبار دور کرنا ہرزہ سرائی کے ساتھ وحدت کے موتی پروتے رہنے سے بہتر ہے۔ الفاظ کے دھوکے میں مت پڑو کیونکہ توحید خدائے تعالیٰ کو (دل سے) ایک سمجھنے کا نام ہے نہ کہ صرف زبان سے ایک کہتے رہنے کا۔

واذا رأيت منه مخالفة بعد ما
تحققت فيه شروط الارشاد تاولها
له ضرورة ولا يحل اعتقادك فيه
وثم من الشيوخ طائفة أُخرى
اصحاب احوال ليس لهم في الظاهر
ذلك التحفظ تسلم اليهم في احوالهم
ولا تصحبهم وان ظهر منهم
كرامات خارقة لانا لا نتبع
الا من كان ظاهره الشرع وباطنه
الحقيقة فليس لنا طريق الى الله
تعالى على خلاف ما شرع على
لسان نبيه صلى الله عليه وسلم
ولا يقتدى بشيخ لا ادب له
ولو كان صادقا في حاله ولكن
يحترم قال الشيخ الاكبر ؎
لا تقتدى بالذي زالت شريعتهٗ
عنه ولو جاء بالانباء عن الله
وقد بين جملة من اخلاق
القوم من قال ؎
١- بالذوق والشوق نالوا غاية الشرف
لا بالذلق ولا بالعجب والصلف
٢- ومذهب القوم اخلاق مطهرة
بها تخلقت الاجساد في النطف
٣- صبر وشكر وايثار و مخمصة
وانفس تقطع الانفاس باللهف

یعنی کوئی مرشد تم کو مل جائے تو پھر اپنے کو بالکلیہ اس کے حوالہ
کردو۔ اور اگر کسی شیخ میں شرائط ارشاد متحقق کرچکنے کے بعد اسکے اندر
کوئی خلاف (شرع) بات تم کو نظر آئے تو حتی الامکان اس کی
تاویل کرو اور اپنے اعتقاد کو اس سے ختم مت کرو لیکن اسکا خیال
رکھو کہ مشائخ میں سے ایک گروہ اصحاب حال کا ایسا بھی ہوا ہے کہ
ظاہر میں ان کے لئے حفظ شرع نہیں (یعنی وہ مرفوع القلم ہوتے ہیں)
تو ایسے لوگوں کے احوال کو بغیر کسی کے مسلم رکھو (یعنی ان پر اعتراض بھی
مت کرو اور) ان کی صحبت میں بھی نہ بیٹھو اگرچہ ان سے کرامتوں کا صدور دیکھو
اسلئے کہ ہم اسی شخص کی اتباع کریں گے جسکا ظاہر شریعت کے موافق ہو۔
اور باطن حقیقت کے مطابق ہو۔ پس ہمارے نزدیک بجز اس شرع (محمدی)
کے اور کوئی طریق موصل الی اللہ نہیں جسکو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی زبان سے
مشروع فرمایا ہے اور اس شیخ کی ہرگز اقتدا نہ کی جائے گی جو آداب شرع سے
متادب نہ ہو اگرچہ اپنے حال میں وہ صادق ہی کیوں نہ ہو۔ ہاں اسکا احترام کیا
جائیگا۔ حضرت شیخ اکبر
فرماتے ہیں ؎
جس شخص سے شریعت متروک ہوگئی اسکی اتباع نہ کی جائے گی
اگرچہ وہ اللہ تعالیٰ کی ہی باتیں بیان کرے۔
اور ان اشعار میں قوم صوفیہ کے جملہ اخلاق کا بیان کسی
نے خوب ہی کردیا ہے۔ فرماتے ہیں ؎
ذوق اور شوق ہی کے ذریعہ لوگوں نے اعلیٰ شرف کو پایا ہے اور مراتب حاصل
کئے ہیں۔ ان مراتب کو گندگی درجہ عجب کبر و ڈینگ ہانک کر کے کسی نے نہیں پایا ہے۔
قوم صوفیہ کا مذہب اور مسالک پاکیزہ اخلاق ہیں۔ جن کے
ساتھ اجساد جسوقت کہ نطفہ ہی کی صورت میں ہوتے ہیں متخلق ہو چکتے ہیں۔
اور وہ پاکیزہ اخلاق یہ ہیں صبر و شکر و ایثار اور بھوکا رہنا۔
اور یہ اہل تصوف ایسے لوگ ہیں جنکا ہر ہر سانس رنج و غم ہی میں گذرا ہے۔

۴۔ والزهد في كل فان لا بقاء له
كما مضت سنة الاخيار في السلف

منجملہ ان کے اخلاق کے ان کا زہد ہے ہر اس شے فانی سے جسکے لئے بقا نہ ہو۔
چنانچہ اسلاف میں سے برگزیدہ لوگوں کا ہمیشہ یہی طریقہ رہا ہے۔

۵۔ قوم لتصفية الارواح قد عمدوا
وسلموا عرض الاشباح للتلف

یہ ایک ایسی قوم ہے جس نے صفائی باطن کی ٹھان لی ہے۔
اور اس نے اپنی لذات کے سامان کو معرض ہلاکت میں پیش کر دیا۔

۶۔ لا بالتخلق في المعروف تعرفهم
ولا التكلف في شئ من الكلف

تم اچھی اور معروف باتیں ان میں بطور تصنع اور بناوٹ کے نہ پاؤ گے۔
اور نہ کسی کام کے کرنے میں ان میں کچھ تکلف ہی پاؤ گے۔

۷۔ ما ضرهم رث اطمار والخلق
كالدر ما ضره مخلوق الصدف

چادروں کا پھٹا ہونا یا پرانا ہونا انکے لئے کوئی نقصان و عیب کی چیز نہیں ہے
جس طرح کہ موتی کے لئے سیپ کا بوسیدہ ہونا کیا مضر ہے؟

۸۔ واشقوتي اذ تولت امة سلفت
حتى تخلفت في خلف من الخلف

اے افسوس کہ اسلاف کی جماعت تو گذر گئی اور ختم ہو گئی
اور اب مجھ جیسا انسان ان اسلاف کے ناخلفوں میں باقی رہ گیا ہے۔

۹۔ يمقون تزاوير الغرور لنا
بالزور والبهت والبهتان والحلف

وہ لوگ جو کہ ایسے ہیں کہ مکر اور دھوکہ کی باتوں کو ہمارے سامنے بنا سنوار کر رکھتے ہیں
جس میں خلاف واقعہ بھی ہوتا ہے۔ فریب بھی بہتان بھی اور جھوٹی قسم بھی۔

۱۰۔ ليس التصوف عكازا ومسبحة
كلا ولا الفقر رؤيا دلقك الترف

تصوف ہاتھ میں ٹیڑھی لکڑی اور تسبیح لینے کا نام نہیں ہے۔
اور نہ فقیری قیمتی اور خوشنما گدڑی پہن لینے کا نام ہے۔

۱۱۔ ولا تروح وتغدو في مرقعة
وتحتها موبقات الكبر والسرف

اور نہ اس کا کہ تم صبح و شام چلو پھرو پیوند دار کپڑوں میں درآنحالیکہ
اسکے نیچے کبر اسراف جیسے مہلکات بھی موجود ہوں۔

۱۲۔ وتظهر الزهد في الدنيا وانت على
عكوفها كعكوف الكلب في الجيف

اور نہ اسکا کہ تم دنیا سے تو بے رغبتی ظاہر کرو حالانکہ خود تم اس پر اسطرح جمے بیٹھے ہو
جس طرح سے کتا مردار پر جما رہتا ہے (اگر تمہارا یہ حال ہے تو پھر سمجھ لو کہ)

۱۳۔ الفقر سر ۵ وعنك النفس تحجبه
فارفع حجابك تجلو ظلمة السدف

فقیری تمہارے حق میں ایک راز سربستہ ہے (یعنی تمکو اس سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے)
اور اسکو تمہارا نفس تم سے مخفی کئے ہوئے ہے لہذا حجاب نفسانی کو ہٹاؤ
تاکہ تم سے تاریکی کی ظلمت چھٹ جائے (یعنی معرفت تم کو حاصل ہو جائے)

---

۵ قولہ الفقر سر الخ یعنی فقر کے وہ معنی جو صوفیہ کے یہاں رائج ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اسرار میں سے ایک سر ہے جو اس شخص کو نہیں ملا کرتا جو کہ اس کو ظاہر کردے۔ اور اس کا حصول تزکیہ نفس کرنے اور اہل غفلت سے ترک کرنے سے ہوا کرتا ہے ہوا

۱۴۔ وفارق الجنس افن النفس فی نفس
وغب عن الحس و لجلب دمعة الاسف

(جس کا طریقہ یہ ہے) کہ اپنے ہم جنس یعنی اہل غفلت سے دوری اختیار کرو اور اپنے
کو کسی کے نفس میں فنا کر دو (یعنی کسی شیخ کامل کے قدم کی خاک ہو جاؤ) اور اس کے آگے
اپنے اختیار و احساس کو بالکل ختم کر دو اور رنج و افسوس کے آنسو بہاؤ۔

۱۵۔ واخضع له وتذلل ان دعیت له
واعرف محلك من ایاك واعترف

اور جب اس کی جانب بلائے جاؤ تو خود کو اسکے تابع اور اس کے آگے سرافگندہ کر دو
اور دل سے اپنے صحیح مرتبہ کو پہچانو اور اس کا اعتراف کرو

۱۶۔ وقف علی عرفات الذل منکسرا
وحول کعبة عرفان الصفا فطف

اور ذلت و پامالی کے میدان عرفات میں وقوف کرو
اور پھر عرفان صفا کے کعبہ کے گرد طواف کرو۔

۱۷۔ وادخل الی خلوة الافکار مفتکرا
وعد الی جانب لتذکار بالصحف

اور افکار خلوت میں فکر کا توشہ لیکر داخل ہو جاؤ اور پھر
ذکر کی دکان کی جانب صحیفۂ خداوندی لیکر واپس آجاؤ

۱۸۔ وتل المثانی ووحدان عزمت علی
ذکر الحبیب وصف ما شئت واصف

اور اسکے بعد تمہارا ارادہ اگر ذکر حبیب کا ہو تو قرآن کی تلاوت کرو
اور (اسکے مطابق اپنے حبیب کا) جو وصف چاہے بیان کرو اور جن صفات سے
چاہو خود بھی متصف ہو جاؤ۔

۱۹۔ وان سقاك مدیر الراح من یده
كاس تجلی فخذ بالكاس واغترف

اور اگر ساقی خود اپنے ہاتھ سے کاسۂ تجلی تم کو پلانا چاہے۔
تو بڑھ کر ساغر و مینا خود اپنے ہاتھ میں لے لو اور اس سے چلو بھر لو۔

۲۰۔ واشرب واسق ولا تبخل علی ظمئ
فان رجعت بلا ری فوا اسفی

اور اس کو خود بھی پیو اور دوسروں کو بھی پلاؤ اور دیکھو کسی پیاسے
کے پلانے میں بخل سے کام نہ لینا۔
لیکن اس پر بھی اگر تم بغیر سیراب ہوئے وہاں سے لوٹے تو تم پر افسوس
صد افسوس۔

ثم اذا ظفرت بامرشد لکامل کما
وصفنا فبادر الیه وترامی بین یدیه
فما کل وقت تمکن الفرصة واطلب منه
بحسن ادب وخضوع ان یرشدك و
یسلك بك سبیل المقربین وادخل

پھر جب تم ہمارے بیان کئے ہوئے اوصاف کے مطابق کسی
مرشد کامل کے پانے میں کامیاب ہو جاؤ تو اسکی جانب سبقت کرو
اور اس کے پاس رہ پڑو اس لئے کہ ایسے مواقع ہمیشہ نہیں ملا
کرتے اور ان بزرگ سے نہایت تواضع اور ادب کے ساتھ درخواست
کرو کہ تمہاری رہنمائی فرمائیں اور مقربین کی راہ تمہیں چلائیں اور

نفسك تحت تربيته والزمها امتثال امره وهذا شيء عليك اذ لا يمكن المرشد ان يبث في نفسك بذر الطلب كالطبيب ما لم يأته المريض ويسئل المداوات لا يمكنه ان يجعل فيه تلك الداعية فان رأى الشيخ بالاستخارة او بدونها حصول الاذن له في ذلك اخذ عليك العهد بالتزام التوبة عن جميع المعاصي وملازمة التقوى والدخول تحت طاعته ثم ان شاء لقنك الذكر في ذلك الوقت وهو الغالب او في وقت آخر۔

تم اپنے نفس کو ان کی تربیت میں دے دو اور اس پر ان کے حکم کی فرمانبرداری لازم کر دو اور یہ سمجھ لو کہ یہ تو تمہارے ہی کرنے کا کام ہے اس لئے کہ یہ مرشد کے بس کی بات نہیں کہ وہ تمہارے قلب میں طلب کا بیج بھی ڈالدے جس طرح کہ طبیب کا حال ہوتا ہے کہ جب تک مریض اس کے پاس نہ آوے اور اس سے اپنا معالجہ نہ چاہے تو اسکے لئے یہ ممکن نہیں کہ مریض میں یہ داعیہ پیدا کر دے۔ اب اگر شیخ بذریعہ استخارہ کے یا بدون اسکے تمہیں اس امر کی اجازت دینا چاہے تو چاہئیے کہ تم سے اس بات کا عہد لے کہ جملہ معاصی سے توبہ کا التزام کرو گے اور ہمیشہ تقوی کو لازم پکڑو گے اور شیخ کی اطاعت کرو گے۔ پھر اگر چاہے تو تمہیں اسی وقت کوئی ذکر تلقین کر دے چنانچہ غالب معمول مشائخ کا یہی ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تلقین ذکر کو کسی دوسرے وقت کے لئے اٹھا رکھے۔

(المطلب في كيفية تلقين الذكر واخذ العهد)

(تلقین ذکر کی کیفیت[1] اور مرید سے عہد لینے کے طریقہ کا بیان)

وكيفية تلقين الذكر ان يضع الشيخ يده اليمنى في يد المريد اليمنى بعد طهارة كل منهما ويجعل راحة كفه على راحته ويقبض ابهامه ويقول له غمض عينيك واستغفر الله ثلاثة ثم يقرء الشيخ قوله تعالى يا ايها الذين امنوا توبوا الى الله توبة نصوحا الى قدير وان الذين يبايعونك

ذکر کے تلقین کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ شیخ اپنا داہنا ہاتھ مرید کے داہنے ہاتھ میں رکھے اس حال میں کہ دونوں باوضو ہوں اور اس طرح رکھے کہ اسکی ہتھیلی مرید کی ہتھیلی کے اوپر ہو اور اسکے انگوٹھے کو پکڑ لے اور اس سے یوں کہے کہ تم اپنی آنکھیں بند کر لو اور پھر تین بار استغفار پڑھے۔ پھر شیخ قرآن شریف سے آیت یا ایها الذین امنوا توبوا الی الله توبة النصوحا۔ قدیر تک پڑھے پھر اس کے بعد آیت ان الذین یبایعونك انما یبایعون الله۔ عظیماً تک پڑھے اور پھر آیت واوفوا بعهد الله اذا عاهدتم آخر آیت تک پڑھے۔ پھر

[1] افادہ :۔ یہ طریقہ لازمی نہیں اسوقت مشائخ میں یہی رائج رہا ہوگا اس لئے مصنف نے بیان کیا۔ ۱۲

انما یبایعون الله الی عظیما. واو فوبهد
الله اذا اعاد ثم الآیة ثم یطرق
راسه ویدعو سر المرید بنحو اللهم
اعنه واحفظه وتقبل منه وافتح
علیه باب کل خیر کما فتحته علی انبیائک
واولیائک. اللهم فرغنا مما خلقتنا
له ولا تشغلنا بما تكفلت لنا به ولا
تحرمنا ونحن نسئلك ولا تعذبنا و
نحن نستغفرك برحمتك یا ارحم
الراحمین.

ثم یقول وكل منهما غاض بصره
اسمع منی الذکر ثلث مرات وقله بعدی
ثلاثا انا اسمع منك ثم یستاذن الشیخ
بقوله دستور یا رسول الله دستور
یا اهل الطریق دستور یا استاذی الذی
لی بتلقین الذکر ویطلب بقلبه
المدد من اهل السلسلة وذلك
بعد ان یکون قدم قراءة الفاتحة
له صلی الله علیه وسلم وفاتحة
ثانیة لاهل السلسلة وفاتحة
ثالثة لقطب الكون والاولیاء جمیعا
عند ما یجلس المرید بین یدیه ثم
یذکر ثلاثة فی اذنه الیسری الا الاسم
السابع ففی الیمنی لسر یعرفه اهله
ویذکر المرید بعده ثلاثة ثم یوصیه

پھر اپنے سر کو جھکائے اور مرید کے لئے آہستہ آہستہ دعا کرے مثلاً یہ کہ
کہ اے اللہ اس کی اعانت فرما اور اسکی حفاظت فرما اور اسکا یہ عمل
مقبول فرما اور اس پر ہر خیر کے ابواب کھولدے جیسا کہ آپ نے
اپنے تمام انبیاء اور اولیاء پر کھولا ہے۔ اے اللہ ہم کو اس کام
کے لئے فارغ کر جس کیلئے تونے ہمیں پیدا کیا ہے، اور ہمیں ان
امور میں مشغول فرما جکی کفالت ہمارے لئے آپ نے خود ہی
فرمائی ہے اور اے اللہ ہم جو سوال کرتے ہیں اس میں ہمیں
محروم نہ فرما اور ہمکو عذاب نہ دے درآنحالیکہ
ہم آپ سے استغفار کرتے ہیں۔ اس دعا کو قبول فرما اپنی رحمت
سے۔ اے سب رحم کرنے والوں سے بڑھکر رحم کرنے والے۔

پھر اس سے کہے اس حال میں کہ یہ دونوں اپنی آنکھیں بند کئے
ہوں کہ مجھ سے ذکر تین بار سنو اور پھر میرے بعد تین بار تم کہو اور
میں سن رہا ہوں پھر اس کے بعد شیخ اس طرح سے اجازت
لے، دستور یا رسول اللہ، دستور یا اهل طریق۔ دستور یا استاذی
تلقین ذکر کی مجھے اجازت عطا فرمائی جائے جس وقت یہ کہے
تو اپنے قلب سے اہل سلسلہ سے مدد طلب کرے اور اس طلب
(مدد) سے پہلے یہ کرے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے لئے فاتحہ پڑھے اور دوسری بار اہل سلسلہ کے لئے اور
تیسری بار قطب کون اور تمام اولیاء اللہ کے لئے جس
وقت کہ مرید اس کے سامنے آکر بیٹھا ہو پھر تین بار اس کے
بائیں کان میں ذکر کے کلمات کہے بجز ساتویں نام کے جس
کا بیان آگے آتا ہے، پھر اس کے بعد اس کے داہنے کان
میں کہے اور یہاں بائیں کے مقدم کرنے اور داہیں کے
موخر کرنے میں کچھ بھید ہے جس کو اہل طریق سمجھتے ہیں۔ پھر
اس کے بعد مرید بھی تین بار وہ ذکر کرے۔ پھر شیخ اسکو اللہ تعالیٰ

بتقوى الله تعالى وملازمة الذكر و
ورد الطريق
وسمعت استاذنا رحمه الله تعالى
يقول لجماعة طلبوا منه ان ياخذ عليهم
العهد انتم مرادكم اخذ العهد
اتدرون العهد ما هو العهد التزام
قربة دينية وهي هنا التوبة عما مضى
وتقوى الله تعالى فيما بقى والتقوى
فعل المامورات واجتناب المنهيات
رضيتم ان تعاهدونى على ذالك
قالو رضينا فقال قولوا استغفر الله
العظيم. ثم وضع يده فى ايديهم
وغشيهم بمنديل معه ودعا سرا ثم
تلا الآيات المتقدمة ثم قال ورد عنه
صلى الله تعالى عليه وسلم انه لقن
اصحابه الذكر جماعات وفرادى فاسمعوا
عنى الذكر ثلاثة وغمضوا اعينكم ثم
قولوه بعدى ثلاثة مستحضرى معنى
ومعنى لا اله الا الله لا معبود بحق
الا الله فان المعبودات كثيرة منهم
من يعبد الشمس ومنهم من يعبد
القمر ومنهم من يعبد النجوم وكلها
معبودات باطل ولا معبود بحق
الا الله ثم لقنهم الذكر وسمعه
منهم ثلاثا ثلاثا ثم دعا لهم

سے تقوی کی ملازمت ذکر کی اور طریق کے اوراد پر مواظبت
کی وصیت کرے۔

ہم نے اپنے استاد (شیخ محمد رشید) رحمۃ اللہ علیہ کو اس جماعت
سے جس نے ان سے بیعت کی درخواست کی تھی۔ یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اچھا
آپ لوگ بیعت ہونا چاہتے ہیں؟ جانتے بھی ہیں بیعت کسے کہتے ہیں بیعت
ہونا دینی قربت کا التزام کرنا ہے اور یہاں عرف میں اس سے مراد
گذشتہ امور سے توبہ کرنا اور آئندہ کیلئے اللہ تعالیٰ کا تقوی اختیار کرنا
ہے اور تقوی مامورات شرعیہ کے ادا کرنے اور منہیات سے بچنے کا
نام ہے۔ اب بتاؤ ان امور پر بیعت کرنے کیلئے راضی ہو۔ سب
لوگوں نے کہا دل وجان سے تیار ہیں۔ پھر شیخ نے فرمایا اچھا
کہو۔ استغفر اللہ العظیم الذی لا الہ الا ھو غفار الذنوب ستار العیوب
واتوب علیہ استغفر اللہ العظیم۔ پھر اپنے دست مبارک کو ان لوگوں کے
ہاتھ میں رکھ کر اوپر سے اپنا رومال ڈالدیا اور آہستہ آہستہ
دعا کی۔ پھر وہی آیتیں تلاوت کیں جو ہم پہلے بیان کر آئے
ہیں۔ پھر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ
نے اپنے اصحاب کو ذکر کی تلقین جماعۃً بھی فرمائی ہے اور انفراداً بھی لہذا تم
لوگ مجھ سے ذکر تین بار سنو اور اپنی آنکھیں بند کرلو پھر میرے بعد تم خود بھی
سے تین بار کہو اس طور پر کہ اسکے معنی کا قلب میں استحضار رہے۔

سنو! لا الہ الا اللہ کا مطلب ہے کہ لا معبود بحق الا اللہ یعنی
اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود حق نہیں اسلئے کہ معبودات تو بہت ہیں
کوئی سورج کو پوجتا ہے کوئی چاند کی عبادت کرتا ہے کوئی ستاروں کی
پرستش کرتا ہے اور یہ سب کے سب معبودان باطل ہیں باقی
معبود حق تو صرف وہ اللہ ہی ہے پھر ان کو ذکر کی تلقین
فرمائی اور خود ان سے تین بار اس کو سنا بھی۔ پھر ان کے
لئے کچھ دعائیں کیں۔ بعض آہستہ آہستہ بعض جہر کے ساتھ

بدعوات سرًا وجهرًا ووصاهم بوصايا جمة

اور پھر ان لوگوں کو نصائح کے ایک بڑے حصہ کی وصیت فرمائی۔

ثم امرهم بالاستغفار كل يوم مائة مرة والصلوة على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم كل يوم مائة مرة بأي صيغة كانت و ذكر الله تعالى بحسب التيسير ثم التفت الي وقال قد كنت توقف اولًا في اخذ العهد حتى بدا لي انه لا وجه للتوقف فاذا جاءك انسان وقال لك اريد ان اتوب واصير اذكر الله تعالى ماذا تقول له انتهى +

پھر انھیں ہر دن سو سو بار استغفار اور سو بار درود شریف جو سا بھی وہ چاہیں اور ذکر اللہ جس مقدار پر کہ آسانی کے ساتھ مداومت کر سکیں (ان اوراد) کا حکم فرمایا۔ پھر میری جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ مجھے ابتداءً بیعت کرنے میں کچھ تردد ہوتا تھا۔ یہانتک کہ قلب میں یہ بات آئی کہ ابھی توقف کی کوئی وجہ نہیں ہے لہذا (تم سے کہتا ہوں کہ) جب تمہارے پاس کوئی طالب آئے اور تم سے یہ درخواست کرے کہ میں توبہ کرنا چاہتا ہوں اور اللہ کا نام سیکھنا چاہتا ہوں تو تم آخر اس سے کیا کہوگے (ظاہر ہے کہ تم اسکو توبہ کا طریقہ اور اللہ کا نام بتاؤ گے) بس اسی کے پیش نظر پھر میں بھی بیعت کرنے لگا۔ انتہی کلامہ

وكانه انما كان توقفه لانه كان لا يرى نفسه اهلا للارشاد ثم انه كان اخبر استاذه السيد القصبي بما يقع له اذا اراد اخذ العهد على احد فقال له ما سبب ذلك والله ما اذنت لك الا باذن من رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم وامرني مرة ان اعاهد بعض طلاب العهد فتصاغرت و تضائلت لما اعرف من قصوري عن ذالك واستعفيت منه فاظهر الغيظ وقال ما سبب

(میں کہتا ہوں) حضرت شیخ کا توقف اس لئے رہا ہوگا کہ وہ اپنے آپ کو ارشاد کا اہل نہ سمجھتے ہونگے چنانچہ انہوں نے اس کی اطلاع اپنے شیخ قصبیؒ کو دی کہ مجھے کسی کو بیعت کرتے وقت اس قسم کا تردد ہوجاتا ہے انھوں نے فرمایا کہ اسکی کیا وجہ؟ خدا کی قسم میں نے تم کو اس کی اجازت نہیں دی ہے مگر اس وقت جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے اجازت حاصل کرلی ہے اور پھر مجھے میرے شیخ نے ایک بار حکم دیا کہ بعض طالبین کو تم بیعت کر لو۔ میں نے بھی اپنے آپکو کمتر جانا اور توقف کیا اسلئے کہ میں اپنی کوتاہیوں سے خوب واقف تھا چنانچہ میں نے حضرت شیخ (محمد رشیدؒ) سے اسکی معافی چاہی تو اس پر وہ بہت غصہ ہوئے اور فرمایا کہ عدم امتثال کا کیا سبب ہے بس میں اس کی جرات تو نہ کرسکا کہ ان سے

متناعاتك فما تجرأت ان اقول له عدم اهليتي بعد ان استخلفني فاكون قد خطاته فيما فعل فقلت قد ذكروا انه اذا كان في البلد مثلا من هو اعلى من الانسان فليس له ان ياخذ على احد العهد فكيف وانت استاذي اطال الله تعالى بقاءك فاعجبه ذالك الجواب وقال نعم انه الادب +

یہ عرض کرتا کہ مجھ میں اہلیت اسکی نہیں ہے اسلئے کہ حضرت مرشدی نے تو مجھے خلیفہ بنایا تھا تو اس کہنے کا مطلب تو یہ ہوتا کہ میں ان کے فعل کی تغلیط اور ان کا تخطیہ کر رہا ہوں اسلئے میں نے یہ کہا کہ مشائخ یوں فرماتے ہیں کہ جب کسی شہر میں کوئی شخص کسی سے درجہ میں بڑا موجود ہو تو اس کم مرتبہ والے کے لئے یہ جائز نہیں کسی کو بیعت کرے۔ پس جب یہاں آپ میرے شیخ موجود ہیں (اللہ تعالیٰ آپ کی بقا کو طویل فرمائے) پھر بھلا میرے لئے کیونکر مناسب تھا کہ میں کسی کو بیعت کرنے کی ہمت کرتا اور از روئے طریق یہ جائز بھی کب تھا۔ حضرت شیخ کو یہ جواب بہت پسند آیا۔ فرمایا۔ واقعی ادب کی بات تو یہی ہے۔
(جزاکم اللہ تعالیٰ)

وقد كان امرني مرة ثانية ان اخذ العهد على بعض الطالبين فقلت له ان قطرا انت فيه لا يمكن ان اعاهد فيه احدا +

اسی طرح ایک مرتبہ اور بعض طالبین کو مجھے بیعت کرنے کے لئے فرمایا میں نے عرض کیا کہ روئے زمین کا وہ خطہ جس میں آپ جیسے بزرگ موجود ہوں کسی دوسرے کی مجال نہیں کہ وہاں کسی کو بیعت کر سکے۔

وامرني مرة ثالثة ان اعاهد جماعة طلبوا منه العهد فاستعفيت فالتفت الي مغضبا وقال ليس ما الفرق يعني بيني وبينك فقلت له ما دمت انت موجودا اطال الله تعالى بقاءك لا يمكنني ان امد يدي فسكن غضبه وقال اذا كان من هذا القبيل فلا باس

اسی طرح ایک تیسری بار اور مجھے ایک جماعت کو بیعت کرنے کے لئے فرمایا جنھوں نے کہ حضرت شیخ سے بیعت کی درخواست کی تھی۔ میں نے عرض کیا کہ اس سے مجھے معاف رکھیں تو میری جانب غصہ کی نظر سے دیکھا اور کہا کیوں مجھ میں اور تم میں کیا فرق ہے۔ میں نے عرض کیا کہ اللہ آپ کی عمر دراز کرے جب تک آپ موجود ہیں میری مجال نہیں کہ بیعت کرنے کے لئے اپنا ہاتھ بڑھا سکوں اس سے ان کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ فرمایا کہ اچھا اگر اس قسم کی بات منشاء انکار ہے تو کچھ مضائقہ نہیں۔

(وسمعته) رحمه الله مرة يقول لطالب
العهد ان اخذ العهد على وجهين
منهم من يأخذ العهد للتبرك
ومنهم من يأخذه للسلوك فمن
ايهم انت فقال ممن يريد السلوك
انتهى۔

وهذا ينظر الاستاذ فى حاله
فان رآه اهلا للسلوك امره بصلاة
ركعتى التوبة اولاً ثم يجلسه بين
يديه ويفهمه انه انما يعاهده
على التوبة من جميع الذنوب والتزام
تقوى الله تعالى وامتثال امر استاذه
الداخل تحت تربيته والانقياد
لما يأمره به من اعمال الطريق وغيرها
بحيث يسلم قيادة له ويستسلم
لامره ويكون بين يديه كالميت بين
يدى الغاسل لا يعترض عليه فى
سره ولا يستصعب عليه فى تقليبه
حتى يخلصه من رعونات نفسه
ويعلمه ما علمه الله تعالى مما يقربه
اليه ويخبره ايضا بانه ان خالف
بشئ من ذالك فقد خان العهد
ثم يفعل ما تقدم ويلقنه الذكر
بهمة وخشوع وحسن التجاء وتوجه
تام ويأمره بالذكر بحسب ما يراه

میں نے اپنے استاد رحمۃ اللہ علیہ سے ایک بار سنا کہ کسی
طالب بیعت سے یہ فرماتے تھے کہ بیعت دو طرح کی ہوا کرتی ہے۔
بعض لوگ بیعت محض تبرک کے لئے لیتے ہیں اور بعض لوگ
سلوک کے لئے تو تم کن میں سے ہو اس نے کہا میں ان لوگوں
سے ہوں جو سلوک کا ارادہ کرتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ شیخ کو چاہیئے کہ مرید کے حال میں
غور کرے۔ اگر اسکو سلوک کا اہل دیکھے تو اسکو پہلے دو رکعت
نماز توبہ پڑھنے کا حکم کرے پھر اسکو اپنے سامنے بٹھائے اور سمجھائے
کہ وہ تمام گناہوں سے توبہ پر بیعت کر رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کے
تقویٰ کو لازم کرلے۔ اور اپنے اس شیخ کے حکم کے امتثال
کرنے پر جس کی تربیت میں یہ داخل ہے۔ بیعت کر رہا ہے
نیز اس نیت کے ساتھ بیعت ہو رہا ہے کہ طریق یا غیر طریق
کے جن اعمال کا بھی شیخ اسکو حکم کرے گا اس میں اس کا
انقیاد کریگا۔ بایں طور کہ اسکی قیادت کو تسلیم کریگا اور اس کا
تابع فرمان رہے گا اور اس کے سامنے اس طرح سے رہے گا
جیسے مردہ بدست زندہ (یعنی غاسل) ہوتا ہے اور اس پر ظاہراً
و باطناً کوئی اعتراض نہ کرے گا اور اسکی اصلاحات اور تنبیہات
کے وقت اینٹھ نہ جائے گا اور اس کا برا نہ مانے گا یہاں تک
کہ شیخ اسکو اس کے نفس کے رعونات (رذائل) سے
نکالدے اس کے ساتھ ساتھ اسے ان چیزوں کی تعلیم
کرے جو اللہ تعالیٰ نے اسکو سکھلائی ہیں اور جن کے ذریعہ
سے اس کا قرب حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اور شیخ کو یہ بھی
چاہیئے کہ سالک کو خبردار کردے کہ اگر تم نے ان امور میں
سے کسی میں کچھ کمی کی تو عہد کے خلاف ہوگا پھر وہی
چیزیں کرے جو پہلے کہی جاچکی ہیں اور اس کو ذکر کی تلقین

يمكنه كل يوم اثنى عشر الفا او اكثر و
يلزمه الانزواء ويعينه بما يقدر
عليه بحيث لا يشتغل بشيء من امور
الدنيا حتى يتم سلوكه وبعضهم
يوخر الشيخ معاهدته مدة يعلم
فيها صدق رغبته في الطريق وعلو
همته واهليته للسلوك وقد اخر
استاذي رحمه الله تعالى معاهدتي
مدة اشهر وانا مشغول فيها بخدمة
نعاله وحمل سجادته الى ان كان بعض
الايام دعاني بعد صلاة الظهر وعاهدني
على وجه السابق ولقنني الذكر بهمة
وخشوع بحيث بقيت اسمع من قلبي
المذكور طول ذالك اليوم وبعد مدة
قليلة رأيت النبي صلى الله عليه وسلم
في المنام وهي مبشرة واعطاني الحق تعالى
بمكارم الاخلاق من حب الفقراء
وخدمتهم وايثارهم بما عندي
ووفقني لكثرة الصيام والقيام
والمواظبة على النوافل والاوراد والطرق
ومجالسة المساكين وتنقية القمل
من ثياب عميانهم والتبذل بالثياب
والصفح عمن اذاني والدعاء له بالخير
الى غير ذالك مما منحنيه الحق تعالى
ببركة انفاس الاستاذ ووفقني

کرے۔ ہمت۔ خشوع۔ حسن التجا اور توجہ تام کے ساتھ
اور اس کو حکم کرے کہ جس قدر تم سے ہو سکے ذکر
کیا کرو مثلاً ہر دن بارہ ہزار یا اس سے زیادہ اور
اسکو گوشہ نشینی کا حکم کردے اور اس کی اعانت
ایسی چیز سے کرے جس کی وجہ سے وہ گوشہ نشینی
پر قادر ہو سکے (یعنی حوائج ضروریہ کا بندوبست کردے)
تاکہ وہ خود دنیوی امور میں مشغول نہ ہو یہاں تک کہ اس کا
سلوک تام ہو جائے اور بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ
مشائخ ان کے بیعت کرنے کو اتنی مدت تک کے لئے موخر
کردیتے ہیں جتنے میں کہ طریق سے اسکی رغبت اور مناسبت
اور اس کے علو ہمت اور سلوک کی اہلیت معلوم کر سکے۔ چنانچہ
ہمارے شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے بیعت فرمانے کو تو چند مہینے
کے لئے مؤخر فرمادیا تھا اور میں اس درمیان میں حضرت
کا جوتہ اٹھانے اور مصلیٰ لانے اور لیجانے کی خدمت پر مامور تھا
یہاں تک کہ ایک دن ظہر کے بعد مجھے بلایا اور مذکورہ بالا طریق
پر بیعت فرمالیا اور مجھے ایسی ہمت اور خشوع کے ساتھ ذکر کی
تلقین فرمائی کہ اس روز تمام دن میں اپنے قلب سے ذکر اللہ ہی
سنتا رہا اور پھر چند ہی دنوں کے بعد میں نے رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا جو کہ ایک بشارت کا خواب تھا
اور اللہ تعالیٰ نے مجھے مکارم اخلاق یعنی بزرگان دین کی محبت
ان کی خدمت اور اپنے پاس جو چیز موجود ہو اس میں انکو ترجیح
دینا سکھلایا۔ اور مجھے کثرت صیام وقیام اور نوافل اور طرق
کے وظائف کی پابندی اور مساکین کی صحبت میں بیٹھنا اور ان
میں جو نابینا ہوں ان کے کپڑوں سے چیلڑ دور کرنے اور معمولی
کپڑے پہننے اور جو مجھے تکلیف پہونچائے اس سے درگذر کرنے

بمحبته وخدمته والدعاء له
وحسن الادب معه بما لا اقدر ان
اصفه كل ذالك من غير تعلم من
كتب ولا سماع من احد وذالك
قبل طلبي للعلم وكان اعتنائه بي
ونصحه رحمه الله تعالى انه كان
يعلمني بنفسه ما احتاج اليه للعبادة
حتى كيفية الاستنجاء وامرني ان
اسمعه السور التي اقرؤها في صلوتي
وكان يرشدني تصحيحها وتجويدها
ويقول لي ان طريقتنا العلم فعليك
بطلب العلم فمن ذالك الوقت
تعلقت بطلب العلم الى ان فتح الله
تعالى بما فتح به ببركة توجهاته وعن
دعواته الا اني بعد ما تعلقت
بطلب العلم اشتغلت عما كنت عليه
وتغير حالي بسبب مخالطة طلبة
الزمن الى ان وصلت لحد الانكار
على اهل الطريق والعياذ بالله
تعالى ثم بعد ما بلغت من العلم
حد التدريس عاودني عائد
محبة القوم ورايت نفسي كاني
لابس ثوبا وسخا بسبب الاوصاف
الردية التي انا ملابسها من الكبر
والعجب وحب الشهرة والمحمدة و

بلکہ اس کے لئے دعاء خیر کرنے وغیرہ وغیرہ امور کی توفیق عطا
فرمائی اور ان کے علاوہ بہت سی وہ چیزیں جنھیں حق تعالیٰ نے
محض اپنے فضل سے اور شیخ کے دم کی برکت سے مجھے عطا فرمائی
تھیں ان کی بھی توفیق بخشی۔ اسی طرح حق تعالیٰ نے مجھے اپنی
محبت کی اور خدمت کی اور اپنے سے ہی دعا کرنے کی اور اپنے ساتھ
ایسے حسن ادب برتنے کی کہ زبان جس کے وصف سے قاصر ہے توفیق
عطا فرمائی اور یہ تمام چیزیں بدون کسی کتاب میں دیکھے اور کسی سے سنے
ہوئے مجھے حاصل تھیں اور یہ میرے طلب علم کے زمانہ سے پہلے کے حالات
تھے چنانچہ حضرت شیخ کی مجھ پر جو خاص توجہ تھی اور میری خیر خواہی منظور
تھی اسی کے منجملہ یہ بھی تھا کہ عبادت کے لئے جن امور کی احتیاج ہوتی
حضرت والا مجھے خود تعلیم فرماتے یہاں تک کہ استنجاء کی کیفیت بھی مجھے تعلیم
فرمائی اور مجھے یہ حکم دیا کہ میں حضرت کو وہ سورتیں سناؤں جو میں اپنی نماز
میں پڑھتا ہوں چنانچہ حضرت سنکر اسکی تصحیح فرما دیتے اور اسکی تجوید
درست کر دیتے اور مجھ سے فرماتے تھے کہ سنو بھائی ہمارا طریقہ تو علمی ہے
لہذا علم دین حاصل کرو چنانچہ اسی وقت سے میں علم طلب کرنے میں لگ
گیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توجہات کی برکت سے اور ان
کی دعا کی سعادت سے مجھ پر علم کا باب کھولا جیسا کہ کھولا مگر ساتھ ہی
ساتھ یہ بھی ہوا کہ جب میں طلب علم میں لگا تو اپنے سابق اور اصلی
کام یعنی (توجہ الی الباطن) سے رہ گیا اور میرا حال زمانہ حال کے طلبا
کی مخالطت سے بدل گیا یہانتک کہ العیاذ باللہ اہل طریق پر انکار کی حد تک
پہونچ گیا۔ پھر علم حاصل کرنے کے بعد جب میں مدرس ہوا تو قوم (صوفیہ)
کی محبت کا داعیہ الحمد للہ میرے اندر پھوٹا اور مجھے ایسا محسوس ہوا کہ
جیسے میں میلا کپڑا پہنے ہوئے ہوں اس لئے کہ اپنے جسم پر اوصاف رذیلہ
مثلاً کبر۔ عجب۔ حب شہرت۔ خود پسندی کا لباس پہنے ہوئے
تھا اور مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اخلاص نہ ہونے کی وجہ سے

رأيت تدريسي وتعليمي كله سيئات
بسبب عدم الاخلاص فكنت استغفر الله
تعالى بعد الدرس مما لحقني فيه من
الآثام وبقيت في ذالك الوقت خائف
من ان القى الله تعالى على تلك الحالة
ثم توسط لي عند الاستاذ رحمه الله تعالى
بعض من شكوت اليه حالي من الاشياخ
فلقيني عند باب الجامع الكبير
متبسما وقال لي لا يحتاج ما بيني وبينك
للوسائط ثم شغلني بالذكر وامرني ان
لا اترك التدريس حتى عادت عطفة
الحبيب وحصلت لله الحمد من
بركات هذا الطريق على ما من به الفتاح
العليم وما زال يربيني بالدلال الى
ان اتممت الاسماء السبعة واجازني
والبسني تاج اهل الطريق وضاعف الله
تعالى لي حبه اسأله تعالى دوام النعمة
وحسن الخاتمة لي وله وجميع المسلمين
وان يجزيه بفضله عني احسن الجزاء
آمين اللهم آمين۔

میرا درس وتدریس، پڑھنا پڑھانا گویا سب کے سب سیئات تھے
(جن میں مبتلا تھا) پس میں درس کے بعد اللہ تعالیٰ سے استغفار بھی
کرتا تھا ان گناہوں کی وجہ سے جو مجھے لاحق ہو جاتے تھے اور اس
وقت مجھے سب سے زیادہ اس کا خوف معلوم ہوتا تھا کہ کہیں اگر موت آگئی
اور اللہ تعالیٰ سے اسی حالت میں ملاقات کروں گا تب کیا حشر ہوگا، بہر حال
پھر میرے اور شیخ کے درمیان بعض میرے وہ احباب و شیوخ واسطہ بنے
جن سے میں نے اپنا سارا حال بیان کیا تھا۔ چنانچہ شیخ مجھے ایک دن
جامع مسجد کے دروازہ کے پاس ملے۔ مجھے دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا کہ
مجھ میں اور تم میں جو تعلق اور رشتہ ہے وہ وسائط کا تو محتاج نہ تھا (یعنی
تم کو اپنا حال مجھ سے خود ہی بلا واسطہ کہنا چاہیئے تھا) پھر مجھے ذکر میں مشغول
ہونے کو کہا اور مجھے حکم دیا کہ میں تدریس بھی نہ چھوڑوں۔ یہاں تک کہ
راس کی برکت سے حق تعالیٰ کی محبت کا تعلق سابق دوبارہ لوٹ آیا۔
اور قلب میں جاگزیں ہو گیا۔ پس اللہ ہی کے لئے تعریف ہے۔ اس پر
کہ جو اس طریق کی برکات کا مجھ پر اس فتاح العلیم نے فیضان فرمایا اور پھر اسی
طرح دیرینہ عنایات اور ناز و انداز کے ساتھ حضرت مرشدی میری برابر
تربیت فرماتے رہے یہاں تک کہ میں نے ساتوں اسماء پورے کر لئے پھر اسکے بعد
مجھے اجازت بخشی اور اہل طریق کا تاج میرے سر پر رکھا اللہ تعالیٰ انکی محبت
کو میرے لئے اور زیادہ کرے اور اللہ تعالیٰ سے میں اپنے لئے۔ انکے لئے اور
تمام مسلمانوں کیلئے دوام نعمت اور حسن خاتمہ کی دعا کرتا ہوں اور اس
بات کا سوال کرتا ہوں کہ ان کو اپنے فضل سے میری جانب سے بہترین
جزاء عطا فرمادے آمین اللھم آمین۔

ولقد كنت مرة اتذاكر كمالات
مع السيد الامام نجل شيخ شيخنا
السيد القسبي فوقع اتفاقنا انه لم
يكن في بلاد الشام ولا في بلاد مصر

اور ایک مرتبہ میں اپنے استاد (شیخ محمد رشید طرابلسی) کے
کمالات کا تذکرہ اپنے شیخ کے شیخ سید قصبی کے صاحبزادے سید امام نجل
سے کر رہا تھا کہ اثنائے کلام میں بات یہ آئی کہ فی زمانہ شام اور مصر
میں تو استقامت۔ رسوخ فی الطریق اور دیگران کمالات میں

ان لا نظیر له فی استقامته و رسوخه فی الطریق و کمالاته التی من الله تعالیٰ بها علیه و من جملة ما استدللنا به علی ذلك ان الاستاذ الشیخ الشرقاوی قدس الله تعالیٰ سره العزیز کان یقول لیس فی مصر الآن من یستحق لبس الخرقة علی التحقیق سوی ولدی القلبی السید حسن القصبی و لما قربت اوصی بتاجه له فلحظ من ذالك انه وارث سره و اعظم خلفائه ثم لما قربت وفاة السید القصبی وصی بذلك التاج نفسه لاستاذنا فعلم ایضاً انه حامل سره و اعظم خلفائه ثم ان استاذنا رحمه الله لم یوص بذلك التاج لاحد و کانه[۵] لم یجد من هو اهل لحمل

جو حق تعالیٰ نے انھیں بخش رکھا ہے۔ کوئی ان کا نظیر موجود نہیں ہے۔ چنانچہ ہم نے جن دلائل سے ان کے شرف و فضل پر استدلال کیا تھا ان میں سے ایک دلیل یہ بھی تھی کہ استاد شیخ شرقاوی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ العزیز فرمایا کرتے تھے کہ اس زمانہ میں اب مصر میں کوئی شخص ایسا باقی نہیں رہ گیا ہے جو حقیقی معنوں میں خرقہ پوشی کا مستحق ہو۔ سوا میرے قلبی اور روحانی ولد سید حسن قصبی کے۔ چنانچہ جب انکی وفات قریب ہوئی تو انھوں نے اپنے تاج کے متعلق یہ وصیت فرمائی کہ وہ سید حسن قصبی کو دیدیا جائے تو اس سے گویا ایک طرح کا اشارہ فرمایا کہ وہی ان کی نسبت باطن کے وارث ہیں اور سب سے بڑے خلیفہ ہیں۔ پھر جب سید قصبی کی وفات کے دن قریب ہوئے تو انھوں نے اپنے اس کلاہ یعنی (تاج) کی وصیت ہمارے شیخ کیلئے فرمائی اس سے یہ معلوم ہوا کہ ہمارے شیخ ہی انکی باطنی دولت کے حامل تھے اور ان کے اعظم خلفاء میں سے تھے۔ پھر ہمارے شیخ رحمہ اللہ نے اس تاج کے متعلق کسی کو وصیت نہیں فرمائی شاید وجہ[۵] یہ رہی ہو کہ انھوں نے اس

(۵ قولہ و کانہ لم یجد من ھو اھل لحمل الخ) یعنی یوں تو میں بھی اہل نہ تھا مگر یہ حضرت شیخ رح کو مجھ سے کچھ حسن ظن ہی تھا یہاں تک کہ لوگ جب آپ کی خدمت میں مجھ سے پہلے قہوہ کا فنجان پیش کرتے تھے تو فرماتے تھے کہ شیخ کو دو (اور میری جانب اشارہ فرماتے تھے) اسیطرح میں ایک بار حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا طبیعت زیادہ ناساز تھی (مجھے دیکھ کر فرمانے لگے) کہ جب شیخ آجاتے ہیں تو میرا سارا مرض ہی دور ہو جاتا ہے میرے ساتھ حسن ظن کا یہ حال تھا) بلکہ میرے علم میں نہیں ہے کہ حضرت نے اپنے کسی خلیفہ کو اپنی موجودگی میں مریدین کو بیعت کرنے کا امر فرمایا ہو بجز میرے بس ان اسباب کی بنا پر مجھے یہ خیال ہوتا تھا کہ شاید آپ کے بعد میں ہی آپ کی نسبت اور سر کا حامل و وارث ہونگا۔ چنانچہ وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے میرا گمان صحیح نکلا) بانیمہ میں ہمیشہ ڈرتا رہا اور حق تعالیٰ کا مجھ پر مزید فضل ہوا اور رب تعالیٰ مجھ پر بھی ایسا ہی احسان فرمائیں جیسا کہ اپنے اولیاء اور مقربین پر فرمایا کرتے ہیں اور یہ توقع ان مبشرات کی وجہ سے قائم ہوئی جو مجھے خود بذریعہ خواب نظر آئے یا میری بابت دوسرے احباب کو خواب میں دکھایا گیا مثلاً ان مبشرات میں سے ایک یہ تھا کہ میرے چچا شیخ مصطفےٰ رافعی رحمؒ نے اپنے والد (یعنی میرے دادا) شیخ عبدالقادر رافعیؒ کو خواب میں دیکھا فرماتے تھے کہ تم میں سے کوئی بھی میرا خلیفہ نہ ہوگا سوا عبدالغنی کے اور میرے یہ دادا مرحوم تیرہ سال چار مہینے تک تعبانیت کے متولی رہے جن کی یہ بات اہل طریق میں مشہور تھی اسیطرح ایک مرتبہ میں نے بھی اپنے والد مرحوم کو ان کی وفات کے چند ہی روز بعد خواب میں دیکھا کہ انھوں نے مجھے اپنے مقام کی خبر دی اور مجھ سے یہ فرمایا کہ عنقریب تم میرے (دینی) وارث ہوگے۔ اور شیخ عبدالقادر جو کہ میرے چچا شیخ محمودؒ کے لڑکے تھے انھوں نے خواب میں دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا جبہ مبارک سیدنا خضر علیہ السلام کو مرحمت فرمایا اور ان سے یہ فرمایا کہ اسے عبدالغنی کو پہنا دو تاکہ اس کے لئے ایک تاج ہو جائے اور اس کی جبہ پوشی بھی ہو جائے حضرت خضرؑ نے عرض کیا کہ حضور ابھی اس کے جبہ پوشی کا وقت نہیں آیا ہے۔ انتہی کلامہ ۱۲

ذلك اسر بل ما رأيت شيخنا قط لابساً
ذالك التاج وسمعته مرة يقول
اذالبسته تحصل لي حالة غريبة
وله يزل ذالك التاج عند اولاده
الآن۔

ونرجع الى ما كنا بصدده
فنقول اذا قدم المريد من بين
يدي استاذه وكان طالبا
لكمال فليحافظ على التوبة التي
عاهده بها واسقاط مظالم
العباد بالاداء او الابراء والمسامحة
فان عجز فليكن عازما على ايصال
الحق لمستحقه متى قدر ولايزال
يدعو ويستغفر لصاحب الحق
بنحو استغفر الله العظيم في حق
العباد مائة مرة كل يوم الى ان
يخلص من حقهم بما تقدم وذالك
ان التوبة اصل هذا الطريق
واساسه واول منازله فمتى
صحت وخلصت لله تعالى صح
مابني عليها واثمر ومتى فسدت
فسد مابني عليها وتغير اذالمبني
على الفاسد فاسد واذا صحت
توبة العبد جبت ماقبلها من
الذنوب واستوجبت محبة الله

دولت کے حاصل ہونے کا کسی کو اصل ہی نہ جانا ہوگا بلکہ میں
نے تو اپنے شیخ کو (یعنی محمد رشید ؒ) کو کبھی اس تاج کو پہنے ہوئے
دیکھا بھی نہیں۔ البتہ ایک بار میں نے ان کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب
میں اس کلاہ کو پہن لیتا ہوں تو عجیب و غریب حالات قلب میں پیدا ہو جاتے
ہیں۔ بہرحال وہ تاج ان کے خاندان میں آجتک موجود ہے۔

اب ہم پھر اسی بات کی طرف لوٹتے ہیں جو پہلے بیان کر رہے تھے
یعنی جب کوئی مرید اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہو اور اس سے
تحصیل کمال چاہے تو اسکو چاہیئے کہ اس توبہ پر محافظت کرے جسکا
شیخ نے اس سے عہد لیا ہے اور اپنے ذمہ جو کچھ حقوق العباد
ہوں ان کو ادا کرے یا معاف کرائے۔ اگر اس سے عاجز ہو تو
اسکو چاہیئے کہ اس بات کا عزم کرے کہ جب بھی اس پر
قدرت ہوگی اہل استحقاق کو ان کا حق ضرور پہونچائے گا۔
اور اس درمیان میں صاحب حق کے لئے برابر دعا و استغفار
کرتا رہے۔ مثلاً روزآنہ سو بار یوں کہہ لیا کرے کہ یا اللہ
حق العباد کے سلسلے میں آپ سے استغفار طلب کرتا ہوں۔ اور
یہ اس وقت تک کرتا رہے جب تک کہ مذکورہ بالا طریق پر
ان کے حقوق سے سبکدوش نہ ہو جائے۔ اور یہ اسلئے کہ توبہ اس طریق کی
اصل اور اس کی اساس ہے بلکہ سب سے پہلی منزل ہے۔ تو
جب یہ درست ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ کے لئے خالص
ہو جائے گی تو جو امور کہ اس پر مبنی ہیں یا اسکے ثمرات
میں سے ہیں وہ سب بھی صحیح ہو جائیں گے اور اگر یہی
فاسد رہی تو جو امور کہ اسپر مبنی ہیں وہ سب بھی فاسد
ہو جائیں گے اور خلل پذیر ہی رہیں گے۔ اس لئے کہ جو
شئے کسی فاسد چیز پر مبنی ہوتی ہے وہ خود بھی فاسد ہوتی ہے۔
اور جب بندہ کی توبہ صحیح ہو جاتی ہے تو اس سے پہلے کے جتنے

تعالیٰ له واذا صدق فی توبته لزمته العزلة عن الناس والانقطاع الی الله تعالیٰ لیفرغ قلبه لقضاء حقوق الله تعالیٰ الفائتة من صلوات کان تارکها ونحوها و لینقطع بقلبه عن الناس ویلزمه[1] اذابة کل لحم نبت من الحرام بالریاضة والمجاهدة ویلزمه اصلاح الماکول والمشروب والملبوس من الحلال ولو من اقل ما یوکل ویشرب ویلبس ومجاهدة النفس علی الطاعات وکفها عن المخالفات

گناہ ہوتے ہیں سب معاف ہوجاتے ہیں۔ اور یہ چیز اس بندے سے اللہ تعالیٰ کی محبت کو واجب کرتی ہے بہرحال سالک جب اپنی توبہ میں صادق ہوجائے تو شیخ اسکو لوگوں سے علیحدہ کرکے گوشہ نشینی لازم کردے اور حکم دے کہ وہ منقطع الی اللہ ہوجائے تاکہ اس کا قلب ان حقوق اللہ کی ادائیگی کیلئے فارغ ہوجائے جو اس سے فوت ہوچکے ہیں مثلاً نمازیں جو اس سے چھوٹ گئی ہیں یا اور دیگر عبادات اور چاہیئے کہ یہ سالک لوگوں سے قلبی انقطاع رکھے۔ اور اسکو یہ بھی لازم ہے کہ ریاضت ومجاہدہ نے ذریعہ اپنے اس گوشت پوست کو ختم کردے جو حرام مال سے پلا اور بڑھا ہے۔ اسی طرح اسکو اپنے کھانے پینے اور پہننے کی چیزوں کی اصلاح بھی ضروری ہے کہ وہ حلال مال سے ہوں۔ اگرچہ وہ ماکول ومشروب وملبوس کتنا ہی قلیل کیوں نہ ہو۔ اسی طرح

---

(۱) قوله ویلزمه اذابة کل لحم (الخ) اور اسکی مثال وہ واقعہ ہے جو شیخ عبداللہ حلبی کا اپنے شیخ کے ساتھ جنکے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ نے شیخ عبداللہ کو ہدایت بخشی۔ پیش آیا۔ اسلئے کہ انھوں نے جب شیخ سے بیعت کی درخواست پیش کی تو شیخ نے ان سے فرمایا کہ تم بارگاہ خداوندی میں کیونکر داخل ہوسکتے ہو جبکہ نجاسات سے آلودہ اور تر بتر ہو۔ بات یہ تھی کہ شیخ عبداللہ مصر کے ایک دفتر میں دیوان تھے۔ چنانچہ انھوں نے (یہ سنکر) شیخ سے عرض کیا کہ پھر میں اب کروں کیا؟ انھوں نے فرمایا کہ بھائی ہر وہ گوشت جو حرام مال سے بڑھا ہو دوزخ اسکے لئے زیادہ مناسب ہے لہذا تم اپنے گوشت کو بھوک کے ذریعہ گھلا کر ختم کرو۔ چنانچہ اسکے بعد انھوں نے اپنے آپ کو ہمیشہ بھوکا ہی رکھا۔ یہانتک کہ ایسے ہوگئے کہ ان کے پیٹ کے اندر آنتوں کی حرکت باہر سے نظر آتی تھی اور وہ دنیا کو انند دھواں کے دیکھتے تھے۔ غرض جب ان کا گوشت پگھل گیا اور ادھر سید بدوی رح کی میلاد کا وقت قریب آیا تو ان کے شیخ ان کو اپنے ساتھ طنطا لے گئے اور سید مذکور کی مزار کے قریب ہی ان کو بیعت فرمالیا۔ اور جب ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں رکھا تو سید نے بھی اپنا ہاتھ قبر سے نکالا اور اسے ان دونوں کے ہاتھوں کے اوپر رکھدیا اس واقعے کو اسی طرح سے میرے صدیق بے بدل سید خلیل احمد آفندی السمین نے مجھ سے بیان کیا ہے جو کہ طرابلس (شام) کے سادۃ الاشراف کے نقیب تھے اور شیخ عبداللہ مذکور کے خواص میں سے تھے اور آپ سے ایسی عجیب وغریب کرامات کا صدور ہوتا تھا جس سے عقل حیران تھی۔ لیکن میں نے ان کا زمانہ نہیں پایا۔ اھ منه (رحمۃ اللہ)

وهي التقوى التي عاهد عليها استاذه
واذا صدق مجاهدته ثمرت له
الهداية بوعده تعالى والذين جاهدوا
فينا لنهدينهم سبلنا وذالك ان
الله تعالى جعل بين الاجساد والارواح
رابطة ربانية وعلاقة معنوية
فاذا عملت الجوارح باطاعة انعكس
منها شعة انوار على القلب فيخشع
ويصفو ويستنير واذا استنار القلب
وانصلح اثر ذالك في الجوارح فخشعت[1]
وانقادت وعملت بالطاعات على
اللذة والنشاط لان المجاهدة توصل
الى المشاهدة وهي امر لابد منه
لتوبة ومن لم يكن في بدايته صاحب
مجاهدة لم يذق قطرة من شراب
القوم ومن ظن انه يفتح له باب
من ابواب الطريق او ينكشف له عن
شئ منها بدون دوام المجاهدة
فهو مغرور كما قيل ه

نظرت في الراحة الكبرى فلم ارها
تنال الا على جسر من التعب
والجد منها بعيد في تطلبها
فكيف تدرك بالتقصير واللعب

لازم ہے کہ مجاہدہ کرکے نفس کو طاعات پر لگائے اور مخالفات سے اسکو روکے۔ اسی کا نام تقویٰ ہے جسکا کہ عہد اس کے شیخ نے اس سے بیعت کے وقت لیا ہے۔

اور جب یہ سالک اپنے مجاہدے میں بھی پورا اتر جائے تو حسب وعدہ خداوندی ثمرہ ہدایت کا اس پر مرتب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم انکو اپنے رستے ضرور دکھاویں گے۔ اور یہ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے جسم و روح میں ایک ربانی رابطہ اور معنوی علاقہ قائم فرمادیا ہے۔ چنانچہ جب جوارح طاعت کا عمل کرتے ہیں تو ان سے نور کی شعاعیں چھن چھن کر قلب پر پڑتی ہیں جسکی وجہ سے اسکے اندر خشوع، صفائی، اور نورانیت پیدا ہوجاتی ہے اور جب قلب منور ہوجاتا ہے اور اصلاح پذیر ہوجاتا ہے تو اسکا اثر جوارح پر بھی پڑتا ہے اور وہ بھی خاشع، منقاد اور لذت و نشاط کے ساتھ طاعات کرنے والے ہوجاتے ہیں اسلئے کہ مجاہدہ ہی مشاہدہ کا ذریعہ بنتا ہے اور یہ ایک ایسی چیز ہے جس کا توبہ کے بعد وقوع میں آنا ناگزیر ہے چنانچہ جو سالک ابتداء سلوک میں صاحب مجاہدہ نہیں ہوتا تو اسکو قوم کی شراب سے ایک قطرہ بھی چکھنا نصیب نہیں ہوتا اور جس شخص کا یہ گمان ہو کہ اسکے لئے بدون دوام مجاہدہ کے طریق کے ابواب میں سے کوئی باب کھول دیا جائے گا یا اسکی اشیاء میں سے کسی شے کا انکشاف ہوجائے گا تو وہ دھوکے میں ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے کہ میں نے بڑی راحت کی تحصیل میں غور و فکر کیا تو میں نے یہ سمجھ لیا کہ میں اسے حاصل نہیں کر سکتا مگر تعب عظیم اٹھانے کے بعد۔ اور اس عظیم راحت کی تحصیل پوری کوشش کے بعد بھی تو مشکل ہی سے ہوتی ہے۔ پس اسکو تقصیر اور کھیل کود کے ذریعہ کیونکر حاصل کیا جاسکتا ہے۔

(لہ قولہ فخشعت الخ) یہ حدیث اسپر شاہد ہے کہ اگر اس کے قلب میں خشوع ہوتا تو اس کے جوارح میں بھی ضرور ہوتا۔ منہ ۱۲

واذا کان اللہ تعالیٰ قال لنبیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وَمِنَ اللَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ عَسٰۤى اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ای اذا کان مرادك ان تصل الی ذالك المقام المحمود فعلیك بکثرۃ الرکوع والسجود فقام صلی اللہ علیہ وسلم حتی تورمت قدماہ وقال رجل لنبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ادع اللہ تعالیٰ لی ان اکون رفیقك فی الجنۃ فقال اعنی علی ذالك بکثرۃ الرکوع والسجود وقال لبنتہ سیدۃ نساء العلمین اعملی فلن اغنی عنك من اللہ شیئا وقال یا بنی ھاشم لا یاتینی الناس یوم القیامۃ باعمالھم وتاتونی بانسابکم فکیف یطمع مثلنا بنیل ذالك مع ارخاء عناد النفس فی طریق المخالفات فھذہ سنۃ اللہ تعالیٰ فی خلقہ وعلی ذالك درج السلف وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا۔

اور دیکھو جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ اور کسی قدر رات کے حصہ میں بھی سو اس میں تہجد پڑھا کیجئے جو آپ کے لئے زائد چیز ہے۔ امید ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقام محمود میں جگہ دے گا۔ یعنی اگر آپ کی یہ خواہش ہو کہ آپ مقام محمود تک پہونچ جائیں تو اپنے اوپر کثرت رکوع اور کثرت سجود کو لازم پکڑ لیجئے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد اتنا قیام فرمایا کہ قدم مبارک پر ورم آگیا۔ اسی طرح سے ایک صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ سے دعا فرما دیجئے کہ میں آپ کا جنت میں بھی رفیق رہوں تو آپ نے اس سے فرمایا کہ کثرت رکوع اور کثیر سجود کے ذریعہ تم میری اس بات میں مدد کرو۔ اسی طرح آپ نے اپنی صاحبزادی سے جو کہ تمام جہان کی عورتوں کی سردار تھیں۔ فرمایا کہ بیٹی! عمل کرو۔ میں خدا کی گرفت سے تم کو (بدون عمل کے) نہ بچا سکونگا۔ اور آپ نے بنی ہاشم سے فرمایا کہ اے بنی ہاشم دیکھو ایسا نہ ہو کہ کل بروز قیامت سب لوگ تو اپنے اپنے اعمال لیکر آئیں اور تم لوگ اپنے نسب کو لیکر میرے پاس آؤ۔ (جب ان حضرات کا یہ حال ہے) تو ہم جیسوں کیلئے حصول درجات کی توقع کرنا کیونکر درست ہے خاصکر اس حال میں کہ ہم نے نفس کو مخالفات میں خوب ہی ڈھیل دے رکھی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کی تو عادت اپنی مخلوق کے معاملہ میں یہی ہے جو مذکور ہوئی ع
کامیابی تو کام سے ہوگی۔ چنانچہ سلف کا معمول بھی یہی رہا ہے اور تم خدا تعالیٰ کے طریقے میں تبدیلی نہ دیکھوگے۔ ہر کام کا اصول مقرر کر دیا گیا ہے۔

واما من وقع لھم التنبیہ بالعنایۃ الربانیۃ کابراھیم بن ادھم ونحوہ فانھم بعد ذالك

بہرحال وہ لوگ جنکے لئے ابتدا ہی میں عنایات ربانیہ متوجہ ہوگئیں جیسے حضرت ابراہیم بن ادہم وغیرہ تو ان حضرات نے بھی بعد میں جاکر اپنے نفس کے ساتھ ایسا ہی مجاہدہ کیا ہے کہ

جاهدوا انفسهم بما لا مزيد عليه حتى صار ابراهيم بن ادهم ناطور البساتين وبالنهاية سلم الروح في الغربة ؎

بدم المحب يباع وصلهم
من ذا الذي يشريه بالسعر [سه]

حتى ان المجاذيب بعد ان تختطفهم يد العناية تصيرا عادتهم للطريق ويمرون على المقامات مقاما مقاما كما ياتي ـ

بایدُ شاید اس سے زیادہ کا تصور نہیں کہا جا سکتا۔ یہانتک کہ حضرت ابراہیم بن ادھم (جوکہ بادشاہ تھے) آخر میں جاکر کسی کے باغ کے باغباں ہوگئے تھے اور مسافرت ہی کی حالت میں وفات پائی ؎

محبوبین کے وصال کی قیمت عاشق کی جان اور اس کا خون ہے آئے جسکو بھاؤ کرنا ہو اور اس دام خرید نا ہو (اسی کو کسی نے یوں کہا ہے کہ) [سه]

قیمت خود ہر دو عالم گفتۂ ٭ نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

یہاں تک کہ بہت سے مجاذیب جنکو عنایت الٰہی کے ہاتھ نے اچک لیا ہے مگر وہ پھر سلوک ہی پر آئے ہیں اور چھوٹے ہوئے مقامات کو شیئاً فشیئاً طے کیا ہے۔

والحاصل ان قوت المريد الصادق في بدايته الجوع وشرابه الدموع وفطره الرجوع يصوم حتى يرق ويلين قلبه واما من شبع ونام

حاصل یہ کہ مرید صادق کی غذا اوائل زمانہ میں تو بھوک ہی ہوتی ہے اور آنسوؤں کا پینا ہوتا ہے اور رجوع اس کا افطار ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

خون دل پینے کو اور لخت جگر کھانے کو
یہ غذا ملتی ہے جاناں ترے دیوانے کو

وہ روزہ رکھتے رکھتے بالکل دبلا ہوجاتا ہے اور اس کا قلب بالکل نرم ہوجاتا ہے اور جو شخص کہ خوب ڈٹ کر کھاتا ہے اور خوب سوتا ہے۔

سه (قولہ من ذا الذی یشریہ بالسعر) یعنی آئے کون ہے جو اپنے خون کے عوض محبوب کا وصال خرید تا ہے۔ میں باوجودیکہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے ایک کمترین بندہ ہوں۔ اپنے محبوب حقیقی کی جانب سے فرمائے ہوئے اس اعلان کے جواب میں بس اتنا ہی عرض کرتا ہوں کہ "جان کے عوض آپ کا وصال ملنا تو بہت ہی بڑی چیز کا نہایت کم داموں میں مل جانا ہے آپکی تو ایک نظر بھی اگر میری جان کے بدلہ میں ملجائے تو میں تو اسکو بھی سستا ہی سودا سمجھوں گا (وقیل فی ہذا المعنی ؎ قیمت خود ہر دو عالم گفتۂ + نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز) بلکہ میں تو یہاں بھی وہی کہتا ہوں جو ابن فارضؒ نے کسی موقع پر کہا تھا یعنی ؎ فلك منت بها فقد اسعفتني + يا خيبة المسعى اذا لم تسعف

یعنی اگر آپ جان لیکر بھی توجہ اور احسان فرمادیں تو سمجھونگا کہ آپ نے کامل حاجت روائی فرمادی (یعنی یہ سمجھونگا کہ جان سوارت ہوئی) اور اگر آپنے توجہ ہی نہ فرمائی تو پھر اس تمام کوشش اور سعی پر افسوس ہی افسوس ہے (یعنی اس وقت یہ سمجھوں گا کہ محنت اکارت گئی)

ولغا فی الکلام وترخص وقال لیس علی فاعل ذلك ملام فلا یجیئ منه شئ والسلام واما قول بعض المشائخ لتلمیذه حب ونم فان اراد به ان یدله علی المحبة ثم لا یمکنه[سه] بعدها النوم فصحیح وان اراد به غیر ذلك فهو من الغرور +

اور ادھر اُدھر کی بکواس کرتا ہے اور بولنے بات کرنے میں ذرا تکلف نہیں کرتا بلکہ یہ کہتا ہے کہ ایسا کرنے والے پر کوئی ملامت نہیں ہے تو اس شخص سے کچھ کام نہ ہوگا والسلام[سه]۔ رہا بعض مشائخ کا ارشاد اپنے مریدین سے کہ بس محبت اور تعلق پیدا کرلو اور خوب سوؤ تو اگر ان کا مقصد یہ ہے کہ جب اسکو محبت کی جانب متوجہ کردیا جائے گا تو خود ہی نہ سو[سه] سکے گا۔ تو ٹھیک ہے لیکن اگر اسکے علاوہ اسکی کچھ اور مراد ہے تو یہ صریح مغالطہ ہے۔

سه (قوله فلا یجیئ منه شئ والسلام) اور اسی کے مثل شیخ محمد حسن الطیبی سے منقول ہے جو کہ اپنے وقت کے مشہور ولی تھے وہ فرماتے تھے کہ ع تاکلون بالارطال + تم لوگ سیروں کھانا کھا جاتے ہو — وتشربون بالاسطال + اور جگ بھر پانی پی جاتے ہو۔ وتنامون اللیل اذا طال + اور جاڑے کی طویل راتوں میں بھی رات بھر پڑے سوتے ہو + وتدعون مقامات الابطال + اور پھر بڑے لوگوں کے مقامات کا دعوی کرتے ہو اور ان کی ہمسری کرتے ہو + هذا کلام کله بطال۔ یہ سب باتیں لغو اور مہمل ہیں اور یہ خود بطال لوگ ہیں۔ عہ

سه (قوله ثم لا یمکنه بعدها النوم) مطلب کہ شیخ نے اس لطیف عنوان سے اسکی رہنمائی بیداری کی جانب کردی کہ اسکو پتہ بھی نہیں چلا۔ اسی طرح سے میں نے اپنے استاذ جی سے سنا ہے کہ بعض مشائخ اپنے مریدوں کی تربیت انکی خواہشات ترک کرا کے نہیں کرتے بلکہ اسی کے ذریعہ فرماتے ہیں یعنی نیند کی رغبت مثلاً یہ بھی ایک شہوت ہی ہے اس سے منع نہیں فرمایا۔ اور میرے شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے تو میری تربیت نگاہ و توجہ سے فرمائی۔ مجھے کبھی کسی مجاہدہ کا حکم نہیں فرمایا بلکہ خود بخود الہام کے طور پر اچھی بری بات سمجھ میں آجاتی تھی۔ میں یہاں کہتا ہوں کہ اسکے لئے سونا بھلا ممکن ہی کیونکر ہوسکتا ہے جبکہ حق تعالی جبرئیل سے فرماتے ہیں کہ اے جبرئیل فلاں کو سلادو اور فلاں کو اٹھادو چنانچہ مجھ پر اپنے سلوک میں ایک طویل زمانہ گذر گیا کہ شب کو جب معمولات کی ادائیگی کیلئے اٹھتا تو قلب میں سب سے پہلے اللہ تعالی کا وہ ارشاد جو ایک حدیث قدسی میں بیان کیا گیا ہے آجاتا تھا کہ اے میرے بندے بتیرے حق کی قسم میں تجھ کو محبوب رکھتا ہوں بس میرا حق جو تجھ پر ہے اس کا واسطہ دیکر کہتا ہوں کہ تو بھی میرا محب ہوجا بس اس مضمون کے قلب میں آتے ہی میرا باطن اللہ تعالی کی محبت اور شوق سے بھڑک اٹھتا تھا بس پھر کیا فوراً بستر سے الگ ہوجاتا اور اب اسکے بعد نہ تو کسی قسم کی سستی ہوتی نہ کاہلی اور ٹال مٹول۔ یوں میں کیا اور میری ہمت کیا اللہ تعالی ہی کیلئے تمام تعریف اور پاکی ہے وہی الہام فرمانے والے ہیں وہی توفیق دینے والے ہیں وہی سہل کرنے والے ہیں وہی ہرشے کے سبب حقیقی ہیں ع

ایها المعرض عنا + ان اعراضك منا + لو اردناك جعلنا + کل ما فیك یردنا

اے ہم سے اعراض کرنے والے۔ جان لے کہ تیرا یہ اعراض بھی ہماری ہی جانب سے ہے۔ یعنی اگر ہم تیرا ارادہ کرتے تو تیرے ہی اندر اپنی طلب بھی پیدا کردیتے اب جبکہ تجھ میں بجائے طلب کے اعراض ہے تو سمجھ رکھ کہ جو چیز بھی تیرے اندر ہے وہ ہمارا ہی ارادہ ہوکر ہے (یعنی جو چیز کہ مرضی نہ بھی ہو تو اسکے مراد ہونے میں تو کلام ہی نہیں ہے۔ یہی مطلب ہے اس کا کہ "اگر نخواستے داد ندادے خواست")

وبالجملة فان الله تعالى اودع بحكمته انوار الملكوت فى اصناف الطاعات وجعل الطاعة الجارية فى العباد مستقرعة لباب الغيب لكن بشرط الادب ولذالك تراهم يحثون على محافظة الآداب مع الاستاذ والاخوان والناس جميعا ويقولون الطريق كلها آداب قال شيخ مشائخنا السيد مصطفى البكرى صاحب وردالسحر فى منظومته التى وضعها فى بيان آداب الطريق ومقاماته +

فلم يفز اخى من قد فازوا
الا بما من ادب قد حازوا +

فمن قام باطاعته والمعاملة بالادب لم يحتجب الغيب عنه فان من قرع الباب بادب فتح له ورب قارع يحجب لسوء ادبه فان ابطاء عنه الوقت فليستبطى ادبه لا مطلبه +

حاصل کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے ملکوت کے انوار مختلف طاعات میں ودیعت فرمائے ہیں۔ اور طاعت کو جو کہ عبادت کے ضمن میں پائی جاتی ہے باب الغیب کی کنڈی کھٹکھٹانے والی قرار دیا ہے۔ یعنی اس کے ذریعہ سے اس پر غیب کا خزانہ کھول دیا ہے لیکن بشرط ادب۔ اسی لئے تم بہت سے لوگوں کو دیکھو گے کہ وہ استاذ۔ احباب۔ اور عامۃ الناس۔ ان سب کے ساتھ ادب کا لحاظ رکھنے پر ابھارتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ بھائی! طریق تو سراپا ادب کا نام ہی ہے چنانچہ ہمارے شیخ المشائخ سید مصطفےٰ بکری جنکی وردالسحر لکھی ہوئی ہے اپنے ایک منظومہ میں جسکو طریق کے آداب اور اسکے مقامات کے بیان میں لکھا ہی تھا فرماتے ہیں کہ :۔

اے میرے بھائی! جو لوگ کہ کامیاب ہوئے ہیں وہ اسی لئے ہوئے ہیں کہ انھوں نے ادب اختیار کیا۔

لہٰذا جس شخص نے عبادت اختیار کی اور ادب کا معاملہ برتا تو غیبی عنایات اس سے مخفی نہ رہیں گی یعنی حق تعالیٰ اسکو فیض سے نوازیں گے کیونکہ جس نے ادب کے ساتھ دروازہ کھٹکھٹایا تو اسکے لئے دروازہ ضرور کھلا ہے اور جو کھٹکھٹانے والے محروم رہے ہیں وہ اپنی سوء ادبی کی وجہ سے محروم رہے ہیں۔ اگر کبھی حصول مقصد میں تاخیر دیکھے تو اسکا سبب اور ذمہ دار اپنے ادب ہی کو قرار دے۔ دشواری مطلب کو نہیں۔

یحکی انه کان رجل فى بنى اسرائيل اذا عبد الله تعالى اربعين سنة لم يعصيه فيها ارسل الله تعالى له غمامة تظلله تسير معه حيثما سار فعبد الله تعالى رجل منهم المدة المذكورة ولم تحصل له تلك الكرامة

حکایت بیان کی گئی ہے کہ بنی اسرائیل میں یہ دستور تھا کہ کوئی شخص جب اسطرح سے چالیس سال اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا تھا کہ درمیان میں کسی معصیت کا وقوع نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اسکے لئے ایک بادل بھیج دیتے تھے جو اس پر سایہ فگن رہتا تھا اور ساتھ ساتھ رہتا تھا چنانچہ ان میں سے ایک شخص نے اسی اصول کے پیش نظر حصول ثمرہ کے لئے چالیس سال تک اللہ کی عبادت کی مگر اس

فقالت لہ والدتہ لعلك عصیت الله تعالیٰ فی ھذہ المدۃ قال لا۔ فقالت لعلك نظرت مرۃ الی السماء ولم تتفکر قال نعم۔ فقالت من ھنا اخذت ۔

ثمرہ کا ترتب نہ ہوا۔ اسکی ماں نے کہا کہ کیا بات ہے جو تو محروم ہوا شاید تونے اس درمیان میں کوئی معصیت کرلی ہوگی۔ اس نے کہا ہاں بالکل نہیں۔ پھر ماں نے کہا کہ اچھا تو کبھی ایسا ہوا ہوگا کہ تونے آسمان کی جانب دیکھا ہوگا اور تفکر نہ کیا ہوگا۔ اس نے کہا ہاں یہ ہوسکتا ہے۔ ماں نے کہا بس یہی بات ہے یہی تیرے مواخذہ اور حرمان کا سبب بنا۔

والآدب المطلوب ھو ما یاتی ان شاء الله تعالیٰ فی آداب العبودیۃ ومن اھمھا مراعاۃ حق الوقت فان الصوفی ابن وقتہ واوقات العبد اربعۃ النعمۃ والبلیۃ والطاعۃ والمعصیۃ ولله تعالیٰ علیہ فی کل وقت منھا نوع من العبودیۃ تقتضیہ الحق منہ بحکم ربوبیتہ ففی النعم الشکر وھو فرح القلب بالمنعم الحقیقی الذی ھو الله تعالیٰ ۔

اور وہ ادب جو کہ طریق میں مطلوب ہے اسکا بیان تو آگے آداب العبودیۃ میں انشاء اللہ تعالیٰ تفصیل سے آئیگا۔ باقی اہم ترین ادب ان میں سے حق وقت کی رعایت ہے اس لئے کہ صوفی ابن الوقت یعنی اپنے وقت پر حاکم ہوتا ہے اور بندہ کے سارے اوقات چار ہی حالات سے دوچار ہوتے ہیں۔ نعمت سے۔ نقمت سے طاعت سے اور معصیت سے اور ان اوقات میں سے ہر ایک میں بندہ پر اللہ تعالیٰ کی الگ الگ طاعات ہیں جن کا حق تعالیٰ کی جانب سے اس بندہ سے مطالبہ ہے اسلئے کہ وہ ان کا رب ہے۔ چنانچہ بحالت نعمت اس سے شکر کا مطالبہ ہے اور شکر نام ہے اس قلبی خوشی کا جو منعم حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ سے بندہ کو حاصل ہو۔

وفی البلیۃ الصبر او الرضا او التلذذ علی حسب[1] مقامك وفی الطاعۃ شھود المنۃ لہ تعالیٰ علی ان ھداك ووفقك لھا وفی المعصیۃ التوبۃ والاستغفار وھذہ الحقوق ان

اور معصیبت اور نقمت میں اس سے صبر یا رضا یا تلذذ دغرض جس کا جیسا مرتبہ ہو) مطلوب ہے اور طاعت کے وقت بندہ سے یہ مطلوب ہے کہ وہ طاعت کرکے بھی حق تعالیٰ ہی کا احسان مانے کہ اس نے اسکی توفیق بخشی (ونعم ما قال السعدی رح ۔ منت منہ کہ خدمت سلطاں ہمی کنی ۔ منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت)

---

[1] (قولہ علی حسب مقامك) چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو رضا کے ساتھ اور اگر اس کی طاقت نہ رکھو تو یہ سمجھ لو کہ جس چیز کو تم ناپسند کرو اس پر صبر کرنے میں بھی اجر کثیر ہے۔ ۱۲ منہ

فاتت لا تقضى لانه لا يخلو وقت
عن واحد منها توءدى حقه
فيه فليس ثم وقت فارغ
حتى يسع القضاء وقد
اشار لذلك صلى الله عليه
وسلم بقوله من اعطى فشكر
وابتلى فصبر وظلم فغفر و
ظلم فاستغفر ثم سكت قالوا
ماذا له يا رسول الله فقال
اُولٰئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَ هُمْ
مُهْتَدُوْنَ +

اسی طرح سے معصیت کے وقت عبد کا وظیفہ توبہ و استغفار ہے۔ اور
یہ سب حقوق وقت ایسے ہیں کہ اگر فوت ہو گئے تو پھر انکی قضا بھی نہیں
ہے۔ اسلئے کہ کوئی وقت ایسا نہیں ہے جس میں ان چاروں میں سے کوئی نہ
کوئی حال نہ پایا جاتا ہو اور انسان پر اس کے حق کی ادائیگی ضروری نہ
ہو پس کوئی وقت خالی از ادائے حق نہیں اب قضا کس وقت کی جائے۔
کیونکہ قضا کے لئے تو ضروری ہے کہ موجودہ کسی عمل سے وہ وقت خالی
ہو۔ انہیں حقوق کی جانب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس
ارشاد میں اشارہ فرمایا ہے کہ جو شخص نعمت دیا گیا اور اس پر اس نے
شکر کیا۔ یا مصیبت کے ذریعہ آزمایا گیا اور اس نے صبر کیا۔ یا ظلم کیا گیا
اور اس نے ظالم کو معاف کر دیا۔ یا خود ہی ظلم یعنی معصیت کر بیٹھا
اور پھر استغفار کر لیا۔ اتنا فرما کر حضور خاموش ہو گئے۔ بات چونکہ ناتمام
تھی اس لئے صحابہ نے عرض کیا کہ۔ پھر اس کے لئے کیا ہوگا یا رسول اللہ
آپ نے فرمایا کہ ان لوگوں کے لئے امن ہوگا اور یہی وہ لوگ ہیں جو
ہدایت یاب ہیں۔

تنبیہ۔ الطاعات لا تحصل ثمرتها
بفتح باب الغيب الا من بعد تصفية
الاحوال وتبديل الاخلاق المذمومة
بالمحمودة وبدون ذلك لا يمكن ذوق
شئ من شراب القوم +

(تنبیہ) باب الغیب کو کھلوا کر کوئی چاہے کہ طاعات کا ثمرہ حاصل
کرے تو یہ ممکن نہیں تاآنکہ پہلے اپنے حالات کا تصفیہ نہ کرے اور اپنے
اخلاق مذمومہ کو اخلاق محمودہ سے تبدیل نہ کرلے۔ باقی بدون اسکے
تو شراب قوم سے ایک قطرہ کا بھی چکھنا اس کو نصیب نہیں
ہو سکتا۔

ذكر في الاحياء انه كان يجتمع
على ابى يزيدؒ رجلٌ من عدول بغداد
فقال له فى بعض الايام يا سيدى
انى عندكم ثلاثون سنة وانا اصوم
النهار واقوم الليل واصدق بعلومكم
ولم اذق شيئا منها فقال له ولا اذا

چنانچہ احیاء العلوم میں یہ واقعہ لکھا ہے کہ حضرت ابو یزیدؒ
کی خدمت میں بغداد کے عادل لوگوں میں سے ایک شخص آتا جاتا تھا
ایک دن اس نے شیخ سے عرض کیا کہ یا حضرت! مجھے آپ کی صحبت
میں حاضر ہوئے تیس سال کا طویل عرصہ گذر گیا ہے۔ اور میں الحمد للہ
صائم النہار اور قائم اللیل بھی ہوں۔ نیز آپ کے علوم کی تصدیق بھی
کرتا ہوں (یعنی آپ کا معتقد بھی ہوں) مگر کیا بات ہے کہ مجھے اس سے

مکثت ثلاثمائة سنة قال لم قال لان لها شرطا لم تات به بعد فقال دلنی علیه فقال لا تعمل به فقال دلنی علیه لعلی اعمل به فدله علی نوع من المجاهدة یسقط حرمته من اعین الخلق حتی ینقطع نظره الیهم فقال تحلق لحیتك هذه وتخلع ثیابك وتعلق برقبتك مخلاة مملوءة جوزا وتقول للاولاد کل من صفعنی اعطیه جوزة وتمراً علی من تعرفه

ذرا سا بھی حصہ نہیں ملا۔ شیخ نے فرمایا کہ اس حالت کے ساتھ تین سال کیا تین سو سال بھی رہو گے تب بھی کچھ نہ ملیگا۔ اس نے عرض کیا حضرت کیوں ایسا ہے؟ فرمایا کہ اس لئے کہ مشائخ کے علوم سے مستفید ہونے کے لئے بھی ایک شرط ہے جو تمہارے اندر ابتک موجود نہیں ہے۔ عرض کیا حضرت فرما دیجئے آخر وہ کیا ہے؟ فرمایا کہ تم اسکو عمل میں نہیں لاسکتے اس نے عرض کیا کہ آپ ارشاد تو فرما دیں شاید عمل کر ہی لوں۔ انھوں نے اسکو ایک ایسا مجاہدہ بتلایا جس سے اس کی حرمت ہی لوگوں کے قلوب سے ساقط ہو جائے اور سارا احترام ہی نظروں سے ختم ہو جائے یعنی ان سے کہا کہ اپنی اس داڑھی کو منڈوا دو اور اپنے اس لباس کو اتار دو اور اپنی گردن میں ایک تھیلا لٹکا لو جس میں اخروٹ بھرے ہوں اور

افادہ:- قولہ اپنی داڑھی منڈوا دو الخ) اقول۔ بعض مشائخ سے اس قسم کی چیزیں حرمت وغیرہ کے اسقاط کیلئے ثابت ہیں لیکن مجھے اس میں کلام ہے مصنف نے اگرچہ اس کھٹک کو زائل فرمانا چاہا ہے مگر بیان شافی نہیں ہے اور وہ یہی کہ ان تدابیر کو تداوی بالحرام پر قیاس کیا گیا ہے۔ اس سے طبیعت مطمئن نہیں ہوئی اور عدم اطمینان کی وجہ یہ ہے کہ تداوی بالحرام میں طبیب کے اجتہاد میں شفا اس دوا میں منحصر ہوتی ہے اور وہی دوا اس مرض کیلئے متعین ہوتی ہے۔

اور یہاں جبکہ خود کتاب و سنت میں ان قلبی امراض کا ذکر اور ان کا علاج اور ان سے خلاصی کا جائز و مشروع طریقہ بھی موجود ہے تو پھر ان کے ہوتے ہوئے کیا ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ کا راستہ ان کی مرضی کے خلاف امور کا ارتکاب کر کے طے کیا جائے کیونکہ ظاہر ہے کہ حلق لحیہ حرام ہے۔

اصلاح نفس فرض ہے۔ شریعت اسی کیلئے آئی ہے بس یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ نفس اور نفسانیت ہی کے مٹنے کے متعلق اس میں کوئی علاج موجود نہ ہو اور حدیث و قرآن کی تعلیمات اور ہدایات کے بالکل خلاف ان جیسے ممنوعات و محذورات کے ذریعہ شفاء باطن حاصل کی جائے۔

ان مشائخ پر اعتراض نہیں تاہم خلاف شرع امر پر حق اعتراض ہے اسی لئے انھیں حضرات کی برکت سے کہتا ہوں کہ اصلاح نفس کے باب میں کتاب و سنت بالکل کافی وافی ہے مگر کوئی عالم ربانی و شیخ حقانی ہی اس سے واقف کرا سکتا ہے۔ اور حضرات مشائخ چونکہ ترویج شرع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب ہوتے ہیں اس لئے ایسی کوئی بات جو شرع کے خلاف ہو اس پر خود عمل کرنا اور دوسروں سے کرانا تو کیا جائز ہوتا ایسی بات کا زبان پر لانا بھی جائز نہیں ہے اور مرید کے لئے بھی اس پر عمل جائز نہیں ہے۔

رہا یہ کہ اس شخص کو جو فائدہ نہیں ہوا حالانکہ وہ قائم اللیل اور صائم النہار بھی تھا، تو اسکی وجہ شاید یہ ہوگی کہ وہ کسی باطنی غلطی میں مبتلا ہوگا اس لئے حضرات صوفیہ صافیہ کے فوائد سے محروم رہا کیونکہ باطن کے کھلنے کے لئے صرف نماز روزہ کافی نہیں ہے بلکہ اسکے لئے قلب کا اخلاط باطنی سے بھی پاک ہونا ضروری ہے اور ان صاحب نے مطالبہ بزرگوں کے فیض کا کیا تھا جو کہ نفس کے ہی مارنے سے حاصل ہوا کرتا ہے۔

رہا یہ کہ وہ قائم اللیل اور صائم النہار بھی تھے تو یہ تو عبادت ہوئی اور صرف عبادت سے نفس نہیں مرا کرتا بلکہ بعض مرتبہ تو مزید رذائل مثلاً کبر و عجب کا سبب ہی عبادت ہو جاتی ہے پھر نفس جو مرتا ہے تو وہ اصلاح اخلاق سے اور رذائل کو قلب سے زائل کرنے سے اسی میں انکے اندر کچھ کمی رہی ہوگی۔ کیونکہ یہ ہو سکتا ہے کہ عبادت میں کوئی شخص بہت زیادہ ہو مگر اس کے نفس کی اصلاح ذرا نہ ہوئی ہو بلکہ نفس اپنی جگہ جوں کا توں ہو۔ اھ ۱۲

علی هذہ الحالۃ فقال سبحان اللہ فقال لہ انہ سبحت نفسک لا ربک کانک تنزھھا عن ذلک فامتنع الرجل فقال الم اقل لک لا تعمل بہ فقال دلنی علی غیر ذالک ۔ فقال ابدأ بھذا اولاً انتھی ۔

بچوں کے درمیان یہ ندا دیتے ہوئے گذرو کہ جو لڑکا مجھکو ایک دھپ رسید کریگا اسکو ایک اخروٹ دوں گا۔ اور اس حالت میں جاکر اپنے جان پہچان اور شناسا لوگوں کے پاس سے گزرو۔ یہ سنکر اس شخص نے کہا سبحان اللہ۔ شیخ نے فرمایا کہ یہ تمہارا سبحان اللہ کہنا اپنے نفس کے لئے ہے۔ اللہ تعالیٰ کیلئے نہیں ہے یعنی تونے اپنے آپکو ان تمام رذیل اور ذلیل کاموں سے کہیں اعلیٰ وارفع جانا ہوگا اور اسپر سبحان اللہ کہا ہے پس یہ تو اپنی تنزیہہ ہوئی نہ کہ خدا تعالیٰ کی غرضکہ وہ شخص اس عمل کیلئے تیار نہیں ہوا۔ شیخ نے فرمایا کہ میں نے تو کہا ہی تھا کہ تم سے وہ کام نہ ہوسکے گا۔ اس نے کہا کہ اچھا تو پھر دوسرا کوئی عمل بتلا دیجئے فرمایا کہ پہلے تو یہی کرنا ہوگا۔ (آگے مصنفؒ بطور دفع دخل کے فرماتے ہیں کہ)

وھذا من باب التداوی بالمحرم اذا تعین فلا اعتراض علی القوم +

اور اصلاح باطن میں اس قسم کے امور ایسے ہی ہیں جیسے حرام چیزوں سے جسمانی اور ظاہری امراض کا علاج کیا جاتا ہے جبکہ وہی دوا متعین ہوجائے لہٰذا قوم صوفیہ پر بھی انکی اس تجویز میں کوئی اعتراض نہیں اسلئے کہ یہ حضرات بھی طبیب باطن ہوتے ہیں

واخبرنی استاذنا رحمہ اللہ تعالیٰ ان الشیخ عبد اللہ الحلبی الشہیر بدبھا قدم لطرابلس ونزل عند شیخنا المشار الیہ فکان الشیخ یقدم لہ الطعام حسب العادۃ ۔ وفی بعض ایام اُخبر الشیخ بان ضیفک یطلب الطعام من الابواب فاغتاظ الشیخ من ذالک لما فیہ التشنیع علیہ فعاتبہ وقال لہ بلغنی انک تتحذ لم تفعل الحمد للہ عندنا مایکفی ۔

اور مجھے میرے استاذ رحمۃ اللہ علیہ نے خبر دی کہ شیخ عبداللہ حلبی جو کہ دُب یعنی (ریچھ) کے لقب سے مشہور تھے طرابلس تشریف لائے اور ہمارے شیخ موصوف کے یہاں مقیم ہوئے حضرت شیخ نے حسب معمول کھانا پیش فرمایا (چنانچہ کھانا برابر شیخ ہی کے گھر سے آتا رہا) مگر شیخ میزبان کو ایک دن یہ اطلاع ملی کہ آپ کے مہمان صاحب تو دروازہ دروازہ روٹی مانگتے ہیں۔ شیخ کو اس پر ناگواری ہوئی اسلئے کہ ان پر بھی الزام آتا تھا کہ ایک مہمان کو کھلا نہیں سکے۔ چنانچہ انھوں نے ان شیخ مہمان کو تنبیہہ کرتے ہوئے کہا کہ مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ آپ دربدر گداگری کرتے ہیں۔ ایسا نہ کیجئے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ مجھے اس نے کھانے بھر کو فراغت کے ساتھ عطا فرما رکھا ہے۔

فکان جوابہ لہ بقولہ مستفهمًا وانت لا تتمنیٰ فقال کلمۃ تاسف ما استفدنا شيئاً والح علی شیخنا حتی صار یتخذ هو ایضا من الابواب رحمہ اللہ تعالیٰ بعد ان کان اتفق لہ انواع من السعی فی اسقاط المنزلہ ۔

اس کا جواب ان بزرگ نے حیرت کے ساتھ اس سوال سے دیا کہ "اچھا کیا آپ در در نہیں مانگتے" ہمارے شیخ نے جواباً فرمایا کہ نہیں ہم تو نہیں مانگتے۔ یہ سنکر انھوں نے ایک تاسف کا کلمہ کہا اور کہا کہ افسوس کہ پھر تو ہم نے طریق سے کچھ بھی استفادہ نہیں کیا۔ یہ کہا اور اسکے بعد ہمارے شیخ کو اس پر مجبور کیا کہ وہ بھی اسی طرح سے دروازہ دروازہ مانگ کر کھایا کریں۔ حالانکہ اس سے قبل شیخ خود بھی اپنی منزلت اور احترام کے کم کرنے میں مختلف طرح سے سعی فرما چکے تھے۔ (مگر شیخ وقت نے یہ طریقہ خوب ہی تعلیم فرمایا باقی اس قسم کا حکم عام نہیں ہے بلکہ شیخ کامل کی تجویز پر ہے)

بیان ذالك ان اعظم الحجب عند اللہ تعالیٰ النفوس اقسم الملك القدوس ان لا یدخل حضرتہ ارباب النفوس۔

توضیح امر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے روکنے والی چیزوں میں سب سے بڑا حاجب اور مانع یہ نفس ہی ہے اور ملک قدوس نے قسم کھا رکھی ہے کہ ارباب نفوس کو اپنے دربار میں راہ نہ دیں گے۔

وقال ابو زید[ﻪ۵] رأیت اللہ تعالیٰ فی المنام فقلت لہ کیف الوصول الیك یا باری خدای فقال خل نفسك وتعال وقالوا لا یصلح هذا الطریق الا لاقوام کنست نفوسهم فی المزابل فما دام العبد یری لنفسہ حقا ومقامًا لا یحصل علی شئ من الفتح قال اللہ تعالیٰ

چنانچہ حضرت شیخ ابو یزید رح نے فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا[ﻪ۵]۔ عرض کیا کہ اے باری تعالیٰ آپ تک باریابی کا طریقہ کیا ہے؟ حق تعالیٰ نے فرمایا بہت ہی آسان اور نہایت ہی سہل وہ یہ کہ اپنے نفس کو چھوڑ دو اور آجاؤ۔ اسی طرح سے مشائخ نے فرمایا ہے کہ یہ طریق (یعنی تصوف) انھیں نفوس کو زیب دیتا ہے۔ اور وہی لوگ دراصل اس کے اہل ہیں جن لوگوں نے کہ اپنے نفسوں کو جھاڑ کر کوڑے خانہ میں پھینک دیا ہے۔ چنانچہ جب تک کوئی سالک اپنے نفس کے لئے کوئی حق یا کوئی قول دیکھے گا

ﻪ۵ (قولہ رأیت اللہ تعالیٰ) خواب میں بھی اللہ تعالیٰ کی رویت جائز ہے یا نہیں۔ یہ مسئلہ مختلف فیہا ہے اس لئے کہ جو چیز کہ اللہ تعالیٰ کی صورت معلوم ہوئی اللہ تعالیٰ اس سے منزہ ہیں۔ مگر صوفیہ جواز کیا بلکہ وقوع کے قائل ہیں اور یہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے مثل تو جائز نہیں ہے مگر مثال جائز ہے چنانچہ علامہ شعرانی رح نے اپنی کتاب الموازین الدریۃ میں کتاب و سنت میں آئے ہوئے تشابہات کو اسی پر حمل کیا ہے۔ اھ

ساصرف عن آیتی الذین یستکبرون فلذلك تری القوم یجتهدون فی ابتداء السلوك باسقاط حرمتهم من قلوب الناس حتی لا یحرموا من الفتح الربانی۔

قال ابو یزید مکثت ثنتی عشرۃ سنۃ حداد نفسی وخمس سنین کنت مراۃ نفسی انظر فیہا فاذا فی وسطی زنار فعملت فی قطعہ فکشف لی فنظرت الی الخلق فرأیتہم موتی فکبرت علیہم اربع تکبیرات۔

ومعنی ذالك انہ عمل فی مجاھدۃ نفسہ بازالۃ اوصافہا وما انطوت علیہ من العجب والکبر والحرص والحقد والحسد ونحو ذالك من مالوفاتہا عمل الحداد بان ادخل نفسہ فی کیر التخویف ثم طرقہا بمطراق الامر والنہی ھذہ المدۃ حتی ظن انہ زال خبثہا ثم نظر فی مراۃ اخلاص قلبہ فاذا فیہا بقایا من الشرك الخفی وھو النظر الی الاعمال وملاحظۃ الثواب والعقاب والتشوق الی الکرامات

اس کو کچھ بھی باطنی فتوحات نہ ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ہم اپنی آیات کو ان لوگوں سے پھیرلیں گے جو کہ متکبر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جو تم قوم صوفیہ کو دیکھتے ہوگے کہ ابتداء سلوک میں یہ لوگ اپنی حرمت اور اپنا احترام لوگوں کے قلوب سے ساقط کرنے میں کوشاں رہتے ہیں یہ اس لئے تاکہ فتح ربانی سے محروم نہ رہ جائیں۔

حضرت ابو یزید رح فرماتے ہیں کہ میں بارہ سال تک اپنے نفس کے حق میں لوہار رہا (یعنی اسکو خوب گھن رسید کئے) اور پانچ سال تک خود اپنے نفس کا آئینہ رہا (یعنی اس کا ایک ایک نقص اور عیب اسکو بتلاتا رہا) اور برابر اس پر نظر کرتا رہا یہاں تک کہ ایک بار میں نے اپنی کمر میں زنار بندھی ہوئی دیکھی چنانچہ اسکو توڑنے کی کوشش کی تو مجھے کچھ کشوف ہوا وہ یہ کہ میں نے تمام مخلوق کو مُردوں کی صورت میں دیکھا چنانچہ میں نے ان پر چار تکبیریں کہدیں (یعنی نماز جنازہ پڑھ دی)

مطلب یہ کہ (جس طرح سے کہ لوہار ہتھوڑے سے لوہے کو پیٹ پیٹ کر درست کرتا ہے انھوں نے بھی رذائل نفس کے دور کرنے میں یعنی نفس سے عجب۔ کبر۔ حرص۔ حقد۔ حسد اور ان کے علاوہ جو امور کہ نفس کے مالوفات سے تھے۔ ان سب سے نفس کو پاک صاف کرنے میں لوہار کا سا معاملہ اپنے نفس کے ساتھ کیا۔ بایں طور کہ پہلے اسکو حق تعالیٰ کے خوف کی بھٹی میں ڈالکر تپایا پھر شریعت کے اوامر و نواہی کے ہتھوڑے سے اس کو درست کیا، اور اتنی مدت تک یہی معاملہ کیا یہاں تک کہ یہ سمجھ لیا کہ اب یہ سب زنگ نفس سے زائل ہوگیا ہے۔

پھر انھوں نے اپنے قلب کے اخلاص کے آئینہ میں نظر کیا تو دیکھا کہ اس میں ابھی شرک خفی (یعنی ریاء) کا کچھ بقیہ موجود ہے۔ یعنی اپنے اعمال پر نظر کرنا اور ثواب و عقاب کے خیال سے اعمال کرنا۔ اور کرامات و مواہب الٰہیہ حاصل ہونے کا اشتیاق یہ سب امور موجود پائے۔ اور اس میں شک نہیں

والمواهب وهذا شرك فی الاخلاص عنه اهل الاختصاص وهو الزنار الذی اشار الیه فعمل فی قطعه یعنی تطع نفسه وفطمها عن العلائق حتی ثبت قدمه فی شهود ذی القدم وانزل ماسواه بمنزلة العدم فعند ذلك كبر[۱] علی الخلق اربع تكبيرات وهی صلاة الجنازة وانصرف الی الحق + اھ

کہ خواص کے نزدیک یہ سارے امور شرک فی الاخلاص ہی ہیں اور یہی وہ زنار جس کی جانب اوپر اشارہ آیا ہے چنانچہ انھوں نے اس کے توڑنے میں سعی کی یعنی اس بارے میں کہ نفس کا قلع قمع ہو جائے اور اس کو جو تعلقات غیر اللہ اور التفات الی الخلق کے پستان سے دودھ پینے کی عادت ہو گئی وہ چھوٹ جائے تاکہ اس کا قدم ذات قدیم کے شہود میں ثابت اور راسخ ہو جائے اور اس کے ماسوا سب بمنزلہ عدم کے ہو جائیں اسی لئے اس وقت اس نے مخلوق پر چار تکبیریں کہیں[۱]. مراد اس سے نماز جنازہ ہے یعنی مخلوق کو تو نماز جنازہ پڑھ کر دفن کر دیا اور حق تعالیٰ کی جانب لوٹ آیا۔

(والحاصل) ان فراغ القلب عن الصفات الردیة هو الشرط فی حصول ثمرة الاعمال كافراغ المعدة بالمسهل شرط فی عمل الدواء وقبل ذالك لا ینفع بحكم سنة الله تعالی فی خلقه ولن تجد لسنة الله تبديلا +

حاصل یہ کہ نفس کے رذائل سے قلب کا پاک و صاف ہونا ثمرہ اعمال کے حصول کے لئے شرط ہے جس طرح سے کہ مسہل کے ذریعہ معدہ کا خالی کرنا دوا کے عمل کرنے اور نفع کرنے کے لئے شرط ہے اور بدون اس کے نہ وہ نافع ہے نہ یہ۔ اللہ تعالیٰ کی سنت اپنے مخلوق میں یہی جاری ہے اور تم خدا کی سنت میں کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے۔

---

(۱) قولہ کبر علی الخلق الخ) مطلب یہ کہ تمام مخلوق کو مردہ دیکھا لہذا ان پر تکبیر کہی یعنی ان کی نماز جنازہ پڑھ دی۔ توضیح اس کی یہ ہے کہ ساری مخلوق ان کی نظر میں بمنزلہ موتیٰ کے ہو گئی کہ نہ ضرر پہونچا سکتی ہے نہ نفع. پس انھوں نے بھی ان کے قریب ہونے دور ہونے۔ ان کے مدح کرنے یا ذم کرنے سے قطع نظر کر لیا اور یہ سمجھ لیا کہ جیسے وہ پیدا ہی نہ ہوئے ہوں۔

میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے بطریق کشف کے اس مشہد کا مجھ پر بھی تفضل فرمایا ہے اور وہ بھی ایک بہت ہی معمولی سے مجاہدہ کے بعد یعنی یہ کہ ایک سفر میں ایکبار میں گدھے پر سوار تھا اور وہ بھی اسکی ننگی بیٹھ پر اور میرے سب احباب اونٹ پر اور کجاوہ میں سفر کر رہے تھے تو میں نے بھی اس حالت میں تمام مخلوق کو مردہ دیکھا اور تمام آبادیوں کو ویران. پس پاک ہے وہ ذات جسکی عطا کسی بڑے مجاہدے اور عظیم مشقت پر موقوف نہیں ہے۔ ۱۲ منہ

(تنبیہ آخر) حیث ذکرنا لك انہ لابد من المجاھدۃ فی حصول المشاھدۃ جاھد تشاھد[۵] فلنذکر لك ما یترتب علی کل نوع من انواع المجاھدۃ من اصناف الھدایۃ والحِکَم والانوار والاسرار۔

(تنبیہ) جیسا کہ ہم تم سے بیان کر آئے ہیں کہ مشاہدہ تک پہونچنے کے لئے اول مجاہدہ ضروری ہوتا ہے چنانچہ مشہور ہی ہے کہ جاھد تشاھد یعنی مشاہدہ چاہتے ہو تو مجاہدہ اختیار کرو (افادہ) نص قرآنی وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا ہی اس پر دال ہے جسکے بعد کسی اور دلیل کی حاجت نہیں) اب ہم تم سے یہ بیان کرتے ہیں کہ کن کن مجاہدوں پر کون کون سی ہدایات اور حِکَم اور کیا کیا انوار و اسرار مرتب ہوتے ہیں۔

فنقول عقبات المجاھدۃ ست یشرف من کل عقبۃ منھا علی نوع من الھدایۃ۔

تو سنو! مجاہدہ کے عقبات چھ ہیں۔ ہر عقبہ کے بعد سالک کو ایک نئی صنف ہدایت ”گھاٹیاں“ حاصل ہوتی ہے۔

الاولیٰ۔ فطم الجوارح عن المخالفات الشرعیہ واغلاق باب النعمۃ وفتح باب الشدۃ ومن ھذہ العقبۃ یشرف السالك علی ینابیع الحِکَم

عقبہ اوّل۔ اپنے جوارح کو شریعت کی مخالفت سے باز رکھنا۔ یعنی ہاتھ پاؤں۔ آنکھ کان سے کوئی کام خلاف شرع نہ کرنا اور نعمت و راحت کا دروازہ اپنے اوپر بند کر لینا اور تنگی و مشقت کا باب کھول لینا۔ اس مجاہدہ میں سالک جب کامیاب ہو جاتا ہے تو اس کے

---

[۵] قولہ جَاھِدْ تُشَاھِدْ۔ یہ قول سب سے پہلی حکمت ہے ان حِکَم میں سے جسکو ہمارے شیخ المشائخ شیخ محمود کردیؒ نے جمع فرمایا ہے اور جس کی کہ شرح ان کے شاگرد رشید اور ہمارے دادا شیخ عبدالقادر رافعیؒ نے کی ہے اور اس میں شک نہیں کہ عجیب و غریب شرح فرمائی ہے اور ہمارے دادا مرحوم نے اپنے کو شیخ موصوف کی خدمت کیلئے گویا وقف ہی کر دیا تھا اور اس پر انھیں فخر تھا چنانچہ وہ دستخط کے وقت اپنا نام یوں لکھا کرتے تھے۔ عبدالقادر رافعی خادم القطب الکردی۔ اور حضرت شیخ بھی ان کی جانب پوری طرح متوجہ تھے۔ یہاں تک کہ اپنی صاحبزادی کا عقد ان سے کر دیا تھا اور ان کے لئے حضرت سیدنا خضر علیہ السلام سے دعا بھی کرائی تھی جو کہ ایسی دعائیں تھیں کہ ہم سب اس کی برکتیں اپنے اوپر آج بھی محسوس کرتے ہیں۔ مثلاً ایک دعا یہ تھی کہ بارك اللہ فیك وفی ذریتك وجعلھم مثل حب الزیتون صغیرھم وکبیرھم مملوٌّ بالنور یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے اندر اور تمہاری اولاد کے اندر برکت عطا فرمائے اور ان سب کو زیتون کے پھل کے مانند کر دے جس کی صفت یہ ہے کہ وہ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا سب ہی روغن سے بھرا ہوتا ہے چنانچہ لوگوں میں یہ بات بہت مشہور تھی یہاں تک کہ ایک شاعر کہتا ہے کہ ؎

وفیکم دَعْوَۃُ الخِضْرِ اُسْتُجِیْبَتْ ۔۔۔ وَعَمَّتْ للبنات مع البَنِیْنَ

یعنی تمہارے ہی بارے میں خضر علیہ السلام کی دعا مقبول ہوئی جو کہ لڑکوں کے ساتھ ساتھ لڑکیوں کو بھی شامل ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ اب ہمارے لئے اپنے خاندان کے افراد کا شمار مشکل ہے۔ مزید براں یہ کہ سب علماء ہوئے ہیں۔ حالانکہ دادا مرحوم کا انتقال ابھی [illegible] ہی میں ہوا ہے اور ہم کو اس سے پہلے اس خاندان میں اس طرح کی پیدائش کا علم نہیں بلکہ ایک شخص کے بس ایک ہی اولاد ہوا کرتی تھی۔ (انتہیٰ منہ ۱۲)

القلبیہ۔

قلب سے حکمت کے چشمے جاری ہوجاتے ہیں۔ گویا اس مجاہدہ پر یہ ہدایت مرتب ہوتی ہے۔

الثانیۃ۔ قطع النفس عن المالوفات العادیۃ واغلاق باب العز وفتح باب الذل والانکسار ومن ھذہ العقبۃ یطلع علی اسرار العلوم اللدنیۃ۔

عقبۂ دوم۔ نفس کو اس کی عادات اور مرغوبات و مالوفات سے نکالنا اور عزت و احترام کا دروازہ اپنے اوپر بند کرلینا اور ذلت و انکسار کا باب کھول لینا۔ اس عقبہ کے عبور کرلینے پر یہ ہدایت مرتب ہوتی ہے کہ سالک علوم لدنی کے اسرار پر مطلع ہونے لگتا ہے۔

الثالثۃ۔ قطع القلب عن الرعونات البشریۃ واغلاق باب الراحۃ و فتح باب التعب ومن ھذہ العقبۃ تلوح للسالک علام المناجاۃ الملکوتیہ +

عقبۂ سوم:۔ قلب کو بشری خرابیوں اور نقائص سے نکالنا اور راحت و آرام کا دروازہ اپنے اوپر بند کرلینا اور تعب و مشقت کا باب کھول لینا۔ اس مجاہدہ سے نکلنے پر سالک کے لئے ملکوتی مناجات کے آثار ظاہر ہوں گے۔

(الرابعۃ) قطع السرعن المکدرات الطبیعیۃ واغلاق باب النوم وفتح باب السھر ومن ھذہ العقبۃ تلمع للسالک انوار المنازل القربیۃ +

عقبۂ چہارم:۔ اپنے سر کو طبعی کدورات سے علیحدہ کرنا اور سونے کا دروازہ بند کرلینا یعنی اپنی نیند کو ختم کرلینا اور بیداری کا دروازہ کھول لینا۔ اس عقبہ سے گذرنے کے بعد سالک کے لئے منازل قرب کے انوار چمکنے لگتے ہیں۔

(الخامس) قطع الروح عن البخارات الحسیۃ وفتح باب الفقر واغلاق باب الغنی ومن ھذہ العقبۃ تظھر اقمار المشاھدات الحسیۃ +

عقبۂ پنجم:۔ روح کو احساسات ظاہری کی آلودگیوں سے محفوظ رکھنا اور اس کے لئے فقر اور غربت کا دروازہ کھول لینا اور امارت و غنیٰ کے باب کو بند کرلینا۔ چنانچہ اسی مجاہدہ کیوجہ سے مشاہدہ حسیہ کا چاند طلوع ہوتا ہے یعنی سالک مقام مشاہدہ میں آجاتا ہے۔

عـہ (قولہ قطع السر الخ) یہ سِرّ قلب کی رو سے ایسا ہی ہوتا ہے جیسے پرندہ پنجرے کے اعتبار سے یعنی قلب کو اگر ایک پنجرہ سمجھو تو سِرّ کو اس کا پرندہ جانو اور قلب کی حیثیت بدن کے اعتبار سے ایسی ہے جیسے طائر کی قفس کے اعتبار سے یعنی بدن ایک قفس ہے تو قلب اس کے اندر کا پرندہ ہے فتح الربانی میں ایسا ہی لکھا ہوا ہے۔ (انتہیٰ منہ ۱۲)

(السادسة) فطم العقل عن الخيالات الوهميه واغلاق باب الامل و فتح باب الاستعداد للموت ومن هذه العقبة يهبط السالك على رياض الحضرة القدسية فهناك يغيب بما يشاهد من اللطائف الانسية عن الكثائف الحسية۔

عقبۂ ششم۔ عقل کو ان خیالات سے بچانا جن میں آمیزش وہم کی ہو اور اپنے اوپر طول امل کا باب بند کر لینا اور موت و ما بعد الموت کے لئے تیاری کرنا۔ اس منزل میں پہونچکر تو گویا سالک حق تعالیٰ کی حضوری کے باغ میں ہی جا پڑتا ہے چنانچہ اب لطائف انسیہ کے مشاہدہ کی وجہ سے اس سے اپنی حسی کثافتیں یکلخت دور اور ختم ہو جاتی ہیں یعنی اس عالم کے لطافت کا مشاہدہ کرتا ہے اور یہاں کی کثافت اس سے زائل ہو جاتی ہے۔

ثم اذا اصطفاه الله تعالى و جعله من اهل خصوصية سقاه شربة من كاس محبته فيزداد بتلك الشربة ظمأ وبالذوق شوقا وبالقرب طلبا وبالسكون قلقا فاذا تمكن منه هذا السكر ادهشه واذا ادهشه حيره فهو هنا مريد واذا دام تحيره اخذه منه وسلبه فبقى مسلوبا مجذوبا وهو هنا مراد وذالك شان اهل الحقيقة فى خصوصية الشهود ومشاهدة المعبود۔

پھر جب اللہ تعالیٰ کسی کو منتخب فرما لیتے ہیں اور اسکو اپنا مخصوص بنا لیتے ہیں تو اسکو اپنی محبت کے جام سے ایک گھونٹ پلا دیتے ہیں جس کے پینے کی وجہ سے اس کی پیاس اور بڑھ جاتی ہے اور جس کے چکھنے کی وجہ سے اس کے شوق میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے اور جس سے قرب کی وجہ سے اسکی طلب اور زیادہ ہو جاتی ہے اور جس سے سکون کی وجہ سے اس کا اضطراب اور دو بالا ہو جاتا ہے۔ پھر جب اس کے اس نشہ کو کچھ قرار ہوتا ہے تو اس کو ایک دہشت میں ڈالدیتے ہیں اور جب دہشت میں ڈالدیتے ہیں تو پھر اسکی وجہ سے اسکو ایک عجیب حیرت میں ڈالدیتے ہیں اب اسوقت جا کر وہ مرید ہوجاتا ہے اور جب اسکا یہ تحیر طول اور دوامی ہو جاتا ہے تو اسکو پھر سے واپس لے لیتے ہیں جسکی وجہ سے وہ بالکل مجذوب کھویا ہوا اور لٹا ہوا معلوم ہوتا ہے اب اس مرتبہ پر پہونچکر وہ مراد ہو جاتا ہے چنانچہ خصوصیت شہود اور مشاہدۂ معبود کے وقت اہل حقیقت کی یہی شان ہوا کرتی ہے۔[۵]

(افادہ): از حضرت مرشدی دامت کاتم) یہ تفاصیل جو مؤلفؒ نے بیان فرمائی ہیں ممکن ہے انھوں نے طریق کو اسی تفصیل کے ساتھ طے کیا ہو لیکن حصول الی اللہ کچھ اس خاص صورت میں منحصر نہیں ہے بلکہ یہ شیخ اور مصلح کی رائے پر ہے کہ جو طریقہ سالک کیلئے مناسب سمجھے اسی اسکو لے چلے۔ اسطرح سے کسی۔ ہو طریق کے لئے یہ بھی جائز نہیں ہے کہ راہ باطن (خدا کا راستہ) محض تصوف کی کتاب دیکھ کر طے کرے بلکہ اسکو چاہیئے کہ پہلے کسی کو طریق میں اپنا رہبر بنائے اور پھر اس کا اتباع کرے اور اسکے بتلائے ہوئے پر چلے چنانچہ محققین فرماتے ہیں کہ جس طرح سے طب کی کتابیں طبیب کے لئے ہیں مریض کے لئے نہیں۔ اسی طرح سے تصوف کی کتب مشائخ کے لئے ہیں۔ سالک کے لئے نہیں۔
(کتاب ہذا (ترصیع الجواہر) چونکہ مفید مضامین پر مشتمل تھی اس لئے ترجمہ کر دیا گیا لیکن بدون شیخ کامل کے بتائے ہوئے کسی امر کو اپنی تجویز سے معمول بنانے کی اجازت نہیں دیتا۔

فالشريعة اقامة وظائف العبودية والحقيقة مشاهدة الربوبية الشريعة مجاهدة والحقيقة مشاهدة اذ الطريق الى الله تعالى لها ظاهر وباطن فظاهرها الشريعة وباطنها الحقيقه وبطون الحقيقه فى الشريعة كبطون الزبد فى اللبن والكنز فى المعدن وكما انه بدون خض اللبن وحفر المعدن لا يظفر من اللبن بزبده ولا يفوز من المعدن بقصده

پس شریعت نام ہے عبودیت کے وظائف کے ادائیگی کا۔ اور حقیقت کہتے ہیں ربوبیت کے مشاہدہ کو۔ گویا شریعت تو مجاہدہ ہے اور حقیقت مشاہدہ۔ یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے طریق کیلئے ایک ظاہر ہوتا ہے اور ایک باطن۔ ظاہر کا نام شریعت ہے اور اسکے باطن کا نام حقیقت ہے۔ اور حقیقت کا شریعت کے اندر موجود ہونا ایسا ہی ہے جیسے مکھن کا دودھ میں یا خزانہ کا کان میں موجود ہونا۔ چنانچہ جس طرح سے بدون دودھ کے متھے ہوئے اور بغیر کان کے کھودے ہوئے دودھ سے مکھن اور کان سے خزانہ نہیں حاصل کیا جا سکتا۔

فكذالك من دون التمسك بالشريعة والعمل بمقتضاها على الجد والاجتهاد لا يصل الى شئ من الحقيقة وكل شريعة بلا حقيقة عاطلة[1] وكل حقيقة بلا شريعة باطلة[2] والمقصود من اجتماع الشريعة والحقيقة اقامة العبودية على الوجه الاكمل[3] فان الدار دار خدمة والجزاء فى الدار الآخرة +

اسی طرح سے شریعت سے تمسک کئے بغیر اور اس کے مقتضا پر کوشش اور اہتمام کے ساتھ عمل کئے بغیر حقیقت تک رسائی کبھی نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ جس شریعت کے ساتھ حقیقت نہ ہو وہ ناقص[1] ہے۔ اور جو حقیقت کہ شریعت سے الگ ہوکر پائی جائے وہ لغو محض اور باطل[2] ہے۔ اور شریعت اور حقیقت دونوں کے جمع کرنے سے مقصود عبودیت کی اقامت علی وجہ الکمال[3] ہے اس لئے کہ یہ دار دنیا۔ دار عمل اور دار خدمت ہے۔ اور رہی اس کی جزا، تو اس کے لئے دار آخرت مقرر ہے۔

---

[1] قولہ عاطلة الخ یعنی زیورات سے عاری جیسے کوئی حسین عورت ہو اور اس کے بدن پر زیور نہ ہو یہ مطلب نہیں کہ صحت سے بھی عاری ہے

[2] (وقولہ باطلہ) الخ یعنی ناقابل عمل ہے اور اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے لہذا بندے کے قلب میں جو کچھ علوم غیبیہ آویں تو اگر ظاہر شریعت یعنی کوئی حدیث یا آیت اسکی مؤید ہو تب تو وہ قابل عمل ہے ورنہ وہ ساقط الاعتبار رہے۔

[3] علی الوجہ الاکمل الخ) اور یہ کامل درجہ احسان ہی کا ہے جس پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ الاحسان ان تعبد اللہ کانک تراہ چنانچہ حضرت زین العابدین رضی اللہ عنہ کا چہرہ مبارک نماز کے وقت زرد ہو جاتا تھا لوگوں نے آپ سے اسکے متعلق پوچھا کہ ایسا کیوں ہوتا ہے فرمایا کہ بھائی نہیں جانتے ہو کہ کس ذات کے روبرو حاضر ہونے جا رہا ہوں۔ انتہی منہ ۱۲

(تنبیہ آخر) غایۃ اختیار العبد فی المجاهدۃ والطاعات ولیس لہ اختیار فی استجلاب المشاهدات والمکاشفات بل هو بما نفعله صار منعرضا لنفحات رحمۃ اللہ تعالی فلا یبقی الا الانتظار لما یفتح اللہ تعالی بہ من رحمتہ فلیس علی العبد الا الاستعداد بالتصفیۃ المجردۃ واحضار الهمۃ مع الارادۃ الصادقۃ والتعطش التام والترصد بدوام الانتظار لما یفتحہ اللہ تعالی من الرحمۃ وعند ذالک اذا صدقت ارادتہ وحسنت مواظبتہ فلم تجاذبہ شهواتہ ولم یشغلہ حدیث النفس بعلائق الدنیا تلمع لوامع الفتح والمشاهدۃ فی قلبہ ویکون ابتداؤہ کالبرق الخاطف ثم یثبت ثم یعود وقد یتأخر وان عاد فقد یثبت وقد یکون مختطفا وان ثبت فقد یطول ثباتہ وقد لا یطول وقد یتظاهر امثالہ علی التلاحق وقد یقتصر علی فن واحد

(تنبیہ[۵]) بندہ کے اختیار میں زیادہ سے زیادہ جو چیز ہے وہ طاعت اور مجاہدہ ہی ہے باقی یہ کہ اس پر مشاہدہ اور مکاشفہ کا بھی ترتب ہو جائے یہ اس کے بس کی بات نہیں ہے۔ بلکہ وہ تو اعمال اختیار کر کے بس اللہ تعالی ہی کی جانب سے ہونے والی بخشش کا منتظر رہتا ہے اور اسی کی راہ میں خود کو ڈال دیتا ہے۔ پس اس کے لئے بجز انتظار کی گھڑیاں گننے کے اور چشم براہ رہنے کے چدہ اختیار ہی نہیں رہتا۔ لہذا عبد کو چاہیئے کہ ادھر سے ہونے والی بخشش کا مورد بننے کی اپنے اندر صلاحیت اور استعداد پیدا کرے اور قوت ہمت اور صدق ارادت کو بروئے کار لائے اور کامل پیاس اور طلب اور دائمی انتظار اللہ تعالی کی جانب سے ہونے والی رحمت کا ظاہر کرے۔ چنانچہ اب اس وقت جبکہ اس کا ارادہ صادق ہو جائے اور ذہنیت پر اسکی مواظبت مستحکم ہو جائے یعنی اسکو اسکی شہوت ادھر سے نہ ہٹائے اور حدیث النفس یعنی وساوس خطراتِ قلب اسکو دنیوی علائق کی بابت مشغول کریں تب فتوحات اور مشاہدہ کی روشنی اسکے قلب میں چمکے گی جس کی ابتداء اس طرح سے ہوگی جیسے ایک بجلی سی کوند جائے یعنی اس کو قرار نہ ہوئی۔ پھر دوبارہ چمکے گی اور اس دوبارہ چمکنے میں سکو کچھ دیر بھی لگ جاتی ہے پھر اگر دوبارہ چمکے گی۔ کبھی تو یہ ہوگا کہ اس بار ذرا ٹھہر جائیگی اور کبھی مانند پہلی ہی بار کے چمکتی اور بجھتی ہی رہیگی پھر اگر ٹھہر گئی تو کبھی اس کا یہ استقرار طویل ہوگا اور کبھی طویل نہ ہوگا۔ محض وقتی اور آنی ہوگا۔ اور کبھی اس چمکنے کی کیفیت یہ ہوگی کہ ایک ہی قسم کی چمک مسلسل اور لگاتار ہوتی رہے گی۔ اور کبھی وہ چمک ایک ہی نہج پر قائم رہے گی۔

---

۵ قولہ غایۃ اختیار العبد الخ یہ کے منافی نہیں ہے جو اول کتاب میں گذرا ہے کہ مقام بیان کامل کی تحصیل کسبی ہے اسلئے کہ یہ استعداد مذکور کسبی ہے دراستعداد حاصل ہو جانے پر عادۃ اللہ یہی جاری ہے کہ نفس متوجہ ہو ہی جاتا ہے اسلئے کہ اللہ تعالی خود دہی اور جود شئے مبذول ہے اسکی مثال یہ ہے جیسے ہم کہتے ہیں کہ شکار کرنا اختیاری فعل ہے حالانکہ شکاری کے اختیار میں صرف جال کا نصب کر دینا ہوتا ہے باقی یہ کہ اس میں شکار آکر پھنس بھی جائے یہ تو اسکے اختیار میں نہیں ہے مگر عادۃ چونکہ جب کوئی شکاری جال لگاتا ہے تو اس میں شکار پھنس ہی جایا کرتے ہیں اس لئے شکار کرنے ہی کو کسبی و اختیاری قرار دیا گیا۔ انتہی منہ ۱۲

ومنازل اولياء الله تعالى فيه لا تحصر كاختلاف الصور بين الناس فكما لا تكون صورة مساوية لصورة اخرى من كل وجه كذالك[سے] لا تكون عطايا الحق لاثنين متساوية من كل وجه وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ

وبعد ذالك تفاض الرحمة و يشرق النور في القلب وينكشف له عن سر الملكوت[عہ] وينقشع عن القلب حجاب العزة وتلألأ فيه حقائق الامور بانكشاف ما في اللوح المحفوظ له ويقبل الله تعالى عليه بوجهه كما في الحديث القدسي فلا يعلم احد ما يريد ان يعطيه فهذا هو الوصول الذي يشير اليه علماء الطريقة وهو غاية السالكين ومنتهى سير السائرين +

چنانچہ اولیاء اللہ کے مراتب بھی اس باب میں بحد و بیشمار ہیں جس طرح سے کہ انسانوں کی صورتیں مختلف انواع کی ہوتی ہیں کہ انکا کوئی شمار ہی نہیں ہے یعنی ایک انسان کی صورت دوسرے سے الگ ہوتی ہے من کل الوجوہ ایک انسان دوسرے انسان کے ہمشکل نہیں ہوتا۔ اسی طرح[سے] سے حق تعالیٰ کے عطایا کا بھی حال ہے کہ ہر ایک کے ساتھ الگ الگ معاملہ ہے یعنی جتنے انسان ہیں اتنا ہی معاملہ ہے اور کیوں نہ ہو ان تنگی کیا ہے اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والے اور سب کچھ جاننے والے ہیں

غرض فتوح قلبی کی ابتدا تو یوں ہی ہوتی ہے جیسا کہ بیان کیا گیا پھر اسکے بعد رحمت کا فیضان ہوتا ہے اور اسکا نور سارے قلب میں روشن ہو جاتا ہے جسکی وجہ سے ملکوتی[عہ] اسرار اس پر کھلنے لگتے ہیں اور عزت کا حجاب اسکے قلب پر سے اٹھنے لگتا ہے اور اب اس پر اشیاء کے حقائق منکشف ہو جاتے ہیں۔ سلئے کہ خود لوح محفوظ ہی اسکی نظروں کے سامنے ہو جاتا ہے اور حق تعالیٰ اسکی جانب اپنے وجہ کیساتھ متوجہ ہو جاتے ہیں جیسا کہ حدیث قدسی میں آیا ہے کہ میں اسکی آنکھ بنجاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ (الحدیث) پس اب کوئی شخص اسکو نہیں جان سکتا کہ اللہ تعالیٰ اسکو کیا دینا چاہتے ہیں۔ اسی حالت اور مقام کو وصول سے تعبیر کیا جاتا ہے جسکی جانب علماء طریقت سالکین کو متوجہ فرمایا کرتے ہیں۔ چنانچہ طالبین کے مقصود کی انتہا یہی ہے اور سالکین کی سیر کا یہی منتہی ہے۔

سے (قولہ کذالک لا تکون عطایا الحق الخ) میں کہتا ہوں کہ میں نے بعض اہل کشف سے اولیاء اللہ کے حالات کے بارے میں دریافت کیا انھوں نے کہا کہ ذات حق تک راستے مختلف ہیں یہ لوگ تم کو ایک راستہ بتادیں گے پس اگر تم چلوگے تو پھر دوسرے کو دوسرا راستہ بتادینگے چنانچہ میں نے خواب میں اولیاء اللہ کے حرق کو دیکھا جو کہ مکہ کے طریقوں کے مشابہ تھا جنگلے ملنے کی جگہ پر وہ پڑا ہوا تھا۔ پس مجھ کو ان میں سے ایک راستے میں لگا دیا جس پر میں چلنے لگا۔ تو بعد کہ یہی مطلب ہو مشائخ کے اس ارشاد کا کہ اللہ تعالیٰ تک پہونچنے کے اسقدر راستے ہیں جتنی کہ مخلوق کی تعداد ہے۔ لہذا جب راستے مختلف ہوئے تو یقینی بات ہے کہ اس راستے میں جو چیزیں واقع ہوں گی وہ بھی مختلف ہی ہوں گی۔ اسی لئے ہر شخص کے احوال و کیفیات مختلف ہوتی ہیں۔

عہ (قولہ سر الملکوت الخ) ملکوت اور ملک میں فرق یہ ہے کہ ملکوت اسے کہتے ہیں جو حس سے نہ معلوم ہو سکے۔ اور ملک اسے کہتے ہیں کہ جو حس سے معلوم ہو سکے۔ لہذا قلب یعنی جسم صنوبری الشکل وہ عالم ملک کی چیز ہے اور یعنی لطیفہ ربانیہ جو کہ اس مضغہ کے ساتھ اس طرح سے قائم ہے جیسے کہ بینائی پتلی کے ساتھ۔ یہ عالم ملکوت کی چیز ہے۔ انتہی منہ ۱۲۔

ثم هو مختلف ايضاً فمنهم من يجد الله تعالى بطريق الافعال وهو رتبة في التجلي ويفني فعله وفعل غيره في نظره بطريق الذوق ويشهد ذوقاً ان لا فاعل الا الله تعالى وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ۔

پھر یہ وصول بھی کئی طرح کا ہوتا ہے بعض حضرات تو اللہ تعالے تک افعال کے راستے سے پہونچتے ہیں یہ بھی تجلی کا ایک مرتبہ ہے۔ (جسکو تجلی افعالی کہا جاتا ہے) اس میں سالک اپنے افعال کو اور اپنے غیر کے افعال کو اللہ تعالی کے افعال میں ذوقاً فنا کردیتا ہے یعنی وجداناً اسکو یہ محسوس ہوتا ہے کہ لا فاعل الا اللہ، اللہ تعالی کے علاوہ کوئی دوسرا فاعل ہی نہیں ہے چنانچہ اللہ تعالی خود ہی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی نے تمکو اور تمہارے افعال کو پیدا کیا ہے۔

ويخرج في هذه الحالة من التدبير والاختيار ومدح احد او ذمه او حبه او بغضه لمنع او عطاء بل يحب في الله من يستحق الحب ولو اذاه ويبغض في الله من يستحق البغض ولو جرى على يديه نفعه فيحب ويبغض بالدين لا بالطبع وهذه رتبة[ف] في الوصول۔

اس مرتبہ میں آکر سالک تدبیر و اختیار اور مدح و ذم کی قید سے آزاد ہوجاتا ہے نیز کسی سے کچھ پاکر اسکو محبوب نہیں جانتا اور نہ پاکر اسکو مبغوض نہیں گردانتا بلکہ بسا اوقات تو یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالی کیلئے مستحق محبت سے محبت ہی کرتا ہے۔ اگرچہ اس نے اس کو ایذا ہی کیوں نہ پہونچائی ہو۔ اور اللہ تعالی کے مستحق بغض سے بغض ہی رکھتا ہے۔ اگرچہ اس کے ہاتھوں اسے کچھ نفع ہی پہونچا ہو۔ حاصل یہ کہ اب اس کی محبت اور اس کا بغض دین کے لئے ہوجاتا ہے نفس اور طبیعت کے تقاضے سے نہیں ہوتا۔ وصول کا ایک مرتبہ یہ بھی ہے۔

ومنهم من يوقف في مقام الهيبة والانس بما يكاشف من مطالعة الجلال والجمال وهذا تجل بطريق الصفات وهو رتبة في الوصول۔

اور بعض حضرات ہیبت اور انس کے مقام میں آکر ٹھہر جاتے ہیں حق تعالی کے جلال و جمال کے مشاہدے کی وجہ سے اور جو امور کہ ان پر منکشف ہوتے ہیں اسکی وجہ سے اسکا نام صفاتی تجلی ہے۔ یہ بھی وصول کا ایک مرتبہ ہے۔

ومنهم من يرقى الى مقام الفناء مشتملا على باطنه انوار اليقين والمشاهدة مغمسي في شهوده عن

اور بعض حضرات ترقی کرتے کرتے مقام فنا تک پہونچ جاتے ہیں جن کا باطن انوار یقین اور مشاہدہ حق سے مالا مال ہوتا ہے۔ اسطرح سے کہ اسکے مشاہدہ میں غرق ہوکر انھیں اپنے

ف قوله وهذه رتبة في الوصول (الخ) میں کہتا ہوں (مصنف کہتے ہیں) کہ اللہ تعالی کا شکر ہے کہ میں نے بھی اسکی (یعنی وحدت افعالی کی) کچھ لذت پائی ہے یہانتک کہ ایک مدت مجھ پر ایسا بھی گذرا ہے کہ مجھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میرے نزدیک سانپ اور لکڑی میں کوئی فرق نہیں ہے۔ انتہی ۱۲

وجوده۔

وهذا ضرب من تجلی الذات لخواص المقربین وهذا مرتبة فی الوصول وفوق هذه مرتبة حق الیقین ویکون من ذالك فی الدنیا لمح وهو سریان نور المشاهدة فی کلیة العبد حتی یحظی بها روحه وقلبه ونفسه حتی قالبه +

وهذا من اعلی رتب الوصول فاذا تحققت الحقائق یعلم العبد مع هذه الاحوال الشریفة انه فی اول المنزل فاین الوصول هیهات منازل طریق الوصول لا تنقطع ابد الآباد فی عمر الآخرة الابدی فکیف فی العمر القصیر الدنیوی فالوصول الی الله تعالی عبارة عن الوصول الی صفو الیقین بطریق الذوق والا فجل ربنا ان یتصل بشئی او یتصل به شئی کما اوضح ذلك ابن عباد فی شرحه علی الحکم العطائیة۔

وهکذا القرب من الله تعالی هو کما قال الامام الغزالیؒ فی الاحیاء فی البعد عن صفات البهائم والسباع والشیاطین والتخلق بمکارم الاخلاق

تن بدن تک کا ہوش نہیں رہ جاتا۔ حتی کہ اپنے وجود سے بھی کھو جاتے ہیں۔

یہ ذاتی تجلی کی ایک قسم ہے جو کہ خواص مقربین کو حاصل ہوتی ہے اور وصول کا ایک مرتبہ یہ بھی ہے۔ اور ایسا درجہ ہے کہ اسکے اوپر حق الیقین ہی کا مرتبہ ہے۔ اور اس کا اثر اس دنیا میں تو سالک کے اندر ایک نور اور چمک کی شکل میں نمودار ہوتا ہے۔ یعنی مشاہدہ کا نور بندہ کے کل ہی اجزاء قلب وقالب میں سرایت کر جاتا ہے یہاں تک کہ اس کی روح۔ قلب۔ نفس اور اس کے بدن یعنی گوشت پوست کو بھی اس سے حصہ ملتا ہے چنانچہ وصول کے مراتب میں یہ سب سے اعلیٰ مرتبہ ہے۔

پس جب اس (مرتبہ پر پہونچکر) عبد پر حقائق کا انکشاف ہوتا ہے تو ان احوال شریفہ کے ہوتے ہوئے بھی وہ اپنے آپ کو اول ہی منزل میں سمجھتا ہے۔ ظاہر ہے کہ پھر اب وصول کہاں رہا۔ پس بلاشبہہ طریق کے تمام منازل کا طے کرنا بہت ہی مشکل کام ہے۔ یہ وصول یعنی قطع منازل آخرت میں جہاں کہ ابدالآباد تک کی عمر ہوگی وہاں تو طے نہ ہو سکے گی۔ پھر بھلا دنیائے ناپائیدار کی اس قلیل مدت میں کوئی اسکو کیا طے کر سکتا ہے۔ لہذا وصول الی اللہ حقیقتہً نام ہے کمال یقین تک بطریق ذوق کے پہونچنے کا ورنہ تو حق تعالیٰ کی ذات اس سے کہیں اعلیٰ وارفع ہے کہ وہ کسی شے سے ملے یا اس سے کوئی شے ملے جیسا کہ اس مسئلہ کو ابن عبادؒ نے حکم عطائیہ کی شرح میں واضح طور سے بیان فرمایا ہے۔

یہی تفسیر اس قرب کی بھی ہے جو کہ بندہ کو اللہ تعالیٰ سے ہوتا ہے چنانچہ یہ قرب جیسا کہ امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں بہائم۔ درندے اور شیاطین کی صفات سے بچنے اور دور رہنے اور ان مکارم اخلاق کے ساتھ متصف ہونے کے

التی ھی الاخلاق الالٰھیۃ وھو قرب بالصفۃ لا بالمکان تعالی اللہ عن ذالک علواً کبیراً۔

بیان میں جو کہ اخلاق الٰہیہ میں سے ہیں ذکر فرمایا ہے کہ وہ ایک وصفی اور معنوی قرب ہے۔ مکانی اور جسمانی نہیں ہے اسلئے کہ اللہ تعالیٰ اس سے کہیں بلند و برتر ہیں۔

فکلما صار العبد اکمل صفۃً و اتم علماً واحاطۃً بحقائق العلوم واثبت قوۃً فی قھر الشیطان وقمع الشھوات واظھر نزاھۃً عن الرذائل صار اقرب من درجۃ الکمال ومنتھی الکمال للہ تعالی وقرب کل واحدٍ من اللہ بقدر کمالہ۔ انتھی۔

چنانچہ بندہ جس قدر زیادہ مکارم اخلاق اور صفات نفس میں کامل ہوگا اور جسقدر اس کا علم تام ہوگا اور جسقدر کہ اسکو حقائق علوم کا احاطہ ہوگا اور جسقدر کہ شیطان کو مغلوب کرنے کی نفس کے توڑنے کی اسکو قوت ہوگی اور جتنا ہی زیادہ کہ وہ رذائل نفس سے پاک و صاف اور دور ہوگا۔ اتنا ہی زیادہ اسکو کمال قرب حاصل ہوگا۔ باقی یوں تو تمام کمالات کی انتہا اللہ تعالیٰ ہی پر ہوتی ہے وراسکا حاصل یہ سمجھو کہ ہر شخص اللہ تعالیٰ سے بقدر اپنے کمال باطن ہی کے قریب ہوتا ہے۔

(وصل) لعلک تقول قد رغبتنی فی المجاھدۃ بما عظمت من امرھا انھا مفتاح الھدایۃ ولا تعمل الطاعات فی حصول المکاشفات لا بھا فبین فی حقیقتھا لانظر فی نفسی ھل اقدر علیھا ام لا؟

(وصل) اب شاید تم یہ کہو گے کہ آپ نے اپنے اس بیان سے تو مجھے مجاہدہ کی بہت ترغیب دیدی اسلئے کہ آپ نے اسکی عظمت شان کا ذکر کیا ہے اور یہ بتلایا ہے کہ مجاہدہ مفتاح السعادۃ ہے اور یہ کہ کوئی طاعت بدون مجاہدہ کے حصول مکاشفہ کا ذریعہ ہی نہیں بنتی۔ (وغیرہ وغیرہ) تو اب ازراہ کرم ذرا اسکی حقیقت بھی ارشاد فرمادیجئے تاکہ میں اپنے کو تولوں کہ آیا اس پر قادر بھی ہوسکتا ہوں یا نہیں؟ تو اسکے جواب میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ سنو! یوں تو مجاہدہ کی اقسام بہت سی ہیں۔ لیکن ان میں سے جو قسم کہ ایک مرید کے لئے لائق ہو تو یہ ضروری نہیں کہ وہ دوسرے کے لئے بھی مناسب ہو اس لئے کہ ان میں باہم قوت وضعف کا اور رذائل کے رسوخ اور عدم رسوخ کا فرق ہوا کرتا ہے۔

فاقول اعلم ان انواع المجاھدۃ کثیرۃ وبعض المریدین یلیق بہ نوع منھا لا یلیق بغیرہ بحسب قوتہ وضعفہ وتمکن الصفات الخبیثۃ منہ وعدم تمکنھا وذالک مفوض لمعرفۃ المرشد الکامل فما یراہ بعین البصیرۃ لائقاً بحال المرید من انواع المجاھدۃ شغلہ بہ مع

(لہذا) یہ تجویز علاج مرشد کامل کی رائے پر ہی موقوف ہے۔ بس وہی جس نوع مجاہدہ کو جس شخص کیلئے تجویز کرے اسکو اس میں لگا دے۔ البتہ زمان و مکان اور مرض کے درجہ

ملاحظة الزمان والمكان ودرجة العلة حتى ان بعض الاشياخ ينقل المريد من علة لعلة اخرىٰ ويكون ذالك اسهل فى معالجة العلة الاولى على وزان طب الابدان حذو النعل بالنعل من تقليل الطعام والشراب و ترك التخليط وهو ههنا اكل الحرام فان الحرام بمنزلة السم للدين والمشبوه بمنزلة اكل الغليظ من الاطعمة للمريض وهذا هو القطب الذى تدور عليه الاعمال فان من اكل الحرام عصى الله احب ام كره ومن اكل الحلال اطاع الله احب ام كره وحقيقة المجاهدة مدافعة النفس والهوى والشيطان عن الدخول لمدينة القلب ومخالفتهم فى كل ما يامرون به والتوقف فيه[ف۵] ولو خيرا فان الشيطان يفتح للانسان

کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

یہاں تک کہ بعض مشائخ نے تو کسی کسی مرید کو ایک مرض سے دوسرے مرض کی جانب منتقل کر دیا ہے محض اس خیال سے کہ اس دوسرے رذیلہ سے نکلنا (یعنی اس کا علاج) بمقابلہ اول رذیلہ کے عادت کے آسان تھا اور معالجہ نفس کا معاملہ بھی بالکل معالجہ ابدان ہی جیسا ہے (طابق النعل بالنعل) یعنی یہاں بھی کم کھانے اور کم پانی پینے کو کہا جاتا ہے اور لوگوں سے زیادہ ملنے جلنے سے منع کیا جاتا ہے (جسطرح سے کہ علاج ظاہری میں بھی ان چیزوں سے پرہیز کرایا جاتا ہے اور مریض کو خلوت میں رکھا جاتا ہے) چنانچہ یہاں کا سب سے بڑا پرہیز حرام کھانے سے بچنا ہے کیونکہ اکل حرام، دین کے حق میں تو سم قاتل ہی ہے اور مشتبہ کھانا ایسا ہے جیسے کسی مریض کو ثقیل غذائیں دیدی جائیں چنانچہ یہی اکل حلال، طریق میں ایک ایسا قطب ہے جس کے ارد گرد اعمال صالحہ کی چکی گھومتی ہے اس لئے کہ جس شخص نے حرام کھانا کھایا تو اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی خواہ وہ اسکو اچھا سمجھ کر کھائے یا مکروہ سمجھکر کھائے اور جس شخص نے حلال کھانا کھایا تو اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی خواہ طوعاً اسکو کھایا ہو یا کرہاً کھائے چنانچہ مجاہدہ کی حقیقت، نفس خواہش اور شیطان (ان تینوں) کو قلب کے شہر میں داخل ہونے سے

ف۵ (قولہ والتوقف فیہ ولو خیرا الخ) کتاب "العرائس القدسیہ فی الرسائل النفسیہ" میں اس مسئلہ کو ایسی وضاحت سے بیان کیا ہے جو کہ طالب کی تسلی کیلئے کافی ووافی ہے فرماتے ہیں کہ اور منجملہ ان امور کے (جنکو شیطان سالک کیلئے مزین کرتا ہے) جس کا ظاہر تو نہایت ہی خیر اور خوشنما ہوتا ہے مگر باطن انتہائی مہلک ہوتا ہے) ایک یہ ہے کہ جب وہ کسی مرید کو مجاہدہ میں لگا ہوا دیکھتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ اب اس کا قرب، وصول اور فتح قریب ہی ہے تو اس کے قلب میں یہ خیال ڈالتا ہے کہ میاں یہاں کیا پڑے ہو۔ اس شہر میں تو تمہارے لئے فتح اور وصول تقریباً ناممکن ہے یا نہیں تو حویلی ضرور ہے لہذا یہ کرو کہ تم مکہ شریف چلے جاؤ وہاں تم کو بہت جلد فتح ہو جائے گی۔ اور اس لعین کا مقصود اس سے یہ ہوتا ہے کہ سالک کو (اقامت کے سکون سے نکال کر) سفر کی مشقتوں میں مبتلا کردے تاکہ اس کا قلب بارہ باٹ اور حال پراگندہ ہو جائے۔ اور انجام کار اسکو ندامت کا منہ دیکھنا پڑے۔ اسی لئے مشائخ نے فرمایا ہے کہ سفر مرید کے دین کو پارہ پارہ کرکے رکھدیتا ہے چنانچہ اسی سبب سے تسلیک سلوک کیلئے مشائخ نے شیخ کی موجودگی کو شرط قرار دیا ہے تاکہ وہ مرید کو دھوکے اور غلطیوں کے مواقع پر تنبیہ کرتا رہے۔ اھ

سبعين بابا من الخير ليوقعه في باب
واحد من الشر قال البوصيري :-
وخالف النفس والشيطان واعصهما ✚
وان هما محضاك النصح فاتهم ✚
فاياك اولا بسد الابواب التي
يدخل عليك الشيطان منها وهي
كثيرة ومعرفتها فرض على ما قال الامام
الغزالي وذالك ان حماية القلب عن
وسواس الشيطان فرض على مكلف
ولا يتوصل الى دفع الشيطان الا
بمعرفة مداخله فكانت معرفتها
فرضا ايضا وهي صفات العبد الذميمة
ومن اعظمها الغضب والشهوة و
هما امهات سائر الصفات المذمومة
كما تقدم وعنهما ينشأ الحرص و
حب التزين من الاثاث والثياب
والعمور والدواب والطمع في الناس
والعجلة وترك التثبت في الامور وحب
الدراهم والدنانير وسائر اصناف[۵]
الاموال والبخل وخوف الفقر والتعصب

روکنا اور منع کرنا ہے۔ اور ان سب کے حکم کردہ چیزوں میں انکی مخالفت کرنا اور اس میں
توقف کرنا ہے اگرچہ وہ بھلی ہی بات کیوں نہ معلوم ہوتی ہو اسلئے کہ شیطان کا حال تو یہ ہے
کہ وہ انسان کے سامنے خیر کے ستر دروازے کھولتا ہے محض اسلئے تاکہ (انکے ذریعہ) اسکو کسی شر کے
دروازہ میں داخل کردے۔ (یعنی ایک برائی کا مقدمہ اور پیش خیمہ ستر بھلائی کو بناتا ہے) اسی
لئے بوصیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: نفس اور شیطان کے خلاف ہی کرو اور ان دونوں کی
مخالفت کو اپنے اوپر لازم کرلو اور اگر یہ دونوں تم کو خالص نصیحت ہی کریں تب بھی تم ان کو متہم
ہی سمجھتے رہو) اور سب سے پہلے انھیں چور دروازوں کو بند کرو جن سے شیطان تمہارے
پاس آتا ہے۔ اور یہ ایسی چیز ہے کہ جسکی معرفت فرض ہے جیسا کہ امام غزالی رح کا ارشاد
بھی اسی کا موید ہے۔ اور یہ اس لئے کہ قلب کو شیطان کے وسوسوں سے بچانا
ہر مکلف پر فرض ہے! اور شیطان کا دفعیہ ممکن نہیں جبتک کہ انسان کو اس کے
داخل ہونے کے مواقع (چور دروازوں) کا علم نہ ہو جائے اسلئے ان منافذ کا علم
بھی فرض ٹھہرا جن سے شیطان داخل ہوتا ہے اور وہ انسان کے یہی رذائل (یعنی صفات
ذمیمہ) ہیں۔ جن میں سے سب سے بڑا رذیلہ غصہ اور شہوت ہے چنانچہ جملہ
اخلاق مذمومہ کی یہی دونوں اصل ہیں۔
جیسا کہ ابھی بیان کیا جاچکا ہے۔ پھر ان ہی دونوں سے حرص اور زینت
و خوشنمائی کی محبت پیدا ہوتی ہے یعنی جی چاہتا ہے کہ گھر کا سارا سامان عمدہ
ہو۔ کپڑے نفیس ہوں۔ مکان اور سواری بہترین ہو۔ نیز لوگوں سے طمع
قائم ہوجاتی ہے اور جلد بازی آجاتی ہے اور اطمینان ختم ہوجاتا ہے۔ روپیہ
پیسہ کی نیز جملہ اموال کی محبت قلب میں پیدا ہوجاتی ہے۔ مزاج میں بخل
اور فقر کا خوف پیدا ہوجاتا ہے۔ نیز ہٹ دھرمی اور اپنی بات کی تیخ

[۵] (قولہ وسائر اصناف الاموال الخ) مؤلف فرماتے ہیں کہ) میں کہتا ہوں کہ اس کا حاصل یہ ہے کہ مرید کو حصول کمال سے پہلے (یعنی اس
مقام تک پہونچنے سے پہلے کہ سونا اور پتھر اسکے نزدیک یکساں درجہ میں ہوجائے) جو چیز بھی قدر ضرورت سے زیادہ ہوگی۔ اسکے حق میں
مضر ہی ہوگی۔ اس لئے کہ کھانے اور دیگر ضروریات سے جو مال بھی زیادہ ہوگا وہ شیطان کا مستقر (یعنی اڈا) ہوگا۔

انتہی ۱۲

للمذاهب والاهواء والحقد على الخصوم
والنظر اليهم بعين الازدراء والاحتقار
والاشتغال بالاختلافات الواقعة
بين الناس في المذاهب والخصومات
وتفكر العوام الذين لم يمارسوا العلم
في امور لا يبلغها احد عقلهم حتى
يشككهم الشيطان بسبب ذالك
في اصل الدين او تفكر الجميع في
ذات الله تعالى وصفاته حتى يخيل
الشيطان خيالات في الكفر والبدعة
وهم يظنون ان ذالك هو المعرفة
والبصيرة تفكروا في آلاء الله ولا
تتفكروا في ذات الله فتهلكوا وعلل
ذالك ابن الجوزي في مواعظه
بقوله اذا استقبل الرمد الريح
فقد تعرض لزيادة المرض
انتهى۔

آجاتی ہے۔ اپنے مخالفین سے کینہ اور ان پر حقارت اور نفرت کے
ساتھ نظر کرنیکی عادت ہے۔ اسی طرح سے لوگوں میں جو اختلافات
ونزاعات رونما ہوتے ہیں۔ آدمی ان میں دلچسپی اور حصہ لینے لگتا ہے
اور وہ عوام کالانعام جنکو کہ علم سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا
اپنی عقل وفہم سے بالاتر امور میں بھی (انھیں رذائل کی وجہ سے)
غور وخوض کرنے لگ جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اسکی وجہ سے شیطان
ان کو اصل دین ہی کی طرف سے شک وشبہ میں ڈال دیتا ہے۔
یا کبھی یہ ہوتا ہے کہ کیا عوام اور کیا خواص سب ہی اللہ تعالیٰ کی ذات
اور صفات میں تفکر کرنے لگ جاتے ہیں یہانتک کہ شیطان انکے قلب
میں کفر وبدعت تک کے حال کو مزین کر دیتا ہے اور یہ لوگ اسکو معرفت
کا ایک درجہ اور یقین کا کوئی مرتبہ تصور کرتے ہیں (اور کس قدر ناواقف
ہیں اس کہ) اللہ تعالیٰ کی ذات میں تو تفکر کرنیکی ممانعت آئی ہے
ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں تفکر نہ کرو ہلاک ہوجاؤ گے۔ چنانچہ
علامہ ابن جوزی رحؒ نے اسکی وجہ اپنے وعظ میں بیان فرمائی ہے کہ جو آنکھ کہ
اٹھی ہوئی ہو جب وہ ہوا کے سامنے پڑجائے تو سمجھو کہ اس نے اپنے آپ کو
اضافہ مرض کے محل میں پیش کیا ہے۔ (یعنی یوں تو ہوا کیسی عمدہ چیز ہے مگر
دکھتی آنکھ والے کیلئے سم قاتل ہے اسی طرح سے نااہل کیلئے خوض فی العلم
بالخصوص تفکر فی ذات اللہ دینی موت کے مرادف ہے)

نحق العوام ان يومنوا ويسلموا
ويشتغلوا بعباداتهم ومعايشهم
ويتركوا العلم للعلماء فان من تكلم
في الله وفي دينه من غير اتقان
العلم وقع في الكفر وهو لا يشعر و
مكايد الشيطان فيما يتعلق بالعقائد
والمذاهب لا تحصر ومن ابوابه

پس عوام کے مناسب حال تو یہی ہے کہ بس ایمان لائیں اور
اسلام اختیار کریں اور عبادت کے کاموں میں نیز کسب معاش کے امور
میں مشغول رہیں باقی علم کو علماء ہی کیلئے چھوڑ دیں اسلئے کہ جو شخص
اللہ تعالیٰ کے متعلق یا اس کے دین کے بارے میں بدون تحقیق کوئی
گفتگو کرے گا تو کفر اس کے نقد وقت ہوگا جسکی اسے خبر بھی نہوگی۔
اور شیطان کی گمراہیاں عقائد اور مذاہب سے متعلق بے شمار
ہیں منجملہ اسکے طریقوں کے ایک طریقہ مسلمانوں کے ساتھ سوء ظنی

سوء الظن بالمسلمین ومهما رائیت
انسانا یسیئ الظن بالمسلمین طالبا
لعیوبهم فاعلم انه خبیث الباطن وـ
اذا ساء فعل المرء ساءت ظنونه
وصدق ما یعتاده من توهم
فان المومن یطلب المعاذیر
والمنافق یطلب العیوب فهذه بعض
مداخل الشیطان الی القلب ولا
یمکن استقصاء جمیعها وبالجملة
فلیس فی الآدمی صفة مذمومة
الا وهی سلاح الشیطان ومدخل من
مداخله ولابد فی دفع الشیطان
عن القلب من سلاح التقوی والذکر
معا واما الذکر وحده فلا یجدی نفعا
من دون التقوی واعظم هذه الابواب
الدنیا ونعنی بها ما زاد علی الحاجة من
المطعم والمسکن والملبس والمنکح فان
الدنیا بنت الشیطان ومن تزوج بنته
اکثر التردد الی بیته وهذا قبل الکمال
کما تقدم +

بھی ہے چنانچہ جب تم کسی شخص کو یہ دیکھو کہ مسلمانوں کے ساتھ
سوء ظن رکھتا ہے اور ان کے عیوب پر تجسس کرتا ہے تو سمجھ
لو کہ وہ خبیث الباطن ہے جیسا کہ کسی نے کہا ہے.
جب کسی انسان کے افعال برے ہوتے ہیں تو اس کا گمان بھی فاسد ہو جاتا ہے
اور جن مقامات میں وہ وہم کا خوگر تھا وہاں اب تصدیق کرنے لگ جاتا ہے۔
یہ اسلئے کہ مومن عذر تلاش کرتا ہے اور منافق عیوب ہی ڈھونڈھتا
ہے. غرض یہ بعض وہ دروازے ہیں جن سے شیطان قلب میں داخل
ہوتا ہے اور تمام ابواب کا تو احاطہ مشکل ہے. حاصل کلام یہ کہ
انسان میں جو بھی کوئی صفت مذمومہ ہے وہ شیطان کا ہتھیار
ہے اور اس کے داخل ہونے کے راستوں میں سے ایک راستہ
ہے لہذا ضروری ہے کہ شیطان کو قلب سے تقوی اور ذکر کے ہتھیار
سے ایک ساتھ دفع کیا جائے کیونکہ تنہا ذکر بدون تقوی کے اس
باب میں چنداں مفید نہیں ہے اور ان ابواب میں سے
سب سے اعظم باب دنیا ہے اور مراد اس سے وہ مال ہے جو
کھانے پینے رہنے سہنے پہننے اوڑھنے اور ازدواجی تعلقات
کے ضروری اخراجات سے زائد ہوں اسلئے کہ دنیا شیطان کی
بیٹی ہے اور جو اس کی بیٹی سے نکاح کرے گا تو اس کے
گھر آمد و رفت بھی کثرت سے رکھے گا. لیکن یہ چیز تکمیل سے
پہلے پہلے ہے جیسا کہ اس سے قبل بیان گذر چکا ہے

فما دام المريد يملك شيئاً[۵] فوق حاجتہ ولو ديناراً واحداً لا يدعہ الشيطان في صلاتہ من الوسوسۃ في الفكر في دينار وانہ كيف يحفظہ وفي ماذا ينفقہ وكيف يخفيہ حتى لا يعلم بہ احد وكيف يظهرہ حتى يتباهى بہ الى غير ذلك من الوساوس فمن انشب مخاليبہ في الدنيا وطمع في ان يتخلص من الشيطان كان كمن انغمس في العسل وظن ان الذباب لا يقع عليہ و ذلك محال +

پس جب کبھی[۵] مرید اپنی حاجت سے زاید کسی چیز کا مالک ہوگا اگرچہ وہ ایک ہی دینار کیوں نہ ہو تو شیطان اسکو نماز میں یہ وسوسہ ڈالے گا کہ اسکی حفاظت کیسے کروگے اور کہاں اسکو خرچ کروگے اور کیونکر اس کو چھپاؤ گے تاکہ کوئی جان نہ سکے اور کس طرح اسکو ظاہر کروگے تاکہ دوسروں پر فخر و مباہات کرسکو۔ غرض اسی طرح کے دنیا بھر کے وساوس قلب میں ڈالتا رہے گا۔ پس جس شخص نے اپنے پنجے دنیا میں گڑائے اور پھر اس بات کی بھی طمع کی کہ شیطان سے خلاصی پا جائے تو اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص شہد میں غوطہ لگائے اور یہ توقع رکھے کہ اس پر مکھی نہ بیٹھے گی۔ ظاہر ہے کہ یہ امر محال ہے۔ (

(وقیل فی ھذا المعنی)[۵]

ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں
ایں خیال ست و محال است و جنوں

---

[۵] (قولہ فما دام المريد يملك الخ) مؤلف رح فرماتے ہیں کہ اسی کی مثل وہ واقعہ ہے جو میرے عم محترم شیخ محمود رانعی رح کے ساتھ پیش آیا۔ اس لئے کہ انھوں نے جب مصر جاکر شیخ احمد صاوی سے طریق حاصل کیا، اور حسب معمول خلوت نشین ہوئے تو شیطان نے ان کی جائداد وغیرہ کے متعلق جو کہ ہمارے دیار طرابلس (شام) میں تھیں ان کو وسوسہ ڈالنا شروع کیا اور یہاں تک پریشان کیا کہ وہ چلہ ترک کرکے طرابلس واپس آئے اور اپنی تمام جائداد فروخت کردی اور اسکی رقم فقرا پر تقسیم کرنا شروع کردیا یہاں تک کہ ان کے شیخ حضرت صاوی کو اسکی اطلاع ہوئی انھوں نے سید محمد کتبی رح کو لکھا کہ محمود سے سب رقم لے لو اور ان پر پابندی لگا دو کہ کسی سے کوئی معاملہ نہ کریں اور نہ کوئی ان سے کرے۔

حاصل یہ کہ دیکھو ان بزرگ کو صفائے وقت حاصل نہ ہوسکا جب تک کہ مال سے بالکلیہ نہ نکل گئے اور کچھ بھی پاس نہ رہ گیا ان کی اس حالت کو دیکھ کر شیخ صاوی نے فرمایا کہ میرا یہ بچہ محمود (جسے آج تم ایسا دیکھ رہے ہو گل کو اس کا ایسا وقت آنے والا ہے کہ) ان کے قدموں کے نیچے کی زمین کو بوسہ دیا جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

افادہ (قولہ شیطان نے جائداد وغیرہ کے متعلق ان کو وسوسہ ڈالنا شروع کیا)

میں کہتا ہوں کہ جب یہ وسوسہ تھا تو علاج بھی وسوسہ ہی کا ہونا چاہیئے تھا اور وہ یہ کہ اس کی جانب التفات ہی نہ کیا جاتا کیونکہ اسکی جانب توجہ کرنے اور اس پر عمل کر لینے سے تو وہ اور قوی ہوجاتا ہے اور زیادہ پریشان کرتا ہے۔ ایک مادہ سے ختم ہوا

دوسرے میں کام کرنے لگتا ہے۔

اور اگر اسکو حبِّ مال کا علاج کہا جائے تو اس کے متعلق کہتا ہوں کہ حب مال سے نکلنے کا یہ طریقہ شرعاً مطلوب تو کیا ہوتا جائز بھی نہیں ہے اور عجب نہیں کہ اسی وجہ سے ان کے شیخ حضرت صاوئیؒ نے ان کو تصرفات سے روک دیا ہو۔ شرعاً جو درجہ مطلوب ہے وہ صرف یہ ہے کہ مال کی محبت انسان کے قلب میں اللہ تعالیٰ اور اسکے دین کی محبت سے بڑھ کر نہو۔ چنانچہ قرآن شریف میں دنیا کی اَحَبِّیَّت کی ممانعت آئی ہے باقی مال سے یا دنیا سے نفس محبت منع نہیں ہے اسلئے کہ مال دنیا میں صرف ضروریات کی تحصیل کا ذریعہ ہے لہذا اسکو حاصل کرنا بھی منع نہیں اور اس کا پاس ہونا بھی مذموم نہیں۔ اہل اللہ اسکو مقصود بنانے سے منع فرماتے ہیں اور مقصود بنانا یہ ہے کہ اسکی محبت اور اس میں انہماک انسان کو اللہ تعالیٰ کے احکام ہی سے روک دے مثلاً کسی کے پاس مال ہے اور وہ اس سے محبت کی وجہ سے اسکی زکوٰۃ نہیں ادا کرتا یا فرض حج کو نہیں جاتا محبت کا یہ درجہ مذموم ہے ورنہ تو نفس مال اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اللہ تعالیٰ نے اسے قوام زندگی فرمایا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے نعم المال الصالح للرجل الصالح۔ نیز حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ مال جمع رکھنا پہلے زمانہ میں چاہے قبیح سمجھا جاتا رہا ہو. بہرحال آج کے دن تو وہ مومن کی ڈھال ہے اور یہ فرمایا کہ اگر ہمارے پاس مال نہوتا تو یہ امراء تو ہمکو رومال یعنی صافی بنا لیتے اور یہ فرمایا کہ جس شخص کے پاس مال ہو وہ اسکی اصلاح کرے یعنی حفاظت کرے اور خوب بڑھائے اسلئے کہ یہ ایسا زمانہ ہے کہ اگر آدمی خدانخواستہ محتاج و تنگدست ہوا تو سب سے پہلی چیز جو برباد کرے گا وہ اپنا دین و ایمان ہوگا۔

دیکھئے ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ جس چیز کو ہم دنیا سمجھتے ہیں وہ اپنی ذات کے اعتبار سے مذموم نہیں ہے بلکہ کسب و استعمال کیوجہ سے ہم اسکو مذموم بنا لیتے ہیں لہذا مال سے اسدرجہ نفرت کیونکر جائز ہو سکتی ہے. اگر رذیلۂ حبِّ مال موجود ہو تو اس رذیلہ کو قلب سے نکالنا چاہیئے محبت قلب کی صفت ہے لہذا قلب کو اس سے خالی کرنا چاہیئے اسکے لئے مال کو ختم کر دینا ضروری نہیں جب قلب اسکی محبت سے خالی ہو جائے بس یہ کافی ہے اسکے بعد اگر جیب اور بکس میں مال موجود ہو کچھ مضر نہیں بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ اس زمانہ میں ضروری ہے کہ مسلمان کے پاس مال ہو جیساکہ مذکورہ بالا نصوص اس پر شاہد ہیں۔

اور یہ جو میں نے کہا کہ رذیلۂ حب مال کے ازالہ کیلئے مال کا صرف کر دینا کافی نہیں تو اس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ انسان کے پاس مال بالکل موجود نہ ہو لیکن رذیلہ حب مال اب بھی اس کے اندر موجود ہو اسی طرح سے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بظاہر ایک شخص کے پاس بہت مال و دولت موجود ہے مگر قلب کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ذرا سی بھی غفلت نہیں ہے. محققین کی اس مسئلہ میں یہی تحقیق ہے. لیکن عام طور سے اس بارہ میں لوگوں کو مغالطہ ہوتا ہے کہ وہ یہی سمجھتے ہیں کہ جسکے مال نہیں ہے وہ دنیا دار نہیں ہو سکتا۔ حاصل یہ کہ حب مال ایک قلبی مرض ہے. خارج میں مال ہونے نہ ہونے پر موقوف نہیں ہے۔

وحاصل وساوسه انه یاتی الانسان من قبل المعاصی فان متنع اتاه من وجه النصیحة حتی یلقیه فی بدعة فان ابی امره بالتحرج والشدة حتی یحرم ما لیس بحرام فان ابی خفف علیه اعمال البر حتی یراه الناس صابرا عفیفا فتمیل قلوبهم الیه فیعجب بنفسه وبه یهلکه وعند ذلك تشتد الحاجة فانها آخر درجة ویعلم انه لو جاوزها افلت منه الی الجنة +

اور اس کے وساوس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ وہ انسان کے پاس پہلے معاصی کی راہ سے آتا ہے اب اگر وہ اس سے باز رہتا ہے یعنی اسکو وسوسہ کو قبول نہیں کرتا، تو پھر نصیحت کے راستہ سے آتا ہے تاکہ اسکو کسی بدعت میں ڈالدے لیکن اگر مرید سعید نے اسمیں بھی اسکی اطاعت نہ کی تو پھر وہ اس کے (قلب میں) تقویٰ میں غلو کا خیال ڈالتا ہے تاکہ وہ اپنے اوپر خوب تنگی اور سختی کرے یہانتک کہ غیر حرام کو حرام کرلے اگر اس میں بھی اسکی پیش نہ چلی تو پھر نیکیوں کا کرنا اس پر آسان کر دیتا ہے (یعنی اس سے خوب عبادت کراتا ہے) تاکہ اسکو لوگ جفاکش اور عفیف سمجھیں اور ان کے قلوب اسکی طرف مائل ہوں جسکی وجہ سے اس میں عجب پیدا ہوجائے اور اس طور پر یہ اسکو ہلاک کردے اور اس مقام پر پہونچ کر تو اس کی کوشش اور بھی تیز ہوجاتی ہے اسلئے کہ وہ جانتا ہے کہ سالک کا یہ آخری درجہ ہے اگر اس نے اسکو عبور کرلیا تو پھر تو جنت میں ہی داخل ہوجائے گا۔

(تتمہ) الخواطر التی ترد علے القلب اربعة ربانی وملکی وشیطانی ونفسی فعلامة الخاطر الربانی انه لا یندفع بالدفع لان له علی القلب صولة الاسد الضاری لورودہ من حضرة قهار وعلامة الخاطر الملکی ان تعقبه لذة مع برودة ولا یجد صاحبه الما ولا تغیرا فی صورته وانما هو کالناصح + وعلامة الخاطر النفسی ان یعقبه فی القلب العروف الصدر ضیق وفی الطلب الحاح فان النفس کالطفل تلح فی مطالبها ولا تستبدل به غیرہ - وعلامة الخاطر الشیطانی

وہ خواطر جو قلب پر وارد ہوتے ہیں چار طرح کے ہوتے ہیں ربانی۔ ملکی۔ شیطانی۔ نفسی۔ پس علامت خاطر ربانی کی یہ ہے کہ وہ دفع کرنے سے دفع نہیں ہوتا اس لئے کہ قلب پر اسکی صولت شکاری شیر کی طرح ہوتی ہے کیونکہ وہ حضرت قہار کی جانب سے وارد ہوتا ہے اور علامت خاطر ملکی کی یہ ہے کہ اسکے پیش آنے پر سالک کو لذت اور ٹھنڈک حاصل ہوتی ہے اور اسکو کوئی تکلیف نہیں ہوتی اور نہ یہ اپنی صورت میں کچھ تغیر پاتا ہے بلکہ اسکی حیثیت مانند شفیق ناصح کے ہوتی ہے۔ اور خاطر نفسی کی علامت یہ ہے کہ اسکے آنے پر قلب میں ایک تکلیف اور سینہ میں ایک تنگی محسوس ہوتی ہے۔ طلب میں الحاح پیدا ہوجاتا ہے اس لئے کہ نفس کی مثال طفل کی سی ہے جو کہ اپنی خواہش کے حاصل کرنے میں بڑی عاجزی اور خوشامد سے کام لیتا ہے اور اپنے مطلوب کے بدلے کسی دوسری چیز کے لینے پر راضی بھی نہیں ہوتا۔ اور خاطر شیطانی کی علامت یہ ہے کہ اس کے آنے

ان تعقبه المراد احولته لامر آخر تحول فان الشيطان يريد اغواءك باى وجه كان +

کے بعد طبیعت میں ایک رنج والم سا رہتا ہے اور جب تم اس خیال کو دوسری جانب پھیر دو تو آسانی سے منتقل ہو جائیگا اس لئے کہ شیطان کا مقصود تو تمہیں بہکانا ہے اس خیال سے نہ سہی اُس خیال سے سہی۔

ثم الخاطر الشيطاني والنفسي يجب طردهما من اول وهلة فلا يردد هما في نفسه حتى يصيرا همًّا وعزمًا بل يكون كالسياف واقفًا على باب قلبه فيجرد ما يخطر له خاطر من ذينك الخاطرين يطرده ولا يقبله ولا يتفكر فيما سوى الخاطر الملكي ليقوى + واما الخاطر الرباني فلا يحتمل الدفع[۵] والتردد مطلقًا ولا يكون للعبد تماسك معه بسبب سطوته على القلب لوروده من حضرة قهار كما تقدم +

پھر یہ سمجھو کہ خاطر شیطانی اور خاطر نفسانی ان دونوں کا حکم یہ ہے کہ ان خواطر کے آتے ہی ان کو ہٹانا چاہیئے یعنی ان سے صرف نظر کرنا چاہیئے اپنے نفس میں انکو باقی نہ رکھے اور ان میں فکر نہ کرنے لگے کیونکہ اسکی وجہ سے یہ وسوسے نکل کر مقصد اور عزم بن جائیں گے لہذا انسان کو چاہیئے کہ اپنے قلب کے دروازہ پر مانند جلاد کے تلوار لئے کھڑا ہے اور جیسے ہی یہ دونوں خواطر اس میں قدم رکھنا چاہیں تلوار سے ان کا خاتمہ کر دے یعنی نہ انھیں قبول کرے اور نہ ان میں تفکر کرے۔ البتہ خاطر ملکی میں تفکر کرسکتا ہے تاکہ وہ اور راسخ ہو جائے رہا خاطر ربانی تو وہ تو دفع اور تردد کا مطلقًا احتمال ہی نہیں رکھتا اور عبد کے لئے اس کے آنے پر کوئی زور اور بس بھی نہیں رہ جاتا اس لئے کہ وہ قلب پر مستولی ہو جاتا ہے کیونکہ حضرت قہار کے یہاں سے وہ بھیجا جاتا ہے۔

---

۵ (قوله فلا يحتمل الدفع) الحمد للہ یہ خاطر تو مجھے خود اپنے نفس میں بھی حاصل ہوا ایک زمانہ میں میں نے یہ ارادہ کیا کہ اس جماعت پر بد دعا کروں جن لوگوں نے مجھے ستایا تھا جوں ہی میں نے ان پر بد دعا کرنے کیلئے اپنے ہاتھ اٹھائے میرے قلب پر نہایت ہی قوت اور شوکت کے ساتھ یہ چیز وارد ہوئی کہ اللہ تعالی کے نزدیک بڑائی حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جو تمہیں محروم کرے تم اسکو دو جو تم پر ظلم کرے تم اسکو معاف کرو اور جو تمہارے ساتھ برائی کرے تم اسکے ساتھ احسان کرو۔ اس خیال کا آنا تھا کہ میں نے اپنا ہاتھ مجبور ہو کر نیچے گرا لیا اور میں نے یہ دعا کی کہ اے اللہ میں نے ان لوگوں کو معاف کر دیا۔ (افادہ) میں کہتا ہوں کہ مظلوم کیلئے اگرچہ ظالم پر بد دعا کرنا جائز ہے تاہم خلق سے بعید تر ہے۔ اسلئے ارباب طریق کے نزدیک ناپسندیدہ امر ہے۔

اسی طرح سے ہمارے ایک دوست خلیل یمین آفندی بنا ایک واقعہ بیان کرتے تھے جو اسکے قریب قریب ہے وہ یہ کہ جس سال انھوں نے حج کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے ایک حیرہ قصیدہ بھی کہا جسمیں آپ سے یہ خواہش بھی کیگئی تھی کہ آپ انکی جانب سے انکے دشمنوں سے بدلہ لیں وہ شعر یہ تھا۔

واعد الى اهلكهم وبدد شملهم فانك سيف الله بالحق قاطع

اس کا ترجمہ یہ ہے کہ میرے دشمنوں کو آپ ہلاک کر دیجئے اور ان کے احوال کو پراگندہ کر دیجئے اسلئے کہ آپ اللہ کی تلوار ہیں اور حق کے ساتھ کاٹنے والے ہیں۔ چنانچہ جب وہ ہمارے دوست روضۂ اقدس کے پاس حاضر ہوئے اور قصیدہ پڑھا اور اس شعر پر پہونچیں تو قبل ان کے پڑھنے کے بعض حاضرین نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی امت کے بارے میں ایذانہ پہونچاؤ اسی طرح آپ فرماتے ہیں چنانچہ میں نے اسی وقت اپنے اس شعر کا پہلا مصرعہ بدل کر اس طرح سے کر دیا ع واعد الى اصلاحهم اصلح شملهم یعنی میرے جو دشمن ہیں آپ انکی اصلاح فرما دیجئے۔ اور ان کے حالات کو درست فرما دیجئے۔ ۱۲ منہ

(تنبیه) مراتب القصد خمس اولها الهاجس وهو اول مایبدو فی القلب ثانیها الخاطر وهو الذی یخطر ویمر فیه ثالثها حدیث النفس تتحدث فیه هل تفعله ام لا رابعها الهم وهو ترجح فعله خامسها العزم وهو التصمیم علیه وکلها لا یؤاخذ به العبد سوی[ف] الاخیر وهذا فیما عدا الحرام فانه یؤاخذ فیه بالارادة ایضا وهی دون العزم المذکور بقوله تعالی

قصد کے مراتب پانچ ہیں پہلا مرتبہ ھاجس کہلاتا ہے اور یہی سب سے پہلا درجہ ہے جو کسی چیز کے متعلق قلب میں آتا ہے۔ دوسرا مرتبہ خاطر کہلاتا ہے اور یہ ایک ایسا درجہ ہے کہ اس میں کسی چیز کا خیال قلب میں آتا ہے اور گذر جاتا ہے تیسرا مرتبہ حدیث النفس کہلاتا ہے کہ جس میں انسان کا نفس خود باتیں کرتا ہے کہ آیا اس فعل کو کرے یا نہ کرے اور چوتھا مرتبہ ہم کہلاتا ہے اور اس میں جانب فعل راجح ہو جاتی ہے جانب ترک پر اور پانچواں مرتبہ عزم کہلاتا ہے اس مرتبہ میں اگر انسان اس کام کے کرنے کا پختہ ارادہ کر لیتا ہے چنانچہ انسان سے قصد کے ان مراتب خمسہ میں سے صرف اخیر پر مواخذہ ہوتا ہے اور دیگر مراتب میں مواخذہ نہیں ہے اور یہ حکم حرم کے علاوہ دیگر مقامات کا ہے کیونکہ حرم[ف] میں کسی کام کے

ف (قوله سوی الاخیر الخ) یعنی یہ جو کہا گیا کہ قصد کا جو آخری مرتبہ ہے عزم اسی کا مواخذہ ہے اسکی دلیل یہ ہے کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب دو مسلمان ایک دوسرے پر تلوار سے حملہ کریں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنمی ہیں صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ قاتل کا جہنمی ہونا تو ظاہر ہے لیکن یہ مقتول کیوں۔ آپ نے فرمایا کہ اس کا قصد بھی تو اپنے مقابل کو قتل کر دینے کا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ عزم پر مواخذہ ہوگا۔

ف (افادہ) قوله حرم میں ارادہ فعل پر بھی مواخذہ ہوتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ مصنف رح کا یہ استنباط محققین کے قول کے خلاف ہے گو ایک قول مفسرین کا وہ بھی ہے جو مصنف نے بیان کیا لیکن دوسرا قول بھی ہے اور وہی صحیح ہے حضرت مولانا رح بیان القرآن میں فرماتے ہیں کہ:۔

یرد سے یہ نہ سمجھا جائے کہ ارادہ کا جو مرتبہ دوسری جگہ موجب تعذیب ہو وہاں موجب تعذیب نہ ہو جاتا ہے۔ بلکہ یرد بمعنی یتعمد کی قید سے یہ فائدہ ہوگا کہ نسیان وخطاء کے عفو پر دلالت کرے گا۔ (بیان القرآن صـ٦٩ ج٧)

اس سے معلوم ہوا کہ یہاں یرد کے معنی تعمد ہی کے ہیں اور یہ قید نسیان اور خطا کے اعتبار سے ہے یعنی یہ دونوں معاف ہیں باقی یہ مطلب نہیں کہ ارادہ پر بھی یہاں مواخذہ ہے۔ پس حرم اور غیر حرم کا حکم ایک ہونے کے باوجود حرم کی تخصیص سے معصیت کی تشدید کی جانب بھی اشارہ نکلتا ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ جو چیز غیر حرم میں بری ہے وہ حرم میں اور زیادہ بری ہے جس طرح سے کہ جو نیک غیر حرم میں طاعت ہے حرم میں کرنے سے اس کا ثواب اور زیادہ ہو جاتا ہے یہ شرف مکان کا اثر ہے اس کا انکار نہیں۔

(فائدہ) حدیث شریف میں آتا ہے انسان اگر کسی طاعت کا صرف ارادہ کرتا ہے اور ابھی اسکو کرتا بھی نہیں تب بھی اسکے لئے ایک نیکی لکھ لی جاتی ہے اور جب اس کام کو کر لیتا ہے تو حسب قاعدہ الحسنة بعشر امثالها اس کا ثواب دس گنا ملتا ہے۔ لیکن اگر کسی معصیت کا محض ارادہ کرتا ہے اور اس کو کئے نہیں ہوتا تو اس پر اسکو کچھ گناہ نہیں ہوتا۔ ہاں جب اس کام کو کر لیتا ہے تب اسکے لئے ایک سیئہ لکھا جاتا ہے۔

سبحان اللہ! یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے اور حال عبد پر شفقت ہے کہ نیکی کی ابھی نہیں محض ارادہ اور نیت پر ثواب دیدیا۔ اور اسکے کرنے پر ایک نہیں دس گنا عطا فرمایا۔ اور برائی کرنے پر بھی صرف ایک بدی لکھی گئی اور نہ کرنے پر یعنی محض ارادہ کر لینے کو معاف فرمایا۔ یہ ان کی رحمت اور شان کریمی ہے ؎ ونعم ما قیل۔

تصدق اپنے خدا کے جاؤں یہ پیار آتا ہے مجھکو انشا
ادھر سے ایسے گناہ پیہم ادھر سے وہ دم بدم عنایت

وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ +

ارادہ پر بھی مؤاخذہ ہوتا ہے حالانکہ وہ عزم مذکور سے کم ہی ہوتا ہے اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ جو شخص اسمیں یعنی حرم میں ظلم کرنے کا ارادہ بھی کریگا تو اسکو ہم دردناک عذاب چکھائینگے اس میں تصریح ہے کہ حرم کے اندر ارادۂ معصیت پر بھی مواخذہ ہے۔

(تنبیہ) قد تعرض للذاکر خواطر تشغله عن ربه فاذا هجمت عليه فليجدد الوضوء اولاً فان لم تذهب فليرفع الصوت بذكر الى ان تقل برفع الصوت فليتوجه بهمة شيخه الى دفعها فاذا ذهبت ثم عادت فليضع يده على قلبه ويقل سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْخَلَّاقِ سبعة مرات ثم يقول اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ وَقِيْلَ اِنَّ الملازمة عليها عقب الصلوات سبعًا او ثلاثًا تنفع فى زوال الوسوسة۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ذاکر کو اسقدر وساوس آتے ہیں جو کہ اسکو اپنے رب کی یاد سے روکدیتے ہیں تو جب تم پر ایسے خواطر کا ہجوم ہو تو اس کا علاج یہ ہے کہ پہلے تازہ وضو کرو اگر اس سے نہ جائے تو ذکر بالجہر شروع کردو۔ یہانتک کہ وہ کم ہوجائیں پھر آہستہ آہستہ معمول کے مطابق کرنا شروع کردو لیکن اگر ذکر جہر سے بھی نہ جائیں تو اپنے شیخ کی ہمت سے اس کے دفع کی طرف متوجہ ہو اور اگر وہ وساوس ایسے ہوں کہ جاکر پھر لوٹ آتے ہوں تو اپنے ہاتھ کو اپنے قلب پر رکھ کر سات بار یہ دعا پڑھو اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ +

کہا گیا ہے کہ اس دعا پر مداومت صلوات خمسہ کے بعد سات بار یا تین بار زوال وسوسہ کے لئے بہت نافع ہے۔

وذكر البونى فى شمس المعارف الصغرىٰ ان مما ينفع لدفع استيلاء الخواطر على القلب ان يتوضأ ويذكر يا قدير سبعة انفاس حتى يذوق كل نفس فانها تذهب عنه۔

اور بونی نے شمس المعارف صغریٰ میں لکھا ہے کہ قلب پر جب خواطر کا استیلا ہوجائے تو ان کے دفع کرنے کا نافع طریقہ یہ ہے کہ وضو کرے اور یا قدیر سات سانس میں اس طرح سے پڑھے کہ ہر سانس اس سے بھر جائے یعنی اسکی کوئی تعداد مقرر نہیں ہے ہر سانس میں اتنی بار کہے کہ سانس تنگ ہونے لگے انشاء اللہ تعالیٰ اس سے وہ وساوس دور ہوجائیں گے۔

وقال بعضهم من ادرك جوع بسبب تقليل الطعام وبه قلق و تشويش وخاطر من اختلاف الافكار

بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ کھانے کی قلت کی وجہ سے جسکو بھوک لگی ہو اور اس کی وجہ سے ایک قلق اور بے چینی ہو اور افکار کثیرہ کی وجہ سے تشویش خاطر

فلیتوضا ویذکر یا امین یا ھادی سبعۃ انفاس متوالیۃ فان اللہ تعالیٰ یذھب جوعہ و یسکن خاطرہ ویصفی وقتہ۔

میں مبتلا ہو تو سے چاہیئے کہ وضو کرے اور یا امین یا ھادی کا ذکر سات سانس بھر پے در پے کرے۔ اللہ تعالیٰ بھوک کی تکلیف کو دور فرما دینگے۔ طمانیت خاطر عطا فرما دیں گے اور صفائے وقت میسر ہوگا۔

وذکرہ غیرہ ان مماینفع للجوع اسمہ تعالیٰ الصمد فانہ اذا ذکربہ الجائع ظھر اثرہ فی الحال واسمہ تعالیٰ الجلیل اذا تلاہ الظمان سکن ظمؤہ وقیل ان سورۃ تبارک الملک اذا تلاہ الظمان ویدہ علی قلبہ سکن عطشہ وذکر فی شمس المعارف ایضًا انہ قد یعرض للذاکر ضعف و فتور ھمتہ وخصوصًا المختلی وقد یعتریہ جوع اوظملی فاذا وجد ذلک فلیغتسل ویذکر یا قوی سبعۃ انفاس متوالیۃ فان اللہ تعالیٰ یقویہ ومن وجد فی قلبہ قسوۃ فلیکتب یٰس والقراٰن فی جام بہ زعفران ثم تشرب بہ فتزول عنہ القسوۃ بحولہ تعالیٰ۔

ایک دوسرے بزرگ نے یہ فرمایا ہے کہ بھوک کے دفع کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کا اسم الصمد بہت نافع ہے اس لئے کہ جب کوئی بھوکا اس کا ذکر کریگا تو اس کا اثر فوراً ظاہر ہوگا۔ اسی طرح سے اللہ تعالیٰ کا نام الجلیل جب کوئی پیاسا شخص اس کا ورد کرے تو اس کی پیاس جاتی رہے گی۔ اور کہا گیا ہے کہ سورہ تبارک الذی بیدہ الملک جب اس کو انسان اپنے قلب پر ہاتھ رکھ کر پڑھے تو ازالہ عطش کے لئے مفید ہے۔ شمس المعارف میں یہ بھی لکھا ہے کہ کبھی ذاکر کو ضعف اور فتور ہمت پیش آتی ہے۔ خاصکر کہ خلوت نشین کو اسی طرح سے کبھی اسکو بھوک اور پیاس بھی پیش آتی ہے تو جب ان امور میں سے کوئی چیز پیش آئے تو اسکو چاہیئے کہ غسل کرے اور سات سانس بھر یا قوی کا ورد پے در پے کرے اللہ تعالیٰ اس کے قلب میں قوت پیدا فرما دینگے اور جو شخص اپنے قلب میں قسوۃ اور سختی پائے تو چاہیئے کہ سورہ یٰسین کسی چیز یا شیشہ کی طشتری پر زعفران سے لکھے اور اس کو پی جائے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اسکی قساوت جاتی رہے گی۔

(تنبیہ مہم)

قد ذکرنا لک سابقًا ان فتح باب الغیب موقوف علی عمل الطاعات وترک المخالفات وتصفیۃ القلب من الاخلاق الذمیمۃ فاعلم الاٰن ان العبادۃ شطران شطر الاکتساب

ہم نے تم سے پہلے بیان کیا ہے کہ باب غیب کا فتح طاعات کے کرنے اور مخالفات کے ترک کرنے اور اخلاق ذمیمہ سے قلب کو صاف کرنے پر موقوف ہے۔ اب یہ سمجھو کہ عبادت کے دو حصے ہیں۔ ایک حصہ تو طاعت کا کرنا ہے اور دوسرا حصہ معاصی سے بچنا ہے۔ انہی معاصی میں سے اخلاق ذمیمہ

للطاعة وشطر الاجتناب للمعصية التي من الاخلاق الذميمة وان شطر الاجتناب افضل و اشرف للعبد من شطر الاكتساب فان ترك المضار مقدم على جلب المصالح ولذلك ترى الاكتساب شان المبتدئين والاجتناب شان ارباب البصائر اذ همتهم حفظ القلوب عن الميل لغيره تعالى وحفظ البطون عن فضول الاطعمة وحفظ الالسن عن اللغو وحفظ الاعين عن النظر بمالا يعني وهذا كله من ثمرة انصلاح القلب فبقدر[۱۵] صلاح القلب تنصلح الجوارح اكتسابا واجتنابا +

بھی شامل ہیں اور پھر ان دونوں حصوں میں سے اجتناب کا حصہ افضل و اشرف ہے اکتساب کے حصہ سے یعنی بندے کے لئے ترک معصیت زیادہ بہتر ہے۔ عمل طاعت سے اس لئے کہ مضرت سے بچنا نفع کے حاصل کرنے پر مقدم ہوا کرتا ہے۔

(یہی مطلب ہے اس کا کہ تخلیہ مقدم ہے تحلیہ پر۔)

اسی واسطے تم دیکھتے ہو کہ عمل طاعت تو مبتدیوں کی شان ہے اور معاصی سے اجتناب اہل بصیرت کی شان ہے اس لئے ان کا قصد قلوب کو غیر اللہ کی جانب میلان سے بچانا ہوتا ہے اور اپنے بطون کو زائد از حاجت کھانوں سے بچانا ہوتا ہے اور اپنی زبانوں کو لغویات سے اور اپنی آنکھوں کو ممنوعات کے دیکھنے سے محفوظ کرنا ہوتا ہے۔

اور یہ سب کی سب چیزیں انصلاح قلب کا ثمرہ ہیں چنانچہ جسقدر قلب درست ہوگا اسی قدر جوارح اصلاح پذیر ہوں گے۔ کرنے والے امور میں بھی اور نہ کرنے والے امور میں بھی۔

(تنبیہ) الاعمال الصالحة انواع ـ نوع الفرض ونوع الواجب ونوع المسنون المؤكد ونوع المندوب وعلى المكلف ان يبدأ بالاهم فالاهم فان خالف هذا الترتيب فهو جاهل مغرور كمن عليه قضاء فوائت وهو

اعمال صالحہ کی چند قسمیں ہیں۔ فرض، واجب سنت موکدہ اور مستحب۔ چنانچہ مکلف پر یہ لازم ہے کہ اہم فالاہم کو شروع کرے۔ یعنی ترتیب کا لحاظ رکھے جو اہم ہو اسکو مقدم کرے غیر اہم پر۔ اگر کسی نے اس ترتیب کے خلاف کیا تو سمجھ لو کہ وہ جاہل شخص ہے اور دھوکہ میں پڑا ہوا ہے۔ جیسے کسی شخص پر فرض کی قضا

---

[۱۵] قولہ فبقدر صلاح القلب الخ) اس کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ بدن میں ایک گوشت کا لوتھڑا ہے جب وہ صلاح پذیر ہوتا ہے تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے اور جب اس میں فساد پیدا ہو جاتا ہے تو تمام جسم فاسد ہو جاتا ہے سن لو کہ وہ گوشت کا لوتھڑا قلب ہے ۱۲ منہ

مشتغل بالنفل او علیہ دین او زکوٰۃ مفروضۃ وھو مشتغل بالصدقۃ النافلۃ. او یترك خدمۃ والدیہ وطاعتھما الفعل مستحب فکل ذالك غرور وعصیان یظلم بہ القلب وھذا الترتیب لا یمکن القیام بہ علی الوجہ المطلوب الا بمعرفۃ المرشد الکامل او تعلم فن الفقہ ولذلك قالوا الصوفی عبارۃ من العالم العامل بعلمہ۔

(تنبیہ) النفس للنوافل امیل من جھۃ انھا تعمل ما تعمل تبصرفھا ورأیھا فلھا فی ذالك لذۃ التصرف والاطلاق وفی الفرائض ھی مقھورۃ تحت حکم التکلیف ومن ھنا واللہ اعلم کانت الفرائض اعظم ثوابا لمشقتھا علی النفس من حیث انھا لاحظ لھا فیھا وذالك من جملۃ الحکم باشتراط الدخول تحت تربیۃ

ہو اور وہ نفل میں مشغول ہو جائے یا اس پر قرض ہو یا زکوٰۃ فرض ہو اور وہ صدقہ نافلہ میں لگ جائے یا والدین کی خدمت کو ان کی طاعت کو کسی مستحب کی خاطر چھوڑ دے تو یہ سب کی سب چیزیں سراسر دھوکہ ہیں اور معصیت ہیں۔ ان کی وجہ سے قلب سیاہ ہو جاتا ہے۔ لیکن اس ترتیب پر عمل کما حقہ ممکن بھی نہیں بدون کسی مرشد کامل کے بتلائے ہوئے یا بغیر علم فقہ کے سیکھے ہوئے۔ اسی واسطے مشائخ نے فرمایا ہے کہ صوفی کہتے ہیں اس عالم کو جو اپنے علم پر عامل ہو۔

نفس نوافل کی جانب زیادہ مائل ہوتا ہے اسلئے کہ وہ جو عمل کرتا ہے وہ اپنے تصرف اور اپنی رائے سے کرتا ہے پس اسکے لئے اس میں تصرف کی لذت اور اختیار کی آزادی ہوتی ہے اور فرائض میں تو وہ حکم شرع کا پابند ہوتا ہے یعنی طبیعت چاہے نہ چاہے وقت کی وغیرہ دیگر شرائط کی اسکو پابندی کرنی پڑتی ہے۔ شاید یہی وجہ ہو (واللہ اعلم بالصواب) کہ فرائض میں ثواب زیادہ ہوتا ہے کیونکہ اس میں نفس پر مشقت زیادہ پڑتی ہے۔ اس لئے کہ اس کا کوئی حصہ اس میں نہیں ہوتا اور یہ بھی منجملہ دیگر دلائل کے ایک دلیل ہے اسکی کہ کسی مرشد کی تربیت

اضافہ جدید۔ کتب فقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نفل سے مراد اس موقع پر وہ نوافل ہیں جن کو انسان اپنے طور پر پڑھے۔ باقی وہ سنن یا نوافل جو کسی نام سے موسوم ہیں یا ان کا ذکر روایات میں آتا ہے جیسے تحیۃ المسجد یا صلوٰۃ التسبیح یا چار رکعت قبل عصر والی وغیرہ یہ نمازیں مراد نہیں ہیں۔ فی (رد المختار) عن المضمرات الاشتغال بقضاء الفوائت اولی واھم من النوافل الا سنن المفروضۃ وصلوٰۃ الضحی وصلوٰۃ التسبیح والصلوٰۃ التی رویت فیھا الاخبار انتھی ای تحیۃ المسجد والاربعۃ قبل العصر والست بعد المغرب۔

(ملخص از امداد الفتاویٰ مبوب ج۱ ص۳۰۸)

ملہ اختتام کتاب پر اضافہ جدید بعنوان فرائض ونوافل کی تفریق ملاحظہ فرمائیے۔ ص۳۲۴ تا ص۳۳۵

المرشد لتدخل النفس تحت قهر امرہ ونهيه فلا تعمل بحظها و شهوتها حتى قالوا لان تكون تحت حكم هرة خير لك من ان تكون تحت حکم نفسك ۔

کے تحت داخل ہونا ضروری ہے تاکہ نفس اس کے امر و نہی کا پابند رہے اور اپنی رائے اور اپنی خواہش سے کوئی کام نہ کرے۔ یہانتک کہ مشائخ نے فرمایا ہے کہ تم اپنے آپ کو کسی بلی کے حکم کا پابند کر لو۔ یہ تمہارے لئے کہیں بہتر ہے اس سے کہ تم اپنے نفس کے حکم کے ماتحت رہو۔

(تنبیہ) بعض المشائخ يأمر مريده بالصوم حتى اذا قرب وقت المغرب امره بالفطر ليكون[۵] ذالك اشق على النفس وهذالم تستحسنه اشياخنا لمخالفته للشرع وقالوا ليس لنا طريق الى الله تعالىٰ الا من حيث شرع بل قالوا ان الجوع لا تحصل فائدته بقهر النفس الا اذا كان على الوجه المشروع يعني بالصوم ۔

بعض مشائخ اپنے مرید کو روزہ رکھنے کا حکم دیتے تھے۔ یہاں تک کہ جب مغرب کا وقت قریب ہوتا تو حکم دیتے کہ روزہ توڑ دو تاکہ یہ امر نفس پر شاق گذرے[۵] اور اسکی تیزی ختم ہو لیکن ہمارے مشائخ نے اسکو پسند نہیں فرمایا اس لئے کہ اس میں شریعت کی مخالفت ہے اور یہ فرمایا ہے کہ ہمارے لئے اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ بجز شرع کے اور کوئی دوسرا نہیں ہے اور یہ فرمایا ہے کہ محض بھوک سے قہر نفس کا فائدہ نہیں حاصل ہوگا۔ بجز اس طریقہ پر بھوکے رہنے کے جو کہ مشروع ہے یعنی روزہ سے نفس مقہور ہوگا۔ نرے فاقہ سے نہیں ہوگا۔

اقول قد تتعين المداواة على الوجه المذكور فی حق مريد معجب مرائی فاذا صام اعجب بنفسه واذا افطر قويت عليه النفس واتسعت مجاری الشيطان الى القلب فيامره المرشد بالصوم الى اخر النهار ثم

(مولف کہتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ بعض دفعہ نفس کا علاج مذکورہ بالا طریق ہی میں منحصر ہوتا ہے مثلاً وہ مرید جس میں عجب اور ریاکار ذیلہ ہے تو وہ جب روزہ رکھے گا تو اس کو عجب پیدا ہوگا اور روزہ نہ رکھیگا تو نفس اور قوی ہوگا۔ اور قلب تک شیطان کے پہونچنے کے راستے کشادہ ہوں گے۔ لہذا مرشد اسکو دن بھر تو روزے کا حکم دیگا تاکہ کسر نفس ہو اور شام کو غروب سے پہلے انطار کا حکم دیگا تاکہ روزہ ہی نہ ہوسکے۔

---

(۵) قولہ ذالك اشق الخ اور یہ نفس پر زیادہ شاق اسلئے ہوگا کہ سارے دن خود بھوکا بھی رکھا اور روزہ کا ثواب بھی نہیں ملا قبل از وقت افطار کرادیا۔ لہذا یہ عجب کا محل بھی نہ ہوسکا۔

يأمره بالفطر من قبيل التداوى بالمكروه اذا تعين ولكلٍ وجهةٌ +

کہ اس پر اسکو عجب ہو تو ایسا کرنا تداوی بالمکروہ کے قبیل سے ہو گا کہ آخر یہ جائز ہے بشرطیکہ علاج کیلئے وہی دوا متعین ہو غرض اس باب میں مشائخ کی رائیں مختلف ہیں جنھوں نے مرید کے مرض کا لحاظ کیا اور اس میں اس کا نفع دیکھا تو اسکو جائز کہا۔ اور جس نے شرع کی مخالفت کا خیال کیا اس نے اس طریقہ کو پسند نہیں کیا۔ بہرحال ہر ایک کے پاس اس کے قول کی وجہ اور دلیل موجود ہے۔

(۵ قولہ من قبیل التداوی بالمکروہ الخ) چنانچہ اہل طریق سے اس نوع کے بہت سے اعمال ثابت ہیں ایک شخص نے بیان کیا کہ میں حضرت شبلیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے صوف کا کپڑا پہنے ہوئے تھا اور حضرت شبلی کے سر پر جو ٹوپی تھی وہ (میرے) اس لباس کے جوڑ کی تھی میں نے اپنے دل میں خیال کیا کہ کاش یہ ٹوپی مجھے مل جاتی اتنے میں حضرت شبلیؒ نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھ کو مکان میں اندر لے گئے اور کہا کہ تم اپنا یہ صوف اتار دو اور میں اپنی ٹوپی اتارتا ہوں۔ یہ کہہ کر دونوں کو نذر آتش کر دیا۔

افادہ ۔ قولہ نذر آتش کر دیا ۔ میں کہتا ہوں کہ یہ چیز طریق میں غیرت کہلاتی ہے جو کہ اہل اللہ کا ایک خاص حال ہوتا ہے یہ حضرات اسی حال کے تحت کبھی اس قسم کے امور کا ارتکاب بھی فرما لیتے ہیں۔ جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام نے ان گھوڑوں کے پاؤں کاٹ دیئے تھے جنکے معائنہ کی مشغولی میں سورج غروب ہو گیا تھا اور آپ نے ابھی نماز عصر نہیں پڑھی تھی بس صاحب حال تو معذور بھی ہو سکتا ہے دوسروں کے لئے یہ حکم نہیں ہے۔

حضرت شبلیؒ کو یہ بات غیرت کی معلوم ہوئی کہ اس کا ظاہر حال تو مجھ سے خدا کیلئے تعلق ہے اور دل میں یہ دنیا لئے ہوئے ہے یعنی اس کا قلب ابھی جبہ و دستار ہی میں ملوث ہے ۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ بس اس خیال کا آنا تھا کہ سب کو لیکر جلا ہی تو دیا۔

(افادہ) قولہ شائخ کی رائیں مختلف ہیں الخ ۔ میں کہتا ہوں کہ انھیں مشائخ کی رائے صائب ہے جنھوں نے خلاف شرع دیکھ کر اس کے ترک کا حکم فرمایا ہے اس لئے کہ شریعت میں امراض نفسانیہ کا پورا علاج موجود ہے ۔ بلکہ شریعت کی وضع ہی اسکے لئے ہوئی ہے ۔ چنانچہ ہر مرض کا جائز علاج شریعت میں ہے اب اسکے بعد خلاف شرع امور کا ارتکاب کرنا اور کرانا موہم اس امر کا ہوتا ہے کہ شریعت ناقص ہے اور اسکے جائز علاج سے قاصر ہے۔ اور بات دور تک پہونچتی ہے تعالی اللہ عن ذلک علواً کبیراً ۔ (نوٹ) اس مسئلہ پر تذرے مفصل کلام ص۳۳ پر بھی گذر چکا ہے جہاں شیخ نے کسی مرید کو حلق لحیہ کا امر فرمایا تھا۔ وہاں ملاحظہ فرما لیا جائے۔ (ناقل ۱۲)

(تنبیہات) الاول۔ علی الشیخ ان لا یقبل المرید حتی یختبرہ وینظر قابلیتہ[۱] فان وجدہ غیر قابل ردہ واذا وجدہ قابلا للسلوک فلیاخذہ بطریق المجاهدۃ ولیحاسبہ علی انفاسہ وحرکاتہ ویضیق علیہ علی قدر صدقہ

فما ظفرت بالود روح مراحۃ
ولا باولاہ نفس صفا العیش ودت[۲]

ومتی وقعت من المرید حرکۃ مغایرۃ ولم یسئلہ الشیخ عنها ولم یبحث معہ فیها فقد اساء فی حقہ وفعل مالم تقتضہ مرتبۃ الشیوخ +

الثانی۔ اذا طلب المرید من شیخہ دلیلا شرعیا او عقلیا علی ماذکرہ لہ من المعارف الالهیۃ والاشارات الربانیۃ فلیزجرہ ویهجرہ وان لم یفعل فقد خانہ فی التربیۃ حتی ان بعض المریدین رای فی الرؤیا ان شیخہ اخبرہ بشیء فقال لہ لم فلما قص الرویا علی الشیخ هجرہ الشیخ شهراً وقال لہ لو لم تکن مجوزا فی

(تنبیہات) اوّل۔ شیخ کے لئے ضروری ہے کہ کسی مرید کو بغیر اس کا امتحان لئے ہوئے اور بغیر اس کی استعداد اور قابلیت کے دیکھے ہوئے اپنے سلسلہ میں داخل نہ کرے اگر اُسے غیر قابل دیکھے تو اسکو اپنے پاس سے واپس کردے اور اگر اسکو سلوک کا اہل دیکھے تو اسکو مجاہدہ کی راہ سے چلے اور اس کے جملہ حالات کا محاسبہ کرے اور اسکی تمام حرکات و سکنات پر نظر رکھے اور بقدر اس کے صدق اور اسکی طلب کے اس پر تنگی کرے۔

اور جب مرید سے کوئی ناروا حرکت وقوع میں آئے اور شیخ اس پر مواخذہ نہ کرے اور اس سے اس کی تفتیش نہ کرے (کہ کیوں ہوئی اور کیسے ہوئی) تو شیخ نے اس کے حق کو ادا نہیں کیا اور منصب شیخوخت کے خلاف کام کیا۔

دوم۔ شیخ مرید کو اگر کچھ معارف الٰہیہ اور غیبی اشارات تبلائے تو اگر مرید اپنے شیخ سے ان پر کوئی دلیل شرعی یا عقلی طلب کرے تو شیخ کو چاہیئے کہ اسکو تنبیہہ کرے اور اسکو اپنے پاس سے ہٹادے اگر اس نے ایسا نہیں کیا تو تربیت کے باب میں خیانت کی چنانچہ ایک مرید نے خواب میں دیکھا کہ اس کے شیخ نے اسے کسی چیز کی خبر دی اس پر اس نے کہا کہ لِمَ یعنی ایسا کیوں ہوا۔ تو جب اس نے اپنے اس خواب کو شیخ سے بیان کیا تو شیخ نے اس کو ایک مہینہ کے لئے نکال دیا اور یہ کہا کہ اگر تم اپنے نفس میں اس کیوں کہنے کو بیداری کی حالت میں جائز

---

[۱] (قولہ وینظر قابلیتہ الخ) یعنی یہ دیکھے کہ اس مرید میں سلوک طریق کی ہمت اور صلاحیت بھی ہے یا نہیں۔ چنانچہ مشائخ نے فرمایا ہے کہ مرید اگر تین دن کے بعد بھوک کی شکایت کرے تو شیخ کو چاہیئے کہ اسکو بازار کا راستہ تبلادے اور حکم دے وہاں جاؤ اور کماؤ کھاؤ۔ [۲] ترجمہ شعر۔ کوئی شخص محض نرمی اور محبت سے ذرا بھی کامیاب نہیں ہوسکا ہے اور نہ کبھی کسی نفس کو دوستی کے ذریعہ صفائے عیش حاصل ہوتی ہے۔

نفسك ان تقولها في اليقظة ما
قلتها في النوم +
وذالك لان الواجب في هذا
الطريق التصديق للمرشد والتسليم
لغيره و يحرم على المريد الفكر والنظر
في الادلة و يجب عليه الصمت
وعدم التكلم في غير ما شاهده و
عاينه وكل شيخ ترك مريده على
هذه الحالة فانه غاش له ساع
في هلاكه مضاعف لحجابه عامل
في طرده عن باب ربه فان لم
يرجع فليطرده لئلا يفسد عليه
بقية اصحابه كما يجب عليه طرده
اذا علم ان حرمته سقطت من
قلبه لكن على الشيخ ان لا يتسبب
في طرد المريد فلا يحدثه بما لا
يحتمله عقله ولا يستعمله
بغير ظواهر الشريعة +
ولكن له ثلاثة مجالس مجلس
للعامة و مجلس للخاصة و مجلس
لكل واحد بانفراده فاما مجلس
العامة فيجب عليه ان لا يترك
احدا من المريدين يحضره وان
لا يخرج فيه عن نتائج المعاملات
من الاحوال والكرامات وما كان

نہ رکھتے تو بحالت خواب بھی نہ کہتے۔ (کیونکہ آدمی نیند میں بھی وہی
باتیں کرتا ہے جسکو بیداری کی حالت میں تصور میں کیا کرتا ہے)
اور یہ (لحاظ کرنا) اسلئے (منع ہے) کہ اس طریق میں واجب یہ
ہے کہ اپنے شیخ کی تو تصدیق کرے اور غیر شیخ کی باتوں کو بھی تسلیم
کرے (یعنی انکا انکار نہ کرے) اور مرید پر دلائل میں نظر و فکر کرنا حرام
ہے اور اسپر سکوت لازم ہے اور یہ کہ جس چیز کا خود مشاہدہ اور معاینہ
نہیں کیا ہے اس میں لب کشائی نہ کرے بلکہ زبان کو بند رکھے۔ اور جس
شیخ نے اپنے مرید کو اس حال پر رہنے دیا (یعنی اسکے چون و چرا کرنے پر
تنبیہ نہیں کی بلکہ اس حال پر اسکو باقی رکھا) تو اس نے اس مرید کیساتھ
دھوکے کا معاملہ کیا اور اسکی ہلاکت کا سامان کیا اور اسکے حجاب کو
بڑھایا اور اسکو حق تعالی کے دروازے سے نکالے جانے میں اسکی مدد کی۔
اگر مرید اپنی ان حرکتوں سے باز نہ آئے تو شیخ کو چاہئے کہ اسکو اپنے
یہاں سے نکالدے تاکہ یہ شخص اور لوگوں کو خراب نہ کرے۔ اسی طرح
سے اس وقت بھی مرید کا اخراج ضروری ہے جبکہ شیخ یہ محسوس کرے
کہ میری حرمت اسکے قلب سے نکل گئی ہے مگر مرید کے اخراج میں خود
شیخ کو سبب نہیں بننا چاہیئے یعنی اس سے اس قسم کی باتیں بھی نہ بیان
کرے جو اسکی عقل کے تحمل سے بالاتر ہوں اسی طرح اس سے کوئی کام خلاف
شرع بھی نہ کرائے (سب سے زیادہ ضروری چیز ہے تاکہ اسکو انکار نہ پیدا ہو)
اور چاہیئے کہ شیخ کے لئے تین قسم کی مجلسیں ہوں ایک مجلس
عام لوگوں کے لئے۔ ایک مجلس خواص کے لئے اور ایک مجلس علیحدہ
علیحدہ ہر ہر شخص کے لئے مجلس عامہ میں شیخ کے لئے یہ ضروری ہے کہ
کسی مرید کو اس کی شرکت سے معاف نہ کرے اور یہ لازم ہے
کہ اس میں نتائج معاملات کے مضامین سے باہر نہ ہو۔
مثلاً احوال وکرامات بیان کرے اور آداب شریعت کی
محافظت کے بارے میں اور اس کے احترام کے باب

علیہ اھل اللہ من المحافظۃ علی آداب الشریعۃ واختراھم ایاھا۔

واما مجلس الخاصۃ فلا یخرج منہ عن نتائج الاذکار والخلوات والریاضات وایضاح السبل المترتبۃ علی المجاھدۃ فی قولہ تعالیٰ وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا۔

واما مجلس الانفراد مع الواحد من اصحابہ فلا یخرج فیہ عن زجرہ وتقریعہ وتوبیخہ وان الذی یأتی بہ الیہ حال ناقص وینبھہ علی زیادۃ ھمتہ ونقصھا ولا یفتنہ بحالہ +

ولابد للشیخ ایضا من وقت مع ربہ[۱] وذالک ان النفس انما حصلت لھا القوۃ باستمرار العادۃ فی الحضور مع الحق سبحانہ وتعالیٰ وترک ماسواہ فی الظاھر والباطن فاذا ترک الحضور رجعت النفس لطبعھا وعادتھا فان مالم تنفطر النفس علیہ سریع الذھاب

میں اہل اللہ کا جو طریقہ رہا ہے ان کا بیان کرے۔

بہرحال مجلس خاصہ تو اس میں اذکار وخلوات اور ریاضات کے ثمرات کا ذکر کرے اور طریق کی وضاحت کا ذکر کرے جو مجاہدہ پر مرتب ہوتی ہیں۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ اور جو لوگ ہماری راہ میں مشقتیں برداشت کرتے ہیں ہم ان کو اپنے رستے ضرور دکھا دیں گے۔

اور انفرادی مجلس جو ہر ہر مرید کے ساتھ ہوگی اس میں ان امور سے باہر نہ ہو یعنی اسکو اس کی کوتاہیوں پر زجر وتوبیخ کرے اور اسکے باطن کو کھٹکھٹائے اور اس سے یہ کہے کہ اس وقت جو تمہارا حال ہے وہ ناقص ہے اس سے عمدہ حالات کی اسکو ہمت دلاوے اور کم ہمتی پر تنبیہ کرے لیکن کسی حال میں اسکو مفتون نہ کرے (یعنی فتنہ میں نہ ڈالے)

اسی طرح سے شیخ کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کا ایک وقت حق تعالیٰ کے لئے بھی ہو[۱] یعنی اس وقت میں کوئی دوسرا کام نہ کرے بجز حضوری حق تعالیٰ کے اور یہ اسلئے کہ نفس کو جو قوت حاصل ہوتی ہے تو اسی کیلئے کہ اسکو حضوری حق کی عادت دائمہ ہو جاتی ہے یعنی اس وقت وہ ظاہر اور باطن میں ماسوا اللہ کو ترک کر دیتا ہے تو اگر یہ حضور ترک کر دیا جائے گا تو نفس پھر اپنی اصلی عادت اور طبیعت کی طرف لوٹ آئے گا اس لئے کہ جو حالت نفس کی نطری اور جبلی نہ ہو وہ اس سے بہت جلد زائل ہو جاتی ہے۔ اور

---

[۱] (قولہ مع ربہ الخ) اور یہ جو کہا گیا کہ شیخ کیلئے ایک وقت اپنے رب کی معیت کے لئے بھی ہونا چاہئے تو اس کی دلیل یہ ہے کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے لئے ایک وقت میرے رب کے ساتھ ہوتا ہے جس میں میرے رب کے علاوہ کسی دوسرے کی گنجائش نہیں ہوتی۔ ۱۲ منہ

ومتی لم یتفقد الشیخ حالہ فی کل یوم بالامر الذی حصل لہ ھذا التمکین کان مخدوعا فیفقد الانس ویجد الوحشۃ ومن ھذا المکان سقط من سقط من الشیوخ +

اگر شیخ ہر دن اپنے حال میں تفقد نہ کریگا اور جس چیز کی وجہ سے اسے یہ تمکین اور مقام حاصل ہوا ہے اسکو اپنے میں ڈھونڈھے گا یعنی مراقبات حضور مع اللہ نہ کریگا تو وہ مخدوع ہو جائیگا اور دھوکہ کا شکار ہو جائیگا یعنی انس کو خلوت میں مفقود پائیگا اور بجائے انس کے وحشت پائیگا چنانچہ مشائخ میں سے جو لوگ اپنے مقام سے گرے ہیں اس کا سبب یہی ہوا ہے کہ وہ خود اپنے باطن سے غافل ہو گئے۔

افادہ۔ (قولہ ومن ھذا المکان سقط من سقط من الشیوخ) قال الشیخ نور اللہ مرقدہٗ ومن ھذا المکان ای من عدم تفقد الشیخ حالہ کل یوم بالامر الذی حصل لہ ھذا التمکین :۔

یعنی مصنف علیہ الرحمۃ نے جو یہ فرمایا کہ مشائخ میں سے جو لوگ اپنے مقام سے گرے ہیں اس کا سبب یہی ہوا ہے کہ وہ خود اپنے باطن سے غافل ہو گئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مقام شیخوخت پر پہنچ کر بھی شیخ سے اس کے مقام کے مناسب کوئی تقصیر ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ مقام شیخوخت سے عند اللہ ساقط ہو جاتا ہے یعنی اب وہ شیخ نہیں رہ جاتا۔ اس مضمون کو شیخ اکبر محی الدین ابن عربی نے بھی یوں فرمایا ہے کہ وقد رأینا شیوخاً سقطوا یعنی ہم نے بہت سے شیوخ کو دیکھا ہے جو اپنے مقام سے ساقط ہو گئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ شیخ بھی کبھی ساقط ہو جاتا ہے۔ اس وجہ سے کہ تمام اہل طریق کا اس پر اجماع ہے پھر یہ کس قدر قابل اہتمام چیز ٹھہری۔

باقی اس سقوط کے اسباب مختلف ہوتے ہیں مثلاً ایک سبب تو یہی ہے جو اس جگہ مذکور ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ خلوت کا اہتمام اور اس کی ضرورت کو باقی نہیں سمجھا۔ اس لئے خلوت میں جو مراقبات و اذکار وغیرہ کئے جاتے ہیں وہ بھی باقی نہیں رہے۔ پھر حالات جو اس سے حاصل تھے وہ بھی ختم ہو گئے۔

اس موضوع پر ایک مستقل مضمون بشکل رسالہ لکھ رہا ہوں جو انشاء اللہ آئندہ ملاحظہ سے گذرے گا۔

(حضرت مصلح الامت نور اللہ مرقدہٗ نے جس مضمون کا حوالہ یہاں دیا ہے تتمیم فائدہ اور ناظرین کی مزید بصیرت کے لئے اس کو بھی اس کتاب کا جزو بنا کر کتاب کے اخیر میں اضافہ جدیدہ کے عنوان سے ملحق کر دیا گیا ہے۔ اس مقام کی وضاحت کے لئے اس کو ضرور ملاحظہ فرمائیں۔)

(مرتب)

دیکھئے ص ۳۳۹ عنوان مشائخ کے سقوط کا سبب۔

(الثالث) یجب علی الشیخ اذا
اخبره المرید برؤیا او مکاشفة
او مشاھدة ان لا یتکلم له علیھا
البتة ولکن یعطیه من الاعمال
ما یرفع به ما فیھا من مضرة او
حجاب او یرقیه الی ما ھو اعلی وکذالك
المرید لا یسأله عن شئ من ذالك
وانما شددوا علی المرید فی ترك
السؤال من الشیخ عن شئ ما
مطلقا لئلا تسقط حرمة الشیخ من
قلبه وذالك ان النفس اذا باسطھا
الشیخ یسقط من حرمته عندھا
بقدر ما باسطھا واذا سقطت
الحرمة وقع التوقف عن قبول
ما یامره به فیترك الاستعمال واذا
ترك الاستعمال وقع الحجاب والطرد
وخروج من حکم الطریق فان سر
الشیخ ومدده فی ورده الذی
امر به المرید +

(الرابع) یجب علی الشیخ ان لا یترك
مریده لا یجالس احدا سوی اخوانه
الذین معه تحت حکمه ولا یزور
ولا یزار ولا یکلم احدا لا فی
خیر ولا فی شر ولا یتحدث بما
طرأ علیه من کرامة او وارد
مع اخوانه +

سوم۔ جب کوئی مرید شیخ سے اپنا کوئی خواب یا مکاشفہ یا مشاہدہ
بیان کرے تو شیخ پر لازم ہے کہ اس کے متعلق اس سے کچھ نہ کہے لیکن
ایسے اعمال کا اسکو حکم کرے جس سے (ان میں اگر کوئی) مضرت ہو تو
وہ دفع ہو جائے یا کوئی حجاب ہو تو اٹھ جائے یا وہ اعمال اسکو
ترقی دیکر اعلیٰ مقام تک پہونچا دیں۔ اسی طرح مرید بھی اس سے ان
چیزوں میں سے کسی کا سوال نہ کرے۔ اور مشائخ نے مرید کو شیخ سے سوال
کرنے کو سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے تاکہ شیخ کی حرمت مرید کے
قلب سے ساقط نہ ہو جائے اور یہ اسلئے کہ جس شخص سے شیخ بے تکلفی کا برتاؤ
کریگا تو ضرور اسکی حرمت اس شخص کی نگاہوں سے شیخ کے انبساط
اور بے تکلفی کے بقدر زائل ہو جائیگی اور جب حرمت ہی ختم ہو جائیگی
تو پھر شیخ جن چیزوں کا اسکو حکم کرے گا ان کے قبول کرنے میں اسکو
توقف اور رکاوٹ ہوگی اور جب اسکی باتوں کو قبول نہ کرے گا تو
ان پر عمل بھی نہ کرے گا۔ اور جب عمل ترک کردے گا تو حجاب
اور طرد میں پڑ جائے گا اور طریق کے حکم سے خارج ہو جائیگا
اس لئے کہ شیخ کی توجہ اور اس کی مدد انھیں اوراد
اور اعمال کے واسطہ سے مرید کو پہونچتی ہے جن کا
شیخ حکم کرتا ہے اور مرید اس کے حکم کے بموجب
اس پر عمل
کرتا ہے۔

چہارم۔ شیخ پر یہ بھی لازم ہے کہ اپنے کسی مرید کو کسی
دوسرے کے ساتھ بیٹھنے اٹھنے کی اجازت نہ دے بجز ان اخوان طریقت
کے جو کہ حکم طریق میں اس کے متفق ہیں اور اسکی ہدایت کرے کہ یہ لوگ نہ
کسی کی ملاقات کو جائیں اور نہ ان کی ملاقات کو کوئی آئے اور کسی سے
بالکل گفتگو نہ کریں نہ اچھی بات نہ بری بات اور جو کرامت یا وارد
ان کو پیش آئے اس کا ذکر اپنے اخوان طریق سے بھی نہ
کریں۔

الخامس - من شرط الشيخ
ان لا يجالس تلامذته الا مرة
واحدة في اليوم والليلة وان يكون
له حجرة تخصه لا يدخل عليه
فيها احد الا من يختصه والاولى
ان لا يدخل عليه احد مطلقا
حتى لا يشاهد فيها نفس مخلوق
فان ذالك مؤثر في الحال على قدر
قوة روحانية ذالك المتنفس
فربما يتغير الحال على الشيخ في
خلوته مع ربه من اجل ذالك
النفس وهذا لا يعرفه كل شيخ +

(السادس) من شرط الشيخ
ايضا ان تكون له زاوية لاجتماعه
باصحابه وان يجعل لكل مريد
حجرة تخصه ينفرد بها وحده
لا يدخل معه غيره وينبغي
للشيخ ان يدخلها قبله ويركع
فيها ركعتين وينظر قوة روحانية
ذالك المريد ومزاجه وما يعطيه
حاله فيجمع في تينك الركعتين
جمعية تليق بحال المريد ثم
يقعده فيها فان الشيخ اذا
فعل ذالك قرب الفتح على
ذالك المريد وعجل له خيره

پنجم - منجملہ شیخ کی شرائط کے ایک یہ ہے کہ اپنے مریدین سے
ساتھ دن رات میں ایک سے زیادہ مجلس نہ کرے اور یہ کہ اس کے
لئے ایک ایسا مخصوص حجرہ ہونا چاہیئے کہ جس میں کوئی دوسرا
شخص نہ جا سکے بجز اس کے جس کو شیخ ہی بلانا چاہے اور بہتر تو
یہ ہے کہ اس حجرہ میں کوئی شخص بھی مطلقاً جائے ہی نہیں تاکہ
اس میں کسی مخلوق کا اسکو مشاہدہ بھی نہ ہو اس لئے کہ اس کا بھی
فوری اثر پڑتا ہے جس قدر کہ اس آنے والے کی روحانیت قوی
ہوگی اتنا ہی اثر شیخ پر پڑے گا پس بسا اوقات شیخ کا حال
باوجودیکہ وہ اپنے رب کے ساتھ خلوت اختیار کئے ہوئے ہوتا
ہے اس آنے والے کی وجہ سے متغیر ہو جاتا ہے جس کو ہر شیخ
سمجھتا بھی نہیں۔ پھر اس کے ضرر سے خود کو کیا بچا سکتا
ہے۔

(ششم) منجملہ شرائط شیخ کے ایک یہ بھی ہے کہ اس کے لئے
ایک ایسی جگہ ہونا چاہیئے جہاں اس کے اصحاب جمع ہوں (یعنی
ایک الگ خانقاہ ہو) اور اس پر لازم ہے کہ ہر مرید کو الگ الگ حجرہ
میں رکھے کہ جس میں اس مرید کے سوا کوئی دوسرا نہ جا سکے اور شیخ
کو چاہیئے کہ پہلے اس حجرہ میں خود داخل ہو اور اس میں جا کر دو
رکعت نماز پڑھے اور اس مرید کی جس کو اس حجرہ میں رکھنا ہے
روحانی قوت کو دیکھے اور اس کے مزاج کو دیکھے اور اس کے
احوال کو دیکھے۔ پس ان دو رکعتوں میں ویسی ہی توجہ
رکھے جو اس مرید کے حال کے مناسب ہو پھر اس میں
اس کو بٹھلائے۔ کیونکہ شیخ جب اس طرح سے
کرے گا تو اس مرید پر فتح قریب ہو جائے گی اور شیخ
کی برکت سے اس کو خیر جلد میسر ہو جائے گی۔
اور شیخ کو چاہیئے کہ اپنی موجودگی کے بغیر

ببرکتہ ولا یترک الشیخ المریدین یجتمعون اصلاً دونہ +

مریدین کو باعسم نہ لنے دے۔

(السابع) یجب علی الشیخ ان لا یطلع المرید علی حرکۃ من حرکاتہ اصلاً من نوم او طعام او شراب ونحو ذالک ولا یعرف لہ سراً قطعاً ولا یخرج للمریدین الا فی اکمل صورۃ من التنزیہ فان المرید اذا وقف للشیخ علی شیئٍ مما ذکر نقص فی عینہ لضعفہ ولا ید ری ان للشیخ اعمالاً قلبیۃ وان نومہ[1] لا ینقصہ بل ربما یتلقی فی نومہ من الاسرار مالا یتلقاھا فی الیقظۃ +

(ہفتم) شیخ پر لازم ہے کہ مرید کو اپنے کسی فعل مثلاً کھانے پینے، سونے اور اس کے مثل پر مطلع نہ ہونے دے اور اس سے اپنا کبھی کوئی بھید نہ کہے اور جب مریدین کے سامنے آئے تو صفائی اور ستھرائی کے اعلیٰ طور کے ساتھ آئے اس لئے کہ مرید جب شیخ کے مذکورہ بالا افعال وحالات پر واقف ہوگا تو اس کے ضعف اعتقاد کی وجہ سے اس کی نظروں میں شیخ کی وقعت کم ہو جائیگی اور وہ اس کو تو جانے گا نہیں کہ شیخ کے لئے بہت سے اعمال قلبیہ ہیں اور نہ اسکو جانے گا کہ کسی کامل کا سونا بھی اس میں نقص نہیں پیدا کرتا بلکہ بسا اوقات وہ سونے ہی کی حالت میں ایسے ایسے رموز واسرار پر مطلع ہوتا ہے جو بیداری کی حالت میں اسے حاصل نہیں ہوتے۔

(الثامن)[2] یجب علی الشیخ

(ہشتم)[2] شیخ پر یہ بھی واجب ہے کہ مرید کو مجلس سماع

---

[1] (قولہ وان نومہ لا ینقصہ الخ) کاملین کیلئے اعمال قلبیہ ہوتے ہیں جن میں نوم کی وجہ سے کوئی خلل نہیں پڑتا۔ اسی طرح سے کھانے پینے سے بھی اس میں کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ سیدنا عبدالقادر جیلانی رحؒ کی حکایت بیان کی گئی ہے کہ ایک عورت کا لڑکا حضرت سے مرید تھا اور حضرت ہی کی خدمت میں رہتا تھا۔ ایک دن اسکی ماں آئی اور دیکھا کہ حضرت مرغ مسلم بھنا ہوا نوش فرما رہے ہیں عرض کیا کہ آپکے لئے یہ کب مناسب ہے کہ آپ تو مرغ مسلم کھائیں اور میرا بچہ موٹا جھوٹا کھانا کھائے۔ حضرت نے یہ سنکر زبان مبارک سے فرمایا کُش (یعنی ھُش) اسکے سنتے ہی مرغ زندہ ہوکر صحن سے نکلکر بھاگا۔ حضرت نے اس عورت سے فرمایا کہ دیکھا۔ جب تیرا لڑکا بھی اس مرتبہ کا ہو جائے (یعنی ایسا کرنے لگ جائے) تو اس کے لئے بھی مرغ مسلم کے کھانے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے۔۱۲۔ (وقیل فی ھذا المعنی سہ نکتہ ولقمہ است کامل را حلال + تو نہٖ کامل مخور می باش لال۔۱۲)

[2] (قولہ الثامن یجب علی الشیخ الخ) اور اگر اتفاق سے کوئی سالک مجلس سماع میں اپنے شیخ کے ہمراہ چلا گیا تو اول تو شیخ نے یہ کام اس کے حق میں کچھ اچھا نہیں کیا۔ کیونکہ اسکو وہاں نہ جانا چاہئیے تھا۔ تاہم اب اس مرید پر یہ لازم ہے کہ اگر اسکو وہاں حال پیدا ہوا تو جب تک اپنے تن بدن پر اسکو قدرت اور قابو حاصل ہو ذرا بھی حرکت کرے اور نہ جھومے اور اگر اس حال میں بیخود ہی ہو جائے اور اپنے تن بدن کا ہوش ہی جاتا رہے جسکی وجہ سے بدن کو حرکت ہوگئی اور رقص کرنے لگا تو جیسے ہی ہوش آجائے خاموش بیٹھ جائے اور سکون اختیار کرے اور اگر اسوقت اسنے ایسا نہ کیا تو وہ پورا منافق ہے (یعنی ریاکار ہے) ریا بھی منافقت ہی کا شعبہ ہے۔۱۲) ہاں مگر شیخ پر واجب ہے کہ اسکو اسکی اس حرکت پر تنبیہ کرے اگرچہ اس نے حالت فنا میں سبب کچھ کیا ہو اس لئے کہ شیخ کا یہ مواخذہ اس کی ہمت کو اور قوی کریگا (یہ واجب ہونے کی دلیل ہے) اور بقدر قوت استعداد ہی کے اس پر وارد کا نزول ہوتا ہے۔۱۲

ان لا يدع المريد يحضر السماع[۵] اصلاً +

(التاسع) يجب على الشيخ ان لا يترك اصحابه يزورون شيخاً آخر ولا يجالسون اصحابه لئلا يكون شيخهم نهاهم عما امره به شيخه او العكس وهو لا يدري ان شيخهم انما امرهم بما هو مخالف لهويتهم وانما نهاه شيخه عنه لموافقته لهواه وانه لو انتقل الى الشيخ الآخر وكان كاملاً لابد وان يامره بما امره به شيخه الاول وهذا كله في حق المريدين اصحاب الخلوات والاذكار الذين لا يحضرون مجالس العامة مع الشيخ ولا يجلس بعضهم مع بعض

میں شریک[۵] نہ ہونے دے، بلکہ اس سے اس کو منع کرے۔

(نہم) اسی طرح شیخ پر یہ بھی واجب ہے کہ اپنے اصحاب کو (زمانۂ تعلیم و تربیت میں) کسی دوسرے شیخ سے ملنے کی اجازت نہ دے اور نہ کسی دوسرے شیخ کے مریدین سے ملنے جلنے کی اجازت دے اسلئے کہ ایسا نہ ہو کہ ان کے شیخ نے کسی ایسی چیز سے انھیں منع کیا ہو جس کی اس کے شیخ نے اجازت دی ہو یا اس کے برعکس صورت پیش آجائے اور اس مبتدی سالک کو اسکی خبر تو نہیں کہ ان کے شیخ نے انھیں جس چیز کا حکم دیا ہے وہ ان کی خواہش نفس کے خلاف ہے (اس لئے ان کا یہی مجاہدہ ہے) اور اس کے شیخ نے اس کو جو منع کیا ہے تو اس لئے کہ وہ اس کی خواہش کے مطابق ہے (اس لئے اس کا مجاہدہ اس کے ترک ہی میں ہے پس بظاہر دونوں شیوخ کی تعلیم گو باہم مخالف معلوم ہوتی ہیں لیکن منشا دونوں کا ایک ہے یعنی سالک کا مجاہدہ اسکی شہوت کی ترک میں) نیز اگر یہ کسی دوسرے شیخ کے پاس چلا گیا اور شیخ اول کی طرح وہ بھی شیخ کامل ہوا تو اس کے لئے ضروری ہے کہ اسکو اسی چیز کا حکم کرے جس کا حکم شیخ اول نے کیا

۵؎ (قولہ یجب علی الشیخ ان لا یدع المرید الخ) سماع کے باب میں قوم صوفیہ کی مختلف آراء ہیں بعض حضرات نے اسکے منع فرمایا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ یہ سماع صاف پانی اور زلال سہی مگر لوگوں کے قدم اس میں پھنس گئے ہیں (شیطان کے تصرف کا اچھا موقع اسی میں ملتا ہے) اسلئے اجتناب ہی مناسب ہے اور بعض حضرات نے اجازت دی ہے لیکن چند شرطوں کے ساتھ مطلقاً نہیں، مثلاً ایک شرط یہ ہے کہ اس مجمع میں کوئی اجنبی اور غیر جنس نہ ہو (ماشاء اللہ تعالیٰ کیا ضروری شرط ہے) یعنی سب کے سب سالکین ہی ہوں۔ دوسری شرط یہ ہے کہ مجمع میں کوئی امرد (نوعمر لڑکا) نہ ہو۔ تیسری شرط یہ ہے کہ قوال بھی صوفی ہی ہو۔ اور اشعار پڑھنے پر اجرت کا طالب نہ ہو۔ اور مضمون اشعار میں بزرگوں کے کلام سے تجاوز نہ کیا گیا ہو (آگے مؤلفؒ فرماتے ہیں کہ) ہمارے مشائخ بھی اسکے جواز کے قائل تھے لیکن جس سماع کو وہ جائز کہتے تھے وہ صرف اشعار پڑھنے کا نام تھا۔ آلات لہو و لعب (ڈھولک، طبلہ، ستار اور ہارمونیم یا بانسری اور تالی کے) ساتھ وہ بھی ناجائز کہتے تھے (غور فرمایئے) ۱۲۔

واما غيرهم فلا حرج عليهم في زيارة[۱] الشيوخ والتبرك بهم ولا على شيخهم من حرج اذا اذن لهم في ذالك +

تھا۔ اور یہ تمام باتیں ان سالکین سے متعلق ہیں جو اصحاب خلوت اور اصحاب ذکر ہیں جن کا حال یہ ہے کہ شیخ کے ساتھ بھی مجالس عامہ میں نہیں جاتے اور باہم ایک دوسرے کیساتھ بھی نہیں اٹھتے بیٹھتے لیکن جو لوگ کہ ایسے نہیں ہیں تو دیگر مشائخ کی ملاقات کرنے میں اور ان سے برکت حاصل کرنے میں ان پر کوئی تنگی نہیں اور نہ ان کے شیخ ہی پر اس امر کی اجازت دینے میں کوئی حرج ہے +

(العاشر) لا تظن ان الشيخ انما يمنع مريديه اصحاب الخلوات من مجالسة غيره حبًا للرياسة فان ذالك لا يكون من الشيوخ[۲] بل لو رائى الشيخ شيخًا آخر فوقه فمن نصحه انه يلزم تلامذته ملازمة ذالك الشيخ وخذ منه ومتى كان ذالك الشيخ موجود الا يتقدم هو لاعطاء العهود ومنهم من شرط شروطا اخر لا يقدر عليها الا القليل۔ فلذلك أضربنا عن

(مضمون سابق سے) کہیں تم یہ نہ گمان کر لینا کہ کوئی شیخ اپنے خلوت نشین مریدین کو دوسروں کی صحبت میں بیٹھنے سے اپنے حب ریاست کی وجہ سے منع کرتا ہے اسلئے کہ مشائخ کے متعلق ایسا گمان نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ (طریق کا تو حکم یہ ہے) کہ اگر کوئی شیخ کسی دوسرے شیخ کو دیکھے جو اس سے مرتبہ میں بڑھا ہوا ہے تو اسکی خیرخواہی کا یہ تقاضا ہے کہ اپنے تلامذہ کو اس شیخ کی صحبت میں پابندی سے حاضر ہونے کا حکم کرے۔ اور ان کی خدمت کو لازم کرے اور جب اس مرتبے کا ہو (یعنی اپنے سے بڑا) کوئی شیخ موجود ہو تو خود اس شیخ پر لازم ہو کہ سالکین سے عہد لینے کے لیے (یعنی بیعت کرنیکے لئے) خود نہ پیش قدمی کرے۔ چنانچہ بعض مشائخ نے تو اس حالت کے لئے بہت سی شرطیں بیان فرمائی ہیں جن پر

---

[۱] (قولہ۔ فی زیارۃ الشیوخ الخ) چنانچہ ہمارے شیخ رح (محمد رشید) شیخ حادی رح کی زیارت کو اپنے شیخ یعنی حضرت قصبی رح کی اجازت سے جایا کرتے تھے اور مجھے شیخ کے صاحبزادہ شیخ علی آفندی سے یہ روایت پہونچی ہے کہ شیخ حادی اور شیخ قصبی باہم ایک دوسرے کو ہمارے شیخ محمد رشید کے ذریعہ سلام کہلا بھیجا کرتے تھے۔ ۱۲

[۲] (قولہ لا یکون من الشیوخ الخ) مطلب کہ اکثر یہی ہوتا ہے کہ شیخ ہو کر حب ریاست وغیرہ سے انسان خالی ہی ہو جاتا ہے کہ لئے کہ یہ چیز مشائخ کے حق میں نقص کی بات ہے باقی اس کا یہ مطلب نہیں کہ کسی شیخ سے حب ریاست کا صدور ہی نہیں ہوتا اسلئے کہ (محققین نے فرمایا ہے کہ) مشائخ کے قلوب سے سب کے آخر میں جو چیز نکلتی ہے وہ حب ریاست ہی ہے۔ ۱۲

ذکرھا۔

منھا انہ یجب علی الشیخ تربیۃ یقین المرید فی القوت ابتداءً فیجعلہ فی موضع لا یعرفہ فیہ احد وحد بیتہ مقطوع عن ممر الخلق ویترکہ فیہ علی التجرید والجلوس مع اللہ تعالیٰ علی الصفاء ویکون الشیخ عندہ بالھمۃ فاذا صدق المرید فی ھذا الجلوس فلابد من ان اللہ تعالیٰ یفتح علیہ اما بالیقین دفعۃ جملۃ ابتداء واما برزق یاکلہ حتی یفا الیقین ۔

ومنھا ان المرید اذا خرج من خلوتہ لیخبر الشیخ عن امر عرض لہ فیجب علی الشیخ ان یوبخہ و یقول لہ کنت تطلبنی بصدقك و توجہ ھمتك حتی تحرکنی الیك و انت فی خلوتك ویعاقبہ علی ذلك بما یراہ من الاعراض عنہ وھجرہ ۔

یقول ھذا الحقیر عندی فی وجوب ماذکر وقفۃ فان الیقین یحصل بعد الاخذ باسبابہ فی وقتہ التی جرت عادۃ اللہ تعالیٰ بالتفضل بہ فیہ فلا حاجۃ لارتکاب ھذہ المجاھدۃ الشدیدۃ من

شاذ و نادر ہی کوئی قادر ہوپاتا ہے اسی لئے ہم ان کا ذکر یہاں ترک کرتے ہیں۔

منجملہ اور امور کے شیخ پر ایک چیز یہ ضروری ہے کہ روزی کے باب میں مرید کے یقین کی تربیت کرے یعنی ابتداءً اسکو ایسے مقام میں رکھے جہاں اسکا کوئی جاننے والا ہی نہ ہو۔ اور نہ اس کا تذکرہ لوگوں کی گذرگاہوں میں ہوتا ہو۔ چنانچہ اسے اس جگہ تمام علائق سے خالی کرکے چھوڑ دے اور یہ ہدایت کردے کہ بس اللہ تعالیٰ کے ساتھ صفائے قلب اور قلبی توجہ کے ساتھ بیٹھے رہو اور شیخ اپنی قلبی توجہ کے ساتھ اس کی جانب متوجہ رہے جب مرید اس نشست میں کامیاب ہوجائے تو (قریبی امید ہے) کہ اللہ تعالیٰ اس کے قلب پر یقین کا کشف فرمائیں۔ یعنی یا تو اس کے قلب میں دفعتاً یقین ہی آجائے اور یا اسے رزق ملنے لگے۔ جو اچانک یقین پیدا ہونے کا ذریعہ بنجائے۔

اور منجملہ شرائط کے ایک یہ ہے کہ مرید جب اپنی خلوتگاہ سے شیخ کو کسی وقتی یا عارضی امر کی اطلاع کرنے کے لئے باہر نکل آئے تو شیخ پر یہ لازم ہے کہ اسکو تنبیہ کرے۔ اور اس سے کہے کہ تمہیں اپنی صدق توجہ کے ذریعے مجھے طلب کرلینا تھا یہانتک کہ میں تمہارے پاس آجاتا اور تم خلوت ہی میں رہتے تم نے ایسا کیوں نہیں کیا۔ اور اسکو اس کی حکم عدولی پر یعنی ترک خلوت پر سزا دے۔

(احقر مؤلف عرض کرتا ہے کہ) میرے نزدیک مرید میں یقین پیدا کرنے کے لئے شیخ پر جس طریقہ تربیت کے وجوب کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں کلام ہے۔ اس لئے کہ یقین تو اسباب یقین کے اختیار کرنے کے بعد محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے اپنے مقررہ وقت ہی میں جو اللہ کے علم و عادت کے مطابق ہے حاصل ہوتا ہے۔ لہذا شروع ہی سے اس قدر شدید مجاہدے

اول الامر +

الحادی عشر:- اذا کان للمرید همة صادقة یحرك بها استاذه للمجئ لخلوته واعطائه الدواء اللازم فی ازالة ما عرض له فلا اری ذلك من الادب بل اللازم ان یسعی المرید بنفسه لبین یدی استاذه ویخبره بما عرض له +

(تنبیه مهم) ان تعظیم الشیوخ بالقدر المذکور والآداب الزائدة علی آداب الملوك انما هو لمحض تعلیم آداب الحضرة العلیة +

فان المرید طالب لدخول تلك الحضرة المشار الیها بمقام الاحسان فالشیخ انما یعلمه آداب الحضرة ویامره ان یجریها معه علی سبیل التمرین نظیر ما لو اشتری السلطان عبدا جاهلا بآداب الملوك فانه یسلمه ابتداء لبعض عبیده المؤدبین بآداب حضرته لیعلمه تلك الآداب وبعد استکماله للآداب المذکورة یدخله علی الملك ویتخلی عن ذالك المعلم و لا یلزمه حینئذ ان یتادب

کے ارتکاب کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اسی طرح سے (میں یہ کہتا ہوں کہ) جب مرید کے اندر ایسی ہمت صادقہ پیدا ہو جائے کہ جس سے وہ اپنے شیخ کو اپنی خلوت گاہ میں آنے پر مجبور کر سکے تاکہ وہ وہاں ہی آکر اسکو کوئی ایسی دوا دے جس سے اس کی پیش آئی ہوئی بیماری کا ازالہ ہو جائے تو میں تو اسے ادب کے خلاف سمجھتا ہوں بلکہ مرید پر یہ لازم ہے خود اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہو۔ اور وہاں جاکر اسے اپنے پیش آئے ہوئے حالات کی اطلاع کرے۔ نہ کہ خود اسکو آنے کی زحمت دے۔

(ایک اہم تنبیہ) مشائخ کی اس قدر تعظیم جیسی کہ اوپر بیان کی گئی ہے اور ان کے ایسے ایسے آداب جو بادشاہوں کے آداب سے بھی بڑھے ہوئے معلوم ہوتے ہیں یہ محض اس لئے ہیں کہ یہ حضرت حق تعالیٰ جلّ وعلا کی بارگاہ کے آداب کے معلّم ہیں۔

اس لئے کہ مرید مقام احسان کے ذریعہ حق تعالیٰ کے دربار کی حضوری ہی کا طالب ہے تو شیخ اسکو آداب بارگاہ قدس سکھلاتا ہے۔ اور اسے حکم کرتا ہے کہ بطور مشق کے ان آداب کا مجھ پر تجربہ کرے بالکل اس طرح جیسے کوئی بادشاہ کسی نئے غلام کو خریدے جو شاہی آداب سے ناواقف ہو تو وہ اسکو شروع شروع میں اپنے کسی ایسے غلام کے حوالے کر دیتا ہے جو آداب حضوری سے واقف ہو تاکہ وہ اسے ان آداب کی تعلیم کرے۔ اور آداب شاہی سے واقف کر کے اسکو بادشاہ کی خدمت میں پیش کرے (چنانچہ جب وہ اسکو آداب سکھا کر بادشاہ کی خدمت میں پیش کر دیتا ہے) تو اب اس کا تعلق اس عبد معلم (یعنی سکھلانے والے غلام) سے ختم ہو جاتا ہے چنانچہ اب اس کے بعد اس نئے غلام پر یہ لازم نہیں ہے کہ اپنے سکھلانے والے کے ساتھ انھیں آداب سے پیش آئے (جن

معه بتلك الآداب بل يحترمه من
حيث ان له عليه حق التربية
فالمشائخ بالحقيقة مواشط عرائس
الحضرة العلية ولا فهم فى حد
نفوسهم بغاية التواضع والانكسار
حتى انهم لا يرون نفوسهم شيوخا
قال سيدى احمد بن الرفاعى برئت
من الله ان كنت ارى نفسى شيخا
على هولاء يعنى الفقراء الذين عندہ
غير ان المريد لا يعلم ذلك ولا
ينبغى ان يعلم الحكمة فيه ولا
فى غيرہ مما يامرہ به استاذہ وانما
يعلم اجمالا ان شيخه على بصيرة
من ربه وشريعة ولا يمكن ان
يامرہ الا بما فيه نفعه وصلاحه
وليعلم ان الادب المذكور واجب
عليه مع شيخه كما قال الشيخ
الاكبرؒ +

ماحضرة الشيخ الاحضرة الله
فقم بتعظيمها لله بالله

کے ساتھ وہ زمانہ تعلیم میں پیش آتا تھا) بلکہ اب اس کے ذمہ
صرف اتنا ہے کہ اس کا احترام کرے اس لئے کہ اس پر اس کا
حق تربیت واجب ہے۔ اسی طرح سے مشائخ بھی حقیقت میں
اللہ تعالیٰ کے دربار کی جو دولھنیں ہیں یعنی سالکین ان کے
لئے بمنزلہ مشاطہ کے ہیں (اسلئے ابتداءً یہ بھی اپنا ادب کراتے
ہیں) ورنہ تو یہ حضرات فی نفسہ غایت درجہ متواضع اور منکسر المزاج
ہوتے ہیں یہاں تک کہ یہ تو اپنے کو شیخ بھی نہیں سمجھتے چنانچہ سیدنا
احمد رفاعیؒ فرماتے ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ سے بری ہو جاؤں اگر میں
یہ سمجھتا ہوں کہ میں اپنے ان پاس رہنے والوں کا شیخ ہوں۔ مگر
بات یہ ہے کہ مرید تو شیخ کی اس حالت کو سمجھتا نہیں۔ اسی طرح
مرید کے لئے نہیں مناسب ہے کہ اس بات میں یا اس کے علاوہ
کسی اور چیز میں جس کا حکم اس کا شیخ کرے حکمت اور مصلحت تلاش
کرے اس کے لئے یہ قدر بس ہے کہ اجمالاً اتنا سمجھ رکھے کہ اسکا شیخ
ایک باشرع انسان ہے اور اپنے رب کی طرف سے بصیرت پر ہے لہذا
وہ اسے انھیں چیزوں کا حکم ہی کرے گا جن سے اس کا نفع اور
اس کی صلاح وابستہ ہوگی اور یہ سمجھ رکھے کہ یہ ادب مذکور مرید پر
اپنے شیخ کے لئے واجب ہے جیسا کہ شیخ اکبرؒ نے فرمایا کہ

شیخ کی حضوری اللہ تعالیٰ کی حضوری ہے۔ لہذا اللہ ہی کیلئے
شیخ کی حضوری کی بھی تعظیم کرو۔ یعنی شیخ کے ساتھ بھی تعظیم سے
پیش آؤ اور آداب کی رعایت کرو اسلئے کہ شیخ کی تعظیم گویا اللہ تعالیٰ
کی تعظیم ہے۔

الباب الثّانی

فی آداب المرید فی نفسہ

باب دوم

مرید کے ذاتی آداب کے بیان میں

وھی کثیرۃ (فمنھا) ان لا یصحب من الشیوخ الا من تقع حرمتہ فی قلبہ بعد استکمالہ شروط الارشاد السابقۃ وحینئذٍ یتابعہ علی المنشط والمکرہ ولا یکتم عنہ شیئًا مما یخطر لہ ولا یعترض علیہ فیما یکون منہ البتۃ فان الاعتراض علی الشیوخ حرام علی المریدین والمرید المبتلی بذلک مسخرۃ للشیطان

یوں تو مرید کے آداب بہت ہیں لیکن ان میں سے ایک یہ ہے کہ مشائخ میں سے انھیں حضرات کے پاس بیٹھے جنکی عظمت اپنے قلب میں پائے بعد اس کے کہ ان میں شیخ کی وہ تمام شرائط بھی پائی جاتی ہیں یا نہیں جن کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ اور پہلے یہ دیکھ لے کہ اب اس کے بعد جس کی صحبت اختیار کرے تو منشط و مکرہ (یعنی رضا و ناگواری) ہر موقعہ پر اس کا اتباع کرے اور اسکے قلب میں جو خطرہ گذرے اس کو اس سے نہ چھپائے۔ اور جو چیزیں شیخ کی جانب سے پیش آئیں ان کی وجہ سے اس پر قطعی اعتراض نہ کرے اس لئے کہ مریدین کے لئے مشائخ پر اعتراض کرنا حرام ہے (اور سم قاتل ہے) اور جو مرید اس میں مبتلا ہوگیا ہو اس کو مسخرہ شیطان ہی سمجھنا چاہیئے۔

(ومنها) ان لا يتعدى أمره ولا يتأوله[عه] بل يقف عند ظاهر كلامه ويبادر لامتثاله سواء عقل معناه ام لم يعقل الى ان يرتقي الى باب الاشارات ويفتح له وكذلك اذا نهاه عن شيئ تركه وان كان مباحا أو قربة واذا احتج على شيخه

(اور ایک ادب یہ ہے کہ) اس کے حکم سے تجاوز نہ کرے اور نہ اسکی تاویل کرے بلکہ کلام کا جو ظاہری مطلب ہو اسی پر عمل کرے اور اس کے امتثال امر میں جلدی کرے خواہ اسکے معنی سمجھے یا نہ سمجھے (یعنی اس کام کی عقلی مصلحت نہ تلاش کرے) یہاں تک کہ خود اسکے لئے فتح ہو جائے اور وہ اشارات کے باب تک پہنچ جائے۔ اسی طرح جب شیخ کسی چیز سے منع کرے تو اس کو فوراً چھوڑ دے اگرچہ وہ مباح اور قربت ہی کا کام کیوں نہ ہو۔ اور اگر اپنے شیخ کے ارشاد کے مقابلے میں اقوال علماء سے دلیل پکڑی اور حجت لڑائی

عه (قولہ ولا یتأولہ الخ) کتاب الذہب الابریز میں لکھا ہے کہ کسی شیخ نے اپنے مرید سے کہا کہ اپنے باپ کا سر قلم کرکے میرے پاس لاؤ۔ مرید یہ سنکر فوراً اٹھا اور اپنے باپ کے گھر آیا دیکھا تو اس کا باپ اپنی بیوی کے پاس یعنی اس مرید کی ماں کے پاس سویا ہوا ہے پس اس کا سر قلم کرکے شیخ کی خدمت میں لیجا کر پیش کر دیا۔ شیخ نے جب اسکو دیکھا تو کہا یہ کیا ہے؟ کہا والد کا سر۔ کہا ارے تم نے یہ کام کیوں کر ڈالا میں نے تو تم سے محض مذاق سے کہا تھا اس نے عرض کیا اے میرے سید میں تو آپ کی ہر بات کو حقیقت ہی پر محمول کرتا ہوں چنانچہ اپنے کئے ہوئے پر وہ نادم بھی نہیں ہوا اس کے بعد شیخ نے کہا کہ اچھا ذرا مجھے تو وہ سر دکھلاؤ۔ اس پر نظر جو ڈالی تو دیکھا کہ وہ ایک یہودی کا سر تھا جو کہ اس مرید کی والدہ پر عاشق تھا اور اس مرید نے بوقت قتل گھبراہٹ میں اسکو اپنا باپ جان لیا تھا۔

اسی طرح سے اسی کتاب میں ایک واقعہ یہ بھی لکھا ہے کہ ایک مرید نے ایک عورت کو جو بظاہر طوائف معلوم ہوتی تھی اپنے شیخ کے حجرے میں جاتے ہوئے دیکھا اور یہ بھی دیکھا کہ شیخ نے اس کے ساتھ صحبت کی پھر شیشہ کے برتن میں شراب تھی۔ اسے پیا۔ پھر باہر نکلے اور بغیر غسل کئے ہوئے امام بنکر لوگوں کو نماز بھی پڑھائی لیکن مرید کا اعتقاد اپنے شیخ سے ذرا بھی متزلزل نہیں ہوا اور نہ اس کا احترام اسکے قلب میں گھٹا پھر جب اللہ تعالیٰ نے اس مرید کے قلب پر فتح فرمائی تو نظر کشفی سے دیکھا کہ وہ عورت شیخ کی بیوی تھی جو ظاہری مشابہت بازاری عورتوں سے رکھتی تھی جسکی بنا پر اس نے اسے زانیہ ہی سمجھا تھا اور یہ دیکھا کہ شیخ نے شیشہ کے گلاس میں جو چیز پی تھی وہ دوا تھی جس کا صرف رنگ شراب جیسا تھا اور یہ دیکھا کہ شیخ کو ان دنوں کچھ ایسا مرض لاحق تھا جسکی بنا پر پانی کا استعمال مضر تھا۔ اس لئے غسل کا تیمم کرکے لوگوں کو نماز پڑھادی تھی۔ کیونکہ تیمم کرنے والے کے پیچھے وضو کرنے والوں کی نماز صحیح ہو جاتی ہے۔ پس پاکی ہے اس ذات کیلئے جس نے اس مرید کے قلب کو ایسے اور غضبیہ کے مشاہدے کے وقت بھی ثابت قدم رکھا اور متزلزل نہ ہونے دیا۔ انتہیٰ (سبحان اللہ انقیاد کی عجیب مثال ہے۔)

(افادہ) قولہ شیخ نے مرید سے کہا کہ اپنے باپ کا سر قلم کرکے میرے پاس لاؤ الخ ———

میں کہتا ہوں اور پہلے بھی اس مسئلہ کو کسی قدر وضاحت سے عرض کر چکا ہوں کہ شیخ دراصل وہی ہے جو خود متبع شریعت ہو اور اپنے مریدین سے بھی شریعت ہی کا اتباع کرائے اور صاحب بصیرت ہو۔ پس مرید کے لئے یہ ضروری ہے کہ شیخ کے کسی حکم پر عمل کرنے سے پہلے اس بات کو دیکھ لے کہ وہ خلاف شریعت تو نہیں ہے اگر شریعت سے اس فعل کے

کرنے کا جواز نہ پائے تو ہرگز اس پر عمل نہ کرے اس لئے کہ لاطاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق۔ اور کسی مرید کا ایسا کرنا شیخ سے بداعتقادی نہ کہلائے گی بلکہ شریعت سے اعتقاد اور اس کی تعظیم سمجھی جائیگی۔

ہو سکتا ہے کہ شیخ نے یہاں جو کچھ فرمایا ہو وہ کشف سے فرمایا ہو لیکن کشف کوئی دلیل شرعی نہیں ہے۔ خود صاحب کشف پر بھی حجت نہیں ہے دوسروں پر تو کیا ہوتی لہذا مرید کو یہ چاہئے تھا کہ شیخ نے جب اس سے یہ فرمایا تھا تو شیخ کی تصدیق کرتے ہوئے یہ تو سمجھتا کہ اس میں کچھ بھید ہے لیکن اس کے مقتضیٰ پر بدون دلیل شرعی کے عمل کر لینا یہ اس کے لئے کسی طرح جائز نہ تھا۔ شیخ سے سن کر واقعہ کی تحقیق کرتا حقیقت حال کا سراغ اسے لگ ہی جاتا جیسا کہ حضرت نظام الدین بلخی رح کا یہ واقعہ مشہور ہے کہ آپ جب بلخ تشریف لے گئے تو گھر ہی پر نماز پڑھتے تھے مسجد تشریف نہ لیجاتے تھے لوگوں نے اس کی شکایت امیر بلخ سے کی۔ انھوں نے شیخ کے پاس کہلا بھیجا کہ آپ مسجد کیوں نہیں تشریف لاتے۔ آپ نے جواب دیا کہ مجھے کچھ عذر شرعی ہے۔ امیر اس جواب سے مطمئن نہیں ہوا دوبارہ کہلایا کہ آخر کیا عذر ہے اسکو بتلانا ہوگا۔

شیخ یہ سنکر امیر کے پاس خود پہونچے اور اس سے کہا۔ کہ اس مسجد کا امام جہاں ہو اور جس حال میں ہو فوراً طلب کیا جائے چنانچہ امام صاحب بلائے گئے حضرت نے فرمایا اسکے جوتے اتروا کے اس کا تلا ادھیڑ دیا جائے دیکھا تو اس میں ایک کاغذ پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام درج کر کے اس کو پاؤں کے نیچے رکھا تھا۔ شیخ نے امیر کو اسے دکھلا کر فرمایا ملاحظہ فرمائیے یہ رافضی ہے اور کس قدر گستاخ و بے ادب ہے یہ سبب تھا میرے اس کے پیچھے نماز نہ پڑھنے کا۔ اب تو آپ کو بھی اطمینان ہوا۔ امیر شیخ کے اس کشف کو دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ شیخ کا معتقد ہو گیا اور اس رافضی کو قتل کر دیا۔

غرض اس واقعہ کے بیان کرنے سے یہ ہے کہ دیکھئے ان بزرگ نے کشف سے اس کا حال معلوم کر لیا تھا لیکن امیر سے ابتداً یوں نہیں فرمایا کہ وہ رافضی ہے اس لئے میں اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھتا۔ بلکہ جب تفتیش کے بعد دلیل شرعی سے اس کا رافضی اور بے ادب ہونا امیر کے سامنے ثابت کر دیا تب اس پر حکم لگایا۔

اسی طرح سے عرب کا ایک واقعہ مشہور ہے کہ دو نوجوان اونٹ پر سوار کہیں جا رہے تھے آگے آگے ان کا غلام اونٹ کی مہار پکڑے چل رہا تھا۔ اتنے میں کسی قیافہ شناس کا ان پر گذر ہوا۔ اس نے ایک نظر ان نوجوان لڑکوں پر ڈالی اور ایک نظر سے اس غلام کو دیکھا اور کہا کہ یہ لڑکے اس غلام کے کیا ہی مشابہ ہیں۔ ان لڑکوں نے جب یہ سنا تو کھٹک گئے اور غلام سے کہا کہ گھر واپس چلو۔ مکان پر پہونچکر اپنی ماں کے سامنے دونوں تلوار سونت کر کھڑے ہو گئے اور اس سے کہا کہ سچ بتاؤ کیا واقعہ ہے۔ آج ایک قیافہ شناس نے ہم دونوں کو اس غلام کے مشابہ بتایا ہے اس نے کہا بات بالکل صحیح ہے۔ تمہارے باپ کے انتقال کے بعد میں نے اس غلام کو ایک بار اپنے اوپر قابو دیدیا تھا تم لوگ اسی کے نطفے سے ہو۔ خیر یہ تو اہل قیافہ کی حکایت تھی میرا مقصد اس کے بیان کرنے سے یہ ہے کہ ان لڑکوں نے محض اس قیافہ شناس کے کہنے سے اپنی ماں کو قتل نہیں کر دیا بلکہ پہلے اس واقعہ کی تفتیش کی تب کوئی قدم اٹھایا۔

اسی طرح سے یہاں کہتا ہوں کہ شیخ کا اس مرید سے یہ کہنا کہ جاؤ اپنے باپ کو قتل کر دو یہ جائز نہ تھا۔ اسی طرح

سے اس مرید کا امتثال امر شیخ کے لیے عجل پڑنا یہ بھی اس کے لئے جائز نہ تھا۔ بلکہ مرید کو یہ کرنا چاہیئے تھا کہ شیخ کے اس فرمانے کے بعد ان کے پاس جاتا اور اس سے اس امر کی تصدیق کرتا اور واقعہ کی تفتیش کرتا، ظاہر ہے اس سے یہ عقدہ کھل ہی جاتا اس وقت اس یہودی کے ساتھ جو چاہتا معاملہ کرتا۔ کیونکہ اب حدود شرع کے اندر ہوکر وہ فعل اسکے لئے جائز ہوتا۔

حاصل یہ کہ پیر ہو یا مرید دونوں اس امر کے مکلف ہیں کہ شریعت کی اتباع کریں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سنت کی پیروی کریں۔ بلکہ شیخ سے تعلق ہی اسی لئے کیا جاتا ہے کہ اس کے ذریعہ حق تعالیٰ کی معرفت مرید کو حاصل ہوگی اور اتباع سنت آسان ہوگی لیکن اس جماعت سے بھی اگر ظاہر شرع کے خلاف لوگ کچھ امور صادر ہوتے ہوئے دیکھیں گے تو جماعت ہی سے بدعقیدہ اور بدظن ہو جائیں گے۔ چنانچہ میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ اس زمانہ میں طریق میں ایسے لوگ داخل ہو گئے ہیں جو حقیقۃً شیخ نہیں ہیں اور انھوں نے اسی قسم کی باتیں کیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عوام کی نظروں میں شریعت کا احترام اور اسکی عظمت باقی نہیں رہی اسلئے کہ انھوں نے دیکھا کہ جب خلاف شرع امر کا ارتکاب کرکے بھی ایک شخص بزرگ اور مقبول کہا جا سکتا ہے تو پھر ان کے نزدیک شرع کی مخالفت کچھ زیادہ ملامت کی چیز نہیں رہ گئی۔ یہ اثر تو عوام پر پڑا باقی خواص یعنی اہل علم نے جب یہ دیکھا کہ اس جماعت سے شریعت کو نقصان پہونچ رہا ہے اسی لئے کہ انھوں نے حرام و حلال جائز و ناجائز کی بحث ہی اڑا دی ہے تو اسکی وجہ سے علماء کی جماعت بھی ان سے خفا ہو گئی نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام کی ان دو بڑی جماعتوں میں ایک خلیج حائل ہو گئی اور جوں جوں جہالت بڑھتی گئی یہ خلیج وسیع تر ہو گئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

چنانچہ اس کی انتہا اس عقیدے پر ہوئی کہ آج عام طور سے یہ سنا جاتا ہے کہ شریعت اور ہے اور طریقت اور ہے جس کے متعلق قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:۔

دخیال نباید کرد کہ حقیقت خلاف شریعت است کہ ایں سخن جہل و کفر است

اور اس طرز عمل کا ایک ضرر یہ بھی ہوا کہ شریعت بالکل معطل ہو کر رہ گئی۔ مشائخ نے مریدین سے اپنا اتباع کرایا اور اس میں کسی فعل کے شریعت کے خلاف ہونے یا موافق ہونے کا کچھ بھی لحاظ نہیں کیا بلکہ ان کو یہ کہہ کر مطمئن کر دیا ؎

بمے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید   کہ سالک بے خبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

مرید نے بھی حکم شیخ کو وحی منزل من اللہ جانکر، آنکھ بند کرکے اس کا امتثال کیا۔ چاہے وہ امر شرع کے مخالف ہی کیوں نہ ہو۔ اور اس میں شیخ کے محق اور مبطل ہونے کی بھی تمیز باقی نہیں رکھی گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مشائخ کے اس استقلال کی وجہ سے سارا نظام دین اور شریعت ہی درہم برہم ہو گیا۔ کیونکہ جب معیار حق و باطل بجائے کتاب و سنت کے مشائخ کے افعال و اقوال قرار دے لئے گئے تو ان میں تو اختلاف و تشتت تھا ہی ہر شخص نے اپنی اپنی ٹولی لگ بنالی اور اصل یعنی شرع سے اپنا تعلق ہی منقطع کر لیا۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

باقاویل العلماء فذلک مرید لا یفلح ابداً۔

تو سمجھ لو کہ یہ مرید کبھی فلاح یاب نہ ہوگا۔

(ومنہا) ان لا یتصرف فی غیر ماحدہ لہ الشیخ ولا یجالس احداً الا فی الذکر الذی امرہ بہ شیخہ۔

(اور ایک ادب اس کا یہ ہے) کہ شیخ نے اس کے لئے جو حدود مقرر کردی ہیں ان میں تصرف نہ کرے اور کسی کے پاس نہ بیٹھے بجز اس حلقۂ ذکر کے جس کا اسکے شیخ نے اسکو حکم دیا ہے۔

(ومنہا) ان یری نفسہ اقل الناس او اقل المریدین ولا یری ان لہ حقا علی احد او ان لاحد علیہ حقا یلزمہ اداؤہ مادام فی حالۃ العزلۃ والسلوک بل یکون بحیث یری کانہ ما فی الوجود الا ھو وشیخہ۔

(اور ایک ادب اس کا یہ ہے) کہ اپنے کو سب لوگوں سے کمتر جانے اور تمام مریدین سے اپنے کو حقیر سمجھے۔ اور جب تک حالت عزلت و سلوک میں ہے اسوقت تک یہ نہ سمجھے کہ اس کا کسی پر حق بھی ہے یا اس پر کسی کا حق ہے جسکی ادائیگی اس کے ذمہ لازم ہے بلکہ بس اس طرح سے رہے کہ گویا اسکے اور اسکے شیخ کے علاوہ اور کوئی موجود ہی نہیں ہے۔ یعنی بجز شیخ کے کسی سے رابطہ سروکار نہ رکھے۔ (اس پر غور فرمائیے کیسی عمدہ چیز ہے)

(ومنہا) ان لا یطأ لہ سجادۃ ولا یلبس لہ ثوبا الا اذا کساہ ایاہ فیلبسہ اذا کان متادباً بآداب شیخہ ومتی کان لا یجد من نفسہ ذلک فلا یلبسہ فی ذالک الوقت۔

(اور ایک ادب مرید کا یہ ہے) کہ شیخ کے مصلے کو اپنے پاؤں سے نہ روندے اور اس کے کپڑے کو نہ پہنے مگر جبکہ شیخ ہی نے اسے پہنایا ہو۔ تو اگر اپنے شیخ کے آداب سے متأدب ہو چکا ہے تو پہن لے اور اگر اپنے قلب میں یہ بات نہیں پاتا تو اس وقت بھی نہ پہنے۔

(ومنہا) ان لا یسألہ عن شئی منتظراً جوابہ بل یذکر لشیخہ ما خطر

(اور ایک ادب اس کا یہ ہے) کہ شیخ سے (اپنے کسی حال کا) اس طرح ذکر نہ کرے کہ اس سے جواب کا منتظر رہے بلکہ جو خطرہ گذرا

لہ (قولہ ولا یلبس لہ ثوباً الخ) میں کہتا ہوں کہ میں اپنے شیخ کو یعنی (شیخ رشیدؒ) کو شیخ عبداللہ شرقاوی کا تاج پہنے ہوئے کبھی نہیں دیکھا جسے ان کو ان کے شیخ قصبیؒ نے مرحمت فرمایا تھا۔ ایک مرتبہ میں نے ان کو یعنی اپنے شیخ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جب میں اسے پہن لیتا ہوں تو مجھ میں عجیب وغریب حالت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس سے میں نے یہ نتیجہ نکالا کہ اس کے اندر کچھ سر (مشائخ کے تصرفات) ایسے موجود تھے کہ ہمارے شیخ محمد رشید رحمۃ اللہ علیہ باوجود حال قوی اور راسخ رکھنے کے ان کے تحمل کی تاب نہ لا سکتے تھے۔ انتہی ۱۲۔

لہ اوطرأ علیہ غیر طالب للجواب فان اجابہ فبہا والا فلا یسألہ عن جوابہ فقد لایکون عقلہ یحتمل ذالک الجواب وقد یکون فی مجاوبتہ ضرر لہ امابدخول العجب علیہ اویفتر ہمتہ و متی سالہ عن جوابہ فقد اساء الادب +

ہو یا جو چیز بھی پیش آئی ہو اسکو شیخ سے بیان کرے اور جواب کا طالب نہ ہو۔ اب اگر اس نے خود ہی جواب دیدیا تو فبہا ورنہ اس سے جواب کا تقاضا نہ کرے اسلئے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس مرید کی عقل سے اس سوال کا جواب بالاتر ہوتا ہے (اسلئے اسکو جواب دینا مناسب نہیں ہوتا) اور کبھی جواب دینے میں خود اسی مرید کا ضرر ہوتا ہے یا تو اس طور سے کہ عجب کا اندیشہ ہوتا ہے اور یا اس طور سے کہ آئندہ اس کی ہمت ہی سست پڑ جائیگی اس لئے اگر شیخ سے جواب کا تقاضا کیا تو سخت بے ادبی کی ۔

لہ (قولہ فقد اساء الادب الخ) مولف کہتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ مجھے یاد نہیں پڑتا کہ میں نے اپنے شیخ رحمۃ اللہ علیہ سے ان امور سے کسی کے متعلق کبھی کوئی سوال کیا ہو اور نہ مجھے یہی یاد پڑتا ہے کہ کبھی میرے کسی خواب یا باطنی حالت کے پیش کرنے پر حضرت شیخ نے کوئی جواب دیا ہو۔ علاوہ دو بار کے ایک تو اس وقت جواب دیا تھا جب میں نے یہ عرض کیا کہ مجھے اپنے بعض حالات میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں بالکل مردہ ہوں چنانچہ اس حالت میں اپنے جسم کے بعض حصے کو دیکھا تو مجھے بہت رنج ہوا اس پر شیخ نے مجھ سے فرمایا کہ اچھا تو کیا تم موت کو مکروہ سمجھتے ہو۔ میں نے کہا بے شک۔ شیخ نے فرمایا کہ اپنا تو یہ حال ہے کہ بہت سی ایسی چیزیں پیش آئی ہیں کہ ان پر صبر نہیں ہوتا۔ اور تسلی جو ہوتی ہے تو محض اس خیال سے کہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا زمانہ قریب آرہا ہے۔ چنانچہ اس کے کچھ ہی مدت کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس بندے پر احسان فرمایا۔ کہ لقاء اللہ کی محبت کے سبب سے مجھے بھی موت محبوب کردی۔ اور دوسری بار مجھے اسوقت جواب دیا تھا جب شیخ نے یہ چاہا تھا کہ مجھے اسم رابع تلقین فرمائیں (اسکی تفسیر آگے معلوم ہوجائے گی)

تو میں نے اس سے انکار کیا اور یہ عرض کیا کہ اے میرے سید میں اس کا مستحق نہیں ہوں اسلئے کہ یہ مقام کمال ہے اس پر شیخ ہنس دیئے اور مجھ سے فرمایا کہ کامل اپنے کو کامل نہیں سمجھتا پھر مجھے وہ اسم مذکور تلقین فرمایا۔ باقی ان دو مواقع کے علاوہ جب بھی میں انھیں اپنی کسی ایسی باطنی حالت کی اطلاع کرتا تھا جس میں میرے لئے بشارت ہوتی تھی تو حضرت کو اس سے زیادہ فرماتے نہیں سنا کہ یوں فرمادیتے کہ قل بفضل اللہ وبرحمتہ فبذالک فلیفرحوا۔ یہ قرآن شریف کی ایک آیت کا ٹکڑا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ فرمادیجئے کہ:۔

(بس لوگوں کو خدا کے اس انعام اور رحمت پر خوش ہونا چاہیئے) انتہی ۱۲

(ومنها) ان لا یخون شیخه فی امرها ولا یکتم عنه شیئا مما یتکرر فی سره اصلا فان مضرته تعود علیه لانها کلها علل وامراض فاذا سکت عنها حرم الدواء واهلك بعلته ونقض عهد شیخه وفی المثل من اخفی علته قتلته ولیس[۵] من شرط الشیخ ان یکاشف والغالب انه یکون ترقی عن مقام الکشف ۔

(اور ایک ادب مرید کا یہ ہے) کہ شیخ سے کسی چیز میں خیانت نہ کرے اور نہ اس سے کوئی ایسی چیز چھپائے جو اس کے قلب میں بار بار آتی ہو اسلئے کہ اس کا ضرر خود اس سالک ہی کو ہوگا کیونکہ یہ سب چیزیں نقائص اور امراض ہیں تو اگر ان کی جانب سے سکوت اختیار کریگا (یعنی طبیب سے بھی ان کو نہ بیان کریگا) تو ظاہر ہے کہ دوا اور علاج سے محروم رہے گا۔ اور اس مرض میں ہلاک ہو جائیگا اور شیخ سے کئے ہوئے عہد کا جو نقض ہوا اس کا وبال الگ رہا۔ چنانچہ مثل بیان کیجاتی ہے کہ جس نے اپنی بیماری کو چھپایا تو وہ بیماری اسکو ہلاک ہی کردیگی اور شیخوخت[۵] کی شرط سے یہ بات ہے نہیں کہ اسکو ہر بات کا کشف ہی ہو جایا کرے بلکہ غالب تو یہ ہے کہ وہ مقام کشف سے ترقی کر چکا ہوتا ہے ۔

(ومنها) تعمیرة الوقت بالذکر الذی امره به شیخه ومتی غفل عنه او خطر له خاطر بغیره من شهرة ونحوها فلیسرع الی ذکره من حینه فان المحل یضیق عن حمل امرین فی زمان واحد ولولا الغفلة عن الذکر ما خطر له ذالك الخاطر المذموم ۔

(اور ایک ادب مرید کا یہ ہے) کہ اپنے وقت کو اس ذکر کے ساتھ مشغول رکھے جس کا اسکو اسکے شیخ نے حکم دیا ہے۔ اور جب بھی اس سے غفلت ہو جائے یا اسکے قلب میں کسی اور چیز کا مثلاً طلب شہرت وغیرہ کا خطرہ گذرے تو چاہئے کہ اسی وقت ذکر کرنا شروع کرے (اس پر غور فرمائے) اور اس میں جلدی کرے اسلئے کہ ایک محل (یعنی قلب) زمان واحد میں دو چیزوں کے تحمل سے قاصر رہتا ہے (چنانچہ اس خطرے کا بھی سبب ذکر سے غفلت ہی بنا) ورنہ اگر ذکر سے غفلت نہ ہوئی ہوتی تو یہ خاطر مذموم اسکے قلب میں نہ آتا۔ (بہت عمدہ بات ہے)

---

[۵] (قوله ولیس من شرط الشیخ ان یکاشف الخ) کشف کا ہونا لوازم شیخت سے نہیں ہے لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ کبھی اسکو کشف ہی نہیں ہوتا بلکہ کبھی مرید یا غیر مرید کی مصلحت سے ہو بھی جاتا ہے لیکن اسکو یہ نہ کہا جائیگا کہ مقام شیخوخت کے تقاضا سے ایسا ہوا۔ یوں بعض مشائخ کے مرید ایسے بھی ہوئے ہیں جو صاحب کشف تھے۔ چنانچہ اس کے انتقال کے بعد شیخ کہا کرتے تھے کہ جب سے فلاں کا انتقال ہوا ہے افسوس ہم سے آسمانی خبروں کا سد باب ہو گیا ۔

انتہی ۱۲

(ومنها) الاستسلام لما يحكم به شيخه اذا وقع فی زلة من سياحة ونحوها

(اور ایک ادب مرید کا یہ ہے) کہ جب سالک سے کوئی لغزش واقع ہو جائے مثلاً وہ سیر و سیاحت وغیرہ میں پڑ جائے تو شیخ اس پر جو تنبیہ کرے اور حکم دے اس کا اپنے ظاہر و باطن سے انقیاد کرے۔

(ومنها) انه اذا اصار صاحب همة عالية فلينزل ما وقع له من مشكلة ونحوها فی باب الفتاح العليم ولا يسأل الشيخ عنه فاما ان الحق تعالى يفتح له فی تلك المسئلة بعلم لدنی او يحرك همة الشيخ ليتكلم عليها فان فتح عليه بشیٔ فليعرضه على الشيخ وان لم يفتح عليه بشیٔ ولا تكلم الشيخ عنها فليعلم انه ليس اهلا لتلك المسئلة اما لعلوها وعدم استعداده لقبولها واما لقصور همته وعدم صدقه فی التوجه بطلبها بسبب مشاركة امر آخر فی حين التوجه واذا وقعت المشاركة ضعفت الهمة فان الهمة لا تتقوى الا بصفة الاحدية ومتى كانت الهمة واحدة تكون عونا لمعرفة الشيخ وحينئذ فلا بد ان يفتح[1] الله تعالى على المريد بذالك +

(اور منجملہ آداب مرید کے ایک ادب یہ ہے) کہ جب اسکی ہمت قوی ہو جائے تو اس وقت اسے طریق میں جو مشکلات اور عوارض پیش آئیں انھیں حق تعالیٰ کی بارگاہ میں خود ہی پیش کرے اور انھیں سے فتح طلب کرے اور شیخ سے نہ سوال کرے پھر یا تو حق تعالیٰ سبحانہٗ سالک کو علم لدنی عطا فرما کر اس مسئلہ کا فتح فرما دینگے اور یا ہمت شیخ ہی کو حرکت دیدینگے تاکہ وہ اس مسئلہ پر سالک سے گفتگو کرے۔ اب اگر سالک پر کسی چیز کا فتح ہو تو اسکو چاہئے کہ وہ شیخ پر پیش کرے اور اگر نہ تو اسکے قلب پر کچھ مفتوح ہوا اور نہ اس سے شیخ نے اس مسئلہ کے بارے میں گفتگو کیا تو یہ سمجھ لے کہ میں اس مسئلہ کے جاننے کا اہل ہی نہیں ہوں یا تو اسلئے کہ وہ مسئلہ عالیشان ہے اور یا اس لئے کہ خود اس میں اسکے قبولیت کی استعداد نہیں اور یا یہ سمجھے کہ میری ہی ہمت قاصر ہے اور میرے ہی اندر اسکے جاننے کی جانب توجہ میں صدق و خلوص نہیں ہے اسلئے کہ توجہ کے وقت کسی دوسرے چیز کی شرکت ہو جاتی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ جب مشارکت واقع ہوگی تو یکسوئی فوت ہو جائیگی اور ہمت ضعیف ہوگی اسلئے کہ ہمت بدون یکسوئی کے قوی نہیں ہوتی اور جب کسی سالک کی ہمت یکسو ہوتی ہے تو وہ شیخ کی معرفت کیلئے معین و مددگار ہوتی ہے اور اس وقت میں ضروری ہے کہ یا تو اللہ تعالیٰ شیخ کے لئے اس معرفت کو مفتوح فرما دیں جس سے مرید کی ہمت بھی متعلق ہے اور یا اللہ تعالیٰ خود اس مرید پر ہی (بلا واسطہ) اس کا انکشاف فرما دیں۔

[1] (قولہ ان یفتح اللہ تعالیٰ علی المرید الخ) مؤلف کہتے ہیں کہ میں نے خود اسکا تجربہ کیا چنانچہ میں نے اطفال کا مسئلہ (غالباً اس سے مراد مسئلہ ذراری مشرکین ہے کہ اس میں علماء کا اختلاف ہوا ہے کہ ان کا حشر کیا ہوگا) جو کہ ایک مشہور مسئلہ ہے اور اس میں روایات مضطرب ہیں چنانچہ ابو حنیفہ رحمہ سے بھی توقف ثابت ہے یعنی ان سے سوال کیا گیا تو انھوں نے لاعلمی ظاہر فرمائی۔ اس مسئلہ کو میں نے فتاح علیم کی بارگاہ میں پیش کیا اپنی ایک مجلس ذکر میں پس اچانک مجھ پر اسکو کھول دیا یعنی مجھے اس مسئلہ میں بالکل شرح صدر ہو گیا۔ باقی اس کا ذکر تفصیل سے خالی نہیں اور وہ سب باتیں (جو میرے قلب میں آئیں) نصوص سے مؤید ہیں پس کیا ہی پاک ہے وہ ذات جو ہر مشکل کو کھولنے والا ہے اور ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ اور ایسی ذات ہے کہ اس سے سوال کرنے والا کبھی خائب و خاسر نہیں ہوتا اور اس کا قصد کرنے والا کبھی محروم نہیں ہوتا۔ انتہیٰ ۱۲

(ومنها) ان لا تكون له ارادة فی
غیر ما یامره به شیخه ومتی کان للمرید
ارادة بشیء سوی ماذکر کان صاحب
هوی وهو مع نفسه لا مع شیخه
والشأن ان یکون مع شیخه کالمیت
بین یدی الغاسل لا تدبیر له فی
نفسه مطلقا بل هو مع الشیخ علی ما
یریده الشیخ کما قیل ؎

مرادی منك نسیان المراد
اذا رمت السبیل الی الرشاد

وکان حقه ان لا یسمی مریدا لانه
لا ارادة له مع شیخه وکانه انما سمی
مریدا بالنظر لاول امره فانه کان
مریدا وطالبا للکمال الذی خلق
لاجله وطریق هذا المطلوب مجهول
عنده ولذلك اضطر الی طلب
عالم به یعرفه ایاه وبعد وجوده
یلزمه التسلیم له والانقیاد الیه
وترك الارادة معه وعدم الاعتراض
علیه ولا یزال کذلك حتی یفتح
الله فحینئذ یعمل بما یؤمر به من
ربه +

(اور ایک ادب یہ ہے) کہ شیخ طالب کو جس بات کا حکم دے سالک کے
لئے اسکے غیر کا ارادہ ہی نہ ہونا چاہیئے چنانچہ اگر کسی مرید کے لئے مذکورۂ بالا امور
کے علاوہ کسی اور چیز کا ارادہ ہوا تو وہ مرید نہیں صاحب ھویٰ ہے۔
(یعنی اپنے نفس کا متبع اور اسکا مرید ہے شیخ کا نہیں) کیونکہ مرید کی شان تو یہ
ہوتی ہے کہ اپنے شیخ کے ساتھ اسطرح سے رہے جیسے مردہ بدست زندہ یعنی
جسطرح میت غسل دینے والے کے ہاتھ میں ہوتی ہے کہ اسکو اپنے مراد پر کوئی اختیار
نہیں ہوتا اسی طرح مرید کو چاہیئے کہ وہ شیخ کیساتھ اسطرح رہے کہ شیخ اسکے ساتھ
جو معاملہ چاہے کرے کسی نے خوب کہا ہے کہ ؎

جبکہ میں نے رشد و ہدایت کے راستے کا ارادہ کیا تو پھر میری مراد
آپ سے یہ ہے کہ میں ساری مراد کو بھول جاؤں۔

اور مرید ہو کر بھی جو شخص اپنا ارادہ رکھے تو وہ سزاوار اس بات کا ہے کہ
اسکو مرید ہی نہ کہا جائے اسلئے کہ مرید تو اسکو کہا جاتا ہے جسکے لئے اپنے شیخ کے سامنے
کوئی ارادہ ہی نہ ہو باقی ایسے شخص کو مرید جو کہا جاتا ہے تو وہ اسکے ابتدائی حالات
کے اعتبار سے اسلئے کہ وہ شروع میں مرید تھا یعنی اس کمال کا طالب ہو کر
آیا تھا جسکے لئے وہ دنیا میں بھیجا گیا ہے (یعنی اللہ تعالے سے نسبت کی تحصیل) مگر
اسکا یہ مطلوب اسکے نزدیک چونکہ مجہول تھا اسلئے پہلے وہ کسی جاننے والے اور واقف راہ
کا بھی طالب ہوا جو کہ اس کا مقصود اسے حاصل کرا دے (اب اس سے غلطی یہ ہوئی کہ)
ایسے رہبر کو پالینے کے بعد (خود کو اس کا منقاد نہیں بنایا بلکہ اپنا ارادہ اسکے سامنے
باقی رکھا) حالانکہ اسکو چاہیئے یہ تھا اپنے کو اسکے سپرد کر دیتا اور اسکا دل و جان سے
منقاد ہو جاتا اور اس کے آگے اپنی رائے اور اپنے ارادے کو بالکل فنا کر دیتا اور
اسکے کسی قول و فعل پر زبان و دل سے اعتراض نہ کرتا اور جب تک اسکی تکمیل
نہ ہو جاتی۔ اسی حال پر باقی رہتا پھر جب حق تعالیٰ راہ کو خود اسپر کھول دیتے تو
اس وقت اللہ تعالیٰ کی جانب سے جس کام پر مامور ہوتا اسے کرتا۔

والشيخ اذا علم ان المريد قد استقل وكملت تربيته وحل اوان فطامه وجب عليه ان يقطع عنه الامداد ويتركه مع ربه ويقول له ها انت وربك كالفرخ يزقه ابوه حتى يقوى على الطيران فاذا قوي عليه اخرجه من العش و تركه يرتزق بنفسه وبعد ذلك لا يبقى للشيخ حكم على المريد ولكن يلزمه الادب معه و احترامه وان لا يتصدى للارشاد بدون اذنه وان ساواه في المقام او جاوزه الا اذا امر بالارشاد من ربه فحينئذ لا يكون للشيخ عليه مواخذة +

اور شیخ جب یہ دیکھے کہ مرید اب اپنے پیروں پر خود کھڑا ہو گیا ہے یعنی اس کا سلوک تام اور تربیت کامل ہو چکی ہے اور اب اسکے دودھ چھڑانے کا وقت آگیا ہے تو اسپر واجب ہے کہ اس سے اپنی امداد منقطع کرلے اور اسکو اسکے رب کے حوالہ کردے یعنی اس سے یہ کہدے کہ جاؤ اب صرف اپنے رب ہی سے تربیت کا معاملہ رکھو (یعنی بلا شرکت غیرے انھیں کی نگرانی میں ترقی کرو) جس طرح سے کہ پرندہ کا بچہ ہوتا ہے کہ اس کا باپ ابتدا میں تو اپنی چونچ سے اسکے منہ میں دانہ ڈالتا ہے یہانتک کہ وہ خود اڑنے لگے چنانچہ جب وہ خود اڑنے لگتا ہے تو اب اس کے والدین اسکو آشیانہ سے نکال دیتے ہیں تاکہ اب وہ خود دانہ چگے اور زندگی بسر کرے

اب اسکے بعد اس شیخ کا اس مرید پر کوئی حکم لازم تو نہیں رہجاتا تاہم اسکا ادب اور احترام بہرحال ضروری ہے۔ اسی طرح سے اس مرید پر یہ بھی لازم ہے کہ بغیر شیخ کی اذن و اجازت کے مسند ارشاد پر کبھی نہ بیٹھے اگرچہ مرتبہ میں اس کے برابر یا زیادہ ہی کیوں نہ ہو گیا ہو۔

البتہ ایک صورت یہ ہے کہ اسکو ارشاد کا حکم حق تعالیٰ ہی کی جانب سے عطا ہو تو اب شیخ اس پر عدم اذن کا مواخذہ بھی نہیں کرسکتا۔

(ومنها) البحث عن هذه اللقمة فان احرام سم الدين فان لم يجد الحلال فلياكل عند الاضطرار الذي يبيح له اكل لحم الميتة وقد ذكرنا ان الشيخ هو يعين المريد في مدة خلوته و تربيته +

اور منجملہ مریدین کے ان آداب کے جو انکی ذات سے متعلق ہیں ایک ادب اس لقمہ کی بحث بھی ہے (جسکو وہ استعمال کرتے ہیں) اسلئے کہ حرام لقمہ تو دین کے حق میں سم قاتل ہی ہے۔ لیکن اگر حلال روزی کسی کو میسر نہ ہو تو مجبوراً بوقت اضطرار مردار کھانا بھی جائز ہو جاتا ہے اور ابھی ہم نے یہ بیان کیا ہے کہ مدت خلوت و تربیت میں بھی دراصل شیخ ہی مرید کی اعانت کرتا ہے۔

(ومنها) الخروج[1] من المسائل الخلافية الى الاجماع ان امكن والا تراعى[2] مذهبه واذا كانت المسئلة خلافية فى مذهبه اخذ بالاصح والاشق ولا يترخص ولا يتاوّل فان الطريق جِدٌّ والترخص شان الضعفاء ومتى جنح المريد للرخص كان ساعيًا فى هوے نفسه۔

اور ایک ادب مرید کا یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے اختلافی مسائل سے نکل کر اجماعی صورت کو لے۔ اور اگر کہیں ایسا ممکن نہ ہو تو پھر اپنے مسلکِ خاص ہی کی رعایت کرے۔ اور اگر وہ مسئلہ خود اس کے یہاں بھی مختلف فیہ ہو تو اصح قول کو لے اور وہ جہت اختیار کرے جو اشق ہو کہ وہی احوط ہوگی اور نفس کو ڈھیل نہ دے اور نہ تاویل کی راہ چلے اس لئے یہ طریق محنت اور مجاہدہ کا طریق ہے۔ اس میں سہولت پسندی ضعفاء کی شان ہے کیونکہ مرید اگر رخصت اور سہولت کا طالب ہو جائیگا تو وہ اپنے نفس کی خواہش ہی پر عمل کرنے میں ہمیشہ کوشاں رہے گا۔

---

[1] (قولہ الخروج من المسائل الخلافیۃ الخ) مثلاً یہ کہ اگر حنفی ہے تو وضو میں نیت کرے ترتیب وار وضو کرے پے در پے اعضاء کو دھوئے اور بدن کو ملے (کیونکہ یہ چیزیں اگرچہ اسکے مذہب میں ضروری نہیں ہیں تاہم دوسرے آئمہ کے نزدیک ضروری ہیں اس لئے مناسب ہے کہ ایسا وضو کرے جس میں سارے مذاہب کی رعایت ہو جائے) اسی طرح سے اگر شرمگاہ کو چھولیا یا کسی اجنبی عورت کو ہاتھ لگا دیا تو وضو کا اعادہ کرے (کیونکہ یہ چیزیں دوسرے مذاہب میں ناقض وضو ہیں اگرچہ احناف کے نزدیک نہیں ہیں) اور اگر کوئی شافعی ہے تو جب اس کے بدن سے خون نکل کر بہہ پڑے تو اس کا وضو کا اعادہ کرنا چاہیئے (اگرچہ خروج دم موجب وضو نہیں ہے)

[2] (قولہ والا تراعی مذهبہ الخ) جیسے مسئلہ قرأت خلف الامام کہ اس میں اختلاف سے نکلنا ممکن ہی نہیں (کیونکہ ایک مذہب میں یہ حرام ہے اور دوسرے کے یہاں واجب ظاہر ہے کہ انسان قرأت اور ترک دونوں کیسے کرسکتا ہے تو اس صورت میں اپنے مذہب کو ترجیح دے) اور اسی کی رعایت کرے۔ اگر اس کے لئے امام ہونا ممکن نہ ہو (کیونکہ اگر امام بن جائے تب بھی اختلاف سے بچ سکتا ہے۔ ۱۲)

(ومنها) الخروج عن المال والجاه والخروج آكد من الخروج عن المال والخروج عنه بان يتعاطى من الامور المباحة ما يسقط حرمته عند الناس كحمل حاجة اهله اذا كان من ذوي الهيئات او بما يأمره به المرشد۔

اور ایک ادب مرید کا یہ ہے کہ علاقۂ مال وجاہ سے نکلے اور جاہ سے نکلنا مال کے نکلنے سے زیادہ ضروری ہے اور اس سے نکلنے کا طریقہ یہ ہے کہ امور مباحہ میں سے ایسے امور کا ارتکاب کرے جس سے اسکی حرمت لوگوں کی نظروں سے ساقط ہو جائے مثلاً اپنی خانگی ضروریات کی چیزوں کو (بازار سے) اپنے سر پر لیکر گذرے جبکہ یہ شخص ظاہری عزت اور وقار والا ہو۔ یا اسی قسم کا اور کوئی کام کرے جس کا حکم اسے اس کا مرشد دے۔

(ومنها) ان يعتقد ان طريقه اشرف الطرق والا تشوقت نفسه لما هو الاشرف۔

اور ایک ادب مرید کا یہ ہے کہ دل سے اس بات کا اعتقاد رکھتا ہو کہ اس کا طریقہ سب طریقوں سے افضل واشرف ہے کیونکہ اگر ذہن میں یہ بات نہ ہوگی تو اسکا نفس ہمیشہ اشرف و افضل ہی کا خواہاں اور جویاں رہیگا۔

(ومنها) ترك فضول النظر والكلام حتى ان بعضهم هجر مريده لما بلغه انه كسر جرة خمر رآها في السوق وقال انما هجرته لا لازالة المنكر وانما هجرته لفضول النظر فلو كان طرفه لا يعدو موضع قدميه مار آها كانوا بحيث لو سئل احدهم عن صفة جليسه لا يعرفها فضلا عن صفة شيخه۔

ایک ادب یہ ہے کہ نظر کرنے اور کلام کرنے میں لغو اور فضول امر سے پرہیز کرے یہانتک کہ بعض مشائخ نے اپنے مرید کو صرف اس بات پر نکالدیا ہے جب انھیں یہ اطلاع ملی کہ اسنے شراب کا مٹکا توڑ دیا ہے جو کہ بازار میں اسے نظر آگیا تھا اور پھر یہ فرمایا کہ میں نے اسے ازالۂ منکر کی وجہ سے نہیں نکالا ہے بلکہ فضول نظر کے سبب سے نکالا ہے اسنے اسے دیکھا ہی کیوں اگر اسکی نظر اپنے موضع قدم پر ہوتی تو وہ مٹکا اسے نظر ہی نہ آتا چنانچہ سالکین کا یہ حال ہوتا تھا کہ اگر ان میں سے کسی سے اسکے ہم نشین کے بارے میں دریافت کیا جاتا کہ اسکی صورت شکل لباس کیسا ہے تو وہ بتلا نہیں سکتا تھا (بڑا عمدہ خلق تھا) اسلئے کہ اسے نظر بھر کر کبھی دیکھا ہی نہیں تھا (یہ حال تو اپنے ساتھی کے ساتھ تھا) اور اپنے شیخ کی صفات اور انکا علیہ تو کیا بیان کرتا۔

(ومنها) ان يكون مطرقا ساكنا بين يدي شيخه كان على راسه الطير كما قيل شعر

كانما الطير منهم فوق رؤسهم
لا خوف ظلم ولكن خوف اجلال

اور ایک ادب یہ ہے کہ اپنے شیخ کے سامنے سر جھکائے ہوئے ادب اور سکون کے ساتھ اس طرح بیٹھے گویا کہ اس کے سر پر چڑیا بیٹھی ہے (یعنی ذرا حرکت ہوئی نہیں کہ وہ اڑی نہیں) جیسا کہ کہا گیا ہے کہ وہ لوگ اس طرح سے بیٹھے ہوئے ہیں گویا کہ ان کے سروں پر چڑیا بیٹھی ہوئی ہے لیکن ان کا سکون کسی ظلم کے ڈر سے نہیں تھا

بل قال بعضهم ينبغي للمريدين أن يكون بين يدي شيخهم كاللصوص عرضوا على السلطان للعقوبة وهكذا حالهم في كلامهم وحركاتهم۔

بلکہ ممدوح کی جلالت شان اس کا باعث تھا۔ بلکہ بعض لوگوں نے تو یہ فرمایا ہے کہ مریدین کو چاہئے کہ اپنے شیخ کے سامنے اس طرح سے رہیں گویا کہ وہ چور ہیں اور سزا کیلئے بادشاہ کے سامنے پیش کئے گئے ہیں۔ یہی حال ان کا بھی اپنے کلام اور حرکات و سکنات میں ہونا چاہئے۔

ومنها ان تكون اعمالهم كلها قربا فلا تحركهم الا فريضة او فضيلة دون المباح وهذا ممكن فان النيات تصير العادات عبادات۔

اور ایک ادب مریدین کا یہ ہے کہ ان کے سارے اعمال قربت اور ثواب ہی والے ہونے چاہئیں۔ پس ان کو اپنی جگہ سے حرکت دینے والی کوئی اور چیز نہ ہونی چاہئے بجز فریضہ کے یا فضیلت کے یعنی انھیں چاہیئے کہ مباح کے درپے نہ ہوں بلکہ صرف وہی کام کریں جو یا تو ان پر فرض ہوں اور یا ان کا کرنا افضل ہو اور ایسا ممکن ہے اس لئے کہ نیت کیوجہ سے عادت بھی عبادت بنجاتی ہے۔

(ومنها) ان يعتقد في شيخه انه على شريعة من ربه وبينة منه فلا يزن احواله بميزانه فقد يصدر من الشيخ ما صورته مذمومة وهو محمود في الباطن ۵

وان في قصة موسى والخضر لعبرة لكل شخص معتبر

ومنهم من يجسد روحانيته على صورته ويقيمها في فعل من

مریدین کے آداب میں سے ایک ادب یہ ہے کہ اپنے شیخ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے شریعت اور برھان پر ہیں (یعنی کوئی کام خلاف شرع اور خلاف مرضی مولیٰ نہیں کرینگے) لہذا ان کے احوال کو اپنی ترازو میں نہیں تولنا چاہیئے اسلئے کہ کبھی شیخ سے ایسا بھی کوئی فعل صادر ہوجاتا ہے جو بظاہر تو مذموم معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت کے اعتبار سے وہ ٹھیک اور پسندیدہ ہوتا ہے ۵

بلا شبہ حضرت خضر اور موسیٰ علیہما السلام کے قصہ میں ہر صاحب عبرت کیلئے عبرت موجود ہے (کہ وہاں بھی بظاہر بعض افعال حضرت خضر کے خلاف شرع معلوم ہوتے تھے چنانچہ حضرت موسیٰ نے ان پر نکیر بھی فرمائی تھی مگر باطنا وہ مصالح عظیمہ پر مشتمل تھے غرض بزرگوں کو اپنے میزان میں نہیں تولنا چاہیئے کیونکہ) مشائخ میں

---

۵ (قولہ ومنهم من يجسد الخ) مجھ سے عبدالقادر آفندی البرکہ نے جو کہ ہمارے شیخ کے خلیفہ تھے شیخ کی موجودگی میں یہ واقعہ بیان کیا کہ حضرت شیخ ایک مرتبہ جامع مسجد کے ایک حجرہ کے اندرونی حصہ میں خلوت نشین تھے اور صمدیت کا وظیفہ زیر ورد تھا کہ اتنے میں بعض احباب انکی زیارت کو آگئے شیخ نو ان سے ملنے کیلئے حجرہ سے باہر تشریف لے آئے مگر ان کی آواز سورہ اخلاص پڑھنے کی اور شیخ کے دانتوں کی کھٹکھٹاہٹ بدستور آتی رہی یعنی سورت ختم ہونیکے بعد کھٹ سے ایک دانہ کا گرنا باہر سے سنائی دیتا تھا حالانکہ شیخ خلوت خانہ سے نکلکر حجرہ سے باہر دروازہ کے پاس اپنے منہ پر دونق افروز تھے اور اس آنیوالے سے گفتگو میں مشغول تھے۔ اسی طرح کا ایک واقعہ بعض اور حضرات کا سنا گیا ہے کہ وہ دو مختلف مقامات پر ایک ہی وقت میں دیکھے گئے۔

الافعال ویراھا الحاضرون فیقولون رأینا فلانا یفعل کذا وھو بمعزل من ذلک الفعل۔

سے بہت سے حضرات ایسے بھی ہوئے ہیں جو اپنی روح کو اپنے متشکل جسد مثالی میں داخل کرکے دوسرا جسم بنا لیتے ہیں اور اسکو جس کام میں چاہتے ہیں لگا دیتے ہیں چنانچہ حاضرین مجلس اسی جسم مثالی کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ ہم نے فلاں کو ایسا کرتے دیکھا ہے حالانکہ اس شخص کو اس فعل سے دور کا بھی تعلق نہیں ہوتا۔

وھذہ کانت حالۃ قضیب البان وکثیرا ما تصدر عن المجاذیب افعال من ھذا القبیل وکانھم[ملہ] انما یفعلون ذلک لیصرفوا الناس

چنانچہ قضیب بان کی یہی حالت تھی اور بھی بہت سے مجذوبوں سے اسی قسم کے افعال صادر ہوتے رہے ہیں۔ اور شاید[ملہ] وہ لوگ ایسا اس لئے کرتے ہوں تاکہ لوگوں کی توجہ کو اپنی جانب سے ہٹا دیں۔ اور لوگ ان کے معمولات میں مخل اور حارج نہ ہوں۔ اور

ملہ (قولہ وکانھم انما یفعلون ذلک الخ) اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ حمام کے چور کا واقعہ مشہور ہے کہ جس بستی میں وہ جاتا اور اسکی بزرگی لوگوں میں مشہور ہو جاتی تو اپنی اس شہرت کے مٹانے کے لئے وہ یہ کرتا تھا کہ اس بستی کے حمام میں جاکر اپنے کپڑوں کے نیچے کسی دوسرے کا کپڑا پہن لیتا تھا اور اس طرح سے پہنتا کہ اس کا کچھ حصہ نظر بھی آتا ہے اور پہنکر وہاں سے چلدیتا بالآخر لوگ اس کا پیچھا کرتے اور پکڑ کر مسروقہ کپڑا اس سے چھین لیتے چنانچہ اسکی وجہ سے اس کا لقب ہی لص الحمام (یعنی حمام کا چور) رکھدیا گیا تھا مگر اسکا یہ حال ابتدائی دور میں تھا بعد میں اسکے حالات بہت عمدہ ہو گئے اور صفائے وقت کی دولت اسے نصیب ہوئی۔ ۱ھ منہ ۱۲

(افادہ) اس مقام پر بھی وہی تقریر پیش نظر رکھی جائے جو اس سے قبل متعدد بار عرض کر چکا ہوں جس کا حاصل یہ ہے کہ کسی خلق حسن کے حاصل کرنے یا کسی رذیلہ سے خلاصی پانے کیلئے کسی محذور کا ارتکاب جائز نہیں ہے اپنی بزرگی کا جتلانا اور ریاء و سمعۃً اس کا اظہار تو منع ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسکو مخفی رکھنے کیلئے آدمی چوری کرے انسان صرف اسکا مکلف ہے کہ ریا و عجب اور دعوی وغیرہ سے بچے اب اسکے بعد اگر اللہ تعالیٰ ہی کسی کا مرتبہ مخلوق پر ظاہر فرمادیں تو یہ اس میں دخل دینے والا کون ؟ ہاں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے اور اسکے شر سے پناہ مانگتا رہے۔ اپنے کمالات کو محض حق تعالیٰ کا عطیہ سمجھے اور اسکا غرہ نہ ہونے دے کہ ان چیزوں کو اپنی قوت بازو کا ثمرہ سمجھے۔ یہ سب چیزیں تو قابل لحاظ بیشک ہیں باقی انکی تحصیل کیلئے ناجائز امور کا ارتکاب نہیں کرنے دیا جائیگا۔ یہ بزرگ جو دوسرے کا کپڑا چرا لیتے تھے تو ان کی نظر ایک لازمی فائدہ پر تو گئی لیکن اس میں جو متعدی ضرر تھا وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ اور وہ ضرر یہ کہ جس کا کپڑا لیکر بھاگے تھے اگر بالفرض اس سے ملاقات نہ ہوئی تو حق العباد کے ضیاع کے مرتکب ہوئے اور ان کا یہ فعل اس ضرر سے تو خالی ہی نہیں تھا کہ انکی اس حرکت سے دوسرے صالحین بدنام ہو جائیں گے اور لوگوں کی نظروں میں ساقط الاعتبار ہو جائیں گے گویا سبھی نیک لوگوں کی بے آبروئی کا سبب انکا یہ فعل بن جائیگا۔ اور ع حفظت شیئا وغابت عنک اشیاءُ کا مصداق ہوگا۔

اس لئے امن اطمینان صرف اتباع شریعت اور عمل بالسنۃ ہی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمادے۔ ۱۲

عنهم لئلا يشغلوهم عملهم فيه
فان من لم يبلغ درجة الكمال
لا يقدر على مخالطة الناس كما
قال سيدنا عبد القادر الجيلانی
لا يضحك فی وجه الفاسق الا
العارف يضحك فی وجهه ليستنقذه
من يد الشيطان لانه طبيب
والطبيب يصبر على صحبة المرضى
والمجانين ومن لم يبلغ تلك
الدرجة فلا يسعه الا الفرار
من بلدة لبلدة وقرية لقرية
كلما عرف فی محل فر منه وهكذا
كان سيدنا عبد القادر جيلانی
فی بدايته يتحارس ولا يبيت
فی قرية ليلتين ولما بلغ
الدرجة التی لا تضره معها
مخالطة الناس جلس للارشاد +

(تنبيه): لو ان الحاكم عاقب
من تظاهر بمثل هذه الامور
على مقتضى الشريعة فلا اثم
عليه ولا حرج الا ان الغالب
فيمن هذه حالة ان تكون
له سلطنة على الخلق فلا يتوصلون
الى اذيته مع هذا فلا تصدر
مثل هذه الافعال الا من

اس وجہ سے کہ جو شخص بھی ان مشائخ میں سے کمال
کے درجہ کو نہیں پہونچا ہوتا تو وہ اپنے کو اختلاط اس کے
ضرر سے بچا نہیں سکتا جیسا کہ حضرت سیدنا عبد القادر جیلانیؒ
نے فرمایا ہے کہ فاسق کے منہ پر (اس کی کسی بات کی وجہ سے)
ہنسنا بجز عارف کے کسی اور کو زیب نہیں دیتا وہی اس کے
رو برو ہنس سکتا ہے (یعنی فی الجملہ اس کے ساتھ مجالست
اور مصاحبت اختیار کر سکتا ہے) تاکہ اس کو شیطان کے پنجہ سے
نکال لے اس لئے کہ یہ حضرات طبیب (روحانی) ہوتے ہیں اور
طبیب بیماروں بلکہ مجنونوں تک کی صحبت میں رہ سکتا ہے باقی
جو شخص کہ اس درجہ کا نہ ہو اس کیلئے تو فسّاق و فجار کی صحبت
سے سوا فرار کے چارۂ کار نہیں۔ اس سے بستی بستی، قریہ قریہ
بھاگنا چاہیئے یعنی جس مقام میں اس کا ہونا معلوم کرے وہاں
سے خود کھسک جائے۔ یہی حال تھا ہمارے سیدنا عبد القادر جیلانی
قدس سرہٗ کا انکے ابتدائی زمانہ میں کہ بالکل چپ رہتے تھے اور کسی
بستی میں دو شب بھی قیام نہ فرماتے تھے لیکن جب اس درجہ پر پہونچ گئے
جس مرتبہ میں کہ مخالطت کا ضرر ختم ہو جاتا ہے تو پھر ایک جگہ مسند
ارشاد پر جم کر بیٹھ گئے۔

(تنبیہ) اگر کوئی حاکم ایسے لوگوں پر جن سے اس قسم کے امور کا
صدور ہوتا ہو (یعنی جسد مثالی وغیرہ بنا کر اس سے کام لیتے ہیں)
شریعت کے احترام میں مواخذہ کرے یا اسکو کوئی سزا دے تو اس
میں کچھ مضائقہ نہیں ہے اور اسکو گناہ بھی نہ ہوگا۔ مگر یہ کہ
عام طور پر ہوتا یہ ہے کہ جس شخص کا ایسا حال ہوتا ہے تو مخلوق
کے قلب پر اس کا ایک رعب اور دبدبہ قائم ہو جاتا ہے۔
جس کی وجہ سے وہ لوگ ایسے شخص کو ایذا پہونچانے کی ہمت
ہی نہیں کر سکتے۔ بایں ہمہ جن لوگوں سے اس نوع کے افعال صادر

ضعیف کما تقدم واما الرجل الکامل فهو الذی یخرج مع الخلق بحکم العادة ولا یظهر علیه شئ مما ینکر الشرع ویستغرب به العادة۔

ومن اولیاء اللہ تعالیٰ من اطلعهم اللہ تعالیٰ علی ماقدر علیهم من الافعال فی باقی عمرهم من طاعة ومعصیة فهم یبادرون الیها (عہ) وبالجملة فان للمحققین موازین لا یعرفها علماء الرسوم ولهذا قالوا بتسلیم احوالهم کما ذکرنا۔

ومنها ان یمضی لما یأمره به شیخه من دون توقف ولا تاخیر ولا یصرف عنه صارف حتی قال بعض الشیوخ لبعض المریدین

بھی ہوتے ہیں وہ کامل نہیں ہوتے بلکہ جیسا کہ کہا گیا ہے ناقص اور ضعیف لوگ ہوتے ہیں کیونکہ کامل وہ ہے جو عام عادت کے مطابق مخلوق سے ملتا جلتا ہو اور ان کے ساتھ رہتا سہتا ہو اور اس سے کوئی ایسی شے نہ ظاہر ہو جو شریعت کے خلاف ہو یا جسکو عرفاً لوگ عجیب یا معیوب سمجھتے ہوں۔ (بہت نفیس مضمون ہے)

اسی طرح سے بہت سے اولیاء اللہ ایسے بھی ہوئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو تمام ان افعال پر مطلع فرما دیا تھا جو ان سے ان کی باقی عمر میں سرزد ہونے والے تھے خواہ وہ طاعت کے قبیل سے ہوں یا معصیت سے۔ چنانچہ اس کی علم کے بعد بھی انھوں نے ان سب ہی کاموں کو کیا۔ حاصل یہ کہ محققین کے میزان کو علماء رسوم نہیں سمجھ سکتے۔ اسی لئے ان حضرات نے یہ فرمایا ہے کہ ہر ایسے لوگوں کو احوال کو بس تسلیم ہی کر لیا جائے اسکے سوا چارہ نہیں۔

اسی طرح سے منجملہ آداب کے ایک ادب یہ ہے کہ شیخ نے جس چیز کا امر فرمایا ہے اسکو بلا تاخیر اور توقف کے کر گذرے تاکہ کوئی پھیرنے والی اسکو اس سے پھیر نہ دے یہاں تک کہ بعض مشائخ نے اپنے کسی مرید سے فرمایا کہ یہ تبلاؤ کہ اگر تمہارا شیخ تم کو کسی کام سے بھیجے اور تمہارا

عہ (قولہ فهم یبادرون الیها) یعنی یہ حضرات ان معاصی کا ارتکاب کرتے ہیں جو ان کیلئے مقدر ہو چکے ہیں اور جن پر اللہ تعالیٰ ان کو مطلع بھی فرما دیتے ہیں گویا گناہ ایسی حالت میں کرتے ہیں کہ وہ ان سے معاف بھی کئے جا چکے ہوتے ہیں بس گویا یہ حضرات اہل بدر ہوئے کہ جن پر کسی تنگی کا خوف نہیں کیا جاتا۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ شاید کہ اللہ تعالیٰ اہل بدر کے اخلاص پر مطلع ہو گئے۔ چنانچہ فرما دیا کہ تم اب جو چاہے کرو میں نے تم کو بخش دیا۔ بس یہی فرق ہے۔ ولی اور فاسق میں۔ یعنی ولی گناہ بھی کرتا ہے مگر استغفار بھی کرتا ہے اور جزیا علی قدر اللہ کرتا ہے نہ یہ کہ تکلیفات شرعیہ ان سے ساقط ہو جاتے ہیں اس لئے کہ یہ اعتقاد تو کفر ہے لہذا یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حج مبرور کی جزا بس جنت ہی ہے تو علماء فرماتے ہیں کہ اسکی صورت یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ اسکے سب اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیں گے۔ (اور پھر جنت میں داخل کر دیں گے) اور اللہ تعالے تو بہت نفس والے ہیں۔ اھ منہ ۱۲۔

ارأیت لو وجھك شیخك فی امر فمررت فی طریقك بمسجد لتقام فیه الصلوٰۃ ما تصنع ؟

گذر ایک مسجد کے پاس سے ہو جس میں نماز ہو رہی ہو تو تم ایسے موقع پر کیا کروگے ؟

فقال : مضی لامر الشیخ والا اصلی حتی ارجع فقال احسنت۔

اس مرید نے کہا کہ میں اپنے شیخ کے بھیجے ہوئے کام کو چلا جاؤں گا اور اس سے فارغ ہوکر لوٹ کر نماز ادا کرونگا۔ یہ جواب سن کر شیخ نے اسکی تحسین فرمائی[۱]

ومنھا النشاط والنھضہ وان لایرمی بنفسہ الی العجز والکسل ولا یرجف علی مقعدتہ ومتی تناول شیأ بعیداً عنہ وھو قاعد بحیث لا تنالہ یدہ حتی یخرج عن موازاۃ جلستہ فمتعطی تناولہ وخرج عن الجلسۃ المعتادۃ فھو

اسی طرح سے آداب مریدین میں سے چستی اور نشاط بھی ہیں اور یہ کہ خود کو عجز اور کسل کے ساتھ متہم نہ گردانے مثلاً شیخ کے سامنے آگے پیچھے ہٹتے ہیں، سرین کے بل نہ کھسکے اور جب شیخ کو کوئی شے دینی ہو اور شیخ اس سے ذرا دور بیٹھا ہو ایسا کہ بدون اپنی حیثیت کے بدلے ہوئے اور اس کے لینے کیلئے بلا تکلف ہاتھ بڑھائے ہوئے اور بدون اپنی نشست معتادہ کو بگاڑے ہوئے اس شے کو اس مرید کے ہاتھ سے نہ لے سکتا ہو تو اس کے اس طرح سے

---

[۱] افادہ - اس واقعہ کا ظاہر شریعت کے خلاف معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا شرعاً مطلوب ہے اور قاعدہ مشہور ہے۔ لاطاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق۔ پس اس مقام کی تاویل کی جائیگی وہ یہ کہ فقہ کا مسئلہ ہے کہ اگر بقدر چار آنہ کے نقصان ہو رہا ہے تو جماعت کا چھوڑ دینا بلکہ توڑ دینا تک جائز ہو جاتا ہے۔ لہذا یہاں بھی شیخ نے کسی ایسے ہی کام پر اسکو بھیجا ہوگا کہ اس میں تاخیر موجب نقصان ہوگی اس لئے جماعت کے ترک کرنے کو کہا ورنہ تو بدون کسی شرعی ضرورت کے نہ تو مرید کیلئے نماز یا جماعت کا ترک کرنا جائز ہے اور نہ پیر ہی کو اس کا حق پہونچتا ہے۔ اگر کوئی شخص اس قسم کا امر کرتا ہے تو اپنی حد سے تجاوز کر رہا ہے اور حق شرع میں مزاحمت کر رہا ہے جو کہ اس کے لئے جائز نہیں ہے کیونکہ شیخ مستقل نہیں ہوتا بلکہ متبع شریعت اور انبیاء علیہم السلام کا پیرو ہوتا ہے اور اس کا منصب صرف یہ ہے کہ لوگوں کو اللہ و رسول کی معرفت کرائے اور ان کے احکام پر لگائے نہ یہ کہ ادھر سے ہٹائے اور اپنی اتباع کرائے۔

اجز کسلان والواجب ان یقوم
لیہ قیاماً

دینے کی وجہ سے اسکو کاہل و عاجز اور کسلمند سمجھا جائے گا (کہ
خود تو آرام سے رہا اور شیخ کو زحمت دی) ایسی صورت میں مرید
پر لازم تھا کہ شیخ کے قریب جا کر کھڑا ہو جاتا اور اطمینان کیساتھ
وہ چیز اسے دیدیتا۔

وکذلك اذا قیل له احمل هذا
لشیٔ الی فلان او الی السوق او اشتر
كذا فقال هل ثم حاجة اخری حتی
یکون خروجاً واحداً۔ او یقول اصبر
حتی اخرج الی الصلوۃ او الی کذا
وافعل هذا فی طریقی فهذا عندهم
کسلان عاجز لا یشم مادامت هذه
صفته رائحة من التوحید الذوقی
فان الحقائق تعطی ان لا یحصل توحید
لمن کانت حرکة واحدة متعلقة
بواحد فمتی ماخرج المرید بحرکة
واحدة للصلوۃ وشراء حاجة او
بیعها فلا ینشق رائحة للتوحید
اصلاً۔

اسی طرح جب کسی مرید سے یہ کہا جائے کہ لو یہ سامان بازار
تک پہونچا آؤ یا فلاں شخص کو دے آؤ یا یہ کہا جائے کہ فلاں
چیز خرید لاؤ اس پر وہ یوں کہے کہ حضرت اس طرف کا کوئی اور
کام تو نہیں ہے تاکہ ایک ہی دفعہ میں ہو جائے یا یوں کہدے
کہ بہت اچھا ذرا سا ٹھہر جایئے میں جب نماز پڑھنے جاؤں گا یا
فلاں کام کرنے نکلوں گا تو راستہ میں آپ کا یہ کام بھی کرتا جاؤنگا
پس یہ شخص بھی ان حضرات کے نزدیک عاجز کاہل اور اہل کسل
میں سے ہے جب تک اس میں یہ صفت باقی رہے گی توحید ذوقی کی
بو بھی اسکو نہ ملیگی۔ اس لئے کہ حقائق کا یہ خاصہ ہے کہ وہ مقام
توحید تک صرف اسی کو پہونچاتے ہیں جس کیلئے ایک ہی حرکت ہو
اور ایک ہی کے لئے ہو تو جب مرید ایک ہی حرکت میں نماز اور بیع
یا شرا دو کاموں کے لئے نکلے گا تو یہ سمجھو کہ اس نے توحید کی
بو بھی نہیں سونگھی ہے۔ (اس کے ساتھ متصف ہونا تو
بجائے خود رہا)

ومنها الوفاء بکل ما یشرطه علیه
الشیخ سواء صعب ذلك علیه او
سهل فان طریق الله تعالی طریق
مجاهدة ومکارهة۔

اور منجملہ آداب کے ایک ادب یہ ہے کہ شیخ نے اس سے جو
عہد لئے ہوں اور جو شرائط مقرر کی ہوں ان سب کی دل سے پابندی
کرے خواہ اسکو دشوار معلوم ہوں یا آسان اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا راستہ
تو مجاہدہ اور نفس پر مشقت ہی برداشت کرنے کا راستہ ہے۔

ومنها ان لا یکلف احداً عمل شیئٍ یقدر علی عمله بنفسه وان یرفع کلفه عن الخلق مااستطاع +

منجملہ آداب کے مرید کا ایک ادب یہ ہے کہ جس کام کو خود کرسکتا ہو اسکی فرمائش کسی دوسرے سے نہ کرے اور جہاں تک اس سے ہوسکے مخلوق کو کلفت سے بچائے۔

ومنها ان لا یتحرک بحرکة اصلا مالم یعلم انها فی مرضاة الله تعالیٰ او حظ النفس فاذا وجد فیها حظ[ف] نفس اصلحه بالاعراض عنه او اخلص النیة لله تعالیٰ ویؤدها بما یقتضی من الادب والحضور +

اسی طرح سے ایک ادب یہ ہے کہ کسی کام کے لئے حرکت تک نہ کرے جب تک کہ یہ نہ جان لے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہے یا اپنے حظوظ نفس کی خاطر ہے۔ پس اگر اس میں ذرا سا بھی نفسانی حظ دیکھے تو اسکی اصلاح کرے باین طور کہ یا تو اس کام ہی کو ترک کردے یا اپنی نیت ہی کو درست کرے اور اسکو اس طریقہ سے انجام دے جیسا کہ آداب طریق اور حضوری حق کا تقاضا ہے۔

ومنها ان لا یترک احداً یتبرک به ویعظمه ومتی ما ترک المرید الناس یتبرکون به ویلحظون بعین التعظیم فاشهد بعدم فلاحه فان المرید فی اول امره کقرص العسل اذا اجتمع الناس علیه ویترکوا به مصّوا ما فیه من العسل ولا یبقی

اور منجملہ مریدین کے آداب کے ایک ادب یہ ہے کہ کسی کو اس بات کا موقع نہ دے کہ وہ اسے تبرک بنائے یا اسکی تعظیم کرے کیونکہ جب کوئی مرید لوگوں کو موقع دے کہ وہ اسکو تبرک بنائیں اور تعظیم کی نگاہ سے دیکھیں تو تم سمجھ لو بلکہ گواہ رہو کہ وہ کبھی کامیاب نہ ہوگا اسلئے کہ مرید اپنے ابتدائی حال میں شہد کے چھتے کے مانند ہوتا ہے تو اگر لوگ اس کے اردگرد جمع ہوتے ہیں اور اسکو تبرک بناتے ہیں تو گویا اس کے شہد کو چوس لیتے ہیں اور اب وہاں صرف موم

[ف] قوله فاذا وجد فیها حظ النفس الخ مؤلف کہتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ ایک سال مجھے سفر حج میں جانے کا اتفاق ہوا اس زمانہ میں مکہ کا امیر شریف عبداللہ بن عون تھا چنانچہ میرے اور اسکے درمیان اچھے تعلقات تھے تو جب بھی میں حج کے لئے اپنی نیت خالص کرتا تو مجھ سے میرا نفس کہتا کہ اچھا حج کو چل رہے ہو چلو وہاں شریف سے بھی ملاقات ہوگی۔ اس طور پر میرے نفس نے میری نیت میں شرکت پیدا کردی تھی اور میں یہ چاہتا نہ تھا چنانچہ میں نے اپنے دل میں یہ طے کرلیا کہ میں شریف سے ملنے جاؤنگا ہی نہیں اور نہ اس کے ساتھ کہیں جمع ہونگا۔ پس اسوقت جاکر جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں میری نیت اللہ تعالیٰ کے لئے خالص ہوگئی۔ ولله الحمد۔ ۱۲

الا الشمع ولهذا كانوا يفرون من مكان لمكان ومن قرية لقرية حتى لا يعرفوا وكان اقبح الدعاء عندهم ان يقول الرجل منهم لصاحبه اذاقك الله طعم نفسك فانه من ذاق طعم نفسه وهو التلذذ اذا نظر الناس اليه بعين التعظيم والتبرك لا يرجع فلاحه ابدا ۱ھ

ہی موم رہ جاتا ہے اسی وجہ سے پہلے زمانہ میں لوگ ایک جگہ سے دوسری جگہ اس بستی سے اس بستی بھاگے بھاگے پھرتے تھے تاکہ ان سے کوئی واقف ہی نہ ہو سکے چنانچہ بدترین بددعا جو قوم میں رائج تھی وہ یہ تھی کہ ایک سالک اپنے ساتھی سے کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ تجھ کو تیرے نفس کا مزہ چکھائے کیونکہ جس شخص نے اپنے نفس کا مزہ چکھا تو پھر اسکی فلاح کی کوئی امید نہیں اس لئے کہ نفس کی لذت سے مراد ان کی یہ ہوتی تھی کہ لوگ اسکو تعظیم اور تبرک کی نگاہ سے دیکھیں جس کا لذیذ ہونا ظاہر ہے۔

ومنها ان لا يعتقد في شيخه العصمة فانها لا تكون الا للانبياء صلوات الله وسلامه عليهم وغاية[ملہ] ما يعتقد في شيخه انه عالم بالله و

اور ایک ادب یہ ہے کہ اپنے شیخ کے متعلق عصمت کا عقیدہ نہ رکھے یعنی اپنے شیخ کو معصوم نہ سمجھے اس لئے کہ عصمت انبیاء علیہم السلام ہی کے لئے ثابت ہے زائد سے زائد اپنے شیخ کے بارے میں یہ عقیدہ رکھے کہ وہ عارف باللہ ہے۔ اور اللہ کی مخلوق کے لئے ناصح

ملہ (قولہ غایۃ ما یعتقد الخ) حکایت ہے کہ بعض مریدین نے اپنے شیخ کو ایک عورت سے زنا کرتے ہوئے دیکھا نہ تو ان سے نفرت کی اور نہ انکی خدمت میں کوتاہی کی اور نہ اپنے رسوخ میں کچھ خلل ڈالا اور نہ انکی نظروں میں ان کا احترام ہی کم ہونے دیا اور شیخ یہ جانتے تھے کہ اس نے مجھے دیکھ لیا ہے پس اس سے ایک دن دریافت کیا کہ عزیز من میں جاننا چاہتا ہوں کہ تم نے مجھے اس وقت دیکھا ہے جبکہ میں اس عورت کے ساتھ مرتکب گناہ ہو گیا تھا اور مجھے تو اس کا انتظار تھا کہ اب اسکے بعد تم میرے پاس سے بھاگ ہی جاؤ گے اور مجھ سے نفرت کرنے لگو گے (مگر تم نے ایسا نہیں کیا اسکی وجہ کیا ہوئی) مرید نے جواب دیا کہ اے میرے سید انسان اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے جاری ہونے کے محل میں واقع ہوا ہے (میں نے) جس وقت سے آپکی خدمت کے لئے آپکے پاس حاضر ہوا ہوں یہ سمجھ رکھا ہے کہ میں اس طور پر آپکی خدمت نہیں کر رہا ہوں کہ آپ معصوم ہیں بلکہ میں تو آپکی خدمت یہ سمجھ کر کر رہا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے طریق کے عارف ہیں اور اللہ تعالیٰ تک پہونچنے والے راستہ کے عارف ہیں جو کہ میرا مقصود و مطلوب ہے باقی رہی یہ بات کہ آپ معصیت کرتے ہیں یا نہیں تو یہ ایک ایسی چیز ہے جو آپکے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہے جسکے بارے میں مجھ سے کچھ سوال نہ ہوگا تو اے میرے سید آپ سے ایسی کوئی چیز تو واقع نہیں ہوئی جو آپکی جانب سے میری نفرت کا موجب ہو۔ مرید رشید کا یہ جواب سنکر شیخ نے فرمایا کہ تم سعید ہو اور موفق من اللہ ہو (بیشک یہی بات ہے اور مرید کو ایسا ہی ہونا چاہیئے ورنہ اسکے پلہ کچھ بھی نہ پڑیگا اور وہ محروم رہیگا) چنانچہ یہ مرید کامیاب ہو گیا اور سب ساتھیوں پر فوقیت لے گیا اور اسے حال اور مقام کے ایسے ایسے محاسن اور ایسے ایسے بلند و بالا کارنامے صادر ہوئے کہ جنہیں دیکھ کر دوسروں کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں اور اس میں شک نہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی سنت کا ایک نمونہ تھا کہ وہ مرید اپنے شیخ کے اسرار کا وارث ہوا لیکن اگر کسی کے قلب میں اپنے شیخ کے نقص کا خیال آئے تو اس کے لئے شیخ کے پاس قیام کرنا جائز ہی نہیں ہے (اسلئے کہ) جو مرید بھی اپنے شیخ میں نقص دیکھے اور پھر اس کے پاس جمع رہے تو وہ منافق ہے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں اسکو اسکی جوابدہی کرنی ہوگی۔ انتہی ۱۲۔

ناصح لخلق الله ۔ قیل لبعض السادة ایزنی العارف فقال وکان امر الله قدرا مقدورا ۔

اور خیر خواہ ہے (اور شیخ کے معصوم نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ) بعض مشائخ (یعنی حضرت جنیدؒ) سے سوال کیا گیا کہ کیا عارف بھی زنا کا مرتکب ہو سکتا ہے انھوں نے فرمایا کہ اللہ کی تقدیر غالب آکر رہتی ہے۔

ومن شروط المرید اذا دخل منزل الشیخ ان یجعل منزله والخلوة التی افرده شیخه فیها مثل قبره ولا یحدث نفسه بالخروج منها الی ان یموت ۔

اور منجملہ آداب مرید کے ایک ادب یہ ہے کہ جب شیخ کی خانقاہ میں داخل ہو تو اپنے اس حجرہ اور خلوت گاہ کو جہاں اس کے شیخ نے اسے تنہا رکھا ہے مانند اپنی قبر کے بنائے اور دل میں خیال بھی نہ لائے کہ مرنے سے پہلے اس سے نکلنا ہے۔

ومن آداب المرید ان یکون مشغولا بهم نفسه وهو العمل الذی امره به شیخه لا غیر فلو اشتغل بترفیه نفسه وهو مدبر لانه فی سفر والسفر مبنی علی المشقة فالحج الشعث الغبر وکل مرید غسل ثوبه لغیر نجسة او اکتحل او رجل شعره او حسن شیئا من زینة ظاهره لغیر ضرورة او امر شیخ فهو عامل لنفسه وقالوا لبعضهم مالا تمشط لحیتک فقال انی اذن فارغ ۔ ومنها[1] الحفظ والامانة فانه فی

اسی طرح سے منجملہ آداب مریدین کے ایک ادب ہے کہ اپنی اصلاح نفس کی مہم میں مشغول رہے اور مراد اس سے وہ عمل ہے جس کا حکم اسے اسکے شیخ نے دیا ہے اسکے سوا کوئی دوسرا کام نہ کرے اور اگر اپنے نفس کی آسائش میں مشغول ہو گیا تو یہ شخص ناکام و بد نصیب ہے اسلئے کہ وہ ایک سفر میں ہے اور سفر میں مشقتوں کا برداشت کرنا ناگزیر ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حج شکستہ حالی پراگندہ بالی اور گرد آلودگی کا نام ہے چنانچہ جو مرید کہ بدون نجس ہوئے اپنے کپڑے دھوتا ہو یا آنکھوں میں سرمہ لگاتا ہو یا اپنے سر میں کنگھا کرتا ہو یا بلا ضرورت اپنے ظاہر کی تزئین کرتا ہو یا بدون امر شیخ کے ان چیزوں کا مرتکب ہو تو وہ ان کاموں کو اپنے نفس کیلئے کرنیوالا سمجھا جائیگا۔ مشہور ہے کہ لوگوں نے کسی سالک سے پوچھا کہ اپنی داڑھی میں کنگھی کیوں نہیں کرتے اس نے جواب دیا کہ اگر میں کنگھی کروں تو اسکا مطلب یہ ہے کہ اتنا وقت میرا خالی ہے۔

[1] قوله ومنها الحفظ والامانة الخ) حکایت بیان کیجاتی ہے کہ ایک مرید نے اپنے شیخ سے اس امر کی درخواست کرتا تھا کہ وہ اسکو سر عطا فرمادے اور شیخ اس سے یہی فرماتے تھے کہ تم امین نہیں ہو اور مرید دعوی امانت کرتا تھا چنانچہ شیخ نے ایک بار اسکا امتحان لیا اس طور پر کہ ایک مینڈھا ذبح کیا اور اسکو ایک گٹھری میں باندھ کر رکھ دیا اسکے بعد مرید کو آتا دیکھ کر شیخ نے اسکو بطور تنبیہ کے بتایا کہ مجھ کو بھی فلاں شخص نے غصہ دلایا تو میں نے اسکو قتل کر دیا اور اسکے قتل سے مراد یہ لیا کہ اسکی خواہش کے مخالف کام کیا اور دیکھو یہ جو میں تم سے کہہ رہا ہوں امانت ہے تمہارے پاس اس راز کو چھپانا اور شیخ نے یہ کیا کہ اس لڑکے مرید کو جسکے متعلق تعریض کی تھی کہ اسکو قتل کر دیا ہے گھر کے اندر چھپا دیا اور مرید کے سامنے اس گٹھری کو اٹھایا اور اسکو اپنے مکان میں دفن کر دیا (جس سے مرید نے یہ سمجھا کہ یہ وہی میرا مقتول ساتھی ہے) اور پھر شیخ نے اس مرید کو اپنے فعل اور قول کے ذریعہ سے خوب غصہ دلایا اور مشتعل کیا یہاں تک کہ شیخ سے ناراض ہو کر اس مرید نے اس مقتول کے والد کو یہ اطلاع کر دی کہ شیخ نے تو اسکو کسی بات پر ذبح کر دیا ہے اور اپنے گھر میں دفن کر دیا ہے یہاں تک کہ اس نے سلطان کے یہاں مخبری کر دیا اور اس مرید نے جو مدعی امانت تھا اپنی تلوار شیخ پر اٹھائی (ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سرکاری پولس آگئی ہوگی اور شیخ کے مکان پر چھاپہ مارا ہوگا اور شیخ کا جرم ثابت کرنے میں صرف اتنی کسر رہ گئی ہوگی کہ اسکے گھر سے مقتول کی لاش برآمد کر دیجائے چنانچہ اسکے لئے یہی مدعی امانت صاحب ہی مامور ہوئے ہونگے کہ ادھر لاش برآمد ہوا اور یہ شیخ کا سر صاف کر دیں) پھر جس جگہ وہ گٹھری دفن کی گئی تھی اسے کھود کر اس گٹھری کو نکالا جب دیکھا تو اس میں مینڈھا نکلا اور اسکے بعد ہی دوسری جانب سے وہ چھپا ہوا مرید نکلا جو مدعی قتل کا لڑکا تھا اس واقعہ کو دیکھ کر یہ مدعی امانت صاحب رسوا ہو گئے۔ انتہی ۱۲

[2] قوله سر ہی لطیفة مودعة فی القلب کالروح فی البدن وهو محل المشاهدة کما ان الروح محل المحبة والقلب محل المعرفة (تعریفات سید)

طریق وهب الاسرار ولا توهب
الاسرار الا للامناء ؎

اور منجملہ آداب مریدین کے ایک ادب حفظ اور امانت بھی ہے اسلئے کہ وہ ایسے طریق میں اخل ہے جسمیں اسرار ہبہ کئے جاتے ہیں اور اسرار عطا نہیں فرمائے جاتے مگر ان لوگوں کو جو امین ہوں۔ کسی نے خوب کہا ہے کہ ؎

یقولون حدثنا فانت امینها
وما انا ان حدثتهم... بامین

لوگ کہتے ہیں کہ فلاں بات جو تمہیں معلوم ہے اور تم جسکے امین ہو ہمکو بھی
بتا دو میں کہتا ہوں کہ اگر وہ بات میں لوگوں کو بتا دوں تو پھر امین ہی کہاں رہ جاؤنگا۔

ومنها ان لا یقبل رفقا من احد حتی لا یکون فی قلبه مقدار لغیر شیخه والقول الجامع فی احوال المرید ان لا یتصرف ولا یسکن الا فیما یأمره به شیخه انتهی بتصرف و زیادة فی کلام الشیخ الاکبر +

اور منجملہ آداب مریدین کے ایک ادب ہے کہ کسی سے دوستی نہ کرے تاکہ اسکے قلب میں اپنے شیخ کے علاوہ کسی دوسرے کیلئے جگہ باقی نہ رہے اور ایک جامع بات مریدین کے احوال کے سلسلہ میں یہ ہے کہ کوئی تصرف نہ کرے اور کسی چیز میں اسے سکون نہ حاصل ہو سوائے اس کے کہ جس کا حکم اس کو اسکا شیخ کرے۔ انتہی کلامہ۔ یعنی شیخ اکبر کے ارشاد فرمائے ہوئے آداب ختم ہوئے کسی قدر زیادتی کمی کے ساتھ۔

وزاد السید مصطفی البکری فی بلغة المرید بعض اداب وهی ان لا یولیه ظهره اذا انصرف ولا یمشی امامه الا بلیل اوسیل ولا یساویه فی الصلوٰة لا فی الفرض ولا یهب ما یتداوی به ولا ینام علی وسادته ویستاذن الخادم فی الدخول علیه ولا یاکل معه علی المائدة الا ان اذن له فی شئی من ذالك ولا یتزوج بزوجته من بعده ولا یتکلم مع لصیقه بحضرته الا علی قدر الضرورة ولا یجیب سائلا فی حضرته وان یخفض صوته اذا تکلم بحضرته

اور سید مصطفی بکری نے اپنی کتاب بلغۃ المرید میں بعض آداب کا اضافہ فرمایا ہے مثلاً یہ کہ جب شیخ کے پاس سے پھرے تو اسکی جانب اپنی پیٹھ نہ کرے۔ نیز اسکے آگے آگے نہ چلے سوائے لیل یا سیل کے یعنی رات کو چل سکتا ہے یا کسی سیلاب اور پانی میں گذرنا ہو تو آگے چلے اور نماز میں اس کے برابر نہ کھڑ ہو سوائے فرض نماز کے اور اسے ایسی کوئی چیز ہبہ نہ کرے جسے وہ بطور دوا کے استعمال کرتا ہو اور اس کے تکیہ پر نہ سوئے اور خادم کو بھی چاہیئے کہ حجرہ میں داخل ہونے سے پہلے اجازت لے لے اور اس کے ساتھ دسترخوان پر نہ کھائے مگر یہ کہ وہ ان میں سے کسی چیز کی اجازت دیدے تب کر سکتا ہے اور شیخ کی بیوی سے اسکے وصال کے بعد نکاح نہ کرے اور شیخ کی مجلس میں اپنے ہم نشین سے بات نہ کرے مگر بقدر ضرورت اور شیخ کی موجودگی میں کسی سائل کا جواب نہ دے اور جب شیخ کے سامنے تکلم کرے تو اپنی آواز کو پست کرے اور اس کی

ولا یصحبه لعلة ولا ینبسط مع خاطر عنده ولیترك الضحك والخصام ومسابقة الکلام واذا نظر الیه فلینظر الیه بالمسارقة ولیجلس عنده علی رکبتیه کهیئة المصلی ولیعتقده اکمل اهل العصر +

وزاد شیخ شیخنا السید القصبی ان لا یدخل علیه الا متطهراً ولا یطرق علیه باب خلوته او داره بل ینتظر خروجه وان لا یتکلم بحضرته الا ان اذن له واذا تکلم خفض صوته وان لا یذکر له خاطراً او حالاً من احوال الطریق بحضرة الناس ولا ینصرف من عنده الا باذنه واذا انصرف فلا یولیه ظهره حتی یتواری عنه بجدار ونحوه ولا یکثر من مجالسته واذا دخل مکانه ولم یره جلس متادباً کانه بین یدیه +

وعلیه اکرام اولاده واصحابه واصدقائه وعشیرته ومن یلوذ به حتی ما لا یعقل فی حیاته وبعد مماته ویدخل علیه السرور ما امکن +

ولقد سألت استاذنا رحمه الله

صحبت میں کسی غرض کی وجہ سے نہ رہے اور شیخ کی خدمت میں رہتے ہوئے اگر کوئی وسوسہ آوے تو اسکے تقاضے سے زبان سے کوئی بُری بات نہ نکالے اور ہنسنا۔ جھگڑنا اور بات میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنا یہ سب چیزیں ترک کرے اور جب شیخ کی طرف دیکھے تو اسکو کنکھیوں سے دیکھے اور اسکے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھے جیسا کہ نماز کے قعدہ میں بیٹھا جاتا ہے۔ اور اسکو تمام اہل زمانہ سے کامل سمجھے۔

اور ہمارے شیخ کے شیخ حضرت سید قصبیؒ نے ان آداب میں کچھ اور اضافہ فرمایا ہے وہ یہ کہ شیخ کی خدمت میں پاکی کے ساتھ حاضر ہو اور شیخ اگر اپنے خلوت خانہ یا گھر میں ہو تو دروازہ کی کنڈی نہ کھٹکھٹائے بلکہ اسکے باہر نکلنے کا منتظر رہے اور یہ کہ اسکی موجودگی میں بدون اسکی اجازت کے گفتگو نہ کرے اور جب بات بھی کرنی ہو تو اپنی آواز کو پست کرے اور یہ کہ اس سے اپنے کسی خاطر یا طریق کے احوال میں سے کسی حال کا تذکرہ لوگوں کے سامنے نہ کرے اور اس کے پاس سے بدون اجازت کے نہ ہٹے اور جب ہٹے بھی تو اس کی جانب پشت نہ کرے یہاں تک کہ اسکی نظروں سے پوشیدہ ہو جائے یعنی کسی دیوار کی یا کسی مکان وغیرہ کی آڑ ہو جائے اور اس کے پاس زیادہ دیر نہ بیٹھے۔ اور جب اپنے شیخ کے مکان میں داخل ہو اور شیخ کو وہاں نہ پاوے تو وہاں ادب کے ساتھ بیٹھے۔ گویا کہ شیخ اس کے سامنے موجود ہے۔

اور مرید پر شیخ کی اولاد کی اور اس کے اصحاب کی اور اس کے احباب کی اور اس کے اعزہ کی یہاں تک کہ جو چیز شیخ کے یہاں رہتی سہتی ہو مثلاً کوئی جانور وغیرہ پلا ہوا ہو ان سب کی تعظیم و تکریم لازم ہے۔ شیخ کی موجودگی میں بھی اور شیخ کے بعد بھی اور یہ کہ جہاں تک ممکن ہو سکے اسے خوش رکھیں۔

میں نے اپنے شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ان امور

تعالیٰ عن امور تعرض لی اخاف ان ذکرتہا لہ ان یدخل علیہ غم بسببہا لما اعلم من شفقتہ وارید ذکرہا لہ رجاء دعاءہ وحسن توجہاتہ ما الادب فی ذلک فقال ذکرہا ثم رایت بعد ذالک فی کلام شیخ شیخنا السید قصبی ما نصہ اذا طرقت المرید آفۃ فلیبادر الی شیخہ فانہ لن یصیب المرید آفۃ مادام شیخہ متوجہا الیہ +

کے متعلق جو مجھے پیش آئے اور مجھے یہ خوف ہوا کہ اگر میں ان کا ذکر شیخ سے کرتا ہوں تو اسکی وجہ سے شیخ غمگین ہوں گے اس لئے کہ مجھے ان کی شفقت کا خوب اندازہ تھا لیکن میں نے یہ چاہا کہ ان کا تذکرہ شیخ سے کروں تاکہ مجھے دعا ہی دیدیں اور میری جانب توجہ فرمائیں (ان امور کے متعلق) میں نے سوال کیا کہ ایسی صورت میں کیا مناسب ہے یعنی مجھے ذکر کرنا چاہیئے یا نہ کرنا چاہیئے تو شیخ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں بیان کر دینا چاہیئے۔ پھر اسکے بعد میں نے اپنے شیخ کے شیخ سید قصبی کے کلام میں یہ دیکھا کہ جب کسی مرید کو کوئی آفت پیش آئے تو فوراً اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اسلئے کہ کبھی کسی مرید کو کوئی مصیبت نہیں پہونچتی جب تک کہ اس کا شیخ اس کی جانب متوجہ رہتا ہے۔ (اس لئے امید ہے کہ اس کی توجہ سے یہ مصیبت دور ہو جائے گی۔)

ومنہا الصبر علی جفاء استاذہ فنعلہ فعل ذلک یمتحنہ +

اور منجملہ آداب مریدین کے ایک ادب یہ ہے کہ اپنے شیخ کی سختیوں پر صبر کرے اسلئے کہ شاید اس نے اس کا امتحان لینے کے لئے ایسا کیا ہو۔

ومنہا ان لا یفعل شیأ من امور الدنیا الا باذنہ ولا یخرج عن اذنہ ظاہراً وباطناً ولو بلغ[1] غایۃ الکمال ولا یفارق مجلس ذکرہ او وعظہ او درسہ الا لضرورۃ ولا یتثائب بحضرتہ وکذا لا یتربع ولا یستند الی شیء الا بامرہ ولا یاکل وہو ینظر الیہ +

اور منجملہ آداب مریدین کے ایک ادب یہ ہے کہ دنیوی امور میں سے بھی کوئی کام بدون اسکی اجازت کے نہ کرے اور ظاہر و باطن میں اسکی اجازت سے تجاوز نہ کرے اگرچہ غایت کمال کو پہونچ جائے[1] اور شیخ کے ذکر اور پند و نصیحت اور درس کی مجلس کو بلا ضرورت ترک نہ کرے اور اسکے سامنے جمائی نہ لے اسی طرح اسکے روبرو چار زانو ہو کر نہ بیٹھے اور کسی چیز سے ٹیک نہ لگائے بدون اس کی اجازت کے اور اس کے سامنے کوئی چیز نہ کھائے۔

[1] (قولہ ولو بلغ غایۃ الکمال) یہ تو مصنف نے اسکے خلاف بات فرمائی جو پہلے فرما چکے ہیں کہ مرید جب کمال کے مرتبہ کو پہونچ جائے تو اسکو اپنے شیخ سے کسی معاملہ میں اجازت لینے کی حاجت نہیں اور نہ اب وہ اس کے احکام کا تابع ہوتا ہے۔ شاید یہاں خود فرما رہے ہیں وہ اس شخص کیلئے ہو جس کا سلسلہ اخذ فیض ابھی اپنے شیخ سے منقطع نہ ہوا ہو ورنہ اس وقت اسکو فیض حق تعالیٰ ہی سے لینا چاہیئے نہ کہ شیخ سے۔

(افادہ)

اس مقام پر کتاب ہذا کا باب ثانی ختم ہوتا ہے جس میں مصنف نے مریدین کے آداب بیان کئے تھے اور اس سلسلے میں ایک جامع قول یہ بیان فرمایا تھا کہ ان لا یتصرف ولا یسکن الا مایامرہ بہٖ شیخہٗ۔ یعنی مرید کا سب سے بڑا ادب یہ ہے کہ اپنے کو تصرف سے خالی کرے اور کسی چیز میں اس کے دل کو قرار نہ ہو بجز شیخ کے ارشادات کے۔ بلاشبہہ یہ ایک جامع اصول ہے اور بہت سی جزئیات پر حاوی ہے اسی طرح سے آداب شیخ و مرید سے متعلق میں بھی ایک قاعدہ کلیہ بیان کرتا ہوں غور سے سنئے :-

وہ قاعدہ یہ ہے کہ شیخ تعلیم و تربیت کے باب میں مستقل نہیں ہے بلکہ نائب اور پس رَو ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور یہ اس لئے کہ خود ولایت ہی فرع ہے نبوت کی۔ لہٰذا مشائخ کے آداب بھی فرع ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب کے۔ چنانچہ کتاب و سنت میں صحابہ کے جو آداب منقول ہیں یعنی یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ حضرات اس طرح پیش آئے تھے تو علماء و مشائخ کے ساتھ ان کے مریدین اور مطیعین بھی صرف انھیں آداب کو برت سکتے ہیں۔ ان سے تجاوز کرنا جائز نہیں لہٰذا نہ تو کسی شیخ کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے مریدین سے ایسے آداب کا خواہاں ہو جو حضرات صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں برتے باوجودیکہ ان حضرات نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنا مانا ہے کہ کسی نے کسی کو اتنا نہیں مانا اور نہ مریدین ہی کے لئے جائز ہے کہ وہ مشائخ کی اتباع ان امور میں کریں جنمیں یہ حضرات خود متبع سنت نہیں ہیں۔

یہ ایک ایسا قاعدہ اور معیار ہے کہ اگر آج مشائخ اور مریدین اپنے اپنے آداب کو اس پر ڈھال لیں تو پھر کسی کو بھی اس تصوف پر انکار نہیں ہو سکتا۔ بات جو بگڑی ہے اور لوگوں کو تصوف پر انکار و اعتراض جو ہوا ہے وہ اس وجہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے ساتھ ساتھ مشائخ کا بھی طور طریق جاری ہو گیا جس کا ضرر یہاں تک پہونچا کہ طریقت ایک مستقل شے ہو کر شریعت کے مقابل آگئی چنانچہ زبانوں پر یہ مقولہ آنے لگا کہ طریقت اور ہے اور شریعت اور ہے۔ حالانکہ علماء نے فرمایا ہے کہ یہ کلمہ کفر ہے۔

دین خدا کا ہے اور شریعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی ہے اصل متبوع حضور ہی ہیں اور علماء و مشائخ کی جو اتباع کی جاتی ہے تو اسی لئے کہ یہ حضرات متبع سنت اور پابند شریعت ہوتے ہیں اسلئے شیخ کو سب سے پہلے یہ ثابت کرنا ہوگا کہ ہم نائب ہیں اور اگر بربنائے بشریت و عدم عصمت اس سے کوئی کام خلاف شرع ہو جائے تو اسے اپنی غلطی کو تسلیم کرنا ہوگا۔ اور لوگوں سے (اگر ان کو بھی اس غلطی کا علم ہو جائے) یہ کہنا ہوگا کہ ہم سے اس باب میں غلطی ہوئی اور شریعت کا حکم اس موقع پر یہ تھا۔ دین کا انقیاد کرنا ہوگا اور شریعت سے منازعت اس کے لئے جائز نہ ہوگی یہ معیار ہے کسی کے شیخ کامل ہونے کا۔

مثال کے طور پر حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ بیان کرتا ہوں کہ ملا حسام الدین محتسب نے حضرت کی خدمت میں سماع اور وجد چھوڑنے کے بابت ایک فرمان شرعی بھیجا حضرت قطب العالم نے قبول فرمایا جب دو تین روز اسی طرح گذر گئے کہ حضرت نے نہ اس زمانہ میں گانا سنا اور نہ آپ کو وجد ہوا۔ اہل قصبہ نے طعنہ زنی شروع کی اور کہا کہ حضرت نے شیخ او جھر کی سزا کے خوف سے گانا بجانا اور وجد چھوڑ دیا اور توبہ کرلی۔ بعض لوگوں نے حضرت کی خدمت میں یہ ماجرا عرض کیا۔ کہ لوگ ایسا ایسا کہتے ہیں حضرت نے فرمایا کہ ہم مسلمان ہیں اور مسلمان کی اولاد ہیں۔ شریعت کے حکم کو ہم نے مان لیا اور قبول کرلیا۔ سبحان اللہ حضرت کے جواب سے کس قدر فتویٰ شرعی کا انقیاد معلوم ہوتا ہے۔ اصل بزرگی یہی ہے۔ شیخ خود بہت بڑے عالم تھے۔ لیکن محتسب کے احتساب پر فوراً سماع کو ترک فرمادیا۔

دوسرا واقعہ سنئے۔ توکل شاہ صاحب ایک بزرگ تھے۔ کتا پالے ہوئے تھے۔ حدیث شریف میں کتا پالنے کی ممانعت آئی ہے کہ جس گھر میں کتا ہوتا ہے اس میں رحمت کے فرشتے نہیں داخل ہوتے۔ ان بزرگ کے یہاں کوئی عالم صاحب تشریف لے گئے۔ اور ان کے کتا پالنے پر نکیر کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ ان کی زبان سے یہ سنتے ہی شاہ صاحب نے کتے سے فرمایا کہ بھیا تم یہاں سے چلے جاؤ۔ مولوی صاحب کہہ رہے ہیں کہ نبی صاحب نے کتا پالنے کو منع فرمایا ہے۔ یہ سننا تھا کہ کتا اٹھا اور ایک طرف کو چلدیا۔ پھر اس کے بعد کسی نے اس کتے کو دیکھا ہی نہیں معلوم نہیں کسی اور شہر میں چلا گیا یا کہیں ڈوب کر مرگیا۔ اس واقعے سے بتلانا یہ مقصود ہے کہ جو حضرات کہ متبع سنت ہوتے ہیں وہ ہر ہر موقع پر سنت اور شریعت ہی کو مقدم

رکھتے ہیں۔ یہاں بھی شاہ صاحب کے لئے گنجائش تھی کہ ان عالم سے فرمادیتے کہ میں نے ضرورۃً پال رکھا ہے۔ اس لئے کہ حدیث شریف میں جہاں ممانعت آئی ہے وہیں حراست یا شکار کا استثنا بھی آیا ہے۔ لیکن ان بزرگ نے شریعت کا حکم سنکر ان عالم سے منازعت بھی گوارا نہ کی۔ اور فوراً کتے کو باہر نکال دیا۔

اس قسم کے بے شمار واقعات موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مشائخ اہل حق کے نزدیک کتاب و سنت سب سے مقدم چیز ہے اور ان حضرات نے قولاً و لساناً اس کا اعتراف بھی کیا ہے کہ ہمیں طریق میں جو کچھ ملا ہے وہ اتباع صادق ہی سے ملا ہے۔ چنانچہ علامہ شعرانی الیواقیت والجواہر میں کرامات الاولیاء کے مبحث میں لکھتے ہیں کہ نحن مع الرسل فی خرق العوائد التی یختص بہا ورثناھم فیہا بحکم صدق التبعیۃ لاغیر یعنی رسولوں کے ساتھ ہمارا معاملہ ان خوارق میں جو ان کے ساتھ مخصوص تھے اور جنھیں ہم نے ان سے وراثۃً پایا ہے یہ ہے کہ ہم نے اسکو ان کی سچی اتباع کی بدولت پایا ہے۔ اسی طرح سے ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ وتقدم فی مبحث المعجزات تقیید قولھم ما کان معجزۃ لنبیّ جاز ان یکون کرامۃ لولیٍّ بما اذا اظھر الولی الکرامۃ بحکم التبع لا بحکم الاستقلال من غیر اتباع للمشروع یعنی پہلے معجزات کی بحث میں ہم کہہ آئے ہیں کہ مشائخ کا یہ قول جو مشہور ہے کہ جو چیز کسی نبی سے بطور معجزہ کے صادر ہو تو جائز ہے کہ وہی چیز ولی سے بطور کرامت کے صادر ہو تو یہ اس صورت کے ساتھ خاص ہے جبکہ ولی سے وہ کرامت نبی کی تبعیت کے طور پر ہو یعنی بطور استقلال کے نہ ہو اور استقلال کا مطلب یہ ہے کہ وہ متبع شریعت نہ ہو۔

دیکھئے علماء کی ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ جس طرح ولایت مستقل چیز نہیں ہے اور ولی مستقل نہیں ہوتا اسی طرح سے کرامت بھی مستقل نہیں ہے اور جس طرح ولایت نبوت کے تابع ہے اسی طرح کرامت بھی معجزہ کی فرع ہے غرض مستقل نہ ولی ہے نہ ولایت ہے اور نہ کرامت ہے اور جس کو یہاں استقلال کہا گیا ہے صاحب روح المعانی نے اسی کو استبداد سے تعبیر فرمایا ہے چنانچہ آیت یا ایھا الذین آمنوا لاتقدموا بین یدی اللہ ورسولہ کے تحت فرماتے ہیں کہ فالنھی عن الاستبداد بالعمل فی امر دینی لامطلقاً من غیر مراجعۃ الی الکتاب والسنۃ یعنی آیت بالا میں اللہ اور رسول کے حکم پر تقدیم سے جو منع فرمایا گیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ کسی معاملہ میں ان کے حکم سے تجاوز نہ کرو اور کسی عمل میں مستقل نہ ہو تو یہ استبداد بالعمل جو منع ہے کو

دین میں منع ہے مطلقاً نہیں اور استبداد بالعمل یہ ہے کہ کتاب و سنت کی جانب مراجعت کئے بغیر اپنی طبیعت سے جو چاہے کرے۔

دیکھا آپ نے استبداد اور استقلال کی قباحت نص میں وارد ہے لیکن آج یہ ہو گیا ہے کہ مشائخ مستقل بن بیٹھے ہیں اور ان کی سنت واجب العمل قرار پاگئی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت متروک ہو گئی ہے یہ ایک ایسی بدعت اور بنیادی خرابی پیدا ہو گئی ہے جسکی وجہ سے تصوف ہی بدنام ہو گیا ہے چنانچہ تصوف کی کتابوں میں جہاں بہت سی اچھی اچھی اور کام کی باتیں موجود ہیں وہیں اس قسم کے واقعات اور حالات بھی ملتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید یہ حضرات اپنے کو مستقل سمجھتے ہیں اسی چیز نے بہت سے علماء کو مشائخ کا مخالف اور تصوف کا منکر بنا دیا اس لئے کہ ان کے سامنے جب اس قسم کے واقعات آئے جو بالکل خلاف شرع ہیں تو انھوں نے سمجھا کہ یہ لوگ تو دین ہی کو ڈھادیں گے کیونکہ ایک فعل جس کا کرنا بلکہ اس کا زبان پر لانا بھی شریعت میں منع ہو اسی کو یہ حضرات مرید کی عقیدت کا امتحان لینے کے لئے پیش کر رہے ہیں اور پھر اس پر مرید کی تعریف و تحسین بھی فرمائی جارہی ہے تو اس سے انھوں نے سمجھا کہ ان لوگوں کی لائن ہی بدل گئی ہے اور راستہ سنت کے خلاف اختیار کیا گیا ہے اور بات بھی یہی ہے کہ کوئی شخص جب بداعتقادی کا کام کرے گا تو لوگ ضرور اس سے بداعتقاد ہوں گے پس کھلم کھلا کسی کو شریعت کے خلاف کام کرتے ہوئے دیکھ کر اس سے بداعتقاد ہو جانا کچھ برا نہیں ہے بلکہ شریعت کے ساتھ عین اعتقاد ہے اور دین سے محبت کی دلیل ہے اسی لئے میں کہتا ہوں کہ جس طرح مرید کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ شیخ کے ساتھ اعتقاد رکھے اسی طرح مشائخ بھی اس کے مکلف ہیں کہ کوئی کام بداعتقادی کا نہ کریں۔ اور اگر کوئی ایسی چیز وقوع میں آہی جائے جس سے دوسروں کو کچھ شبہہ یا غلط فہمی پیدا ہو تو مشائخ کے ذمہ یہ بھی ضروری ہے کہ اپنے اس فعل کی وجہ بیان کر دیں نہ یہ کہ اس سے یہ کہیں کہ "میں جانتا ہوں کہ تم نے مجھے اس حالت میں دیکھ لیا ہے جب کہ میں فلاں عورت کے ساتھ مرتکب زنا ہو کر فاسق ہو گیا تھا کیونکہ جس طرح شریعت میں معصیت حرام ہے اسی طرح اظہار گناہ بھی گناہ ہے اور جس طرح فسق کرنا برا ہے اسی طرح مواقع تہمت سے بچنا بھی ضروری ہے۔

احیاء العلوم میں ہے کہ شریعت نے تہمت کے موقعوں میں پڑنے سے بھی منع کیا ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اِتَّقُوْا مَوَاضِعَ التُّهَمِ اور نہ یہ کہ صرف ارشاد ہی

فرمایا بلکہ آپ کا عمل بھی اسی کے مطابق تھا جیسا کہ ایک روایت میں ہے۔ علی بن حسینؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت صفیہ بنت حییؓ بیان فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں معتکف تھے۔ میں آپ سے کچھ گفتگو کرنے کے لئے مسجد گئی جب شام ہوئی اور میں گھر آنے لگی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی کھڑے ہوئے اور ہمارے ساتھ چلنے کے لئے آمادہ ہوئے اتنے میں انصار کے دو شخص پاس سے گذرے سلام کیا اور آگے بڑھ گئے۔ آپ نے ان دونوں کو بلایا اور فرمایا کہ یہ بی بی جو میرے ساتھ ہیں میری زوجہ صفیہ بنت حیی ہیں ان دونوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم تو آپ کے ساتھ خیر ہی کا گمان رکھتے ہیں آپ نے فرمایا پھر کیا ہوا بلاشبہ شیطان انسان کے جسم میں خون کی طرح دوڑتا ہے اور مجھے یہ خوف ہوا کہ کہیں تم دونوں میں سے کسی کے قلب میں وہ کوئی وسوسہ نہ ڈالے (جسکی وجہ سے تم ہلاک ہو جاؤ) اس کے بعد امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ :۔

فانظر کیف اشفق صلی اللہ علیہ وسلم علی دینھما فحرسھما وکیف اشفق علی امتہ فعلمھم طریق الاحتراز من التھمۃ حتی لا یتساھل العالم الورع المعروف بالدین فی احوالہ فیقول مثلی لا یظن بہ الا الخیر عجابا منہ بنفسہ +	دیکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے دین پر کیسی شفقت فرمائی کہ ان دونوں کو سوءظن سے بچا لیا۔ اور دیکھو آپ نے امت پر کیسی شفقت فرمائی کہ ان کو تہمت سے بچنے کا طریقہ تعلیم فرما دیا تاکہ کوئی عالم۔ پرہیزگار جس کو دین کا خیال ہو وہ سستی نہ کرے یعنی عجب وناز میں آکر یہ نہ کہنے لگے کہ مجھ جیسے شخص سے تو لوگ اس باب میں بدگمانی کریں گے نہیں لہذا اس فعل میں کیا مضائقہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا سدباب فرما دیا۔

(احیاء العلوم ص۳۶ ج۳)

دیکھئے اس میں امام غزالی تصریح فرما رہے ہیں کہ تہمت کے موقعوں سے بچنا اور دوسروں کو بدگمانی سے بچانا یہی طریق سنت ہے اب اہل طریق کا انہیں سب نصوص پر عمل نہیں رہا اسلئے لوگوں میں طریق کا انکار پیدا ہو گیا ورنہ اصل میں تو تصوف راہ صفا اور طریق سنت ہی کا نام تھا۔ حضرت سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ؎

مپندار سعدی کہ راہ صفا — تواں رفت جز بر پئے مصطفیٰ

(وفی نسخۃ) محال است سعدی کہ راہ صفا — تواں رفت جز بر پئے مصطفیٰ

خلاف پیمبر کسے رہ گزید — کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید

کتاب وسنت پر عمل کرنے کے تو ہم مکلف ہیں باقی اس کے مکلف نہیں ہیں کہ کسی عالم یا بزرگ کا اتباع ہر ہر جزئی میں کریں اگرچہ وہ خلاف شریعت ہی کیوں نہ ہو۔ زیادہ سے زیادہ ایسے مواقع پر ہم یہ کرسکتے ہیں کہ ان حضرات کے اس قسم کے اقوال وافعال کی تاویل کرلیں بشرطیکہ اپنے عام حالات میں ان کا متبع سنت ہونا ثابت ہوچکا ہو اور اس کے مکلف ہیں کہ ان کے ساتھ حسن ظن رکھیں نہ ان پر سب وشتم کریں اور نہ ان کی عیب جوئی کریں۔ دل سے ان کا احترام کریں۔ لیکن اس خاص قول وفعل میں جو سنت کے خلاف ہے ان کا اتباع بھی نہ کیا جائے گا۔

یہی وہ قاعدہ کلیہ تھا جسے آداب شیخ والمرید کے بیان کے سلسلہ میں میں بھی بیان کرنا چاہتا تھا۔ اس سے ان تمام اشکالات کا جواب ہو جاتا ہے جو مشائخ کے قول وفعل پر کئے جاتے ہیں میں نے اس سے قبل باب کے درمیان میں کہیں کہیں اس مسئلہ پر گفتگو کی ہے اور اب اخیر میں اس پر مفصل کلام اسلئے کردیا تاکہ مسئلہ اچھی طرح ذہن نشین ہوجائے۔

مزید توضیح کے لئے اس موقع پر مصنفؒ کا بیان کردہ ایک ادب بیان کرتا ہوں اور اس پر کلام کرتا ہوں۔ مثلاً مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے آداب مریدین میں سے ایک ادب حفظ وامانت بھی بیان فرمایا تھا اور اس سلسلے میں ایک حکایت بیان کی ہے کہ کوئی شخص شیخ سے سر کا طالب ہوا شیخ نے فرمایا کہ تم امین نہیں ہو اس لئے اس کے اہل نہیں ہو اس نے امانت کا دعویٰ کیا اس پر شیخ نے اسکا امتحان لیا اس میں تو کوئی شک نہیں کہ امتحان نہایت ہی پُرلطف اور بہت ہی خوب تھا لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اس قسم کا امتحان شرعاً بھی جائز ہے یا نہیں؟ اور میں تو یہ کہتا ہوں کہ مرید کا تو امتحان پیر کے سامنے ہر آن ہی ہوتا ہے یعنی اس کے قول وفعل وحال سے شیخ سمجھ لیتا ہے کہ یہ ناقص ہے یا کامل۔ باقی ایسے مواقع بہم پہونچانا اور ایسے افعال کرنا کہ جن سے مرید بدظن اور بدعقیدہ ہوجائے بلکہ شیخ کے مدمقابل ہوکر اس پر جری ہوجائے یہ تو کسی طرح بھی جائز نہیں۔

چنانچہ یہاں بھی مرید کے امتحان کا اثر اچھا نہیں پڑا۔ یوں بزرگوں نے مریدوں کے امتحان بھی لئے ہیں لیکن حدود کے اندر رہتے ہوئے۔ مثلاً ایک بزرگ کا واقعہ ہے کہ ان کو کسی رافضی نے جھک کر فرشی سلام کیا (یعنی جھک کر زمین کے قریب تک ہاتھ لے گیا اور پھر کھینچتے ہوئے اٹھا کر اپنی پیشانی پر رکھ لیا) ان بزرگ نے اس پر اسے ٹھینگا دکھادیا اس کے بعد اس شخص نے ان کی خدمت میں اشرفی پیش کی ان بزرگ نے اسے منہ چڑھادیا لوگوں نے عرض کیا حضرت جواب کی حقیقت نہیں سمجھ میں آئی

آخر اس طرح جواب دینے میں کیا راز تھا۔ فرمایا کہ میں نے اس کے تکلفات کی اصلاح کرنی چاہی تھی
اس لئے اس انداز سے اس نے مجھے جب سلام کیا اور پھر اپنے سر پر ہاتھ رکھ لیا۔ میں نے اسے اس
پر محمول کیا کہ وہ مجھ سے یہ کہہ رہا ہے کہ میری تو قسمت پھوٹ گئی تو میں نے اسے ٹھینگا دکھا دیا کہ تیری
قسمت پھوٹ گئی تو میرے ٹھینگے سے اس کے بعد اس نے اشرفی پیش کی۔ میں نے یہ خیال کیا کہ ظاہر
میں تو یہ مجھے دے رہا ہے لیکن دل سے مجھے مانتا نہیں اس لئے میں نے بھی اسکو منہ چڑھا دیا اور یہ سب
اس لئے کیا تاکہ یہ معلوم کریں کہ اس کا کیا اثر لیتا ہے۔ دیکھئے یہاں ان بزرگ نے بھی اس شخص کے اعتقاد
کا امتحان لیا لیکن کوئی چیز ایسی نہیں کی جو کہ خلاف شرع ہوتی۔

اسی طرح سے شاہجہاں حضرت شیخ سلیم چشتیؒ کی خدمت میں جایا کرتے تھے ایک مرتبہ ان کے
ساتھ ایک عالم بھی تشریف لے گئے حضرت پاؤں پھیلائے ہوئے بیٹھے تھے۔ ان حضرات کے پہونچنے
کے بعد بھی اسی طرح بیٹھے رہے ان عالم کو ناگوار ہوا۔ بادشاہ کو بدظن کرنے کے لئے حضرت سے پوچھا کہ
حضرت نے یہ پاؤں کب سے پھیلا رکھے ہیں حضرت نے برجستہ جواب دیا کہ جب سے ہاتھ سکوڑ لئے ہیں۔ نہایت
ہی لطیف جواب دیا اس پر ان عالم صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اپنے سے طمع کی نفی فرمارہے ہیں؟
حالانکہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ یشیب ابن آدم و یشب فیہ خصلتان الحرص وطول الامل یعنی
انسان بوڑھا ہوتا ہے اور دو خصلتیں اس میں جوان ہوتی ہیں۔ ایک حرص دوسرے طول امل۔ حضرت
نے فرمایا کہ بھائی جوان تو وہ ہو جو پہلے کبھی پیدا بھی ہوئی ہو اور میرے اندر حرص کبھی پیدا ہی نہیں ہوئی
پھر وہ جوان کیا ہوتی۔ یہ جواب سن کر عالم صاحب خاموش ہو گئے۔

مجھے اس واقعہ سے یہ بتلانا مقصود ہے کہ ہو سکتا ہے کہ شیخ نے بادشاہ کے سامنے پاؤں
قصداً پھیلا رکھے ہوں تاکہ اس کا کسر نفس ہو اور شیخ کی عظمت و جلالت اس کے قلب میں جاگزیں
ہو اور اپنی بڑائی اور انانیت سر سے نکلے اس لئے ان عالم صاحب کا اعتراض صحیح نہیں تھا بلکہ
میں تو یہ کہتا ہوں کہ انھیں اعتراض کرنا بھی نہ آیا اگر وہ ان بزرگ سے یہ فرماتے کہ آپ نے ہاتھ سکوڑنے
کے متعلق جو فرمایا ہے تو یہ بہت خوب ہے زہد و ترک دنیا ہے لیکن بادشاہِ وقت کے سامنے اس طرح
سے جو آپ پاؤں پھیلائے ہوئے ہیں تو اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ یہ توقیر سلطان اور اکرام مسلم
کے خلاف ہے۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس نشست کے ساتھ کبھی صحابہ کے درمیان نہیں بیٹھے
لہذا آپ کے اس عمل کی وجہ سے آپ سے کئی سنتیں متروک ہو گئیں۔ یہ بات اگر وہ عالم صاحب فرماتے

تو شاید وہ بزرگ لاجواب ہو جاتے۔

غرض مرید تو ہر وقت امتحان ہی میں رہتا ہے اب اس کے لئے امتحان کے نئے نئے طریقے ایجاد کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ یوں تو شیخ کو اجازت ہے کہ وہ مرید کے صدق و اخلاص و عقیدت کا امتحان لے۔ لیکن نہ ایسے طریقوں سے کہ جو بظاہر موحش ہونے کے علاوہ خلاف شرع بھی ہوں۔

دوسری بات مصنف ؒ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ اگر کسی وجہ سے مرید کے قلب سے شیخ کی عظمت کم ہو جائے اور اس کا اعتقاد جاتا رہے تو اس کے بعد اس کے پاس بنا نفاق ہے اس کو کہیں اور چلا جانا چاہیئے۔

میں کہتا ہوں کہ ابھی ابھی تو یہ ادب بتایا گیا ہے کہ مرید کے لئے جائز نہیں کہ مشائخ میں عصمت کا عقیدہ رکھے جب یہ بات ہے تو اب اگر کسی مرید کے قلب میں شیخ کے کسی فعل کی وجہ سے کوئی وسوسہ اور بدعقیدگی پیدا ہو جائے۔ تو اسکو سمجھنا چاہیئے کہ یہ اسی کا نقص ہے چنانچہ اسکی اصلاح کرنی چاہیئے یہ نہیں کہ وہ شیخ کے پاس سے بھاگ جائے یا شیخ ہی اسکو نکال دے۔ اسلئے کہ جب یہ معلوم ہے کہ شیخ معصوم نہیں ہوتا تو پھر اس سے اگر کوئی بات سرزد ہو گئی تو تعجب ہی کیا ہے۔ معصوم ہونے کا مطلب ہی یہ ہے کہ معصیت اس سے صادر ہو سکتی ہے۔ اور یہ عیب نہیں عیب جو ہے وہ یہ کہ کسی غیر معصوم سے کوئی معصیت صادر ہو اور وہ اس سے توبہ بھی نہ کرے بلکہ مصر رہے تو یہ چیز تو ایک مومن کی شان سے بعید ہے۔ چہ جائیکہ کسی شیخ کامل سے۔ مرید اگر اس طرح سے کسی ایک بات کو دیکھ کر شیخ سے بدعقیدہ ہو جائے گا اور اسکو ترک کردیگا تو دوسرے جس کسی کے پاس جائیگا تو وہ بھی تو معصوم نہ ہوگا بالفرض اس سے بھی کوئی معصیت صادر ہوئی۔ تو اسکو چھوڑ کر تیسرے کے پاس جائیگا۔ ہمچنیں سلسل پس اس کا مطلب تو یہ ہے کہ یہ اصلاح سے محروم رہ جائے اس لئے یہ اصول ہی غلط ہے کہ شیخ کی معصیت دیکھ کر اس کے پاس سے بھاگ جائے۔ معصیت کا تعلق خدا کے ساتھ ہے وہ اگر شیخ سے ہوئی ہے تو وہ استغفار کریگا۔ مرید کو اس میں دخل دینے کی کیا ضرورت۔ جس معاملہ میں یہ اس کا محتاج ہے یعنی تعلیم و تربیت اس میں تو وہ کامل ہی ہے۔ لہذا ان حضرات کے عیوب دیکھنے کے بجائے اپنے عیوب کو دیکھے اور ان کی اصلاح کرے۔ اور اس کے لئے عدم عصمت کا اعتقاد کافی ہے۔ شیخ کا مرید کے سامنے معصیت کرکے تجربہ کرنا ضروری نہیں۔ بلکہ جائز بھی نہیں۔

علماء تصوف نے اس مسئلہ کو کتابوں میں نہایت واضح اور مدلل بیان کیا ہے چنانچہ رسالہ

قشیریہ میں ہے۔ ولاینبغی للمرید ان یعتقد فی المشائخ العصمۃ بل الواجب ان یذرھم واحوالھم فیحسن بھم الظن یعنی مرید کو نہ چاہیئے کہ مشائخ کے بارے میں عصمت کا عقیدہ رکھے بلکہ واجب ہے کہ ان کو اور ان کے احوال کو چھوڑ دے تاکہ ان کے ساتھ حسن ظن باقی رہے۔
محشیؒ لکھتے ہیں کہ مشائخ میں عصمت کا عقیدہ نہ رکھے یعنی مشائخ کو معصوم نہ سمجھے۔ اگرچہ یہ حضرات محفوظ ہوتے ہیں اور عصمت کا عقیدہ اس لئے نہ رکھے کہ اول تو یہ واقعہ کے بھی خلاف ہے (کیونکہ یہ لوگ معصوم نہیں پس انھیں معصوم سمجھنا غیر معصوم کو معصوم سمجھنا ہوگا) دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ عقیدہ مفضی ہوگا ان سے نفرت کی جانب اور ان سے عدم انتفاع کی جانب جبکہ ان سے کوئی گناہ صادر ہوگا۔ (کیونکہ بزعم خود جب یہ انھیں معصوم سمجھے گا۔ اور فی الواقع وہ لوگ معصوم ہونگے نہیں لہٰذا جب ان سے کوئی گناہ صادر ہوگا تو مریدین کو ان سے نفرت ہوگی وہ بدعقیدہ ہو جائیں گے اور یہ سبب بن جائے گا ان سے عدم انتفاع کا) باقی عصمت میں اور حفظ میں فرق یہ ہے کہ عصمت منع کرتی ہے جواز وقوع ذنب کو اور حفظ اسکو منع نہیں کرتا اسلئے کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں محفوظ رکھتے ہیں جس کو چاہتے ہیں اسکی حفاظت ترک فرمادیتے ہیں۔ اور وجہ اس کی کہ انبیاء معصوم ہوتے ہیں یعنی ان سے گناہ صادر ہی نہیں ہوسکتا اور اولیا محفوظ ہوتے ہیں یعنی ان سے گناہ صادر ہوسکتا ہے) یہ ہے۔ کہ اولیاء کی لغزش قواعد دین کے لئے قادح نہیں۔ بخلاف انبیاء علیہم السلام کے کہ ان کے معجزات دلالت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے جن باتوں کی وہ خبر دے رہے ہیں یا خود کر رہے ہیں اس میں وہ خطا سے معصوم ہیں۔ (پس ان سے معصیت کا صدور ہدایت میں قادح ہوگا اور اولیاء کی خطا دین میں قادح نہیں ؟

پس جب ولی کے متعلق عصمت کا عقیدہ ہی رکھنا منع ہے تو پھر اس کی لغزش پر انسان بدعقیدہ ہی کیوں ہو چونکہ وہ معصوم نہیں ہوتا۔ اس لئے اس سے گناہ بھی صادر ہو جاتے ہیں اور اس میں اللہ تعالیٰ کی نہ جانے کیا کیا مصلحتیں ہوتی ہیں۔ ہاں چونکہ وہ محفوظ ہوتا ہے اس لئے وہ اس پر قائم نہیں رہے گا بلکہ فوراً توبہ کرے گا۔ اور استغفار کرکے اپنے گناہوں کو معاف کرائے گا۔ میرے نزدیک محفوظ ہونے کا یہی مطلب ہے۔ کہ معصیت پر اصرار نہ ہو اور توبہ کی توفیق ہو جائے۔ تاکہ اس کے اثر و ضرر سے محفوظ رہے۔
حاصل یہ کہ اس قسم کے اصول طریق مشائخ نے مقرر کئے ہیں۔ مریدین کو ان کا بتادینا اور

سمجھا دینا ضروری ہے لیکن اس قسم کا عملی امتحان جس میں شیخ کوئی معصیت کر کے دکھائے ہرگز جائز نہیں۔ اور کرنا تو بعد کی بات ہے ان کا زبان پر لانا بھی جائز نہیں۔ احترام شرع کے بالکل خلاف ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

یہاں ایک بات یہ سمجھئے کہ شیخ کے جتنے بھی آداب ہیں وہ اسی وجہ سے ہیں کہ وہ ایصال الی اللہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ جو شیخ اس منصب میں جس قدر بڑا ہوتا ہے یعنی اس کے ذریعہ جس قدر زیادہ لوگ اللہ تعالیٰ کا راستہ پکڑتے ہیں اور خدا تک پہونچتے ہیں اسی قدر زیادہ وہ احترام اور آداب کا مستحق سمجھا جاتا ہے۔ لہذا کسی شیخ کا ادب (اس اعتبار سے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اللہ تعالیٰ تک پہونچاتا ہے اور عبد و معبود میں رابطہ قائم کر دیتا ہے) جتنا بھی زیادہ کیا جائے کم ہے اور اس کے منصب کا حق ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی سمجھنا ضروری ہوگا کہ شریعت بھی اللہ تعالیٰ ہی کی بھیجی ہوئی ہے لہذا وہ بھی قابل احترام اور واجب التعظیم چیز ہے۔ پس کسی شیخ کا ادب اور تعظیم اس طور پر کرنا جس میں شریعت سے مزاحمت اور اس کے حدود سے تجاوز ہو جائے جائز نہ ہوگا۔ البتہ شریعت کی حد میں رہتے ہوئے مشائخ کے ساتھ تعظیم کا جو بھی معاملہ کیا جائے سب جائز ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ اسلئے کہ اہل اللہ کی تعظیم بعینہ اللہ کی تعظیم ہے۔ پس ان حضرات کا ادب للہ فی اللہ سمجھا جائیگا۔

شیخ کی خوشنودی مطلوب ہے اس لئے کہ وہ اللہ کی خوشنودی کا ذریعہ ہے کیونکہ اہل حق فرماتے ہیں کہ ربط قلب بالشیخ واسطہ ہے ربط قلب باللہ کا لہذا جتنا ربط قلب بالشیخ زیادہ ہوگا اسی قدر ربط قلب باللہ بھی حاصل ہوگا اسی لئے حضرات مشائخ نے مرید کے لئے حفظ قلوب مشائخ ضروری قرار دیا ہے اور ان کی بے ادبی کو موجب حرمان و خسران سمجھا ہے یعنی کسی شیخ کے حقوق کا لحاظ اگر اول ہی دن سے نہ کیا تو ظاہر ہے کہ اس کے فیض سے بالکل محرومی رہے گی۔ اس کا نام حرمان ہے اور اگر ادب کرتے کرتے درمیان میں بے ادبی صادر ہو گئی تو یہ سبب بن جائیگا اس کے خسران کا اور حرمان ہو یا خسران دونوں ہی قابل اجتناب چیزیں ہیں۔

اسی قاعدہ کے پیش نظر مشائخ محققین نے ہر دور میں مریدین سے ادب کا مطالبہ کیا ہے چنانچہ اس قریبی دور میں حضرت حکیم الامۃ مولانا تھانوی رحمہ کے یہاں جو قواعد و ضوابط تھے جس کے متعلق بہت سے لوگ یوں سمجھتے تھے کہ حضرت کے یہاں بہت سختی ہے۔ آپ سے کہتا ہوں کہ

در اصل سختی وغیرہ کچھ نہ تھی حضرت بس یہ چاہتے تھے کہ لوگوں سے مشائخ کا ادب نوت نہ ہوتا کہ یہ چیز سبب نہ بن جائے ان کی محرومی کا اس لئے ہر شخص سے آداب کا مطالبہ تھا جو کہ بہت سے لوگوں پر ان کی طبیعت کے خلاف ہونے کی وجہ سے شاق تھا اور سختی معلوم ہوتی تھی۔

اور اس میں کچھ مولانا تھانویؒ ہی کی خصوصیت نہ تھی بلکہ پہلے بھی کبھی مشائخ نے مریدین کے لئے بے ادبی کو پسند نہیں کیا اس لئے کہ یہ سمجھتے تھے کہ اگر اس سے ادب فوت ہوا اور اس کی طبیعت میں بے اصولی آئی تو یہی چیز اسکو کبھی پہنچنے نہ دیگی اور بزرگوں کے فیض سے ہمیشہ محروم رکھے گی جیسا کہ حضرت مرزا جانجاںؒ فرماتے ہیں کہ ایک شخص اپنے آپ کو حضرت نور محمد بدایونی مریدوں میں سے بیان کرتا تھا ایک دن اس شخص نے بدبختی میں آکر آنحضرت کے حضور میں سخت بے ادبی کی اور بہت برا بھلا کہا جس کے جواب میں آپ نے کچھ نہ فرمایا دوسرے دن وہ شخص حاضر ہوا تاکہ آنحضرت سے توجہ اور فائدہ حاصل کرے میں نے (مرزا) چاہا کہ اس کو سزا دوں۔ آنحضرت نے مجھ کو منع کیا اور اس شخص پر اس طرح متوجہ ہوئے جس طرح دوسرے مخلصوں پر توجہ فرمائی تھی۔ فقیر اس بات سے بہت تنگ دل ہوا اور اسکو تمام مخلصوں کے برابر سمجھنے کے باعث آنجناب کی خدمت میں ملتمس ہوا تو فرمایا کہ مرزا صاحب اگر میں اسکو سرزنش یا ملامت کرتا اور توجہ نہ دیتا تو مجھ سے اللہ تعالیٰ پوچھتا کہ میں نے تیرے سینے میں ایک نور امانت رکھا تھا اور میرے بندوں میں سے ایک اس نور کو طلب کرنے آیا تو نے کیوں اسکو محروم رکھا تو اس وقت کیا میں یہ جواب دیتا کہ الٰہی اس نے مجھے گالی دی تھی اسلئے میں نے اسکو محروم رکھا اور کیا یہ جواب قبول ہوتا۔ کچھ مدت تک میں تنگدلی کے ساتھ خاموش رہا۔ تھوڑے دنوں بعد آنحضرت نے فرمایا کہ اے بچہ اگرچہ میں نے اسکو مخلصوں کی طرح توجہ دی ہے۔ مگر حق تعالیٰ منافق کو کب مخلص کے برابر جانتا ہے واللہ یعلم المفسد من المصلح۔ کام کی حقیقت خدا کے ہاتھ میں ہے فیض صرف مخلص اور مودب دوستوں کو پہونچتا ہے۔

(تحفۃ السالکین ترجمہ ارشاد الطالبین صفحہ ۳)

اسی طرح کے اور بھی واقعات ہیں چنانچہ اسی کی مثال عبداللہ ابن ابی منافق کا قصہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھنی چاہی تو حضرت عمرؓ نے روکا کہ یا رسول اللہ یہ وہی شخص ہے جس نے آپ کے ساتھ ایسی ایسی بے ادبی کی ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے بھی فرما دیا ہے کہ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ۔

یعنی آپ ان کے لئے مغفرت طلب کریں یا نہ کریں اگر آپ ان کے لئے ستر بار بھی مغفرت طلب کرینگے تب بھی اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت نہ فرمائیں گے اس پر گو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ میں ستر سے زائد بار استغفار کروں گا اسکی نماز جنازہ پڑھی لیکن منافق کے حق میں اللہ تعالیٰ نے آپ کا استغفار قبول نہ فرمایا اور یہ آیت نازل ہوئی۔ وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ۔ یعنی ان میں سے کسی کے لئے کبھی نماز جنازہ نہ پڑھیے اور ان کی قبر پر نہ کھڑے ہوئیے اور ایک آیت اور نازل ہوئی سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ۔ اس آیت کے نزول کے بعد پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی منافق کی نماز جنازہ نہیں پڑھی۔

دیکھئے اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش کے باوجود اس کی بے ادبی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا اس کے حق میں قبول نہیں فرمائی۔ بس یہی واقعہ سند ہے اس کا کہ مشائخ کے ساتھ بے ادبی کرنے والا بھی ان کے فیض سے محروم رہتا ہے۔

اس جگہ ایک بات اور سمجھئے وہ یہ کہ جس طرح سے کہ بے ادب خود محروم رہتا ہے اسی طرح سے باادب کامیاب بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ صحابہ کے حالات سے یہ امر بخوبی واضح ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اولاً اور پھر آپ کے واسطے سے امت کو ثانیاً یہ تعلیم فرمائی کہ وہ مؤدب اور مخلصین کو قریب کریں اور ان کی رعایت کریں اور غیر مخلص اور بے ادبوں کی جانب التفات نہ کریں۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں کہ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا۔ یعنی آپ اپنے کو ان لوگوں کے ساتھ مقید رکھا کیجئے جو کہ صبح و شام اپنے رب کی عبادت محض اسکی رضا جوئی کے لئے کرتے ہیں اور دنیوی زندگانی کی رونق کے خیال سے آپ کی آنکھیں ان سے ہٹنے نہ پائیں اور ایسے شخص کا کہنا نہ مانیے جسکے قلب کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر رکھا ہے اور وہ اپنی نفسانی خواہش پر چلتا ہے اور اس کا حال حد سے گذر گیا ہے۔ سورۂ کہف

حضرت مولانا تھانوی رح نے مسائل السلوک میں فرمایا ہے کہ قولہ تعالیٰ ولا تعد عینٰک

عنہم الخ اس میں پیروں کو حکم ہے کہ طالبین پر توجہ رکھیں اور ان سے اکتائیں نہیں۔ و قولہ تعالیٰ ولا تطع من اغفلنا الخ اس میں محجوبین وغافلین کی اطاعت سے منع کیا گیا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ خدائی قانون یہ ہے کہ مخلصین وطالبین کو قریب کیا جائے اور ان کی جانب توجہ رکھی جائے۔ اور غیر مخلصین اور طالبین کا یہ حکم نہیں۔

حاصل اس تمامتر گفتگو کا یہ ہے کہ مشائخ کی تعظیم وتکریم اور ان کا ادب و لحاظ نہایت ضروری ہے بلکہ کلید کامیابی ہے اور میں تو یہ کہتا ہوں کہ تعلق مع اللہ کا اصل اور قریب ترین راستہ یہی ارتباط قلب بالشیخ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مشائخ نے ہر زمانہ میں اپنے پاس آنے جانے والوں کو ادب سکھانے کا اہتمام کیا ہے اور ان میں ادب دیکھنا چاہا ہے اسی سلسلہ میں کبھی کبھی ان کا امتحان بھی لیا ہے۔ مشائخ اہل حق کا خلفاً عن سلف اسی پر عمل رہا ہے۔ چنانچہ حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ کا واقعہ کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک دن انھوں نے بابا فرید گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ میاں فرید سنا ہے شہر میں کوئی بزرگ آئے ہوئے ہیں جن کے آگے آگے ایک نقیب یہ صدا لگاتا چلتا ہے کہ جو شخص حضرت کی زیارت کرے وہ جنتی ہے بابا فرید نے عرض کیا کہ جی ہاں سنا تو میں نے بھی ہے حضرت نے فرمایا کہ پھر تم نے ان کی زیارت کیوں نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ اگر اپنے کسی بندے کو یہ درجہ عطا فرما دیں تو اس میں کچھ تعجب نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کسی کے ساتھ یہی معاملہ ہو۔ عرض کیا کہ آپ نے بھی تو زیارت نہیں کی۔ اب اگر میں ان کی زیارت کر کے جنت میں چلا جاؤں اور آپ کا جنتی ہونا یقینی نہیں نیز آپ نے ان کی زیارت بھی نہیں کی ہے اس لئے اگر آپ بالفرض جنت میں نہ داخل ہوئے تو پھر میں ایسی جنت کو لیکر کیا کروں گا جس میں آپ ہی نہ ہوں اور اس میں مجھے کیا خوشی اور راحت ملیگی۔

مرید رشید کا یہ جواب سنکر حضرت بختیار کاکیؒ پر ایک حال طاری ہو گیا۔ فرمایا کہ اچھا وہ بزرگ تو یہ کہتے ہیں کہ جو میری زیارت کرلے وہ جنتی ہو گا۔ میں یہ کہتا ہوں کہ جو شخص تمہاری قبر کی زیارت کرے گا وہ جنتی ہے۔

دیکھا آپ نے یہ تھا مرید کا امتحان۔ ایسا امتحان لینا جائز ہے (ناقل عرض کرتا ہے مریدین کے اعتقاد کا اس نوع کا امتحان حضرات مشائخ کی طرف سے برابر لیا جاتا ہے چنانچہ ایک مولوی صاحب نے اپنا واقعہ بیان کیا کہ ابتدا میں جب میں نے حضرت والا مدظلہ سے اصلاحی تعلق قائم کرنا چاہا تو اس وقت حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ حیات تھے۔ حضرت والا نے مجھ سے نہایت شفقت

کے ساتھ فرمایا کہ مگر تم حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے اپنا اصلاحی تعلق رکھنا چاہو تو میں حضرت کو سفارش لکھ سکتا ہوں امید ہے کہ حضرت قبول بھی فرمالیں گے اس پر ان مولوی صاحب نے عرض کیا، میں تو حضرت والا ہی کے قریب کا رہنے والا ہوں مجھے تو حضرت ہی سے اپنی اصلاح کرانی ہے اس لئے میں کہیں اور نہ جاؤں گا حضرت ہی سے اصلاحی تعلق رکھونگا۔

دیکھئے یہ بھی ان مولوی صاحب کا ایک امتحان ہی تھا کہ اگر خلوص و عقیدت کی ذرا کمی ہوتی تو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی شہرت اور علو سند کے خیال سے فوراً حضرت سے تعلق کو پسند کرتے اور سفارش کو غنیمت سمجھتے۔ بہر حال مریدین کا اس قسم کا امتحان ہمیشہ سے مشائخ کا معمول رہا ہے۔

لیکن بعد کے مشائخ کے یہاں اسی سلسلے میں بعض ایسی چیزیں بھی دیکھی جاتی ہیں جن کا ظاہر خلاف شریعت ہے اس کے متعلق یہ کہتا ہوں کہ اگر کوئی شیخ ایسا ہے کہ صرف ان ایک واقعات کے علاوہ اپنے عام حالات میں متبع سنت ہے تو یہی کہا جائیگا کہ مشائخ متقدمین کے امتحانات کو دیکھ کر انھوں نے بھی مرید کا امتحان کرنا چاہا جس میں نیت ان کی درست تھی اور منشا ان افعال کا صحیح تھا مگر شریعت بہر حال شریعت ہے اسلئے اسکو تو مقدم ہی رکھا جائیگا۔

میں جو دربارہ مشائخ اکثر کہا کرتا ہوں وہ شریعت کی نصرت میں کہا کرتا ہوں۔ شریعت کی حفاظت تمام امت کے ذمہ ہے اور خواص امت پر یہ ذمہ داری زیادہ ہے۔ مشائخ جو خدمت ایصال الی اللہ کی انجام دیتے ہیں بلا شبہہ وہ ایک زبردست منصب ہے جس کے حقوق کی بجا آوری طالبین پر لازم ہے اور اس میں اخلال منع ہے۔ مشائخ جو آداب بیان کرتے ہیں وہ اخلال سے منع کرتے ہیں۔ جو گاہے گاہے طالبین سے صادر ہوا کرتے ہیں ورنہ وہ طالب کی بہت قدر کرتے ہیں بلکہ ان کے متلاشی رہتے ہیں۔

امید کہ آپ حضرات کی سمجھ میں آگیا ہوگا۔

اوپر ایک صفحہ پیشتر حضرت مصلح الامۃؒ نے یہ فرمایا ہے کہ تعلق مع اللہ کا قریب ترین راستہ ارتباط قلب بالشیخ ہے اسکی مزید وضاحت کے لئے حضرت ہی کا ایک مختصر مضمون نقل کرتا ہوں جو بعض اہل علم کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا چونکہ حضرت مرشدنا نوراللہ مرقدہٗ کا باب اصلاح میں ایک خاص طرز یہ بھی تھا کہ گاہے گاہے مسترشدین سے سوالات و استفسار فرمایا کرتے تھے چنانچہ ایک دفعہ بعض حضرات سے دریافت فرمایا کہ طریق میں سب سے زیادہ ضروری چیز کیا ہے اگر آپ لوگوں نے سمجھا ہو تو اس کا جواب دیجئے۔

جواب میں کسی نے عقیدت کہا۔ کسی نے اتباع کو کہا۔ کسی نے عقل و فہم کہا۔ کسی نے کچھ اور کہا۔
فرمایا کہ یہ سب نہیں ہاں اتباع بھی ضروری ہے اور اسکی ضرورت تو نص سے ثابت ہے۔ میں ایسی شے پوچھ رہا ہوں کہ اتباع بھی جس پر متفرع ہے وہ یہ کہ اصل شے طریق میں، ربط قلب بالشیخ ہے اسی سے ربط قلب باللہ حاصل ہوتا ہے۔ یعنی اصل چیز طریق میں اپنے قلب کا ربط، شیخ کے قلب سے پیدا کرنا ہے اور اسی ربط قلبی کا دوسرا نام محبت ہے اور سب سے اقرب طریق یہی ہے۔ لیکن جو لوگ کہ خشک ہیں وہ اس پر نہیں آتے۔ بلکہ کرتے یہ ہیں کہ ایک کام کو لیا پھر دوسرا کام اس سے زیادہ مفید سمجھ میں آگیا اسکو لے لیا اور پہلے کو چھوڑدیا۔ اسیطرح سے کوئی تیسری بات سمجھ میں آئی تو اسکو لے لیا اور دوسرے کو چھوڑدیا بس اسی طرح لگے رہتے ہیں اور راستہ طویل کر لیتے ہیں۔
اسی لئے آسان اور سہل راستہ یہی ہے کہ قلب شیخ سے اپنے قلب کو متعلق کر دے اور تمام مجاہدات کی مشقتوں سے راحت پا جائے۔ یہی ربط بالقلب نسبت کہلاتی ہے۔ حضرت صحابہ کرام کو یہ نسبت اور محبت سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل تھی اسی لئے وہ حضرات کامیاب ہوئے اور اب اسی چیز کا انکار ہوگیا ہے یا اسکی جانب سے سستی پیدا ہوگئی ہے اسلئے برسہا برس تک کسی کے پاس آنے جانے کے باوجود جہاں تھے وہیں رہتے ہیں بلکہ بہت سے لوگ تو اسکو بھی نہیں سمجھتے کہ مشائخ کے پاس کیا دولت ہوتی ہے اور کس چیز کی تحصیل کے لئے ان حضرات کی خدمت میں جایا جاتا ہے تو اس کے متعلق سنئے۔
قاضی بیضاوی نے آیت وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ کے تحت اسکی باطنی تفسیر یہ بیان فرمائی ہے کہ ہم نے ان کو جن انوار معرفت کے ساتھ خاص کیا ہے دوسروں پر اسکا افادہ فرماتے ہیں۔
اس سے معلوم ہوا کہ مشائخ سے حاصل کرنے کی جو چیز ہے وہ نور معرفت ہے اسی کو حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رح فرماتے ہیں کہ

نور باطن پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم از سینۂ درویشاں	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے باطنی نور کو درویشوں کے سینے ڈھونڈنا
باید جست و بداں نور سینۂ خود را روشن باید کرد	چاہئے اور اس نور سے اپنے سینہ کو روشن کرنا چاہئے۔

اسی سلسلہ میں فرمایا کہ جب طریق میں سب سے ضروری چیز ربط قلب بالشیخ ہے تو اب یہ سمجھئے کہ اس کے حصول کا طریق یہ ہے کہ دیگر تعلقات سے قلب کو فارغ کیا جائے۔

تعلق حجاب است و بے حاصلی ۔۔۔ چوں پیوندھا بگسلی واصلی

(الباب الثالث فی ادب المرید مع اخوانه وماینبغی لاهل الطریق ان یتعاملوا به فیما بینهم وان یعاملوا به طریقهم علی ماذکره الشیخ الاکبروا لسید البکری وشیخ شیخنا السید القصبی قدس اللہ تعالیٰ ارواحهم)

(تیسرا باب مرید کے ان آداب کے بیان میں جو اپنے پیر بھائیوں کے ساتھ اسکو برتنا چاہیئے۔ اور ان امور کے بیان میں جو اہل طریق کو باہم ایک دوسرے کے ساتھ رکھنا چاہیئے یا جن آداب کو انھیں طریق میں برتنا چاہیئے بیان فرمودہ شیخ اکبر قدس سرہٗ وسید بکری وشیخ شیخنا سید القصبی قدس اللہ اسرارھم

فمن ادابهم فی انفسهم الذل و الفاقة والمسكنة واخذهم من كل شئ احسنه وترك الحظوظ والمالوفات ومخالفة النفس الی الممات والزهد والقناعة و الجد والمجاهدة وعدم استبطاء الوصول وعدم مسامحة النفس فی الغفلة وعدم ترك العمل ولو قليلاً وعدم النوم فی ثلث الليل الاخير وان لا يتزوج المريد حتی يكمل وان كان متزوجاً فلا يطلق ولكن ملقياً نفسه فی تيار القضاء لا يسخط شيئاً تقضی به مولاه ۔

من جملہ ان آداب کے جن کا مریدین کو خود اپنے اندر حاصل کرنا ضروری ہے ایک ذلت ہے اور فاقہ و مسکنت ہے اور یہ کہ ہر چیز سے اس کا اعلیٰ فرد اور بہتر سے بہتر اختیار کریں اور یہ کہ حظوظ نفس اور اپنی خواہشات و مالوفات کو ترک کریں اور یہ کہ مرنے دم تک نفس کی مخالفت کرتے رہیں اور زہد و قناعت اختیار کریں اور کوشش اور مجاہدہ سے نہ گھبرائیں وصول کو دور نہ سمجھیں اور غفلت ہونے پر نفس کیلئے مسامحت روا نہ رکھیں اور کوئی عمل ترک نہ ہونے دیں اگرچہ وہ چھوٹا ہی کیوں نہ ہو اور یہ کہ رات کے آخری تہائی میں نہ سوئیں بلکہ عبادت کریں اور یہ کہ مرید تکمیل سے پہلے نکاح نہ کرے[1] اور اگر شادی شدہ ہے تو طلاق نہ دے اور چاہیئے کہ اپنے آپ کو قضا کے موج مارتے ہوئے سمندر میں ڈالدے چنانچہ اپنے مولیٰ کی کسی قضا پر ناراض نہ ہو۔

---

[1] بشرطیکہ نکاح کی ضرورت نہ محسوس کرے ورنہ تو ضرورت اس سے مستثنیٰ ہے ۱۲۔

وإن عارضه حقان فليقدم
حق الحق تعالى وان يكون ابن وقته
حافظاً لانفاسه وان يدفن نفسه
في ارض الخمول ولا يترك اوراده
ولا يظن انه ينال ما يطلب بكده
او بجده بل يعتمد على فضل الله
تعالى وليلازم الآداب في الذكر
وسائر الاوراد وستأتي آداب الذكر۔

ثم اعلم ان طريق الله تعالى
مقدس عن المنازعة فيه والمجادلة
والمراء وظهور النفس ولا اعتذار فيه
لاحد ولا مسامحة في امر يؤدي
الى الخروج عن الطريق وعدم الصفح
عن الزلات التي لا مسامحة للشرع
فيها ويتسامحون في حقوقهم وما
يرجع اليهم۔

ومن شرط اهل هذه الطريقة
ان ينصفوا الناس من انفسهم
ولا ينتصفوا من احد ويقبل
المعذرة من الاجانب ولا يعتذروا
وينصروا ولا ينتصروا ويعاملوا الناس
بالرحمة والشفقة ويتعاملوا فيما
بينهم بالمناصحة والانقاذ و
المنافرة ولا يسلم واحد منهم
لصاحبه ما لا يقتضيه طريقهم

اور اگر اس کے سامنے بیک وقت دونوں حق معارض
ہوں تو اسے چاہیئے کہ حق تعالیٰ کو حق العبد پر مقدم کرے
نیز مرید کو چاہیئے کہ ابن الوقت ہو اپنے انفاس کا محافظ ہو
اور اسے چاہیئے کہ اپنے نفس کو گمنامی کی زمین میں دفن کرے اور
اپنے اوراد کو ترک نہ کرے اور یہ نہ سمجھے کہ جس چیز کو وہ طلب کر رہا
ہے اسے کد اور جد یعنی مشقت اور اپنی قوت بازو سے حاصل
ہی کر لیگا بلکہ اللہ تعالےٰ کے فضل پر اعتماد کرے اور ذکر میں اور دیگر اوراد
میں آداب کا پابند رہے۔ اور ذکر کے آداب آگے آتے ہیں۔

پھر یہ جانو کہ اللہ تعالیٰ کا راستہ منازعت۔ مجادلہ
جھگڑا اور فساد اور نفسانیت سے پاک وصاف ہے اور اس
میں کسی کے لئے عذر کا کوئی موقع نہیں اور نہ کسی ایسی چیز
کے کرنے میں سامحت ہے جو طریق ہی سے نکل جانے کا سبب بنے
اسی طرح سے طریق میں ان لغزشوں پر بھی چشم پوشی نہیں ہے جنکے لئے شریعت
میں کوئی وجہ جواز نہ ہو یوں اہل طریق اپنے باہمی حقوق میں خوب تسامح
کیا کرتے ہیں یعنی اگر کوئی شخص انکا حق ادا نہ کرے تو اس پر کوئی ملامت
نہیں کرتے

جو لوگ کہ اہل طریق ہیں ان کا ایک ادب ہے کہ لوگوں کے ساتھ
انکے معاملہ میں تو انصاف سے کام لیں اور اپنے حقوق میں ان سے انصاف
کے خواہاں ہوں یعنی تقصیر پر صبر کریں اور خود ان سے معذرت نہ کریں
بلکہ ان کا حق ہی ادا کریں۔ اسی طرح اپنے اخوان الطریق کی خود تو
مدد کریں لیکن ان سے مدد کے خواہشمند نہ ہوں۔ لوگوں کے ساتھ رحمت اور شفقت
کا معاملہ کریں اور آپس میں قلبی خیر خواہی کے ساتھ ساتھ ظاہری بعد
اور منافرت ہی کا رویہ رکھیں۔ (عکس را باکسے کارے نباشد)
اور نہ تسلیم کرے کوئی شخص ان میں سے اپنے ساتھی کے لئے
ان چیزوں کو جو ان کے طریق کے تقاضے کے خلاف ہوں

الا ان یکون صاحب الحرکۃ اعلٰی
فالتسلیم واجب وما تقدم ففی
الحق الاکفاء ۔ ولیس بین القوم
بغض ولا سقف ولا حسد فی المواہب
ولیس فی طریقہم من یقول لی ولا
عندی ولا نعلی ولا ثوبی وھم
فی ما یفتح لہم علی السواء بمعنی
انہ یتصرف کل منہم فیما لاخیہ
تصرفہ فی مال نفسہ وھذا بینہم
معروفٌ ومعلوم لیس فیہم من
ھو علی خلاف ذلک فلا حاجۃ
لصریح الاذن حتی ان بعضہم
جاءہ ضیف ولم یکن عندہ
ما یطعمہ فذھب لبیت اخیہ
فی الطریقۃ فلم یجدہ ووجد
القدر علی النار فیہ طعام
فاخذ القدر بما فیہ وقدمہ
لضیفہ ولما حضر اخوہ واُخبر
بذلک دخل سرورٌ کبیرٌ و
یشھد لھذا قولہ تعالٰی او
صدیقکم ولیس المراد انہ لا
ملک لاحد منہم فی شئ مما
بیدہ حقیقۃ وان ما بید

مگر یہ کہ وہ ساتھی کسی اعلٰی مقام پر فائز ہو اسوقت تو اس کے
حال کا اسکے لیے تسلیم کرنا واجب ہے یعنی اس پر انکار جائز نہیں ہے
اور جو بات پہلے کہی گئی ہے وہ اپنے برابر والوں کے متعلق ہے اور اس قوم
کے لوگوں میں بغض نہیں ہوا کرتا اور نہ کم عقلی[۱] و نا سمجھی ہوتی ہے اور نہ اللہ
تعالٰی کے عطایا میں حسد ہوتا ہے چنانچہ ان حضرات کے طریق میں وہ شخص
داخل نہیں ہے جو یہ کہے کہ یہ چیز میری ہے (اور وہ چیز تیری ہے)
یا باوجود ایک شے پاس ہونیکے یہ کہدے کہ میرے پاس نہیں ہے اسی
طرح سے وہ شخص بھی طریق سے دور ہے جو یہ کہے کہ یہ میرا جوتہ ہے یا یہ
میرا کپڑا ہے اسلئے کہ سب کے سب اہل طریق ان تمام چیزوں میں جو بطور
فتوحات کے ملیں برابر کے شریک دار ہوتے ہیں یعنی ان میں سے
ہر شخص اپنے بھائی کے مال میں بھی بالکل اسی طرح تصرف کرسکتا ہے
جس طرح سے کہ اپنے مال میں اور یہ ان میں کثرت سے شائع
تھا اور یہ بات معلوم ہے کہ ان میں کوئی شخص اس کا مخالف
نہیں تھا لہذا صریح اذن کی چنداں حاجت نہ تھی یہانتک کہ
بیان کیا جاتا ہے کہ کسی صوفی کے یہاں ایک مہمان آیا اور اسکے پاس
اسوقت کوئی چیز کھانے کی نہ تھی۔ چنانچہ وہ اپنے ایک پیر بھائی کے
گھر گیا وہ تو گھر پر موجود نہ تھا لیکن چولھے پر ہانڈی رکھی تھی جس میں
کوئی چیز کھانے کی تھی۔ اس نے کھانے سمیت ہانڈی اٹھالی اور اس
میں سے اپنے مہمان کے سامنے کھانا پیش کیا جب اس کا پیر بھائی
آیا اور اسے اس واقعہ کی خبر دی گئی تو وہ بہت ہی خوش ہوا اور اس فعل
کے استحسان کی شہادت حق تعالٰی کے اس قول سے بھی ملتی ہے کہ فرمایا
او صدیقکم ۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اہل طریق میں سے کسی کے
قبضہ میں اگر کوئی چیز ہو تو اس کا حقیقتاً کوئی شخص مالک ہی نہیں

---

[۱] اس پر غور فرمایئے۔ اسی کو کہا کرتا ہوں کیونکہ لوگ اس زمانے میں دین اور طریق میں کم عقلی کو ضروری سمجھتے ہیں۔

كل واحد منهم مشترك بينهم بالملكية فان ذلك خارج عن الشرع بل عده بعضهم من الكفر. قال ابن الشحنة بدرويش درويشان كفر بعضهم ومن قال شيئ لله بعض يكفر بناء على ان معنى درويش درويشان مال الدرويش مشترك وقيل معنى درويش درويشان نقير الفقراء ١٢ انتهى.

ہوتا اور نہ یہ مطلب ہے کہ جو چیز بھی ان میں سے کسی کے پاس ہے تو وہ سب لوگوں میں بطور ملکیت کے مشترک ہے اس لئے کہ یہ تو شریعت کے بھی خلاف ہے بلکہ بعض لوگوں نے تو اسے کفر قرار دیا ہے چنانچہ ابن شحنہ فرماتے ہیں اگر کسی نے کہدیا کہ درویش درویشاں تو بعضوں نے اسکی تکفیر فرمائی اور جس شخص نے کہا شیئ للہ تو بعض علماء نے تکفیر کی ہے اسلئے کہ معنیٰ درویش درویشاں کے یہ ہو سکتے ہیں کہ (درویش درویشاں یعنی) درویشوں کا مال مشترک ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ درویش درویشاں کا مطلب یہ ہے کہ نقیر الفقراء (اور اس میں کچھ مضائقہ نہیں)

ومن شرط طريقهم ترك ارفاق النسوان ومجالستهن ومواخاتهن وكذا ترك صحبة الاحداث وعدم مكالمتهم. قال الواسطي اذا اراد الله تعالى هوان عبد القاه الى هولاء الانتان والجيف فليحذر المريد من مجالسة الاحداث ومخالطتهم اشد الحذر.

اور منجملہ طریق کے شرائط کے عورتوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا اور ان کے ساتھ دوستی کرنا اور ان کے ساتھ نرمی کا معاملہ ترک کرنا ہے اور اسی طرح امارد کی مصاحبت اور ان کے ساتھ ہم کلامی سے اجتناب کرنا ہے۔ حضرت واسطیؒ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کو رسوا کرنا چاہتا ہے تو اسے انھیں گندہ اور مردار چیزوں میں ڈالدیتا ہے لہذا مرید کو لڑکوں کے پاس اٹھنے بیٹھنے اور ان کے ساتھ اختلاط کرنے سے بہت زیادہ احتیاط رکھنا چاہیئے۔

علہ (قولہ فلیحذر المرید من مجالسۃ الاحداث الخ) میں کہتا ہوں کہ میں اپنے سلوک کے زمانہ میں حسین اور خوبصورت لڑکوں کو دیکھنے سے بھی اپنی نظر کو روکے رہتا تھا بالکل اسی طرح جس طرح سے کہ اجنبی عورتوں سے اپنی نظر کو بچاتا تھا اور یہ اسلئے کہ حسین امارد شیطان کے مضبوط جال ہیں اور انکی صحبت اور ان سے اختلاط تو مرید کے حق میں بہت ہی سخت مضر ہے (دیکھو) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حسین لڑکے کو جو وفد عبد القیس کے ہمراہ آیا تھا اپنی پشت کے پیچھے بٹھلایا اسی طرح سے ہمارے حضرت امام ابو حنیفہؒ امام محمد بن حسن شیبانی کو انکی داڑھی نکلنے تک اپنے پیچھے ہی بٹھاتے تھے تو پھر ہم جیسے ضعفاء کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ نیز یہ کہ مشائخ نے مرید کے آداب میں بیان فرمایا ہے کہ اسکو وہی قول لینا چاہیئے جس میں احتیاط ہو اور اسکو رخصتوں سے بچنا چاہیئے اور قول احوط اس باب میں یہی ہے جسکو علامہ نووی رحمہ نے لکھا ہے کہ امارد کی جانب مطلقاً نظر کرنا حرام ہے خواہ شہوت سے ہو یا بدون شہوت کے ہو۔ اھ منہ

ومن آداب الاخوان[1] مطلقاً ان یکون کل واحد منهم محباً لجمیعهم ساعیاً فی مراضیهم اذا وافقت رضاہ تعالیٰ مقدماً حاجاتهم علی حاجته مشاهداً فی حال خدمته لهم ان الفضل فی ذلك لهم حیث ارتضوہ لخدمته ولیجلس مع کبارهم وصغارهم بالادب ولا یعترض علیهم ولیذب عن اعراضهم ویثنی علیهم بما یعتقد فیهم اذا سئل عنهم ولیسأل الدعاء من کل من لقیه منهم ولا یسمع فیهم قول الوشاۃ ولیصفح عن کل من اذاہ ولا ینصر نفسه علی احد منهم ولیکن ستاراً لعوراتهم ولا یعیر[2] احداً منهم بذنب الا اذا کان مجاهراً فلیذکرہ لعله یتوب وفیما عدا المجاهر فینصحه

اور منجملہ اخوان الطریق کے آداب کے ایک یہ ہے کہ ہر شخص ان میں سے سب سے محبت کرنے والا ہو اور ان کی رضا کی تحصیل میں کوشش کرنے والا ہو بشرطیکہ ان کی رضا حق تعالیٰ کی رضا کے موافق ہو اور ان کے حوائج کو اپنے حوائج پر مقدم رکھنے والا ہو اور جس وقت کہ ان لوگوں کی خدمت کر رہا ہو تو یہ سمجھے کہ اس میں انھیں کا احسان ہے کہ ان لوگوں کو اسکی خدمت پسند آئی

منت منہ کہ خدمت سلطاں ہمی کنی منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

اور اسے چاہیئے کہ چھوٹے اور بڑے سبھی کے ساتھ انکے مناسب آداب کا لحاظ رکھے اور ان پر اعتراض نہ کرے بلکہ ان کی عزت اور آبرو پر سے اعتراض کو دفع کرے اور جب ان کے متعلق اس سے سوال کیا جاے تو اسکو جو اعتقاد ہے اسکی رو سے انکی تعریف کرے اور ان میں جس کسی سے ملاقات ہو طالب دعا ہو اور چغلی کھانے والوں کا قول انکے بارے میں ہرگز نہ سنے اور چاہیئے کہ اپنے کو ایذا دینے والے سے درگذر کرے اور کسی کے مقابلہ میں اپنے نفس کی حمایت نہ کرے اور چاہیئے کہ دوسروں کا عیب چھپانے والا ہو اور ان میں سے کسی کو اس کے کسی گناہ پر عار نہ دلائے بجز اسکے کہ جب وہ شخص کھلم کھلا کوئی

---

[1] (قولہ الاخوان مطلقاً) یعنی عام اسکے کہ مرید ہوں یا طریق میں داخل ہونے سے ان کا مقصد محض تبرک حاصل کرنا ہو سلوک مقصود نہ ہو انتہی ۱۲۔

[2] (قولہ ولا یعیر الخ) میں کہتا ہوں کہ اس پر عمل کرنا اور اسکی حفاظت کرنا مہمات دین میں سے ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ اگر تم میں سے کسی نے اپنے بھائی کو کتیا کا دودھ پینے کے ساتھ عار دلائی تو اس عار دلانے والے کو بھی اسکا دودھ پینا پڑے گا مصنف کہتے ہیں کہ اور مجھے تو خود اس کا تجربہ اور مشاہدہ ہوا ہے کہ میں نہیں مبتلا کیا گیا عالم حاکموں کے پاس آمد و رفت رکھنے کے ساتھ اور افتاء و قضاء اور امارت میں خوض کرنے کے ساتھ مگر اسی لئے کہ میں نے اپنے بعض دوستوں کو جو سچے صوفی تھے عار دلائی تھی اس بات پر کہ وہ ظالموں سے اختلاط رکھتے ہیں حالانکہ ان کے پیش نظر اس میں مقاصد حسنہ تھے شعر ؎ وعذلت اهل العشق حتی ذقته + فعذرتهم ولقیت منهم ما لقوا اور میں نے اہل عشق کو ملامت کی چنانچہ خود مجھے بھی چکھنا پڑ گیا اور جب خود چکھا تو انکو معذور سمجھا اور پھر میں اس وادی پر خار میں ان تمام مشکلات سے دوچار ہوا جو انھیں پیش آئی تھیں اور میں اللہ تعالیٰ سے امید کرتا ہوں کہ اب ان دشواریوں کے خلاصہ کا وقت آ گیا ہوگا۔ انتہی (یعنی جو ہو چکا بہت ہو چکا اب اللہ تعالیٰ بچائے اور اپنی حفاظت میں لے لے)

في نفسه برفق وليدع لهم
في الخلوة والجلوة ويخلص لهم
في المحبة فان ذالك من علامة
حبه لاستاذه فان من احب
ابا احب ولده ولو سأله اخوه
ان يشاطره فيما يملك فلينشرح
لذلك ولا يوافق من حط عليهم
ولو كان مصيبا وليزجره وليؤثرهم
على نفسه ولا يعامل صغيرهم
الا بما يعامل به كبيرهم وان غاب
احد منهم فليسئل عنه فان
كان محتاجا اعانه وان كان محبوسا
لدين سعى في اطلاقه وليتبسم
في وجوههم ولا يمتحنهم لشيئ
وليخدم من قدمه الاستاذ
عليهم وان كان دونه في الحال
وهكذا من كان ماذونا من الاستاذ
ببدء الذكر وختمه تجب عليهم
متابعته ولا يتقدم احد منهم
عليه واذا غاب فليبدأ واحد من
المقدمين -

ولا يؤبخ مذنبا على ذنب
سلف منه وليعتقد انه تاب منه
وفي الحديث ليس منا من
عير التائب +

معصیت کر رہا ہو تو اس کے بیان کر دینے میں کچھ مضائقہ نہیں
شاید کہ اسے توبہ کی توفیق ہو جائے باقی اگر معصیت کھلم کھلا نہیں
ہے تو چاہیئے کہ اسکو نرمی کے ساتھ نصیحت کرے اور انکے لئے خلوت
اور جلوت میں دعا مانگے اور ان کیلئے اپنی محبت کو خالص کرے اسی لئے
کہ یہ علامت ہوگی اپنے شیخ سے محبت کی کیونکہ جس نے کسی باپ سے محبت
کی تو اس کا لڑکا اسے ضرور محبوب ہوگا اور اگر اس کے اخوان طریق اس
سے کہیں کہ جن چیزوں کا وہ مالک ہے اسمیں انکا بھی حصہ لگائے تو
اسے چاہیئے کہ اس پر خوشی اور انشراح ظاہر کرے اور جو شخص ان اخوان پر کسی
معاملہ میں تنگی کرے تو اگر حق بجانب ہو اسکی موافقت اور تائید نہ کرے
بلکہ چاہیئے کہ اسکو منع کرے (اور ان سے دفع کرے) اسی طرح سے مرید کو
چاہیئے کہ اپنے اخوان طریق کو اپنے اوپر ترجیح دے اور ان کے چھوٹوں کیساتھ بھی
وہی معاملہ کرے جو ان کے بڑوں کے ساتھ کرتا ہے اور اگر کوئی شخص ان میں
سے موجود نہ ہو تو اس کا حال معلوم کرے اور اگر وہ محتاج ہو تو اسکی اعانت
کرے اور اگر اپنے قرض کی وجہ سے قید ہو گیا ہے تو اسکے چھڑانے میں کوشش
کرے اور ان کے سامنے ہشاش بشاش رہے اور ان کا کسی چیز کے ذریعہ
امتحان نہ کرے اور چاہیئے کہ خدمت کرے اس شخص کی کہ شیخ نے جسے
ان پر مقدم کیا ہے اگرچہ وہ حال میں اس سے کم ہی ہو اسی طریقہ سے وہ شخص
جسے شیخ کی جانب سے ذکر کے شروع کرانے کی اور ختم کرانے کی اجازت ملی ہو تو
ان مریدین پر واجب ہے کہ اس کا اتباع کریں اور کوئی شخص ان میں سے اس شخص
پر مقدم نہ ہو البتہ جب کہیں چلا جائے اور موجود نہ ہو تو چاہیئے کہ ان آگے
ہونے والوں میں سے کوئی شخص بھی ذکر کو شروع کرا دے۔

نیز سالکین کی صفات میں سے ایک یہ ہے کہ کسی گنہگار کو کسی ایسے گناہ
پر جو اس سے پہلے کبھی صادر ہو چکا ہو توبیخ نہ کرے بلکہ یہ سمجھے کہ اب اس نے اس سے
توبہ کر لی ہوگی چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص کسی تائب کو عار دلائے
وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

قال شیخ شیخنا السید القصبی فی آداب الاخوان وان یکونوا علی قلب رجل واحد وکلمة واحدة واذا درج منهم احد الی رحمة الله تعالی شیعوه ثم اجتمعوا له ربعة وتهلیلة و وهبوه ثواب ذالک قائلین اللهم اجعل ذلک فداءً له من النار وان لا یمتحن بعضهم بعضاً بما لا تسمح به النفوس عادة بل لا یطلب بعضهم من بعض الا عند الاضطرار الکلی ولکن الطلب برفق والاعطاء ببشاشة وفرح وان یتعاملوا فیما بینهم بالذلة والانکسار وسلامة الصدر والتواضع والدعاء لمحسنهم ومسیئهم فی ظهر الغیب وترک الجدال والبحث والمراء والتجسس فی العادات والعبادات +

ہمارے شیخ کے شیخ سید قصبیؒ نے آداب الاخوان میں فرمایا ہے کہ سب لوگوں کو ایک دل اور ایک کلمہ ہونا چاہیئے اور جب ان میں سے کوئی شخص اللہ کو پیارا ہو جائے تو اس کی تجہیز و تکفین کے بعد دوسرے احباب کو چاہیئے کہ جمع ہوں اور اس کے لئے کچھ پڑھکر (کم ازکم) مثلاً چاروں قل اور کلمہ شریف اس کو ایصال ثواب کریں اور یہ دعا مانگیں اے اللہ ان آیات کے ثواب کو اس کے جہنم سے رہائی کا ذریعہ بنا دیجئے۔ اور ایک ادب یہ ہے کہ اخوان الطریق میں سے ایک کسی دوسرے کا امتحان ایسی چیزوں کی فرمائش کے ساتھ نہ کرے جس کو عادۃ لوگ خوشی سے دینا پسند نہیں کرتے بلکہ ایک دوسرے سے کوئی چیز مانگے ہی نہیں بجز اس کے کہ اسکو اضطرار کلی ہی ہو جائے۔ پھر چاہیئے یہ کہ مانگنا نرمی سے ہو اور دینا بشاشت اور نشاط کے ساتھ ہو اور یہ کہ باہم ایک دوسرے سے معاملہ اور رہن سہن۔ ذلت عاجزی۔ انکساری، سینے کی صفائی تواضع اور دعا کے ساتھ رکھیں خواہ وہ شخص نیکوکار ہو یا بدکار ہو (سامنے بھی) اور پس پشت بھی اور لڑائی جھگڑا اور بحث اور تجسس کو ترک کریں۔ عادات میں بھی اور عبادات میں بھی۔

ومن اوصافهم عدم الالتفات الی خلف واذا التفت التفت جمیعا ونادی رجل الشبلی من خلفه فلم یجبه وقال انهم لا یلتفتون الی الوراء ولا یجیبون من

اسی طرح سے اہل طریق کے اوصاف میں سے ہے کہ وہ پیچھے مڑ کر نہیں دیکھتے۔ اور جب کبھی پیچھے دیکھنا ہوتا ہے تو پورے ہی جسم سے ادھر گھوم جاتے ہیں۔ چنانچہ ایک آدمی نے حضرت شبلیؒ کو پیچھے سے آواز دی تو انھوں نے اسکا کوئی جواب دیا اور یہ فرمایا کہ اہل سلوک پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا کرتے اور نہ اس شخص کو

ناداهم خلفا +

ومن اخلاقهم التيمن بالفال الحسن وترك الطيرة دخل رجل منهم على قوم فقالوا له اغلق الباب فقال ان الصوفية يفتحون الابواب المغلقة ولا يغلقون الابواب المفتحة وقرع رجل على ابي مدين الباب فخرج اليه ولم يكن من نيته ان يدخله في ذلك الوقت فقال ما اسمك فقال الرجل احمد الفائدة فقال الشيخ ادخل فان العاقل لا يطرد الفائدة من بابه وهو يطلبها وكان هذا الفائدة من سادات القوم. ومن اوصافهم العدل في جوارحهم وتصرفات اعضائهم وحالاتهم مع الخلق ومع اهليهم ومن هنا خلع رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم نعله حين انقطع شراك نعله الاخرى فسوى بين قدميه في الحفا +

جواب دیتے ہیں جو انھیں پیچھے سے پکارتا ہے۔

اسی طرح سے اہل طریق کے اخلاق میں سے ایک یہ بات ہے کہ وہ کسی اچھی بات سے فال نیک تو لیتے ہیں لیکن بدفالی نہیں اختیار کرتے چنانچہ اہل طریق میں سے ایک شخص صوفیہ کی ایک قوم کے یہاں گیا لوگوں نے اس سے کہا کہ دروازہ بند کرلو اس پر اس نے کہا کہ واہ صوفی لوگ تو بند دروازوں کو کھولا کرتے ہیں نہ کہ کھلے ہوئے دروازوں کو بند کرتے ہیں۔

اسی طرح ایک شخص نے حضرت ابی مدینؒ کا دروازہ کھٹکھٹایا چنانچہ دروازے تک وہ آئے لیکن انکی نیت نہیں تھی کہ اس شخص کو اسوقت اپنے پاس اندر بلائیں پس اس سے پوچھا تمہارا کیا نام ہے؟ اس آنے والے نے کہا کہ مجھے احمد فائدہ کہتے ہیں شیخ نے یہ سنکر فرمایا کہ اچھی بات ہے اندر آجائیے اسلئے کہ عاقل آدمی فائدہ کو اپنے دروازے سے دور نہیں کیا کرتا بلکہ اسکا طالب ہی ہوتا ہے اور یہ صاحب (احمد فائدہ) سادات قوم میں سے ہوئے ہیں۔ اسی طرح سے صوفیاء کی صفات میں سے اپنے جوارح کے ساتھ بھی عدل کرنا اپنے اعضاء کے ساتھ تسویہ کا معاملہ کرنا اسی طرح سے مخلوق کے ساتھ اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ انصاف کا معاملہ کرنا ہے یہی سبب تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دوسرا نعل مبارک بھی قدم مبارک سے نکال لیا جبکہ ایک پیر کے جوتے کا تسمہ ٹوٹ گیا تھا اور اسکو اتارلینا پڑا تھا۔ اسطور پر آپ نے ننگے پیر چلنے میں اپنے دونوں قدم کو برابر ہی رکھا۔

ومن اخلاقهم انهم لا يفعلون شيئاً من العادات كالطعام والشراب واللباس ونحوها الا عن ضرورة و فضيلة فيخرج بذلك عن حد المباح ومنهم من يفعل المباحات بنية اظهار العبودية والعجز وبهذه النية يصير فضيلة ايضاً كنية الاعانة على الطاعات او طلب ما يرد عليه من المعانی فی تلك الافعال واعلى ذلك كله ان لا يفعل شيئاً من ذلك حتى يضطر اليه فيكون فعله حينئذٍ فرضاً واين ثواب الفرض من ثواب النفل +

ومن اوصافهم ايثار و تقديم الفقراء على الاغنياء وتقديم ابناء الآخرة على ابناء الدنيا حتى انه لو اعد احدهم كرامة او ضيافة لاحد من ابناء الدنيا فدخل عليه فقير وتحكم فيه حتى لم يبق منها شيئاً لا يتغير ولا يغير خاطر ذلك الفقير وان لم يكن عنده غير ذلك فلا يعتذر للغنی۔ وان سأله

اسی طرح اخلاق صوفیاء میں ایک خلق یہ ہے کہ یہ حضرات امور عادیہ میں سے کسی شے کو مثلاً کھانا، پینا پہننا وغیرہ کو بطور ضرورت یا بغرض فضیلت ہی کیا کرتے ہیں اس طور پر وہ شے حد مباح سے نکل جاتی ہے اور بعض حضرات ایسے ہیں جو مباحات کو بھی اظہار عبودیت اور اپنی عاجزی و احتیاج ظاہر کرنے کے لئے عمل میں لاتے ہیں۔ مگر اس نیت کے بعد تو وہ مباح صرف مباح ہی نہیں رہ جاتا بلکہ فضیلت بھی بنجاتا ہے مثلاً (کھانے پینے وغیرہ) اعانت علی الطاعۃ کی نیت کرنا یا ان افعال کے کرنے میں ان پر جو معانی منکشف ہوتے ہیں ان کا طالب ہونا باقی ان سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ ان سب چیزوں کو نہ کرے بجز حالت اضطرار کے تاکہ اب اس وقت اسکا کرنا فرض ہو جائے اور ظاہر ہے کہ فرض کا ثواب نفل سے کہیں بڑھ کر ہوتا ہے۔

اسی طرح سے صوفیا کی صفات میں سے ایک صفت ایثار اور فقراء کو اغنیاء پر مقدم کرنا ہے اور ابناء آخرت کو ابناء دنیا پر مقدم کرنا ہے یہاں تک کہ اگر صوفیاء میں سے کوئی شخص کوئی تقریب یا کوئی دعوت کسی دنیوی شخص کے لئے تیار کرتا تھا اور اس وقت کوئی فقیر آ داخل ہوتا یہاں تک کہ سامان ضیافت میں تصرف کر لیتا یعنی اسے استعمال کر لیتا اور اس میں سے کچھ نہ چھوڑتا تب بھی اس صوفی کے مزاج میں (جو دائمی ہوتا تھا) ذرا بھی تغیر واقع نہ ہوتا تھا اگرچہ اسکے پاس سوا اس سامان کے اور دوسرا سامان نہ موجود ہو اور اسکی وجہ سے وہ اس مہمان غنی سے کچھ معذرت بھی نہ کرتا تھا۔ اور اگر وہ دریافت ہی کر لیتا (کہ دعوت دے کے پھر خلاف کرنا کیسا)

ذکر لہٗ ما جریٰ وعرفہ ان ھذا
طریقھم ومن اوجع[۱] قلب فقیر من
اجل غنیّ فقد سقط من دیوان
القوم لان ادخال السرور علی الفقراء
واجب عندھم لکن این ذلک
الفقیر الذی تراعی لہٗ
ھذہ الحرمۃ والفقر مقام و
حالٌ ولہٗ رجالٌ ولیس من شرطہ
ان لا یکون لہ واسم الفقیر
باصطلاح القوم یشملھم
جمیعاً۔

تو وہ پیش آئی ہوئی صورت کو بلا تکلف اس سے بیان کر دیا
(کہ ایک صوفی صاحب آگئے تھے میں نے ان کی دعوت کر دی) اور
اس پر واضح کر دیا کہ ہم لوگوں کا یہی طریقہ ہے (کہ ہم کسی فقیر کے
دل کو نہیں دکھاتے بلکہ ہمارا اصول یہ ہے کہ) جس شخص نے کسی امیر
کی خاطر کسی فقیر کے قلب کو ایذا پہونچائی اس کا نام صوفیاء کے دفتر
ہی سے خارج کر دیا جاتا ہے اسلئے کہ فقراء کے قلب میں سرور کا
داخل کرنا اس قوم کے نزدیک واجب ہے (آگے مصنف فرماتے
ہیں) کہ یہ بات تو بہت عمدہ ہے اور بلا شبہہ فقراء (اولیاء اللہ) کا حق
یہی ہے کہ انکی ایسی ہی تعظیم وخاطر کیجائے) مگر اب ایسے فقراء
ہیں کہاں جنکی ایسی رعایت کیجائے اور جنکے لئے ایسا اہتمام کیا جائے
(یعنی یہ حضرات مخلص تھے طالب دنیا نہ تھے اور اب تو دنیا داری
آگئی ہے) کیونکہ فقر تو ایک مقام اور حال قلبی کا نام ہے جسکے ساتھ
خاص ہی لوگ متصف ہوتے ہیں۔ باقی اسکی شرط یہ نہیں ہے
کہ اسکے پاس مال نہ ہو بلکہ کبھی ایک شخص (کو فقر کا مقام حاصل ہوتا ہے
اور اس) کے پاس مال بھی ہوتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ نہیں بھی ہوتا۔ باقی اصطلاح قوم میں فقیر دونوں ہی کو
کہا جاتا ہے (یعنی صاحب حال ومقام کو خواہ مال ہو یا نہ ہو)

ع۱ **افادہ** :- قولہ ومن اوجع قلب فقیر من اجل غنیّ فقد سقط من دیوان القوم)
(یعنی جس شخص نے کسی امیر کی خاطر کسی فقیر کا دل دکھایا تو اس کا نام قوم صوفیہ کے دفتر سے خارج کر دیا جاتا ہے۔)
اسکو ملاحظہ فرمائیے کہ کیا فرما رہے ہیں۔ آگے اسکی دلیل بیان کرتے ہیں کہ دیوان قوم سے یہ شخص اس لئے
خارج کر دیا جاتا ہے کہ فقراء کے قلب میں سرور کا داخل کرنا واجب ہے اور وجع یعنی دل دکھانا اور ایذا پہونچانا سرور
کی ضد ہے۔ لہذا جب سرور کا داخل کرنا واجب تھا تو دل کا دکھانا حرام ٹھہرا۔ اور یہ شخص فعل حرام کا مرتکب ہوا اس
لئے صوفیہ کی فہرست ہی سے اس کا نام کاٹ دیا گیا۔
اور یہ جو فرمایا کہ ادخال السرور علی الفقراء واجبٌ اس کے متعلق کہتا ہوں کہ احیاء العلوم میں ہے

کہ کسی مسلمان کی دعوت سے مقصود تین چیزیں ہونی چاہئیں :-

(۱) استمالۃ قلوب الاخوان۔ یعنی اپنے بھائیوں کے قلوب کو اپنی جانب مائل کرنا۔

(۲) والتسنن بسنۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی اطعام الطعام یعنی اطعام طعام کے باب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل پیرا ہونا۔

(۳) ادخال السرور علی قلوب المومنین یعنی مومن کے قلوب میں سرور کا داخل کرنا۔

تو جب دعوت سے ایک مقصد عامۃ المؤمنین کے قلوب میں سرور کا داخل کرنا بھی ہے جس سے اس فعل کا استحسان معلوم ہوا تو پھر جو خواص مومنین ہیں یعنی اہل اللہ و فقراء ظاہر ہے کہ ان کے قلوب کو خوش کرنا کس درجہ ضروری ہوگا اسی سے نکلا کہ ان کے قلوب کو آزردہ کرنا اور مکدر کرنا ممنوع اور حرام ہے۔ اسی بات کو یہاں صاحب ترصیع فرما رہے ہیں :-

میں یہاں ایک بات اور کہتا ہوں وہ یہ کہ قوم کے دفتر سے اس شخص کا نام اسلئے کٹ جاتا ہے کہ اس نے ایسے شخص کے جنب میں کوتاہی کی جو کہ اللہ تعالیٰ کا ولی یعنی محبوب مقبول ہے چنانچہ اس کی شان میں تقصیر تفریط فی جنب اللہ ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کے حق میں کوتاہی ہے) پس یہاں سرکار عالی مدعی ہوگئی۔ اس لئے اس کا نام ہی کاٹ دیا گیا۔

اور ایک دوسری وجہ دفتر سے اس کے نام کے کٹ جانے کی یہ ہے کہ قوم کا جو دفتر ہے اس میں جس طرح سے قوم کے افراد کے نام درج ہیں اسی طرح سے ان کی صفات بھی لکھی ہوئی ہیں۔ یعنی یہ کہ ان میں یہ یہ صفات ہونی چاہیئے تب یہ لوگ فقراء کہلائے جانے کے مستحق ہوں گے۔ ان میں سے ایک صفت یہ بھی ہے کہ قوم صوفیہ کا احترام اور اسکی عظمت اس کے قلب میں ہو۔ اب جس شخص نے ابناء دنیا کو ابناء آخرت پر ترجیح دی بایں طور کہ کسی غنی کی خاطر عزیز رکھی اور کسی فقیر اللہ کے قلب کو دکھایا تو اس نے گویا قوم کا احترام فوت کر دیا پس قوم کی ایک خاص صفت اس میں باقی نہیں رہ گئی لہذا اس شرط کے نہ پائے جانے کی وجہ سے اس کا نام ان کے دفتر ہی سے خارج کر دیا گیا ہے جس طرح سے کہ کسی مدرسہ کی شرائط پوری نہ کرنے کی وجہ سے طالب علم کا نام مدرسہ سے خارج کر دیا جاتا ہے۔

(وصل فی آداب النقابة وشروطها)

(فصل خوانق کے نگراں کے شرائط اور اس کے آداب)

وهي كثيرة أيضاً لكن يحيط
بمهماتها الخمسة عشر أدباً التي
ذكرها شيخ شيخنا السيد القصبي
وهي تحمل الأذى عن جميع الإخوان
وخدمة الفقراء الواردين عليه
أو على شيخه وحسن الخلق مع
العوام والجهلة والأمانة التامة
على الأعمال والأموال والأحوال
والخدمة مع الضعفاء على الصفاء
والإخلاص من غير تكدر والقناعة
والعفة والحفظ للنفس عن جميع
ما كرهه الله تعالى وأن يكون هينا
لينا محترما للشيخ وأصحابه غاية
الاحترام كاتما لأسرارهم
ينصفهم من نفسه ولا ينتصف
لنفسه منهم ولا ينكر على من
يعتريه حال منهم ساعيا في
إصلاح ذات بينهم يؤثرهم
على نفسه بما يملك من طعام
وشراب وغير ذلك صادقا في
أقواله وأفعاله ابتغاء مرضاته

یوں تو یہ آداب بھی بے شمار ہیں مگر ان میں جو مہمات ہیں
ان کا حاصل وہ پندرہ آداب ہیں جنھیں ہمارے شیخ کے
شیخ سید قصبی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا ہے اور وہ یہ ہیں۔
اپنے تمام ساتھیوں کی ایذا برداشت کرنا۔ اور ان فقرا اور
ساکین کی خدمت کرنا جو اس کے پاس آمد و شد رکھتے ہیں یا
اس کے شیخ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ناواقفین اور عام لوگوں کے
ساتھ حسن خلق سے پیش آنا۔ اور اعمال و اموال اور احوال
(ان سب چیزوں) میں کامل دیانت داری سے کام لینا۔ اور
کمزوروں اور ناتوانوں کی خدمت پورے اخلاص و محبت کے ساتھ
کرنا۔ ایسے طور پر کہ اسکی وجہ سے قلب میں ذرا بھی تنگی اور ناگواری
نہ ہو (اسی طرح سے) ایک ادب نقابت کا قناعت و عفت اختیار
کرنا اور اپنے نفس کی ان تمام چیزوں سے حفاظت کرنا جو
اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں اور ایک ادب ہے کہ انسان کا نرم مزاج
اور نرم خو ہونا شیخ کا اور اسکے متعلقین کا غایت درجہ احترام کرنے
والا ہونا نیز ارباب طریق کے اسرار کو چھپانے والا ہونا، اپنی جانب سے
ان کا پورا حق ادا کرنا، اور خود اپنا ان کے اوپر کچھ حق نہ سمجھنا،
اور اگر ارباب طریق میں سے کسی کو کبھی کوئی برا حال پیش آجائے تو اسپر
انکار نہ کرنا بلکہ ان میں باہم پیش آنیوالے اختلافات (نزاعات)
کی اصلاح میں سعی بلیغ کرنا اور ان کو اپنے اوپر ان کھانے پینے
کی چیزوں میں جو اس کے پاس ہیں مقدم رکھنا اور ترجیح دینا۔ اسی
طرح اپنے اقوال میں اور افعال میں سچا ہونا اور اللہ تعالیٰ کی رضا

الله تعالى لا طمعاً في ثواب ولا خوفاً من عقاب لا يغتم لذم ولا يفرح او يغتر بمدح ولا ينام على فعل مذموم بل يتوب منه قبل نومه ولا يطأ او يجلس على سجادة الشيخ بل يطويها وهو على ركبتيه متادبًا ولذا قالوا الطريق قيراط والنقيب ثلاثة وعشرون قيراطاً اى لماله من تحمل المشاق وكثرة الخدمة. وقال بعضهم خادمهم السوء افضل من العابد فيهم ويشهد لذلك ما ورد ان جماعة الصحابة رضوان الله تعالى عليهم اجمعين. سافروا لجهة فلما رجعوا قالوا يا رسول الله خيرنا فلان كان اذا ركبنا لا يزال يذكر الله حتى ينزل واذا نزل لا يزال يصلي حتى نركب قال فمن كان يتكفل بطعامه وشرابه والف دابته قالوا كلنا قال كلكم خير منه.

کا طالب ہونا یہ کہ ثواب کی طمع سے یا عذاب کے خوف سے کوئی کام کرنا اسی طرح سے کسی کے برا کہنے اور برائی کرنے سے غمزدہ کرنا اور نہ مدح پر خوش ہی ہونا اور نہ اس سے دھوکہ میں پڑنا اور نہ کسی مذموم فعل کو کرتے اسی حالت میں شب گذارنا بلکہ یہ کرنا کہ سونے سے پہلے ہی اس سے توبہ کرنا اسی طرح سے شیخ کا مصلیٰ نہ تو روندنا اور نہ اس پر بیٹھنا بلکہ اسکو تہ کرکے علیحدہ رکھدینا اور چاہیے کہ اپنے گھٹنوں کے بل اسکے سامنے متادبًا کھڑا رہے اسی واسطے مشائخ نے فرمایا ہے کہ طریق اگر بقدر ایک قیراط کے فرض کیا جائے تو نقیب اسکے تیئیس ۲۳ حصوں کے برابر ہیں یعنی نقیب کی یہ فضیلت اسی لئے ہے کہ اسکو طریق میں بہت خدمت کرنی پڑتی ہے اور بہت مشقت برداشت کرنی پڑتی ہے اور بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ بزرگوں کا خادم بھی خواہ وہ بدخلق ہی ہو عابد سے کہیں بڑھکر ہے اور اس قول کی تائید اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت نے کسی جانب کا سفر کیا جب واپس ہوئے تو عرض کیا یا رسول اللہ ہم میں کا فلاں شخص بہت بہتر ثابت ہوا اسلئے کہ جب تک ہم سفر میں ہوتے وہ برابر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا رہتا یہانتک کہ جب ہم کہیں مقیم ہوتے تو وہ نماز پڑھنا شروع کردیتا اور سارے وقت پڑھتا رہتا، یہانتک کہ ہم آگے کوچ کرتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنکر فرمایا کہ اچھا یہ بتاؤ کہ پھر اسکے کھانے پینے کی اور اسکی سواری کے جانور کی کفالت کون کرتا تھا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ ہم سبھی لوگ ملکر اسکی کفالت کرتے تھے۔ آپ نے یہ سنکر فرمایا کہ پھر تو تم سبھی لوگ اس سے بہتر ہو۔

واما حقوق النقيب على المريدين فخمسة اذا قدم او اخر احداً من

بہرحال نقیب کے جو حقوق مریدین پر ہیں وہ پانچ ہیں۔ ایک یہ کہ جب وہ کسی شخص کو مجلس میں مقدم یا موخر

المجلس فليمتثل امره لانه اعلم باحوال المريدين وان لا يعملوا عملاً الا باذنه وان لا يرفعوا اصواتهم فوق صوته مخاطبتهم مع الشيخ وان لا يكلموه بكلام خشن واذا دعاهم لامر فلا يقولوا الى اين ولا لِمَ ۔

کرے تو لوگوں کو چاہیئے کہ اسکے امر کا امتثال کریں۔ اسلئے کہ وہ مریدین کے احوال سے بخوبی واقف ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ کوئی کام بغیر اسکے امر کے نہ کریں۔ تیسرے یہ کہ اپنی آواز کو اسکی آواز سے اونچی نہ کریں چنانچہ ان سب امور میں اسکے ساتھ شیخ ہی جیسا معاملہ کرنا چاہیئے اور چوتھے یہ کہ لوگ اسکے ساتھ درشت گوئی اور سخت کلامی کیساتھ نہ پیش آئیں اور پانچویں یہ کہ جس وقت وہ ان سب لوگوں کو کسی معاملہ کے لئے بلائے تو اس سے یہ دریافت نہ کریں کہ کہاں لیجانا چاہتے ہو اور کیوں لیجانا چاہتے ہو۔

(وصل فی الذکر وآدابه والسماع وآدابه وتوجهات الاسماء السبعة)

(فصل۔ ذکر اور اس کے آداب، سماع اور اس کے آداب اور اسماء سبعہ کا بیان)

اعلم ان اسرع الطاعات فی جلاء القلب وتنویره وتبدیل الاوصاف الردیئة بالاوصاف الحمیدة ذکر الله تعالیٰ قال تعالیٰ ان الصلوٰة تنهی عن الفحشاء والمنکر ولذکر الله اکبر ۔

جانو کہ قلب کو منور اور روشن کرنے میں اور اس کے اوصاف ردیہ کو اوصاف حمیدہ کے ساتھ بدلنے میں سب طاعات سے زیادہ سریع الاثر اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ بلاشبہ نماز بےحیائی اور ناشایستہ باتوں سے روکنے والی ہے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر (یعنی اس کی یاد) تو بڑی چیز ہے۔

وقالوا ان عمل الذکر فی جلاء القلب عمل الرمل فی جلاء النحاس وعمل بقیة الطاعات فی جلائه عمل الصابون فی جلاء النحاس فواظب علی الذکر الذی لقنك ایاه شیخك آناء اللیل واطراف النهار سراً وجهراً فهو اسهل العبادات

اور علماء نے فرمایا ہے کہ ذکر کا عمل قلب کے جلاء کرنے میں ایسا ہی ہے جیسا کہ ریت کا کام تانبے کے صاف کرنے میں ہوتا ہے۔ اور دیگر طاعات کا کام قلب کی صفائی میں ایسا ہے جیسا کہ صابون کا عمل تانبے کے صاف کرنے میں۔ لہذا اے سالک تجھ کو جو ذکر تیرے شیخ نے تلقین فرمایا ہے اس پر پابندی کے ساتھ قائم رہ اور شب و روز ذکر سری یا جہری کے ساتھ لگا رہ کیونکہ ایک تو یہ کہ یہ سب عبادات سے زیادہ سہل ہے۔ دوسرے

یمکنك فی القیام والقعود و الاضطجاع والصحة والمرض ولا بد من اوقات تجلس فیها مستقبل القبلة تذکر بهمة ونشاط بالآداب الآتیة وبقدر ما تکثر من الذکر یقرب علیك الطریق ویزداد حبك الله تعالیٰ وحبه لك فان التاثیر من الاسماء لا یحصل الا بالاکثار لیلا و نهارا قال تعالیٰ یا ایها الذین آمنوا اذکروا الله ذکرا کثیرا ـ واختلفوا فی حد الاکثار فقیل ثلاث مائة وقیل ثلثة آلاف وقیل اثنا عشر الفا ثم ان لا اله الا الله اعظم انواع الذکر تاثیرا فی کنس الاغیار من القلب وازالة الحجب الظلمانیة

یہ کہ تیرے لئے کھڑے کھڑے بیٹھے بیٹھے۔ لیٹے لیٹے حالت صحت میں اور حالت مرض میں غرض سب حالات میں ممکن ہے۔ اسی طرح سے ایک وقت مرید کے لئے ایسا بھی ہونا چاہیئے جس میں وہ مستقبل قبلہ ہوکر بیٹھے اور ہمت ونشاط کے ساتھ ان آداب کی رعایت رکھتے ہوئے ذکر کرے جنکی تفصیل آگے آتی ہے۔ اور جس قدر تم ذکر میں تکثیر کروگے اسی قدر خدا کا طریق تم سے قریب ہوگا اور تمہاری محبت اللہ تعالیٰ سے اور اللہ تعالیٰ کی محبت تم سے زیادہ ہوگی اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے ناموں کی تاثیر اسوقت تک ظاہر نہیں ہوتی جب تک کہ ان کا نام کثرت سے نہ لیاجائے اور شب وروز نہ لیا جائے دیکھو اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں کہ اے ایمان والو تم اللہ کو خوب کثرت سے یاد کرو۔ لیکن علماء کا اسمیں اختلاف ہے کہ کثرت کی مقدار کیا ہے تو ایک قول یہ ہے کہ تین سو بار ذکر کرے ایک قول تین ہزار کا ہے اور ایک قول بارہ ہزار کا بھی ہے۔ پھر یہ سمجھو کہ جملہ انواع ذکر میں لاالہ الا اللہ قلب سے اغیار کو دور کرنے اور حجابات ظلمانیہ کے زائل کرنے میں سب سے بڑھ کر ہے۔

(افادہ)

مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے طریق میں نفع تام کے لئے تکثیر ذکر کو فرمایا ہے۔ اور اس تکثیر کی مطلوبیت کو اللہ تعالیٰ کے ارشاد اذکروا اللہ ذکرا کثیرا سے ثابت فرمایا ہے۔ اسکے متعلق تفسیر مظہری میں حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے اچھی بحث فرمائی ہے۔ ناظرین کے افادے کے لئے اس کا ذکر یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے۔ وھو ھذا

قال ابن عباسؓ لم یفرض الله تعالیٰ علی عبادہ فریضة الا جعل لها حدا

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر جو بھی فرائض مقرر فرمائے ہیں تو ان کی حدود بھی مقرر

معلومًا ثم عذر اهلها في حال العذر
غير الذكر فانه لم يجعل له حدًا
ينتهي اليه ولم يعذر احدًا في تركه
الا مغلوبا على عقله فامر به في الاحوال
كلها فقال فاذكروا الله قيامًا وقعودًا
وعلى جنوبكم وقال اذكروا الله ذكرا كثيرا
بالليل والنهار في البر والبحر وصحة
والسقم في السر والعلانية ۔

وقال مجاهدؒ الذكر الكثير ان
لا ينساه ابدًا قلت وهذا لا يتصور
الا بعد فناء القلب ودوام الحضور
وسبحوه اي صلوا له بكرة يعني صلوة
الصبح واصيلاً قال الكلبي يعني صلوة
الظهر والعصر والعشائين ۔

وقال مجاهد يعني قولوا سبحان الله
والحمد لله ولا اله الا الله والله
اكبر ولا حول ولا قوة الا بالله العلي
العظيم ۔ فعبر بالتسبيح عن اخواته
وقيل المراد بالذكر الكثير هذه الكلمات
يقولها الطاهر والمحدث والجنب ۔

قلت امر الله سبحانه اولاً
بتعميم الذكر ابدًا بحيث لا ينسا
ثم خصه باوقات مخصوصة فالمراد
بالاول هو الذكر الخفي والحضور
الدائم وبالثاني الذكر الجلي

کر دی ہیں۔ اور اہل عذر کو حالت عذر میں معذور رکھا ہے
مگر ذکر میں یہ اصول نہیں ہوتا۔ اس کے لئے نہ تو کوئی حد ہے
مقرر کی ہے جس پر کہ اس کی انتہا ہو اور نہ اس کے ترک پر
کسی حال میں کسی کو معذور ہی رکھا ہے مگر یہ کہ کوئی شخص
مغلوب العقل ہی ہو تو یہ دوسری بات ہے۔ پس ذکر کا حکم ہر
حال میں آیا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے کہ خدا کی یاد کرو کھڑے بھی بیٹھے بھی
اور لیٹے ہوئے بھی نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بکثرت یاد کرو۔ رات
میں بھی دن میں بھی خشکی میں بھی تری میں بھی۔ صحت میں بھی مرض میں بھی
اور پوشیدگی میں بھی علانیہ طور سے بھی۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ ذکر کثیر یہ ہے کہ
انسان اسکو کسی حال میں اور کبھی نہ بھولے۔ میں کہتا ہوں کہ ایسا تو
فنائے قلب اور دوام حضور کے حاصل ہونے کے بعد ہی ہو سکتا ہے
آگے فرماتے ہیں وسبحوہ بکرۃً واصیلا یعنی اس کے لئے نماز
پڑھو۔ صبح کی۔ ظہر و عصر کی اور مغرب و
عشاء کی۔

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ مراد اس سے یہ ہے
کہ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ
اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم
کہو۔ ان پانچوں ہی کو صرف تسبیح کے لفظ سے تعبیر
فرما دیا۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ ان کلمات کو حالت طہارت
میں۔ حدث میں۔ جنابت میں سب میں کہا کرو۔

میں کہتا ہوں کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے پہلے تو ذکر میں
تعمیم فرمائی اور یہ فرمایا کہ انسان ہمیشہ ذکر کرے کسی وقت
اللہ تعالیٰ کو بھولے نہیں۔ مگر پھر اسکو اوقات مخصوصہ کیساتھ
مختص کر دیا۔ پس اول سے مراد ذکر خفی اور حضور
دائمی ہے اور ثانی سے مراد ذکر جلی ہے

والعبادات الراتبة من الفرائض والسنن +

اور عبادات مقررہ مراد ہیں خواہ فرائض ہوں یا سنن ۔

(تفسیر مظہری) ص ۳۸۴ پ ۲۲

مجھے اس سلسلے میں خیال ہوا کہ ذرا دیکھوں تو سہی مفسرین والذاکرین اللہ کثیرا والذاکرات کا کیا مطلب بیان کرتے ہیں تو تفسیر مظہری میں یہاں بھی قریب قریب وہی لکھا ہے جو اذکروا اللہ ذکرا کثیرا میں بیان ہو چکا ہے ۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ :۔

قال مجاهدؒ لا یکون العبد من الذاکرین اللہ کثیرا حتی یذکر اللہ قائما وقاعدا ومضطجعا یعنی لا یفتر ذکرہ حین من الاحیان +

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ بندہ کا شمار ذاکرین اللہ کثیرا میں نہ ہوگا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کھڑے بیٹھے اور لیٹے نہ کرنے لگ جائے یعنی کسی وقت اس کے ذکر سے سستی وغفلت نہ کرے ۔

قلت ذالك لا یتصور الا بعد فناء القلب واستغراق القلب وحصول الحضور الدائم +

(قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ) یہ تو اسی وقت ہو سکتا ہے جب انسان کو فناء قلب، استغراق قلب اور دوام حضور کا مرتبہ حاصل ہو جائے ۔

پھر آگے الذاکر فی الغافلین کی فضیلت بیان کرتے ہوئے یہ حدیث نقل فرماتے ہیں کہ :۔

عن مالك قال بلغنی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یقول ذاکر اللہ فی الغافلین کالمقاتل خلف الفارین وذاکر اللہ فی الغافلین کغصن شجر اخضر فی شجر یابس وذاکر اللہ فی الغافلین مثل مصباح فی بیت مظلم وذاکر اللہ فی الغافلین یریہ اللہ مقعدہ من الجنة وهو حی وذاکر اللہ فی الغافلین یغفر له بعدد کل فصیح واعجم والفصیح بنو آدم والاعجم بهائم ۔

حضرت مالکؒ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہونچی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ غافلین کے درمیان کوئی ذاکر رہتا ہو تو وہ ایسا ہے جیسے کہ جہاد میں بھاگنے والوں کے پیچھے کوئی لڑنے والا ہو (کہ اور تو سب بھاگ رہے ہیں اور وہ ڈٹا ہوا ہے) اسی طرح سے غافلین کے درمیان اللہ کو یاد کرنے والا ایسا ہے جیسے کسی سوکھے درخت میں کوئی سبز ٹہنی رہ گئی ہو۔ اسی طرح سے غافلین کے درمیان ذاکر کا وجود ایسا ہے جیسے کہ تاریک کوٹھری میں کوئی چراغ جل رہا ہو۔ اسی طرح سے غافلین کے درمیان جو ذاکر ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ زندگی ہی میں اسکو جنت کا ٹھکانہ دکھا دیتے ہیں۔ اور غافلین کے درمیان کوئی ذاکر رہتا ہے تو اسکے لئے تمام انسان اور تمام بہائم دعا کرتے ہیں ۔

(مظہری پ ۲۲ ص ۳۷۶)

پھر آگے فرماتے ہیں۔ کہ فرائض خمسہ ادا کرنے والا بھی والذاکرین اللہ کثیرا والذاکرات میں داخل ہے چنانچہ لکھتے ہیں کہ :۔

قال البغوی قال عطاء بن ابی رباحؒ ومن صلی الصلوات الخمس فھو داخل فی قولہ والذاکرین اللہ کثیرا والذاکرات +

بغوی کہتے ہیں کہ عطاء بن ابی رباحؒ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے پنجوقتہ نماز ادا کرلی وہ بھی والذاکرین اللہ کثیراً والذاکرات میں داخل سمجھا جائے گا۔

(ص ۳۷۶ ج ۲۲)

اس کے بعد مجھے خیال ہوا کہ ذرا بیان القرآن تو دیکھوں۔ حضرت رح نے اس کے متعلق کیا فرمایا ہے۔ جب اس مقام کو نکال کر دیکھا تو جی خوش ہوگیا یعنی جس چیز کو طبیعت چاہتی تھی وہ مل گئی اور حضرت نے اسکی جو تفسیر فرمائی ہے وہ کسی نے نہیں کی۔ فرماتے ہیں کہ والذاکرین اللہ کثیرا والذاکرات یعنی بکثرت خدا کو یاد کرنے والے مرد اور یاد کرنے والی عورتیں (یعنی جو اذکار مفروضہ کے علاوہ اذکار نافلہ بھی ادا کرتے ہیں) اعد اللہ لھم مغفرۃ واجرا عظیماً ان سب کیلئے اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔ (بیان القرآن ص ۵ ج ۹)

دیکھا آپ نے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ والذاکرین اللہ کثیرا والذاکرات کے اولین مصداق وہ لوگ ہیں جو فرض اذکار یعنی نماز روزہ وغیرہ ادا کرتے ہیں مگر صرف اسی پر بس نہیں کرتے بلکہ علاوہ اس کے اذکار نافلہ بھی ادا کرتے ہیں۔

اس زمانہ کی بدعات میں ایک بڑی بدعت یہ ہوگئی ہے کہ لوگ خدا کے فریضہ کو کچھ نہیں سمجھتے۔ نوافل پڑھتے ہیں اور زبان سے اللہ اللہ کرتے ہیں اسکو تو ذکر سمجھتے ہیں اور فرض نماز کے ادا کرنے والے کو ذاکر ہی نہیں سمجھتے۔ نہ وہ خود اپنے کو کچھ سمجھتا ہے اور نہ لوگ اسکو کوئی بزرگی کا کام سمجھتے ہیں حالانکہ آپ نے دیکھا کہ مفسرین نے اس کا مصداق صلوات خمسہ کو بھی کہا ہے اور حضرتؒ نے تو والذاکرین کا مصداق اولی ہی اسکو قرار دیا ہے۔ بہرحال یہ نہایت درجہ بدعقیدگی ہے جو اس وقت ابنائے زمانہ میں فرائض کی جانب سے پیدا ہوگئی ہے۔ اب ظاہر ہے کہ آدمی جب نماز روزہ کے ساتھ ایسی بدعقیدگی دل میں لئے رہے گا تو اس سے اسکو خاک فائدہ ہوگا؟

نماز روزہ میں بھی بزرگی ہے بلکہ بزرگی کی اصل یہی چیزیں ہیں لیکن مخلص کیلئے اسلاف نے عقیدہ صحیح کرکے تب اسکو لیا تھا اس لئے ان کو نفع ہوا اور اب جو نفع نہیں ہو رہا ہے وہ ہماری بدعقیدگی

کی وجہ سے نہیں ہوتا نہ اس لئے کہ اس میں کچھ ہے نہیں۔

ایک جگہ اہل علم کے مجمع میں میں نے یہ بیان کیا کہ آج کل لوگ نماز کو بھی حاکم وقت کی بیگار سمجھتے ہیں چنانچہ خواہی نخواہی ادا کر لیتے ہیں۔ باقی نیت درست کر کے اور اخلاص کے ساتھ تو کوئی ہی کوئی اللہ کا بندہ پڑھتا ہوگا۔ اسلئے آج ہم کو اس سے فیض نہیں ملتا ورنہ تو یہ فیض کی چیز ہے۔ معراج المومنین ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو امت کیلئے معراج میں بطور تحفہ کے یہ ملی ہے۔

میں نے جب یہ مضمون بیان کیا تو لوگوں نے اسے سراہنا شروع کیا کہ خوب بات بیان کی اور بہت سے لوگوں نے نکھ کر دیا کہ اس بات کو سنکر نیت درست کر لی ہے اور فرض نماز ٹھیک کرنے کی فکر پیدا ہوگئی ہے۔ میں نے تو ایک بات یونہی بیان کر دی تھی کہ شاید کوئی آدمی اس خیال کا ہو تو اسکی اصلاح ہو جائے مگر دیکھا کہ بڑے بڑے پڑھے لکھے حضرات اس کا شکار نکلے۔ جب نماز جیسی اہم عبادت کا یہ حال ہے تو اسی پر اور چیزوں کو قیاس کر لیجئے۔ چنانچہ ذکر کے باب میں بھی ہم سے جو جو غلطیاں ہوتی ہیں ایک مصری عالم کی زبان سے اسکو سنئے۔ ھذا نصہ۔

(بیان ماھو الذکر الشرعی)

واما الذکر الذی یحبہ اللّٰہ ورسولہ واصفیاء الامۃ ویوجر علیہ فاعلہ فھو ما ورد بہ کتاب اللّٰہ وسنۃ رسولہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وضبطہ الائمۃ الذین یعول علیھم فقد قال سیدی محمد المنیر خلیفۃ الامام الحفنی فی تحفۃ السالکین ولیحذر من اللحن فی لا الہ الا اللّٰہ لانھا من القرآن فیمد اللام علی قدر الحاجۃ ویحقق الھمزۃ المقصورۃ بعدھا ولا یمدھا اصلا ویفتح ھاء اِلٰہَ فتحۃ خفیفۃ ولا یفصل بین الھاء وبین الا اللّٰہ وایاک ان تتھاون فی

(ذکر شرعی کا بیان)

وہ ذکر جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند ہے اور اللہ کے نیک بندے بھی جسکو پسند کرتے ہیں اور جسکے کرنے والے کو اجر دیا جائیگا وہی ہے جو کتاب و سنت میں وارد ہے اور معتمد ائمہ نے جسکو ضبط کیا ہے۔ چنانچہ سیدی محمد منیر نے جو کہ امام حفنی کے خلیفہ ہیں۔ تحفۃ السالکین میں لکھا ہے کہ لا الٰہ الا اللّٰہ کا ذکر کرنے میں لحن اور غلطی سے احتراز کرو اس لئے کہ یہ قرآنی الفاظ ہیں۔ پس لَا کے لام کو بقدر ضرورت ہی کھینچو اور اس کے بعد جو ہمزہ آتا ہے اسکو صاف اور واضح طور سے ادا کرو اور اس کو بالکل نہ بڑھاؤ۔ اور اِلٰہَ کی ھاء پر خفیف سا زبر پڑھو اور لا اِلٰہَ میں اور الا اللّٰہ میں فصل نہ کرو۔ (مکرر کہا جاتا ہے کہ) اِلٰہ کے ہمزہ کی ادائیگی میں سستی نہ کرنا ورنہ تم ہمزہ کے بجائے یا پڑھ دوگے۔ اسی طرح سے اِلّا کے ہمزہ کا خیال کرو۔

تحقیق همزة إلٓه فانك ان لم تحققها قلبت ياءً وكذالك همزة إلّا وتسكن آخر لفظ الجلالة ۔

(ورنہ لا یلاہ یلا اللہ ہو جائے گا جو غلط ہوگا) اور لفظ اللہ کے آخر کو ساکن پڑھو (یعنی اِلَّا اللہ کہو)

ثم قال ويحترز عن تمطيط الذكر والعجلة الشديدة لانها تخرج الذكر عن حده فالميزان ان لا يخرجه عن حده الشرعي انتهى ملخصاً ونحوه للعلامة السنوسي والعلامة الشجاعي وابي البركات الدردير والامام الشعراني وغيرهم من السادة الاكابر وشنعوا جميعًا على من حرف الذكر عن الطريقة الشرعية وحكموا بانه لا ثواب له بل واقع في الخسران والضلال البعيد ۔

پھر فرمایا کہ ذکر کو بہت زیادہ کھینچنے سے بھی بچو اور اسی طرح بہت زیادہ جلد بازی سے بھی بچو اس لئے کہ یہ ذکر کو اسکی حد سے خارج کر دیتا ہے پس معیار اس باب میں یہ ہے کہ اسکو حد شرعی سے باہر نہ ہونے دو ۔

اسی کے مثل کلام علامہ سنوسی ۔ علامہ شجاعی ابوالبرکات دردیر اور امام شعرانیؒ وغیرہ نے بھی فرمایا ہے جو کہ اکابر صوفیہ میں سے گذرے ہیں۔ اور ان سب حضرات نے بالاتفاق اس شخص کی مذمت کی ہے جو ذکر کو طریقۂ شرعیہ سے متجاوز کرے اور یہ فرمایا ہے کہ اسکو ایسے ذکر پر ثواب تو کیا ملے گا اُلٹے یہ شخص خسران و ضلال میں پڑ جائے گا۔

(الابداع ص۲۱۶)

صاحب ترصیع نے لا إله الا الله کے الفاظ کی تصحیح کی جانب تنبیہ کرکے فرمایا تھا کہ یہ قرآن کا ایک ٹکڑا ہے لہذا اس میں اگر تبدیل و تغیر ہوا تو ثواب تنویر دونوں ہی سے محرومی رہے گی ۔ اسی طرح سے یہاں صاحب ابداع نے بھی یہی فرمایا کہ ذکر کو طریقۂ شرعی پر ہونا چاہیئے جس نے اسکو بدلا تو نہ صرف یہ کہ اسے اجر و ثواب نہ ملیگا بلکہ وہ خسران میں مبتلا ہوگا۔

علماء کی ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ الفاظ ذکر کی بھی عظمت ضروری ہے اور ان کی تصحیح کا اہتمام کرنا چاہیئے ورنہ نہ صرف یہ کہ تبدیل و تغیر کی وجہ سے وہ ذکر موجب ثواب و تنویر نہ ہوگا بلکہ سبب لعن و مقت ہو جائے گا۔ چنانچہ آج بھی مشاہدہ ہے کثیر تعداد کے آگے ذاکرین کو اسکی کیفیت کے سنوارنے کا مطلقاً اہتمام نہیں ہے اور یہ محض رسمی ذکر ہے ۔ اخلاص سے اسکو دور کا بھی واسطہ نہیں۔ کیونکہ ذکر میں کثرت جو مطلوب ہے تو اس کا درجہ کیفیت کے بعد کا ہے یہ نہیں کہ تعداد ہی مقصود ہے بس اسکو پورا کیا جائے چاہے جس طرح سے بھی ہو ۔

صاحب روح المعانی نے آیۃ واذکر اسم ربک وتبتل الیہ تبتیلا کی تفسیر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :-

ای دُم علی ذکرہٖ تعالیٰ لیلاً ونہاراً علی ای وجہ کان من تسبیح وتھلیل وتحمید وصلوٰۃ وقراءۃ قرآن وغیر ذلک +

اپنے رب کا ذکر کیجئے یعنی رات میں دن میں تمام وقتوں میں اپنے رب کے ذکر پر مداومت برتئے ذکر چاہے جس طرح کا ہو تسبیح ہو کہ تہلیل ہو۔ تحمید ہو یا نماز وتلاوت قرآن وغیرہ ہو۔

وفسر الامر بالدوام لانہ علیہ الصلوٰۃ والسلام لم ینسہ تعالیٰ حتی یؤمر بذکرہ سبحانہ والمراد الدوام العرفی لا الحقیقی لعدم امکانہٖ

(روح المعانی ص۱۰۹ ج۲۹)

اور اُذکُر کی تفسیر دوام سے اس لئے کیگئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو حق تعالیٰ کو خود ہی فراموش نہیں کئے ہوئے تھے تو پھر یاد کرنے کا مطالبہ کیا ؟ ہاں دوام کا حکم فرمانا ممکن تھا اسلئے یہاں یہی مراد ہے اور پھر دوام سے مراد۔ دوام عرفی ہے (یعنی اکثر اوقات میں) حقیقی نہیں اسلئے کہ وہ امکان سے خارج ہے۔ کیونکہ ایک آن بھی ذکر سے خالی نہ ہو یہ چیز طاقت بشریہ سے خارج ہے۔

اسی طرح سے وذکر اسم ربہ فصلے کے تحت تحریر فرماتے ہیں کہ :-

ذکر اسم ربہ بلسانہ وقلبہ لا بلسانہ مع غفلۃ القلب ادمثل ذلک لا ثواب فیہ فلا ینبغی ان یدخل فیما یترتب علیہ الفلاح - والذکر القلبی باستحضار اسمہ تعالیٰ فی القلب وان کان محمودا بلا شبھۃ الا ان ارادتہ بخصوصہ عما ذکر خلاف الظاہر +

اپنے رب کا نام لیا یعنی زبان سے اور قلب سے ذکر کیا نہ یہ کہ صرف زبان سے ذکر کیا اور قلب غافل رہا اس لئے کہ اس جیسے ذکر میں کوئی ثواب نہیں ملتا۔ لہذا جس ذکر پر کہ فلاح مرتب فرمائی جارہی ہو (قد افلح من تزکی وذکر اسم ربہ فصلی) اس میں اس کا شمار مناسب نہیں اور ذکر قلبی یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ کا نام قلب میں مستحضر کرے یہ اگرچہ پسندیدہ ہے اور ذکر کا فرد ہے تاہم یہاں ذکر کو اسی کے ساتھ خاص کرنا ظاہر کے خلاف ہے۔ ظاہر یہی ہے کہ عام ہے۔ مگر قلبی توجہ بہرحال ضروری ہے۔

دیکھئے اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر خواہ لسان سے ہو یا قلب سے دونوں مطلوب ہیں البتہ یہ ذکر کہ لسان ذاکر ہو اور قلب غافل یہ کوئی چیز نہیں اور اس پر اجر کا بھی وعدہ نہیں۔ اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر قلب غافل سے کرنا عظمت ذکر اور تعظیم وخشوع کے منافی ہے جس سے اسم رب کی تنزیہ کا امر ہے۔ جیسا کہ

یہی صاحب روح المعانی سبح اسم ربک الاعلیٰ کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں۔

سبح اسم ربک الاعلٰی ای نزہ اسماءہ عزوجل عما لایلیق۔ فلا تؤول مما ورد منہا اسما من غیر مقتض ولا تبقہ علی ظاہرہ اذا کان ماوضع لہ ما لا یصح لہ تعالیٰ ولا تطلقہ علیٰ غیرہ سبحانہ اصلا اذا کان مختصا کالاسم الجلیل او علی وجہ یشعر بانہ تعالیٰ والغیر فیہ سواء اذا لم یکن مختصا فلا تقل لمن اعطاک شیئا مثلا ھذا رازقی علی وجہ یشعر بذلک وصنہ عن الابتذال والتلفظ بہ فی محل لا یلیق بہ کالخلاء وحالۃ التغوط وذکرہ لا علی وجہ الخشوع والتعظیم وربما یعد مما لا یلیق ذکرہ عند من یکرہ سماعہ من غیر ضرورۃ الیہ۔ وعن الامام مالک انہ کان اذا لم یجد ما یعطی السائل یقول ماعندی ما اعطیک او ائتنی فی وقت آخر او نحو ذالک ولا یقول نحو ما یقول الناس یرزقک اللہ تعالیٰ او یبعث اللہ تعالیٰ لک او یعطیک اللہ تعالیٰ او نحوہ فسئل عن ذالک فقال ان السائل اثقل شیئ علی

آپ اپنے پروردگار عالیشان کے نام کی تسبیح کیجئے یعنی حق تعالیٰ کے اسمار کو ان امور سے جو ان کے شایان شان نہیں ہیں منزہ رکھئے۔ مثلاً جو نام اللہ تعالیٰ کے شرعاً آئے ہیں ان کو ان کے ظاہر سے بلاوجہ مت پھیریئے۔ یا اگر کوئی ایسا نام اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال کیا جاتا ہو کہ اسکے ظاہر کا اطلاق حق تعالیٰ کیلئے شرعاً درست نہ ہو تو اب آپ اسکو اسکے ظاہر پر نہ رکھئے بلکہ تاویل کیجئے۔ اسی طرح سے اگر کوئی حق تعالیٰ کا مخصوص علم ہو جیسے اللہ اسکو غیر اللہ پر ہرگز نہ بولئے یا اگر خاص نہ ہو تو ایسے طور پر اس کا اطلاق نہ کیجئے جس سے شبہ ہو کہ شاید اللہ تعالیٰ اور وہ غیر دونوں اس وصف میں برابر ہیں (معاذ اللہ) مثلاً کسی نے اگر تم کو کوئی چیز دی تو اسکے متعلق یہ مت کہو کہ یہ تو میرا رازق ہے کیونکہ حقیقتاً تو خدا رازق ہے اس کہنے میں شرک کا ایہام ہے۔ اسی طرح سے اللہ تعالیٰ کے نام کو بے وقعت ہونے سے بچاؤ، اور ایسے مقامات میں انکا تلفظ نہ کرو جو اسکے لئے مناسب نہیں مثلاً بیت الخلا یا بوقت تضائے حاجت اسی طرح سے خود کو اس سے بھی بچاؤ کہ اللہ تعالیٰ کا نام بدون خشوع اور تعظیم کے لو اور منجملہ مالایلیق میں یہ بھی داخل ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام ایسے شخص کے سامنے بلاضرورت نہ لیا جائے جو کہ اس کا سننا پسند نہ کرتا ہو۔ جیسا کہ امام مالک کا واقعہ منقول ہے کہ ان کے پاس سائل کو دینے کیلئے جب کوئی چیز نہ ہوتی تو اس سے یوں فرماتے کہ بھائی اس وقت تم کو دینے کے لئے کچھ ہے نہیں۔ یا یوں فرماتے کہ جاؤ کسی دوسرے وقت آنا یا اسکے مثل کچھ اور فرما دیتے۔ اور جیسا کہ لوگوں کا قاعدہ ہے کہ ایسے موقع پر جواب کیلئے کہدیتے ہیں۔ جاؤ بھائی اللہ تعالیٰ تمکو روزی دیں یا یہ کہ دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ تمہارا حصہ بھیجیں یا یہ کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دیں یا اسکے مثل کوئی اور کلمہ نہ فرماتے چنانچہ آپ سے دریافت کیا گیا کہ آپ کا

سمعہ وابغضہ الیہ قول المسئول لہ ما یفید زیادۃ وحرمانہ فانا اجل اسم اللہ سبحانہ من ان اذکرہ لمن یکرہ سماعہ ولو فی ضمن جملۃ۔ وھذا منہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی غایۃ فی الورع +

(روح المعانی ج ۱)

جواب عام لوگوں کے جواب سے مختلف کیوں ہوتا ہے تو فرمایا کہ بات یہ ہے کہ سائل کے کانوں پر سب سے زیادہ شاق اور نہایت ناپسند قول مسئول عنہ کا وہ جواب ہوتا ہے جس میں اس کا رد اور حرمان ہو تو بھائی میں تو اللہ تعالیٰ کے نام کو اس سے کہیں اعلیٰ و ارفع سمجھتا ہوں کہ اسکو کسی شخص کے ساتھ ایسے کلام میں استعمال کروں جس کا سننا بھی اسے ناگوار ہو اگرچہ یہ اسم اس جملہ کے ضمن ہی میں کیوں نہ آجائے۔ سبحان اللہ یہ امام مالک رحمہ اللہ کا ادب تھا اور ان کا اعلیٰ درجہ کا ورع تھا۔

دیکھئے صاحب روح نے اسم اللہ تعالیٰ کی تعظیم کی کیسی کیسی صورتیں بیان فرمائیں اور آخر میں امام مالک کے واقعہ سے تو حیرت ہی ہوتی ہے کہ سبحان اللہ یہ حضرات کس درجہ اللہ تعالیٰ کی عظمت پیش نظر رکھتے تھے اور یہی وہ ادب تھا جس نے ان حضرات کے مرتبہ کو دارین میں چمکایا۔

اور امام مالک رحمہ اللہ کا تو کہنا ہی کیا وہ تو امام المتقین ہی تھے۔ اللہ تعالیٰ کے نام کی جیسی کچھ عظمت فرمائیں ان کا حق ہے ایک نحوی کا بھی قصہ مشہور ہے کہ لفظ اللہ میں جو لوگوں نے اختلاف کیا ہے کہ فلاں سے مشتق ہے یا فلاں سے مشتق اور اسکی اصل یہ تھی اور اس میں یہ تبدیلی ہوئی تو اسکو سن کر اس نے کہا کہ صحیح میرے نزدیک یہ ہے کہ لفظ اللہ علم ذات باری ہے اور جس طرح سے اس کی ذات تبدل و تغیر سے منزہ ہے اسی طرح سے اس کا اسم بھی ایک مستقل اسم ہے یعنی تغیر و تبدل سے پاک ہے۔

چنانچہ اس کے انتقال کے بعد کسی نے اسکو خواب میں دیکھا پوچھا کہ کیا معاملہ ہوا۔ اس نے کہا بخشدیا گیا۔ کیونکہ میں نے جو یہ کہا تھا کہ لفظ اللہ مستقل ہے تغیر و تبدل سے بے نیاز ہے جس طرح سے کہ اسکی ذات اس سے منزہ ہے بس یہی بات حق تعالیٰ کو پسند آئی حکم ہوا کہ جاؤ تمہارے اس حق ادب اور تعظیم کے صلہ میں تم کو بخشدیا۔

سبحان اللہ دیکھئے اللہ تعالیٰ کے محض اسم کی تعظیم اور لفظ کے ادب کا اسکو یہ صلہ ملا پس اللہ تعالیٰ کا ذکر بھلا کس طرح سے بدون عظمت کے مقبول ہوگا۔ اس لئے ذاکرین کو اس باب میں بہت احتیاط کرنی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں کمیت اور مقدار نہیں دیکھی جاتی البتہ قلب کا خشوع اور ادب ضرور دیکھا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے ہم سب کو حصہ وافر نصیب فرمائے! آمین

ھذا تحقیق لطیف فلیغتنمہا الذاکرون

جب ذکر پر کلام ہو رہا ہے تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ذکر اسم مفرد (یعنی اللہ اللہ) کے جواز اور عدم جواز کی تحقیق بھی نقل کردی جائے۔ چنانچہ صاحب ابداع تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

وقد اختلف فی جواز الذکر بالاسم المفرد فذهب کثیر منهم الی انه لابد فی الذکر من الجملة لانها هی المفیدة ولا یصح بالاسم المفرد مظهرا او مضمرا لانه لیس بکلام تام ولا جملة مفیدة ولا یتعلق به ایمان ولا کفر ولا امر ولا نهی ولم یذکر ذلک احد من السلف ولا شرع ذلک رسول الله والشریعة انما ورد منها من الاذکار ما یفید بنفسه فقد ورد افضل الاذکار لا اله الا الله وحده لا شریک له له الملک وله الحمد وهو علی کل شیئ قدیر +

اسم مفرد کے ذکر کے جواز میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے۔ بہت سے حضرات کا یہ خیال ہے کہ ذکر میں پورا جملہ ہونا ضروری ہے اسلئے کہ وہی مفید ہے اور اسم مفرد کے ساتھ ذکر صحیح نہیں خواہ اسم ظاہر ہو یا ضمیر ہو اس لئے کہ یہ کلام تام نہیں ہے اور نہ جملہ مفیدہ ہے اسکے ساتھ نہ ایمان متعلق ہے نہ کفر۔ نہ امر متعلق ہے نہ نہی۔ اور سلف میں سے کسی سے بھی یہ منقول نہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہ ثابت نہیں ہے اور شریعت میں وہی اذکار آئے ہیں جو بذات خود مفید ہیں چنانچہ آتا ہے کہ سب سے افضل ذکر (لا الٰه الا الله وحده لا شریک له له الملک وله الحمد وهو علی کل شیئ قدیر) ہے۔

ورأی آخرون من العلماء ان الذکر کما یکون بالجملة یکون بالاسم المفرد۔ قال العلامة البنانی فی شرحه علی صلوٰة ابن مشیش اعلم ان ذکر الاسم المفرد المعظم مجردا عن الترکیب بجملة وهو قول الله الله مما توارثه السادات الصوفیة واستعملوه بینهم الی ان قال وفی الصحیح لا تقوم الساعة حتی لا یبقی

اور دوسرے علماء نے فرمایا ہے کہ ذکر جس طرح سے کہ جملے کے ذریعہ سے ہوتا ہے اسی طرح اسم مفرد کے ذریعہ بھی ہو سکتا ہے۔ علامہ بنانی رح نے ابن مشیش کی کتاب الصلوٰۃ پر جو حاشیہ لکھا ہے اس میں تحریر فرمایا ہے کہ جانو کہ اسم مفرد جو ترکیب سے خالی ہو یعنی اللہ اللہ جس کا ذکر سادات صوفیہ میں متوارث چلا آرہا ہے اور ان کے یہاں شائع و ذائع ہے (اس کے متعلق یہ سمجھو کہ) حدیث صحیح میں آیا ہے کہ جب تک زمین پر کوئی اللہ اللہ کا کہنے والا موجود

من يقول الله الله وهو شاهد في
الجملة بذكر هذا الاسم وحده
لاسيما على رواية النصب ولانزاع
في جواز التلفظ بالاسم الكريم وحده
فاي مانع ان يكرره الانسان مرات
كثيرات وكونه لم ينقل عن السلف
لا يقتضي منعه ولا كراهته وكم
اشياء لم تكن في عهد السلف
مع انها جائزة الى ان قال فلا ينبغي
التوقف في ذلك ولا التشغيب
بانكاره +

وقال الشيخ ابو العباس المرسي
ليكن ذكرك الله فان هذا الاسم
سلطان الاسماء وله بساط وثمرة
فبساطه العلم وثمرته النور وليس
النور مقصودا لذاته بل لما يقع
به من الكشف والعيان فينبغي
الاكثار بذكره واختياره على
سائر الاذكار لتضمنه لجميع ما
في لا اله الا الله من العقائد
والعلوم والآداب والحقوق فانه
يأتي في الله وفي هو مالا يأتي في
غيرهما من الاذكار -

وقال الشيخ زروق ولهذا يختاره
المشائخ ويرجحوه على سائر الاذكار

رہے گا قیامت نہ آئے گی۔ یہ حدیث فی الجملہ شاہد ہے کہ اسم
ذات کے ساتھ تنہا ذکر جائز ہے خاصکر جبکہ اللہ اللہ کو بالنصب
زبر پڑھا جائے۔ اور لفظ اللہ کے تلفظ میں عدم جواز
کی کوئی بات ہی نہیں ہے۔ لہذا اگر کسی نے اسکو مکرر
سہ کرر یعنی متعدد بار تکرار کیا تو اس میں کون سی حرج کی
بات ہوگی۔ باقی سلف سے اس کا نہ منقول ہونا اس سے
یہ چیز نہ ممنوع ہوگی نہ مکروہ ہوگی۔ چنانچہ کتنی ہی
چیزیں ہیں کہ سلف کے زمانہ میں نہیں تھیں باوجودیکہ وہ
جائز ہیں ـــ لہذا اس کے جواز میں نہ تو توقف کرنا چاہیئے
اور نہ اس کے انکار کی آواز بلند کرنا
چاہیئے۔

شیخ ابو العباس مرسی نے فرمایا ہے کہ چاہیئے
کہ تمہارا ذکر (اللہ اللہ) کا ہو۔ اس لئے کہ یہ نام سلطان
الاسماء ہے اور اس کے لئے ایک بساط ہے اور ایک
ثمرہ ہے۔ بساط اس کا علم ہے اور ثمرہ اس کا نور ہے
اور نور مقصود بالذات نہیں ہوتا ہے بلکہ اس لئے
مطلوب ہے کہ ذریعہ کشف و معائنہ بنتا ہے۔ پس اس
اسم کا اکثار مناسب ہے اور جملہ اذکار پر اس کو ترجیح
دینا چاہیئے کیونکہ لا الہ الا اللہ میں جو کبھی عقائد۔ علوم
آداب اور حقوق آئے ہوئے ہیں ان سب کو یہ
متضمن ہے اس لئے کہ اللہ اور ھو میں ایسی ایسی
چیزیں آگئی ہیں جو ان کے علاوہ اور دوسرے اذکار میں
نہیں۔

شیخ زروق نے فرمایا ہے کہ اسی لئے مشائخ نے
اسکو اختیار فرمایا ہے اور تمام اذکار پر اس کو راجح قرار دیا

وجعلوا لہ خلوات و وصلوا بہ الی اعلیٰ المقامات والولایات وان کان فیھم من اختار فی الابتداء لا الہ الا اللہ و فی الانتھاء اللہ اللہ۔

ہے۔ اس کو اپنے خلوات میں جگہ دی اور ولایت و مقامات عالیہ کی تحصیل کا اسی کو ذریعہ بنایا ہے اگرچہ بعض حضرات نے ابتداء میں لا الہ الا اللہ کو لیا ہے اور انتہا میں اللہ اللہ کو۔

وقال ابن الحجر فی الفتاوی الحدیثیہ ذکر لا الہ الا اللہ افضل من ذکر الجلالۃ مطلقًا بلسان اھل الظاھر واما اھل الباطن فالحال عندھم یختلف باختلاف حال السالک فمن ھو فی ابتداء امرہ ومقاساۃ شھود الاغیار وعدم انفکاکہ عن التعلق بھا یحتاج الی النفی والاثبات حتی یستولی علیہ سلطان الذکر فاذا استولی علیہ فالاولی لہ لزوم الاثبات اعنی (اللہ اللہ) وبھذا یتبین ان الذکر بالاسم المفرد لا مانع منہ شرعًا اذ لم یرد نھی عنہ من الشارع یفید کراھتہ او تحریمہ۔
(ابداع صفحہ ۳۱)

ابن حجرؒ نے فتاوی حدیثیہ میں لکھا ہے کہ لا الہ الا اللہ کا ذکر اسم ذات، اللہ اللہ کے ذکر سے اہل ظاہر کے نزدیک مطلقًا افضل ہے اور اہل باطن کے نزدیک سالک کے اختلاف حالات کی بنا پر احکام مختلف ہوتے ہیں۔ پس جو شخص کہ ابتداء طریق میں ہو اور اغیار کے مشاہدہ کی مشقت جھیلنے سے ابھی باہر نہ ہوا ہو اور نہ ماسوی اللہ کے تعلق سے اسکو خلاصی حاصل ہوئی ہو تو اسکو ذکر نفی و اثبات کی ضرورت ہے تاکہ سلطان الذکر اس پر مستولی ہو جائے اور جب سلطان الذکر اس پر مستولی ہو جائے تو اب اس کے لئے ذکر اثبات یعنی اللہ اللہ پر التزام مناسب ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ذکر مجرد یعنی اللہ اللہ میں شرعًا کوئی قباحت نہیں ہے اسلئے کہ شارع سے اس باب میں ایسی کوئی نہی نہیں وارد ہے جس سے اسکی کراہت یا تحریم معلوم ہوتی ہو۔

دیکھئے اس سے معلوم ہوا کہ تنہا اللہ اللہ کا ذکر صحیح ہے اور بعض اعتبار سے یہ ذکر لا الہ الا اللہ کے ذکر سے بھی بڑھا ہوا ہے۔ اور علامہ شامیؒ نے تو امام ابو حنیفہؒ کا قول نقل کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی لفظ اللہ "اسم اعظم" ہے۔ ہذا نصہ۔

روی ھشام عن محمد عن ابی حنیفۃؒ انہ اسم اللہ الاعظم وبہ قال الطحاوی وکثیر من العلماء واکثر العارفین حتی انہ لا ذکر عندھم لصاحب مقام فوق الذکر بہ کما فی شرح التحریر لابن امیر الحاج۔ (صفحہ شامی ج۱)

ہشام نے امام محمد سے اور انھوں نے حضرت امام ابو حنیفہؒ سے روایت کیا ہے کہ یہی لفظ اللہ۔ اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے اور یہی طحاویؒ نے بھی فرمایا ہے اور بہت سے علماء کا یہی ارشاد ہے اور اکثر عارفین کے نزدیک تو صاحب مقام کیلئے اس سے بڑھ کر کوئی دوسرا ذکر نہیں ابن امیر حاجؒ نے شرح تحریر میں ایسا ہی بیان فرمایا ہے۔

(وھذا آخر ما اردنا ان نذکرہ فی ھذا المقام)

ثم لیکن ذکر لا الٰہ الا اللہ بتحقیق الھمزتین من الٰہ والا وعدم مدھا بتحقیق الھاء من الاسم للّٰہ والمحافظۃ علی المدود فی لا والٰہ والا الکریم وفتح الھاء من الٰہ فتحۃ خفیفۃ ولا تمدھا ولا تفصل بینھما وبین الا اللہ وسکن الھاء من لفظ الجلالۃ وبدون ذالک لا یکون ذکرا بل مقتا ولعنا لما فیہ من تبدیل القرآن فان ھذا الذکر بعض آیتہ ومع التغییر لا ثواب ولا تنویر۔

پھر چاہئے کہ تمھارا لا الٰہ الا اللہ کا ذکر اس طرح سے ہو کہ اِلٰہ اور اِلَّا ان دونوں لفظوں کا ہمزہ (یعنی الف متحرکہ) صاف ادا ہو اور ان دونوں کو بڑھایا نہ جائے اور لفظ اللہ کی ہ کو واضح ادا کرے اور لَا والٰہ اور اللہ کے مدوں کا خاص طور پر خیال کرے اور الٰہ کی ہ پر خفیف سا فتحہ ظاہر کرے اور اسکو بڑھائے نہیں اسی طرح سے لا الٰہ اور الا اللہ میں فصل نہ کرے (یعنی لا الٰہ کہنے کے بعد متصلاً ہی الا اللہ کہے) اور لفظ اللہ کی ہ کو ساکن پڑھے (ذکر میں ان سب امور کی رعایت ضروری ہے) کیوں کہ بدون اس کے ذکر ذکر نہ ہوگا بلکہ سب مقت اور لعن ہو جائیگا اس لئے کہ اس میں قرآن کی تبدیلی ہے کیونکہ لا الٰہ الا اللہ آیت قرآنی کا ایک ٹکڑا ہے اور جب الفاظ قرآن ہی کو بدل دیا تو پھر کیا ثواب اور کہاں کی تنویر۔

(اس کا لحاظ فرمایئے دیکھئے کیا فرما رہے ہیں)

(ثم) آداب الذکر المطلوبۃ عشرون خمسۃ سابقۃ علیہ واثنا عشر فی اثنائہ وثلثۃ بعدہ فالخمسۃ التی قبلہ اولھا التوبۃ وحقیقتھا عند القوم ترک ما سوی اللہ تعالیٰ قولاً وفعلاً وارادۃً وثانیھا طھارۃ الظاھر بالغسل والوضوء وثالثھا السکوت والسکون لیحصل لہ الصدق وجمعیۃ القلب علی اللہ تعالیٰ فیشتغل قلبہ بالذکر اولاً ثم یتبعہ اللسان۔

پھر یہ سمجھو کہ ذکر کے آداب جن کو طریق میں ملحوظ رکھنا لازم ہے وہ بیس۲۰ ہیں، پانچ ذکر سے پہلے اور بارہ اثناء ذکر میں اور تین ذکر کے بعد۔ بہرحال وہ پانچ آداب جو ذکر سے پہلے کے ہیں اُن میں سے اوّل توبہ ہے اور اسکی حقیقت قوم صوفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ آدمی ماسوائے اللہ تعالیٰ کو ترک کردے۔ خواہ وہ قول ہو فعل ہو یا ارادہ ہو۔ اور دوسری چیز طہارت ظاہری کی تحصیل ہے خواہ غسل کے ذریعہ سے ہو یا وضو سے اور تیسری چیز سکوت اور سکون ہے تاکہ اس کو توجہ تام یکسوئی اور اللہ تعالیٰ کی جانب جمعیت قلب حاصل رہے۔ اور اسکی وجہ سے پہلے اس کا قلب ذکر سے مشغول ہو پھر اسکی زبان۔

رابعها ان یستمد بقلبه عند الشروع بالذکر من همة شیخه ملاحظا ان استمداده من شیخه هو استمداد حقیقة من النبی صلی الله علیه وسلم لان الشیخ هو الواسطة بین المرید وبینه صلی الله علیه وسلم

(ذکر شروع کرنے سے پہلے جن آداب کا لحاظ رکھنا ضروری ہے ان میں سے) چوتھا ادب یہ ہے کہ ذکر شروع کرنے سے پہلے اپنے قلب سے اپنے شیخ کی جانب متوجہ ہو اور اس کی ہمت اور توجہ سے مدد حاصل کرے اور درحقیقت یہ مدد طلب کرنا ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس لئے کہ شیخ تو صرف ایک وسیلہ اور ذریعہ ہوتا ہے مرید کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان (باقی مصدر البرکات اور منبع الفیض تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات والا صفات ہے۔)

خامسها قراءة التوجه الآتی ثلاثاً اوخمساً اوسبعاً بحسب اجتهاد الذاکر (واما) للاثنا عشر التی فی اثنائه فاولها جلوسه علی مکان طاهر. ثانیها ان یضع راحتیه علی فخذیه بهیئة الصلوٰة وقال بعضهم هذا للمبتدی اما المنتهی ومن به مرض فیجلس متربعا او کیف شاء۔

پانچواں ادب یہ ہے کہ توجہات سبعہ جو آگے مذکور ہیں انکو تین بار یا پانچ بار یا سات بار جتنی مرتبہ کہ ذاکر کی ہمت ہو پڑھے۔
رہے وہ بارہ آداب جو کہ اثناء ذکر کے ہیں تو اُن میں سے پہلا ادب یہ ہے کہ بوقت ذکر کسی پاک و صاف جگہ پر بیٹھے۔ دوسرا ادب یہ ہے کہ اپنے دونوں ہتھیلیوں کو اپنے رانوں پر اس طریقہ سے رکھے جیسے کہ نماز میں تشہد کے وقت رکھتا ہے اور بعض لوگوں نے یہ کہا ہے یہ ہئیت مبتدی کے لئے ہے۔ منتہی یا جس شخص کو کوئی مرض لاحق ہو وہ آلتی پالتی مار کر بیٹھے یا جس طرح سے اسکو آرام ملے بیٹھے۔

ثالثها تطییب مجلس الذکر و ثیاب الذاکر بالرائحة الطیبة

تیسرا ادب یہ ہے کہ ذاکر اپنے جائے ذکر کو اور اپنے لباس کو عمدہ خوشبو سے باس لے اور معطر کرلے۔

رابعها لبس الثیاب الحلال ولو من شر اُمیط المزابل وان تیسر الحلال من النفیس کان احسن۔

چوتھا ادب یہ ہے کہ کپڑے جو پہنے ہو وہ حلال آمدنی کے ہوں۔ اگرچہ گھٹیا ہی درجہ کے ہوں۔ اور کسب حلال کا عمدہ جوڑا نصیب ہوجائے تو کیا کہنا۔

خامسها اختیار المکان المظلم ان وجد

پانچواں ادب یہ ہے کہ اگر میسر آجائے تو ذکر کے لئے کسی تاریک جگہ کا انتخاب کرے (کہ ایسی جگہ یکسوئی کیلئے جالب ہے)

سادسها تغمیض عینه لتنسد طرق الحواس الظاهرة وبسدها تنفتح حواس القلب الباطنة

چھٹا ادب یہ ہے کہ بوقت ذکر اپنی آنکھوں کو بند کرے تاکہ حواس ظاہری کے طرق کا سدباب ہوجائے اور پھر ان کے بند ہونے کی وجہ سے قلب کے باطنی حواس کھل جائیں۔

سابعها، ان یخیل شخص شیخه ؏ بین عینیه وهذا آکد الاداب عندهم

ساتواں ادب یہ ہے کہ اپنے شیخ کو تصور میں اپنی آنکھوں کے سامنے رکھے اور یہ جملہ آداب ذکر میں سب سے مؤکد ادب ان حضرات کے نزدیک ہے۔

؏ (قولہ سابعها ان یخیل شخص شیخه) (مؤلف کہتے ہیں کہ) میں کہتا ہوں کہ یہ چیز مجھ پر بہت ہی شاق گزرتی تھی اور اس کے کرنے سے میرا ذوق ابار کرتا تھا اس لئے کہ مجھے یہ گوارا نہ ہوتا کہ میرے سامنے (ذکر کے وقت) میرے رب کے علاوہ کوئی غیر موجود ہو۔ اور میری سمجھ میں اس کی حکمت بھی نہ آسکی کہ آخر مشائخ نے اس کے لئے جو فرمایا ہے تو اس سے ان کا مقصد کیا ہے؟ آیا مرید کو مؤدب بنانا ہے کہ وہ جس طرح شیخ کے سامنے مؤدب رہتا ہے اس تصور کے بعد اس وقت بھی ویسا ہی رہے یا شیخ کے قلب سے اس کے قلب میں مدد کا سلسلہ جاری رہے اس لئے یہ ہے یا اور کوئی غرض ہے میں اس کے سمجھنے سے قاصر رہا۔ بہرحال میں نے جو اسکو یہاں بیان کیا ہے تو کچھ اپنے ذوق کے تقاضے سے نہیں بیان کیا بلکہ مشائخ چونکہ کہتے ہیں اس لئے میں نے انکی بات نقل کردی، لہذا تم پر اصرار بھی نہیں کرتا اگر تمھارا ذوق بھی ابار کرتا ہو تو اپنے نفس کو اس پر مجبور کرنا۔ انتہیٰ

(تصور شیخ)

افادہ۔ (قولہ یہ چیز (یعنی تصور شیخ مجھ پر بہت شاق گزرتی تھی) میں کہتا ہوں کہ اس مسئلہ پر علماء ظاہر کو ہر زمانہ میں انکار رہا ہے کیونکہ بظاہر یہ شرک معلوم ہوتا ہے مگر مولانا رومؒ نے اسکی عجیب و غریب تعبیر فرمائی جس سے ان کی شان تحقیق کا اندازہ لگتا ہے فرماتے ہیں ؎

چوں خلیل آمد خیالِ یارِ من ۔۔۔ صورتش بت معنی او بت شکن

یعنی میرے دوست (مراد شیخ) کا تصور جو میرے قلب و ذہن میں آیا تو وہ مثل خلیل علیہ السلام ہوکر آیا کہ اسکی صورت تو بیشک بت ہے مگر اسکے معنی اور حقیقت بت شکن ہیں جس طرح سے کہ حضرت خلیلؑ بت شکن تھے۔

مطلب یہ کہ جو حضرات تصور شیخ کو مضر اور شرک فرماتے ہیں مولانا رومؒ نے ان کا رد نہیں فرمایا بلکہ یہ تفصیل فرمادی کہ اگر کوئی شخص شیخ ہی کو مقصود بنالیتا ہے اور اس کی ذات پر قناعت کرلیتا ہے تب تو بلاشبہ یہ ایک قسم کی بت پرستی ہے کہ قلب کو غیراللہ کے ساتھ مربوط کرنا ہے لیکن اگر اسکو صرف ذریعہ اور واسطہ بنایا جائے حق تعالیٰ سے تعلق کا اور اس سے گذر کر حق تعالیٰ تک پہونچا جائے تو پھر یہی چیز قلب سے غیراللہ کے نکالنے اور دور کرنے کا سبب بھی ہو جائے گی اس معنی کر گویا یہ بت شکنی ہے نہ کہ بت پرستی۔

سبحان اللہ! کیسی عمدہ تحقیق ہے اور کیسا لطیف محاکمہ فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہوا ہے کہ یہ راستہ ضرور ہے مگر ہے پُرخطر لہذا جو اہل ہو وہ اس کو اختیار کرسکتا ہے یہ ہر کس و ناکس کے لئے نہیں ہے۔

حضرتؒ کبھی کبھی اس قسم کے مضامین بیان فرماتے تھے تو اہل مجلس جھوم جاتے تھے۔

تصور شیخ کے متعلق یہ کلام مولانا رومؒ کا آپ نے ملاحظہ فرمایا اب اپنے اکابرین سے حضرت مولانا محمد یعقوبؒ کی تحقیق بھی پیش کرتا ہوں۔ اپنے ایک مرید منشی محمد قاسم صاحبؒ کو تحریر فرماتے ہیں کہ:

تم نے تصور شیخ کو پوچھا تھا ــــ اے برادر تصور شیخ متقدمین صوفیہ نے جو لکھا ہے اس میں یہ قید کی ہے کہ محبت و تعظیم ہو اور اس سے زیادہ جو کچھ امور ہوئے بعضے متأخرین سے بفرط محبت یا بطرز غلط فہمی کے وہ سب امور اصل تصور شیخ سے باہر ہیں اور جن لوگوں نے منع کیا ہے اس آخر کو منع کیا ہے نہ اول طریق کو۔

اور اصل یہ ہے کہ جیسے تصور دیوار و در کا بلکہ اپنے کسی آشنا کا بلکہ اپنے کسی معشوق کا ممنوع نہیں تصور شیخ کو اس سے محبت دینی ہے ممنوع نہیں۔ (اں اسکو حاضر و ناظر سمجھ لینا یا ممد و معاون جاننا یا فرط تعظیم (کہ عبادت کے مرتبہ کو پہونچادے) کرنا یہ امور شرکیہ سب ممنوع ہیں۔

قاعدہ یہ ہے کہ جس چیز سے آدمی کو لگاؤ ہوتا ہے اس کا تصور ہوا کرتا ہے۔ اور جس چیز کا اکثر تصور کرے اس سے یک لگاؤ ہوجاتا ہے، اور محبت اور عقیدت کا مضبوط ہوجانا اور طبیعت کا ایک جانب لگ جانا (جسکو یکسوئی کہتے ہیں) اس راہ میں نہایت مطلوب ہیں۔

اس لئے ان بزرگواروں نے اسکو تجویز کیا ورنہ طالب خدا کو سوا خدا کے کسی سے کیا کام پڑا ہے۔ بلکہ اتنی توجہ ہر چند شرعاً ممنوع نہیں مگر طریق صوفیہ کے صفائی توحید پر اسکی بنا ہے اس کے خلاف ہے کہ آتنا بھی خیال غیر کا رہے اسی امر کیطرف مولانا رومؒ اس شعر میں اشارہ فرماتے ہیں ؎

چوں خلیل آمد خیالِ یارِ من ۔۔۔ صورتش بت معنیٔ او بت شکن

اے برادر! بندگی اور خدمت مطلوب ہے اور یہ سب حیلہ اور وسیلہ کی باتیں ہیں۔ ہوں یا نہ ہوں۔ ہر زمانہ میں طرز تصوف کا بدلا اور ہر شیخ نے ایک جدا طریق برتا ہے۔ اس زمانہ میں اتباع سنت اور استقامت شریعت پر اصل ہے اور بہتر ہے اور پہلے جب تک ان سے کچھ خرابی نہیں نکلتی تھی جائز تھے اب وہ مکروہ ہیں کہ منشا کتنی خرابی کے ہیں۔
اول تو تصور کوئی چنداں امر ضروری نہیں۔ اعتقاد اور محبت اور توحید مطالب کافی ہے۔ اور اگر ہو تو محبت اور تعظیم سے ہو۔ اور اس سے زیادہ سراسر خرابی ہے۔

(مکتوبات یعقوبیہ ص۲۷)

میں کہتا ہوں کہ دیکھئے ہمارے حضرات کا بھی گو اس شغل پر عمل نہیں تھا تاہم یہ حضرات اسکی حقیقت اور اسکی مصلحت سے بے خبر نہ تھے۔ اسکی حکمت اور اسکی نصرت دونوں کو صاف صاف بیان فرمادیا۔ میں اس میں اتنی بات اور کہتا ہوں کہ یہاں دو صورتیں الگ الگ ہیں۔ ایک تو یہ کہ شیخ کا تصور بالقصد و بالارادہ کیا جائے اور اسکی صورت پیش نظر کی جائے اور ایک صورت یہ ہے کہ شیخ کا تصور خود بخود قلب میں قائم ہو جائے۔ چنانچہ ایسا بکثرت ہوتا ہے کہ لوگ اپنے شیخ کو لکھتے ہیں کہ جب ذکر کرنے کے لئے بیٹھتا ہوں تو آپ کو اپنے سامنے پاتا ہوں۔ یا جب کوئی کام کرتا ہوں تو آپ کو اپنے ساتھ دیکھتا ہوں اور اس میں مرید کی بھی تخصیص نہیں بہت سے لوگ جو مرید نہیں بھی ہیں انھوں نے اپنا حال بیان کیا ہے کہ فلاں بزرگ کی وجہ سے ہم گمراہی سے بچ گئے اس لئے کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے ہر وقت وہ ہمارے ساتھ ہیں۔ حالانکہ ان بزرگ نے نہ اسکو تصور شیخ کی تعلیم دی تھی اور نہ یہ اسکے معمولات میں ہی داخل تھا۔ اسکے متعلق کہتا ہوں کہ اس قسم کا تصور جو از خود ہو منع نہیں ہے بلکہ اس کے جائز ہونے پر سب کا اتفاق ہے چنانچہ اس کا نفع بھی مشاہد ہے کہ لوگ اسکی وجہ سے بہت بہت معاصی سے بچ جاتے ہیں اور کتنوں کو اسکی وجہ سے طاعت کی توفیق ہو جاتی ہے۔ بات یہ ہے کہ اس تصور کا منشا شیخ سے تعلق۔ اسکی محبت اور اس سے مناسبت ہے اور کسی مرید کو جب شیخ سے محبت ہو جائے گی تو وہ شیخ کا تصور کرے گا تھوڑا ہی۔ وہ تو خود بخود ہر وقت ہی اس کے تصور میں رہا کرے گا۔

یہی مطلب ہے مولانا روم رح کے اس ارشاد کا کہ ع صورتش بت معنیٔ او بت شکن، یعنی اگر شیخ کو محض اس کی صورت و شکل ظاہری کے لحاظ سے دیکھو تو اس میں اور بت میں کوئی فرق نہیں ہے جس طرح سے اور دوسرے بت خدا سے حاجب اور مانع ہوتے ہیں اسی طرح سے یہ بھی حاجب ہو جائے گا بلکہ دوسروں سے زیادہ ہوگا اس لئے کہ دوسرے بت کو تو آدمی برا بھی سمجھتا ہے اور اسکو برا بھی نہ جانے گا۔

لیکن اگر اسکی ظاہری صورت سے قطع نظر کرلی جائے اور اسکے معنی کا لحاظ کیا جائے یعنی اس کے تعلق مع اللہ کو دیکھا جائے اور اسکی معیت الٰہیہ اور اسکی روحانیت پیش نظر رکھی جائے تو اس میں شک نہیں کہ اس جہت سے اس کا تعلق اور اسکی محبت دیگر تعلقات اور علائق کو ختم بھی کردینے والی ہیں (اور چونکہ وہ سب علائق بمنزلہ بت کے ہیں کہ خدا کے تعلق کے لئے حاجب ہیں) اس لئے اس اعتبار سے اس کا یہ معنوی تصور بت نہیں ہے بلکہ بت شکن ہے۔

اسی کو یوں سمجھئے کہ اصل میں تو ہادی اللہ تعالےٰ ہیں اور حضرات صوفیہ اس عالم کو اللہ تعالیٰ کا مظہر کہتے ہیں پس حضرات انبیاء علیہم السلام اور حضرات اولیاء کرام بھی اللہ تعالیٰ کی صفت ہادی کے مظہر ہیں۔ لہٰذا معنی او بت شکن، میں معنی سے مراد یہی انکی مظہریت ہے۔ کیونکہ جس طرح اللہ تعالےٰ کسی کی ہدایت کے لئے کبھی خواب میں اسکو تنبیہہ فرمادیتے ہیں۔ یا کوئی فرشتہ بھیج دیتے ہیں یا کسی ہاتف غیبی کے ذریعے متنبہ فرمادیتے ہیں (اور ان سب کو لطائف غیبیہ کہا جاتا ہے) اسی طرح سے شیخ بھی چونکہ مظہر ہدایت ہے اس لئے اگر کسی کو اس کے ذریعہ بھی کبھی تنبیہہ فرمادیں تو اس میں کیا بعد ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سالک کبھی اس کو بدون قصد تصور اور بلا مشق تصور کے بھی اپنے روبرو موجود پاتے ہیں۔ یہ بھی ایک خدائی ہدایت ہے جس طرح سے کہ خود قرآن شریف میں حضرت یوسف ؑ کے واقعہ میں آتا ہے کہ جب زلیخا کے ساتھ بیت میں خلوت ہوئی اور اس نے دروازے بند کردئے۔ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ۔ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ إِنَّهُ رَبِّيْ أَحْسَنَ مَثْوَايَ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُوْنَ ترجمہ: اور کہنے لگی کہ آجاؤ تم ہی سے کہتی ہوں یوسف علیہ السلام نے کہا اللہ بچائے ڈ میرا مربی ہے کہ مجھ کو کس اچھی طرح رکھا ایسے حق فراموشوں کو فلاح نہیں ہوا کرتی۔

اس کے بعد ارشاد فرماتے ہیں کہ وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ أَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ترجمہ: اور اس عورت کے دل میں تو انکا خیال جم ہی رہا تھا اور انکو بھی اس عورت کا کچھ خیال ہو چلا تھا اگر اپنے رب کی دلیل کو انھوں نے نہ دیکھا ہوتا۔ اس کے متعلق مفسرین لکھتے ہیں کہ برہان میں ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت یعقوب متمثل ہوئے اور انھوں نے یوسف کے سینہ پر ہاتھ مارا جسکی وجہ سے وہ خیال جو (ایسے موقع پر آ سکتا تھا) آپ کو نہیں ہوا۔ یا انکی شبیہہ اس طرح سے سامنے متمثل ہوئی کہ دانتوں تلے انگلی دبائے ہوں اور کہہ رہے ہوں کہ یوسف خبردار! تم اللہ کے نبی ہونے والے ہو ایسا ارادہ نہ کرنا۔ اس طرح سے آپ محفوظ رہے۔ سبحان اللہ پس اسی طرح سے اللہ تعالیٰ کسی مقبول بندہ سے بھی اگر مخلوق کی اصلاح کا کام لے لیں تو اس میں کیا استبعاد ہے۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء

ثامنها الصدق فی الذکر حتی یستوی عنده السر والجهر

آٹھواں ادب یہ ہے کہ ذاکر ذکر میں صادق ہو جس کا معیار یہ ہے کہ ذکر سری اور جہری اس کے لئے (عدم ریاء میں) یکساں ہوں۔ (یعنی جس طرح خلوت میں اس کو اخلاص فی الذکر حاصل ہے جلوت میں بھی حاصل ہو یہ نہیں کہ تنہائی میں تو خالق کے لئے کرے اور مجمع میں مخلوق کے لئے جو ایسا ہو وہ صادق نہیں ہے۔)

تاسعها الاخلاص وهو تصفیة العمل من کل شائبة

نواں ادب یہ ہے کہ ذاکر مخلص ہو اور اخلاص اس کو کہتے ہیں کہ اس کا عمل ہر قسم کی آمیزشوں سے پاک ہو۔

عاشرها ان یذکر بالاسم الذی لقنه له استاذه الا اذا ذکر مع جماعة فیوافقهم

دسواں ادب یہ ہے کہ ذکر انھیں کلمات کے ذریعہ کرے جن کی تعلیم اس کو اس کے شیخ نے دی ہے مگر یہ کہ جب جماعت کے ساتھ ذکر کا اتفاق پڑے تو پھر سب احباب کی موافقت کرے۔

حادی عشرها[ع۵] احضار معنی الذکر بقلبه علی اختلاف درجات المشاهد

گیارھواں ادب یہ ہے کہ ذکر کے معنی کا احضار اپنے قلب میں کرے اور یہ معنی سالک کے اندر) اس کے شاہدے

ع۵ (قولہ حادی عشرها احضار معنی الذکر بقلبه الخ) میں کہتا ہوں کہ میرا ذوق اس کو بھی پسند نہ کرتا تھا چنانچہ میں تو صرف ان واردات کا لحاظ کرتا تھا جو بوقت ذکر ادھر سے آتے تھے (اور میں ابتداً ایسا صرف اپنے ذوق ہی سے سمجھتا تھا) لیکن بعد میں شیخ اکبر کے کلام میں بھی یہی ملا کہ فرمایا کہ ذاکر کو ذکر کے معنی کی جانب توجہ نہیں کرنی چاہئے بلکہ ذکر کو تعبدی طور پر کرے اس کے معنی سمجھنے کے چکر میں نہ رہے تاکہ ذکر کی حقیقت کا جو تقاضا ہے اس کی وہ خاصیت ذاکر پر مرتب ہو انتہی۔ میں نے شیخ اکبر کا جب یہ کلام دیکھا تو اللہ تعالیٰ کا احسن شکر ادا کیا کہ اس نے میرے ذوق کو اس عارف کے ارشاد کے مطابق بنایا ہے۔ بایں ہمہ میں تم کو ذکر کے معنی کا لحاظ کرنے سے منع نہیں کرتا۔ تمھارا ذوق اگر میرے ذوق سے متحد نہیں ہے تو تم یہی کرو، جو تمھارے ذوق کے موافق ہے۔

فما دام عبد الهوىٰ اوالدنيا او نحو ذلك يلاحظه في لا اله الا الله لامعبود بحق الا الله ومعنىٰ كونه عبد الهوىٰ انقياده له وعمله على مقتضاه فاذا صارت اعماله كلها في مرضاة الله تعالےٰ الا انهٗ بقي في قلبه التفات الى الخلق يخافهم ويرجوهم ويعتمد عليهم لاحظ لامعطى ولا مانع ولا ضار ولا نافع الا الله فاذا وصل لوحدة الافعال وهي اول مراتب الوصول وصار يشهد ان الكل عبيد مسخرون وان الله تعالےٰ آخذ بناصية كل منهم شهودا ذوقيا وانقطعوا من نظره وزال تعلقه بهم ولم يبق له مقصود سوى الحق سبحانه وتعالےٰ لاحظ لامقصود الا الله

کے اختلاف کے اعتبار سے مختلف ہوتے ہیں چنانچہ جب تک یہ شخص اپنی خواہشات کا بندہ ہو یا دنیا کا بندہ ہو یا اسی کے مثل کچھ اور ہو تو اس وقت اس کے لئے مناسب ہے کہ لا الہ الا اللہ کہنے میں لا معبود بحق الا اللہ کا مفہوم تصور میں رکھے اور کسی شخص کے عبد الہویٰ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ہر معاملہ میں اپنے نفس ہی کا اتباع کرتا ہو اور اسی کے کہنے پر چلتا ہو لیکن جب اسکے تمام کام اللہ تعالےٰ کی مرضی کے مطابق ہو جاتے ہیں مگر (بس کسر یہ رہجاتی ہے کہ) ابھی قلب میں مخلوق کا خیال کچھ کچھ باقی رہتا ہے جس کی وجہ سے یہ اُن سے خوف بھی کرتا ہے اور ان سے امید بھی باندھتا ہے اور ان پر اعتماد بھی کرتا ہے تو اس وقت لا الہ الا اللہ کہتے وقت دل میں یہ خیال کرے کہ سوا اللہ کے نہ کوئی دینے والا ہے نہ منع کرنے والا ہے نہ کوئی نقصان پہونچانے والا ہے نہ کوئی نفع پہونچانے والا ہے۔ پھر جب اس کو وحدتِ افعال حاصل ہو جائے جو اصول الی اللہ کے مراتب میں سے سب سے پہلا مرتبہ ہے یعنی قلب اس کا یہ شہادت دینے لگے کہ تمام جن و انس وغیرہ اللہ تعالےٰ کے غلام ہیں اور اسکے حکم کے آگے مسخر ہیں اور سب کی پیشانی اللہ کے ہاتھ میں ہے اللہ تعالیٰ سب کی چوٹی پکڑے ہوئے ہیں جب یہ عقیدہ ذوق بن جائے اور سب غیر اللہ اسکی نظروں سے ساقط ہو جائیں اور اس کا سب سے تعلق ختم ہو جائے اور سوائے حق تعالےٰ سبحانہ کے اس سالک کا کوئی اور مقصود نہ رہ جائے۔ تو اب بوقت ذکر لا الہ الا اللہ یہ تصور میں لاوے کہ لا مقصود الا اللہ یعنی اللہ تعالےٰ کے سوا کوئی مقصود نہیں

وإذا وصل لمقام الوحدة وفنيت[عـ۵] العوالم فى نظره ولم يشهد فى الوجود الا الله تعالىٰ وهذا شئ لا تحيط به العبارة ولا يدرك الا ذوقا لاحظ لا موجود الا الله

اور جب سالک اس وحدت کے مقام تک پہنچ جائے اور اب اسکی نظروں میں تمام عالم فانی[عـ۵] معلوم ہونے لگے اور وجود میں سوا خدا کے اسکو کوئی دوسرا نظر نہ آئے تو یہ ایک ایسا مقام ہے کہ (اسکو اور اسکے آثار کو) الفاظ میں نہیں بیان کیا جاسکتا بلکہ ذوقاً اور وجداناً ہی اسکا کچھ ادراک ہوسکتا ہے۔ (بہرحال جب سالک اس مقام پر پہونچ جائے تو اب لا الہ الا اللہ کے ذکر کے وقت) یہ لحاظ کرے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی موجود نہیں ہے۔

عـ۵ (قولہ وفنیت العوالم فی نظرہ الخ) میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ نے مجھے طریق کے جملہ مقامات ذوقاً عطا فرمائے اور یہ محض ان کا فضل واحسان ہے لیکن ذوقی طور پر مجھے نہ حاصل ہوا تو صرف یہ ایک مقام جسکو وحدۃ الوجود کہتے ہیں پس مجھے ذوق کے درجہ میں اس کا کچھ بھی حصہ نصیب نہیں ہوسکا۔ البتہ مجھے فنا نفس بھی حاصل ہوا بالکل اسی طرح جیسا کہ کسی بزرگ ابو یزید کا واقعہ ہے کہ کسی نے ان ہی سے دریافت کیا کہ اندر مکان میں ابو یزید ہیں؟ تو خود ہی ابو یزید صاحب جواب میں فرماتے ہیں کہ ابو یزید نے ابو یزید کو بہت تلاش کیا مگر وہ ملے نہیں اور میرا واقعہ یہ ہوا تھا کہ میں نے ذوقی طور پر اپنے اندر کی ہر چیز کو اپنے اصل کی جانب رجوع ہوتے دیکھا چنانچہ میں نے اس کے بعد خود اپنے آپ کو معدوم پایا اور یہ کہنے لگا کہ میں کہاں ہوں، میں کہاں ہوں؟ اور اس مقام کا بس اس سے زیادہ بیان اور اس سے بڑھ کر تعبیر ممکن نہیں اس لئے کہ قوم کے علوم اشارات ہوا کرتے ہیں عبارات ان کے لئے کافی نہیں۔ بلکہ اگر ان کو عبارت میں مقید کرنے کی کوشش کی جائے گی تو وہ پہیلیاں ہوجائیں گی جسے کوئی سمجھ ہی نہ سکے گا۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ عبارت اُن معانی کی ادائیگی کے لئے موضوع ہے جو تحت العقل ہوں اور یہ علم تو فوق العقل ہے یعنی ذوقی اور وجدانی ہے اس لئے من ذاق عرف۔ (ومن لم یذق لم یدر) جس نے چکھا اس نے جانا ــــــ (انتہیٰ)

(افادہ در تحقیق ذوق)

حضرات صوفیائے کرام کے کلام میں جابجا ذوق کا لفظ ملتا ہے چنانچہ عشق ومحبت کو یہ حضرات ذوقی

کہتے ہیں اور اس کا ذکر کرکے فرمایا کرتے ہیں کہ من لم یذق لم یدار یعنی ان کے بیان کو صاحب ذوق ہی ذوق سے ادراک کرتا ہے اور جو ذوق سے خالی ہو اس کو ادراک مشکل ہے۔

چنانچہ عشق کے ذوقی ہونے کا بیان مولانا رومؒ نے مثنوی میں نہایت عمدہ عنوان سے کیا ہے فرماتے ہیں ؎

ہرچہ گویم عشق را شرح و بیاں　　　چوں بعشق آیم خجل باشم ازاں

یعنی عشق چونکہ ایک ذوقی چیز ہے اور ذوقی امور کا ادراک و فہم وجدان پر موقوف ہے۔ تحریر و تقریر اس میں کافی نہیں اس لئے عشق کی جس قدر شرح کرتا ہوں جب خود عشق کی شان دیکھتا ہوں تو اپنے بیان سے شرمندہ ہوتا ہوں کہ ناحق ہی اسقدر تطویل کی اور پھر بھی عشق کی حقیقت منکشف نہوئی بلکہ اس کے آثار کو بہت کچھ بیان کے خلاف پایا اس سے اور شرمندگی ہوئی آگے اس شعر کی تائید میں فرماتے ہیں ؎

گرچہ تفسیر زباں روشن گر است　　　لیک عشق بے زباں روشن تر است

یعنی اگرچہ بیان زبانی اکثر اشیاء کی حقیقت کو زیادہ منکشف اور ظاہر کرتا ہے کیونکہ اقسام دلالت میں سے لفظیہ وضعیہ افادہ اور استفادہٗ معانی میں اتم و اکمل ہے اس بنا پر عشق کا حال زبان سے زیادہ معلوم ہونا چاہئے تھا لیکن واقع میں بے زبان کا عشق زیادہ روشن ہے کیونکہ وہ ذوقی امر ہے۔ جب خود اس کا حصول ہوتا ہے اور اسکی کیفیات قلب پر طاری ہوتی ہیں کسی سے سننے کی ضرورت نہیں رہتی خود اسکے آثار کا مشاہدہ کرلیتا ہے۔ اور اسکی حقیقت خوب معلوم ہوجاتی ہے ؎

چوں قلم اندر نوشتن می شتافت　　　چوں بعشق آمد قلم برخود شگافت

یعنی اور مضامین کے لکھنے میں تو قلم خوب چل رہا تھا مگر جب عشق کا ذکر آیا تو چونکہ وہ امر ذوقی اور حالی ہے قالی نہیں ہے اسلئے اس کی حقیقت کے لکھنے سے بند ہوگیا ؎

چوں سخن در وصف ایں حالت رسید　　　ہم قلم بشکست و ہم کاغذ درید

یعنی جب عشق کے بیان کا موقع آیا تو قلم بھی ٹوٹ گیا اور کاغذ بھی پھٹ گیا مطلب یہ کہ اسکے لکھنے سے عاجز رہ گیا ؎

عقل در شرحش چوں خر در گل بخفت　　　شرح عشق و عاشقی ہم عشق گفت

یعنی عقل شرح عشق سے عاجز ہے جس طرح کیچڑ میں گرا اور پھنسا ہوا گدھا چلنے سے عاجز رہ جاتا ہے پس عشق و عاشقی کی شرح خود عشق ہی کرسکتا ہے اس لئے کہ عشق حالی شے ہے جس کو حاصل ہوگا خود

اپنی حقیقت کا کاشف ہو جائے گا۔ آگے اس کی مثال بیان فرماتے ہیں ؎

آفتاب آمد دلیل آفتاب   گر دلیلت باید از وے رو متاب

یعنی جس طرح آفتاب کے دیکھنے کا ذریعہ خود آفتاب ہے کسی دوسرے واسطہ کی نہ ضرورت نہ کفایت یہی کیفیت عشق کی ہے کہ خود اپنی حقیقت کے انکشاف کا ذریعہ ہے۔ تحریر و تقریر اس کے لئے واسطہ نہیں ہو سکتی۔ یہ تو تمثیل کا حاصل ہوا۔ اور تعلیل کی تقریر یہ ہے کہ یہ قاعدہ عقلی ہے کہ اگر کوئی شے کسی شے کی معرفت کا واسطہ ہو تو واسطہ کا بہ نسبت اس ذی واسطہ کے زیادہ واضح ہونا ضروری ہے اور معلوم عقلی کبھی مفہوم حسی سے زیادہ واضح نہیں ہوتا (بلکہ ہمیشہ محسوسات ہی معقولات سے زیادہ واضح ہوا کرتے ہیں) اور عشق (بوجہ اسکے کہ وجدانی ہے اور وجدان امر حس سے ہے) منجملہ محسوسات کے ہے اور اسکی تعریف و شرح جو کی جاتی ہے وہ امر عقلی ہے۔ اس لئے وہ شرح اس کی شناخت کے لئے کافی نہیں بلکہ اس کا ادراک جب ہوگا بلا واسطہ ہوگا۔ جس کو مولانا اس طرح تعبیر فرماتے ہیں کہ خود آفتاب اپنی ذات کے ادراک کے لئے دلیل یعنی واسطہ اور ذریعہ ہے لہذا اگر تم کو اسکی شناخت کا ذریعہ مطلوب ہو تو اسی کو مشاہدہ کرو اور اس سے اعراض کرکے دوسرے واسطے کو مت تلاش کرو۔ (کلید مثنوی ص۲۳)

سبحان اللہ اتنے غامض اور دقیق مسئلہ کو کیسی آسانی سے سمجھا دیا۔

ذوق کے معنی مزہ و لذت کے ہیں۔ جس طرح ہمیں عمدہ ماکولات و مشروبات میں ایک لذت محسوس ہوتی ہے اسی طرح سے اہل اللہ کو ایمان و طاعت میں ذکر و تلاوت میں ایک حلاوت محسوس ہوتی ہے۔ اسی کو یہ حضرات کیف و ذوق اور حال سے تعبیر کرتے ہیں اور لسان شرع میں اسی کو حلاوت اور بشاشت سے تعبیر فرمایا گیا ہے، چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے۔

ثلاث من کن فیہ وجد حلاوۃ الایمان ان یکون اللہ ورسولہ احب الیہ مما سواہ وان یحب المرء لا یحبہ الا للہ وان یکرہ ان یعود فی الکفر کما یکرہ ان یقذف فی النار	تین باتیں جس شخص میں ہونگی وہ ایمان کی لذت پائے گا۔ ایک تو یہ کہ اللہ و رسول اسکے نزدیک ماسوی سے زیادہ محبوب ہوں۔ دوسرے یہ کہ جس سے محبت رکھے تو اللہ تعالیٰ کے لئے رکھے۔ تیسرے یہ کہ کفر میں لوٹنے کو ایسا ہی مکروہ جانتا ہو جیسا کہ آگ میں ڈالے جانے کو۔

(بخاری شریف)

اس کے تحت صاحب فتح الباری تحریر فرماتے ہیں کہ:

قال الشیخ محی الدین ھٰذہ حدیث عظیم اصل من اصول الدین. ومعنی حلاوۃ الایمان استلذاذ الطاعات وتحمل المشاق فی الدین وایثار ذالک علی اعراض الدنیا

شیخ محی الدین ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث منجملہ اصول دین کے ایک بڑی اصل ہے۔ اور حلاوت ایمانی سے مراد یہ ہے کہ طاعات کے کرنے اور دین میں مشقت برداشت کرنے میں اس کو لذت آوے اور وہ اس کو اعراض دنیا پر ترجیح دے۔

دیکھئے اس سے معلوم ہوا کہ حدیث شریف میں جس کو حلاوت فرمایا گیا ہے اس کو صوفیہ بھی طاعات کی لذت اور ذوق دین وغیرہ کہتے ہیں۔

اسی طرح سے حدیث ہرقل میں آیا ہے کہ وکذلک الایمان حین یخالط بشاشۃ القلوب. یعنی ہرقل نے ابوسفیانؓ سے کہا کہ میں نے تم سے ابھی یہ دریافت کیا تھا کہ کیا محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کوئی آدمی ناگواری کے طور پر کبھی اپنے دین سے پھر بھی جاتا ہے؟ تو تم نے کہا تھا کہ نہیں۔ لہٰذا سنو! کہ ایمان کا یہی حال ہوتا ہے کہ جب اس کے ساتھ شرح صدر ہو جاتا ہے یعنی قلب میں وہ رچ بس جاتا ہے تو پھر اس سے نہیں نکلتا۔

نیز ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ یزداد بہ عجباً وفرحاً یعنی قلب میں ایمان داخل ہونے کے بعد اس کی خوشی اور انبساط بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔ اسی طرح سے ایک روایت میں یہ الفاظ آتے ہیں:

وکذالک حلاوۃ الایمان لا تدخل قلباً فتخرج منہ (فتح الباری ص۲۷-۲۸)

یعنی یہی حال ایمان کی لذت کا ہے کہ جب کسی قلب کو یہ حاصل ہو جاتی ہے تو پھر اس سے نہیں نکلتی۔

حدیث شریف اور اسکی تشریح سے معلوم ہوا کہ سارا دین ہی ذوقی ہے کیونکہ جب ایمان و اسلام جو کہ اصول دین سے ہیں ان میں حلاوت ہوتی ہے تو فروع دین میں کیوں حلاوت نہ ہوگی پس دین کے اصول اور فروع سب ذوقی ہیں اس طور پر کہا جا سکتا ہے کہ پورا دین ہی ذوقی ہے اور یہی ذوق اس کی رُوح ہے، یہی وجہ ہے کہ محققین صوفیہ سالکین میں ذوق ہی کو دیکھتے ہیں اور یہی ان کے اندر پیدا کرنا چاہتے ہیں، چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے متعلق ان کے حالات میں لکھا ہے کہ۔

"بچپن سے انکو عبادت اور ریاضت میں دلچسپی تھی ان کے والد ماجدؒ نے ہدایت کی تھی کہ ـــ "ملائے خشک و ناہموار نہ باشی" (یعنی نرے خشک اور ناہموار ملا نہ ہو جانا بلکہ محبت اور حال کی تری

بھی اپنے اندر پیدا کرنا) چنانچہ عمر بھر ان کے ایک ہاتھ میں جام شریعت رہا اور دوسرے میں سندان عشق"
اسی کو کسی نے کہا ہے کہ ؎ برکفے جام شریعت برکفے سندان عشق
ہر ہوسناکے نہ داند جام و سنداں باختن

پھر اسی ذوق کے متعلق خود ہی شیخ محدثؒ فرماتے ہیں کہ ــــ "بے ذوق چہ نویسد کہ رونق سخن در ذوق است" یعنی بدون ذوق کے یہ عاجز کیا لکھے۔ کلام کی تو تمام تر رونق ذوق ہی سے البتہ ہے۔

جب شیخؒ عام تقریر و تحریر کے متعلق فرما رہے ہیں کہ بدون ذوق کے بے لطف ہے تو اسی سے تصوف کو سمجھ لیجئے کیونکہ اس کا تو سارا سرمایہ ہی یہی ذوق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص فقیہ ہو اور اس نے تصوف اور اسکا ذوق نہ حاصل کیا تو یہ حضرات اسکو زاہد خشک اور پھیکا پھاکا ملا کہتے ہیں۔ چنانچہ امام دار الہجرت حضرت مالکؒ فرماتے ہیں کہ: من تصوف ولم یتفقہ فقد تزندق ومن تفقہ ولم یتصوف فقد تفسق ومن جمع بینھما فقد تحقق (یعنی جو صوفی ہوا اور فقہ نہ حاصل کیا پس بلاشبہ وہ زندیق ہوا" یعنی ٹھیٹ کافر" اس لئے کہ اس میں نہیں ہوتا دین کے برباد کرنے سے۔ اور جو کوئی فقیہہ ہوا اور تصوف نہ حاصل کیا پس بلاشبہ وہ زاہد خشک اور پھیکا پھاکا ملا ہے اور جس نے ان دونوں کو جمع کیا پس بلاشبہ وہ محقق ہوا۔

الغرض جب تصوف بلکہ سارا دین ہی ذوقی ٹھیرا تو جو شخص دین کا سکھلانے اور تبلانے والا ہوگا تو آپ خیال فرما سکتے ہیں کہ خود اس کے اندر کیا دین اور طریق کا ذوق کے درجہ میں پایا جانا ضروری نہ ہوگا؟

آج جو لڑکوں میں دین نہیں پیدا ہو رہا ہے حالانکہ مدارس اور جلسوں کی بھرمار ہے تو اسکی وجہ یہی ہے کہ دین کے پیش کرنے والے خود دین کے ذوق سے خالی ہیں۔ شیخ اکبرؒ تو ایسے شخص کو جو صاحب ذوق نہ ہو لوگوں کے حق میں ہلک فرماتے ہیں۔ چنانچہ اپنے رسالہ آداب الشیخ والمریدین پہلے طبیب کے لئے فن میں ماہر ہونے اور صاحب ذوق و تجربہ ہونے کو ضروری قرار دیکر آگے فرماتے ہیں کہ:-

فکذلک الشیخ اذا لم یکن صاحب ذوق	اسی طرح سے شیخ طریق بھی جب کہ صاحب ذوق نہ ہوگا اور
واخذ الطریق من الکتب وافواہ الرجال	طریق کو اس نے محض کتابوں سے اور لوگوں کی زبانی تقریروں
وتعدی بہ المرید طلباً المرتبۃ والریاسۃ	سے حاصل کیا ہوگا اور اسکے ذریعہ مرید کی تربیت کرنے بیٹھ گیا
فانہ مہلک لمن تبعہ لانہ لا یعرف	ہوگا محض مرتبہ اور جاہ طلب کرنے کے لئے تو سمجھ لو کہ وہ

ثانی عشرھا ان ینفی ما سوی اللہ تعالیٰ من قلبه حال الذکر واذا ورد علیه خاطر فی غیر اللہ تعالیٰ نفاہ بسرعة لان اللہ تعالیٰ غیور لغار ان یری فی قلب عبدہ المؤمن غیرہ ولولا ان الشیخ له مدخل فی التربیة والترقی ما شرطوا علی المرید تخیله

بارہواں ادب یہ ہے کہ ذکر کے وقت اپنے قلب سے غیر اللہ کو بالکلیہ نکالدے۔ اور اگر غیر اللہ کا کچھ خیال آجائے تو اسکو فوراً دور کردے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ بڑے ہی غیور ہیں اس بات سے غیرت فرماتے ہیں کہ اپنے عبد مؤمن کے قلب میں اپنے غیر کو دیکھیں اور (اوپر تصور شیخ کے متعلق جو کہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ) اگر شیخ کو مرید کی تعلیم و تربیت اور ترقی میں دخل نہوتا۔ تو یہ حضرات مشائخ مرید کے لئے تصور شیخ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۳)

مورد الطالب ولا مصدرہ۔

آداب الشیخ والمرید ص ۹

اپنے متبعین کے لئے مہلک ہی ہے اس لئے کہ وہ طالب کے حالات اور طریق کے نشیب و فراز سے ہی واقف نہوگا۔ (تو پھر دوسروں کی کیا رہبری کرے گا ؎

او خویشتن گم است کرا رہبری کند)

دیکھئے شیخ اکبرؒ اس شخص کے متعلق جس نے ایک ذوقی اور وجدانی چیز کو علمی اور عقلی بنالیا ہو یعنی طریق کا ذوق تو اپنے قلب میں نہ پیدا کیا ہو بلکہ تصوف کی کتابوں سے دیکھ دیکھ کر مریدین کی تربیت کرتا ہو اور نیت بھی اسکی سالکین کو اللہ تعالیٰ تک پہونچانا نہو بلکہ طالب جاہ و مرتبہ ہو اس کے بارے میں کیسا سخت فتویٰ دے رہے ہیں کہ وہ مہلک ہے اور ان کی صحبت سم قاتل ہے۔

اس سے سمجھ میں آیا کہ آج طریق جو ضائع ہوا ہے وہ انھیں لوگوں کی وجہ سے۔ یعنی لوگوں نے ذوق کو ختم کردیا اور اسکی جگہ تصوف کے مسائل کے علم کو کافی جانا حالانکہ اب تو علم بھی باقی نہیں رہا اور ذوق تو پہلے ہی لوگ ختم کرچکے تھے اس لئے نہ ذوق ہی ہے اور نہ علم ہی ہے۔ اور یہ اس لئے کہ ذوق کسی ذوق والے کی صفت ہے اس لئے اس سے حاصل ہوتا ہے۔ کتاب کی صفت نہیں۔ اور کتاب سے ذوق تو کیا حاصل ہوتا علم بھی صحیح نہیں حاصل ہوسکتا۔ حضرت حکیم الامۃ مولانا تھانویؒ اس کو بہت فرماتے تھے کہ جس طرح سے طب کی کتابیں طبیبوں کے لئے ہیں مریض کے لئے نہیں ہیں آدمی خود کتاب دیکھ کر نسخہ لکھے گا تو ہلاک کردے گا۔ اسی طرح سے تصوف کی کتابیں بھی شیخ کے لئے ہیں مرید کے لئے نہیں ہیں اور اس میں شک نہیں کہ نہایت ہی محققانہ بات فرمائی۔

کولازم نہ قرار دیتے (مگر طریق میں شیخ چونکہ مدار کار ہے اس لئے بوقت ذکر اس کا تصور روا رکھا گیا (اسی معنی کو کہا گیا ہے کہ شیخ عین طریق ہے)

واجمعوا على انه ينبغي للمريد اذا ذكر الله تعالى ان يهتز من فوق راسه الى اسفل قدميه وهذه حالة يستدل بها على انه صاحب همة ويرجى له الفتح عن قريب

اور مشائخ نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ مرید کو چاہئے ذکر کرتے وقت سر سے پاؤں تک حرکت میں آجائے (یعنی چاہئے کہ اس کا ایک ایک عضو نشاط و مستی سے جھوم جائے) کیونکہ اس کی اس حالت سے اندازہ لگے گا کہ وہ صاحب ہمت ہوگیا ہے اور ذکر سے اب اس کو نسبت ہو چلی ہے لہذا اسکے لئے حصول و کامیابی کی توقع عن قریب ہی کی جائے گی۔

ويبتدئ بلا اله من جهة اليمين والا الله من جهة الشمال ويخبط بالاعلى القلب واذا ذكر بالاسماء الستة الباقية ضرب بذقنه على صدره ويخبط بالاسم على القلب ولا يميل يمينا ولا شمالا ويكون بسكون آخر كل اسم ايضا

پھر ذکر کی کیفیت یہ ہونی چاہئے کہ لا الٰہ کو دائیں جانب سے شروع کرے اور بائیں جانب سر لاکر الا اللہ کہے اور لفظ اللہ کی ضرب قلب پر لگاوے اور جب بقیہ چھ اسماء کا ذکر کرے (جسکی تفصیل آگے آتی ہے) تو اپنی ٹھوڑی کو سینہ پر مارتے ہوئے لفظ اللہ کی ضرب قلب پر لگادے اور داہنی اور بائیں جانب کو جھومے نہیں۔ اور ہر لفظ ذکر کے آخر کو ساکن کردیا کرے۔

(واما الثلاثة التي بعد الذكر) فاولها ان يسكن ويخشع ويحضر قلبه مترقبا لوارد الذكر فلعله يرد عليه وارد فيعمر وجوده في لمحة اكثر مما تعمره المجاهدة والرياضة في ثلاثين سنة فاذا ورد عليه وارد زهدا و صبر مثلا

بہرحال وہ تین آداب جو ذکر کے بعد کے ہیں اُن میں سے ایک یہ ہے کہ کمال سکون اور غایت خشوع کے ساتھ ذکر کرے اور اپنے قلب کو حاضر رکھے اور ذکر کی برکت سے حق تعالیٰ کی جانب سے قلب میں جو وارد آنے والا ہو اس کا منتظر رہے اس لئے کہ ہوسکتا ہے کہ ادھر سے کوئی ایسا وارد آجائے جو ایک آن میں اس کے قلب کی آبادی کا سبب بن جاوے اور اس سے بھی کہیں زیادہ اس کا حال درست ہو جائے جتنا کہ تیس

تنحل حتی یتمکن فیہ ذلک الوارد و یذھب

سال کی ریاضت اور مجاہدہ سے بھی شاید درست نہ ہوتا۔ پس جب اس پر ادھر سے کوئی وارد آوے خواہ زہد کا ہو یا صبر کا تو ذرا دیر توقف کرے یہاں تک کہ اس کے اندر وہ خوب اچھی طرح سے تمکن اور راسخ ہو جائے (تاکہ جب جائے تو اپنا پختہ اور گہرا اثر چھوڑ کر جائے)

وثانیہا ان یطرق رأسہ و یکتم نفسہ من انفہ وفمہ خاشعا بحیث لا تتحرک منہ شعرۃ مثل سکون الھرۃ عند الاصطیاد حتی یضیق نفسہ یفعل ذلک ثلاثۃ انفاس اوخمسۃ او اکثر فان لم یأت الوارد ختم بقولہ لا الہ الا اللہ ھو محمد رسول اللہ حقا وصدقا کما یختم بھا قبل السکنۃ عند الفراغ یعنی من الذکر

دوسرا ادب (ذکر کے بعد کا) یہ ہے کہ اپنے سر کو جھکالے اور سانس روک لے نہ منہ سے لے نہ ناک سے اور خشوع کی کیفیت اپنے اوپر طاری کرکے ایسا سکون اختیار کرلے کہ اس کا ایک رواں بھی نہ ہلے جس طرح سے کہ بلی (چوہے) کے شکار کے وقت دم سادھ لیتی ہے۔ اور یہ عمل اتنی دیر تک کرے کہ دم گھٹنے لگے پھر سانس لے کر اسی طرح سے تین بار یا پانچ بار یا اس سے بھی زیادہ مرتبہ یہی عمل کرے۔ اب اگر کوئی وارد نہیں آیا تو لا الہ الا اللہ ہو محمد رسول اللہ حقاً صدقاً کہہ کر ذکر کو ختم کردے اور یہی کلمات اس سے پہلے بھی کہے جبکہ ذکر سے فارغ ہوا تھا یعنی حبس دم سے پہلے۔

ثم ان^ع^ علامۃ الوارد ان ینزل بین کتفیک برد کبرد الماء

پھر یہ سمجھو کہ وارد کی علامت یہ ہے کہ تمہارے دونوں مونڈھوں کے درمیان پانی جیسی ٹھنڈک محسوس ہونے لگے۔

ع (قولہ ثم ان علامۃ الوارد الخ) میں کہتا ہوں کہ اللہ فتاح عظیم کے فضل و کرم سے مجھ پر بھی بکثرت ادھر سے واردات ہوئے جن میں بعض کی وجہ سے تو میرا رنگ ہی متغیر ہو جاتا تھا اور بعض کے سبب سے مجھ سے غیر اختیاری طور پر کچھ حرکتیں صادر ہونے لگتی تھیں۔ مثلاً اضطراری طور پر کبھی رقص کرنے لگ جاتا اور کبھی بلا اختیار اور بدون ہوش کے کسی بھائی کو اپنی کوئی چیز دیدیتا۔ یا کبھی غلبۂ حال میں آکر ان میں سے کسی کی پیٹھ پر بڑی زور کا ہاتھ رسید کردیتا جسکو اہل طریق کی زبان میں تھپیڑے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ سب کرتا تھا مگر مجھے ان میں سے کسی بات کا بھی شعور نہ ہوتا تھا۔ اب میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ آیا مجھے علم ہوتا تھا مگر وارد قوی ہونے کے سبب پھر اس کا ذہول ہو جاتا تھا یا یہ کہ سرے سے ان کا علم نہ ہوتا اور میں ان کے آثار و علامات سے اصلاً بے خبر ہوتا تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بحقیقۃ الحال۔ (افادہ) میں کہتا ہوں کہ وجد میں آکر اور چیزیں تو نہیں ہاں رقص کرتے میں نے بھی اور سالکین کو دیکھا ہے کہ دیدیر ایک کیفیت طاری ہے اور وہ اس سے مست ہو کر رقص کرتے رہے۔

او تحصل لك رعشة او قشعريرة او يطب
فی قلبك شی لحذف الطوبة فی الدار
فان حصل لك شی من ذالك فهو علامة
الوارد فاحمد الله تعالیٰ علی ما رزقك من
النفحات والبرکات وهذا السکون مجمع علی
وجوبه عند القوم فانه اسرع فی
تنویر البصیرة وکشف الحجب و
قطع خواطر النفس والشیطان
لما یترتب علیه من اصطیاد
الواردات الالٰهیة وهی تمحو عن
العبد جمیع رعوناته البشریة وتهدم
علیه مستمر عاداته فان لها
سلطنة عظیمة لانها تأتی
من حضرة قهار ولانها حق ورد
علی باطل والباطل لاثبات له
مع الحق بل نقذف بالحق
علی الباطل فید مغه فاذا
هو زاهقٌ فاذا وردت تلك
الواردات علی قلب مشحون
بانواع الخبائث والرذائل
والرعونات البشریة ازالت
ذلك بالمرة واثبتت عوضا
عنه اطوارا علیةً واوصافاً

یا اسی مقام پر تھرتھراہٹ یا جھرجھراہٹ سی محسوس ہو۔
یا تمہارے قلب میں کوئی چیز وارد ہو جسکی آواز گھر میں ٹھیکرے کے گرنے کی طرح ہو
پس جب ان اشیاء میں سے کوئی چیز محسوس ہو تو یہی
علامت ہے اُدھر سے وارد کی لہٰذا اللہ تعالےٰ کی حمد
کرو اس کی اُن نفحات و برکات پر جو اس نے تمہیں
بخشی ہیں اور (سالک کے لئے) اس قسم کا سکون اور یکسوئی
ضروری ہے اس پر قوم صوفیہ کا اجماع ہے اس لئے کہ
قلبی بصیرت کے تنویر اور حجابات ظلمانیہ کے دور کرنے
اور نفس و شیطان کے وساوس کے قطع کرنے میں
اس سے زیادہ مفید اور کارگر کوئی دوسری چیز نہیں
اس لئے کہ اس کمین گاہ میں سالک واردات الٰہیہ
کا شکار کرتا ہے جس کا حال یہ ہے کہ وہ انسان
سے اس کی جملہ رعونات بشریہ کو مٹا کر رکھ دیتا ہے
اور اسکی قدیم عادات اور دیرینہ رسومات کو بالکلیہ منہدم کردیتا
ہے۔ اس لئے کہ اس کو حضرتِ قہار (جل جلالہٗ) کے یہاں سے
آنے کی وجہ سے ایک شوکت سلطنت او دبدبہ حاصل ہوتا ہے
اور دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ وہ ایک حق ہے جس کا ورود
باطل پر ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ باطل حق کے مقابلہ میں کہاں
ٹھیر سکتا ہے۔ (حق تعالےٰ فرماتے ہیں) بلکہ ہم حق بات کو باطل
پر پھینک مارتے ہیں سو وہ اسکا بھیجا نکالدیتا ہے سو وہ دفعتہً
جاتا رہتا ہے غرض جب یہ واردات ایسے قلب پر آتے ہیں جس کے
اندر طرح طرح کے رذائل خبائث اور بشری رعونات بھری ہوتی
ہیں تو وہ ان سب کا دفعتہً خاتمہ ہی کردیتے ہیں اور اب ان کے

رضیۃ قال سیدی ابو العباس المرسی ھ

عوض لئے قلب میں عالی حوصلگی بلند طور طریقے اور پسندیدہ اوصاف پیدا کر دیتے ہیں۔ اسی کو ہمارے سید ابو العباس مرسیؒ فرماتے ہیں کہ ھ

لو عاینت عیناك یوم تزلزلت ارض النفوس و دکت الاجبال

اے مخاطب! کاش تو اس حالت کا مشاہدہ کرتا جس دن کہ نفوس کی زمین زلزلہ میں آجائے گی۔ اور (اُن کے) پہاڑ ریزہ ریزہ کر دئے جائیں گے تو تو دیکھتا کہ حق کے سورج کا نور اس

لرأیت شمس الحق یسطع نورھا حین التزلزل والرجال رجال

حالت میں بھی روشن اور درخشاں ہے اور مردان حق اس حال میں بھی مانند پہاڑ کے ثابت قدم ہیں۔

ثم ان الواردات الالھیۃ لا تختص بکونھا بعد طاعۃ ولا تجئ بالتکلف کما لعطاس لا یمکن ردہ ولا یمکن تکلفہ و انما ھی انوار عہ

پھر یہ سمجھو کہ ان واردات الہیہ کے لئے کچھ یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ طاعت و ریاضت کے بعد ہی حاصل ہوں اور نہ یہ کہ یہ بہ تکلف ہی حاصل کئے جا سکتے ہیں جیسا کہ چھینک کا حال ہوتا ہے جب آنا ہوتا ہے خود بخود آجاتی ہے پھر نہ تو اس کا روکنا ممکن ہوتا ہے اور نہ بہ تکلف اس کا لے آنا ہی ممکن ہوتا ہے پس یہ وارد ایک خدائی نور ہے عہ

عہ وارد ۔ ایمان کا وجود غیبی اور عروج آخر بعد النسبتہ یہ سب مواہب الہیہ ہیں۔ (قولہ وانما ہی انوار یقذفہا اللہ تعالیٰ الخ) میں کہتا ہوں کہ صاحب مرقات نے شیخ ابو عبد اللہ شیرازی کا ارشاد ایمان کے متعلق نقل فرمایا ہے کہ وہ بھی ایک نور ہے جس کو اللہ تعالیٰ قلب مومن میں قذف کرتے ہیں۔ نہایت عمدہ تحقیق ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کو یہاں بیان کر دوں فرماتے ہیں کہ :۔

و ان للایمان وجوداً غیبیاً و وجوداً ذھنیاً و وجوداً لفظیاً۔ اما الاول فھو ما اشار الیہ الشیخ الکبیر ابو عبد اللہ الشیرازی فی

ایمان کے لئے تین وجود ہیں ایک وجود غیبی دوسرا ذہنی تیسرا لفظی اول کی حقیقت اور اس کا مصداق وہ ہے جس کی جانب شیخ کبیر ابو عبد اللہ شیرازی نے اپنے رسالہ معتقد میں ارشاد فرمایا ہے کہ :۔

مقصدہٗ من الله نور یقذف فی القلب من نور الذات ومعناہ ان اصلہ نور یقذفہ الحق من ملکوتہ الی قلوب عبادہ فیباشر اسرارہم وہو متصل بالحق ثابت فی قلوبہم فاذا انکشف جمال الحق لہٗ ازداد ذلک النور فیتقوی الی ان ینبسط وان ینشرح الصدر ویطلع العبد علی حقائق الاشیاء ویتجلی لہ الغیب وغیب الغیب ویظہر لہ صدق الانبیاء وینبعث من قلبہ داعیۃ الاتباع فینضاف الی نور معرفتہ انوار الاعمال والاخلاق نورٌ علی نورٍ یہدی الله لنورہٖ من یشاءُ

وہ ایک نور ہے نور ذات سے جو کہ (اللہ تعالیٰ کی جانب سے) قلب مومن میں ڈالا جاتا ہے۔ ان کے اس ارشاد کا حاصل یہ ہے کہ اسکی اصل ایک نور ہے جسے حق تعالیٰ ملکوت (یعنی عالم بالا) سے اپنے بندوں کے قلوب میں ڈالتے ہیں جس کی وجہ سے یہ نور ان کے باطن میں کام کرتا ہے اور انکے قلوب میں ثابت اور قائم رہنے کے ساتھ ساتھ حضرت حق جل وعلا سے بھی متصل رہتا ہے۔ اسکے بعد جس وقت حق کا جمال اس بندہ پر منکشف ہوتا ہے تو یہ نور اور قوی اور زیادہ ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اسکے سارے سینے میں پھیل جاتا ہے اور اسکی وجہ سے اسکو شرح صدر کا مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے اور اب وہ حقائق اشیاء پر مطلع ہونے لگتا ہے اور پھر اسکے لئے غیب اور اسکے بعد غیب الغیب منکشف ہونا شروع ہو جاتا ہے اور اسکے لئے انبیاء علیہم السلام کا صدق خوب ظاہر ہو جاتا ہے اور (اسکی وجہ سے) اسکے قلب میں اتباع کا داعیہ ابھرتا ہے پھر اسکے بعد اس کے اس نور معرفت میں اسکے اعمال (صالحہ) اور اخلاق (حسنہ) کے انوار بھی شامل ہوتے ہیں (جسکی وجہ سے وہ نورٌ علی نور کا مصداق ہو جاتا ہے یعنی) یہ ہے نور علی نور اللہ تعالیٰ جسے چاہتے ہیں اپنے اس نور کی طرف رہبری فرماتے ہیں۔

وذلک القذف والکشف یتعلق بمراد الله تعالیٰ فی احایین نسیم الصفات لا یقدر علی کسبہ نعم شرائطہٗ مکتسبۃ۔

اور (یہ سمجھ لو کہ) اس نور کا قلب میں پڑنا اور جمال حق کا اسکے لئے منکشف ہونا یہ محض اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے تعلق رکھتا ہے (یعنی یہ ایک وہبی چیز ہے) جو کہ ان اوقات میں سے کسی وقت میں خود بخود ہو جاتا ہے جس وقت کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کی نسیم چلتی ہے یعنی بندہ کی قدرت و اختیار میں اس کا کسب نہیں ہے البتہ اس کے شرائط اختیاری ہیں۔

چنانچہ منجملہ شرائط کے یہ بھی ہے کہ انسان دعویٰ سے اپنے کو خالی کرے۔ اور اغیار کی غلامی سے اپنے کو آزاد کر دے اور اپنے کو انتہائی ذلت اور انکساری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے جھونکوں کے آنے کے محل میں پیش کر دے جیسا کہ صاحب ترصیع نے ابھی اوپر بیان کیا ہے۔

یہاں ہمارے مقصد کے مناسب تو مرقات کا اتنا ہی مضمون تھا لیکن تتمیم فائدہ کے لئے ہم شیخ ابوعبداللہ شیرازی کا بقیہ کلام بھی نقل کرتے ہیں آگے فرماتے ہیں کہ :-

واما الوجود الذهنی فملاحظة ذالك النور و مطالعته بالتصديق	ایمان کی دوسری قسم اس کا وجود ذہنی ہے جسکی حقیقت یہ ہے کہ قسم اول کو ملاحظہ میں رکھنا اور تصدیق کے ساتھ اس کا مطالعہ کرنا ہے
واما الوجود اللفظی فهو شهادتان	اور تیسری قسم وجود لفظی ہے یعنی کلمۂ شہادت زبان سے ادا کرنا
وكما ان ايمان العوام هو التصديق بالجنان والاقرار باللسان والعمل بالاركان	(اور یہ بھی سمجھنا چاہئے کہ) جس طرح سے کہ عوام کا ایمان تصدیق بالجنان۔ اقرار باللسان۔ اور عمل بالارکان ہے۔ قلب۱۲ زبان۱۲ جوارح۱۲
فايمان الخواص غروب النفس من الدنيا وسلوكه طريق العقبىٰ و شهود القلب مع المولىٰ	اسی طرح سے خواص کا ایمان نفس کو دنیا سے بچانا اور دور رکھنا اور طریق آخرت پر اسکو چلانا ہے۔ اور اپنے مولیٰ تعالےٰ شانہٗ کے ساتھ قلب کو حاضر اور مشغول رکھنا ہے۔
وايمان خواص الخواص ملازمة الظاهر والباطن فی طاعة الله وانابة الخلق الی الفناء فی الله واخلاص السر للبقاء بالله ذوقنا الله تعالىٰ (مرقات ص۴ ج۱)	اور اخص الخواص کا ایمان اللہ تعالےٰ کی اطاعت میں اپنے ظاہر و باطن کو لگائے رکھنا۔ اور مخلوق کو فنا فی اللہ کی جانب متوجہ کرنا اور بقاء باللہ کے لئے اپنے سر (یعنی قلب و باطن) کو خالص رکھنا ہے۔ اللہ تعالےٰ ہم کو بھی اس کا ذوق نصیب فرمائے آمین۔

دیکھئے صاحب ترصیع نے یہاں جس طرح سے وارد کو موہبۃ فرمایا ہے اور اس کے بارے میں یہ فرمایا ہے کہ لا تجیئ بالتکلف۔ لا یمکن ردہ ولا یمکن تکلفہ وانما ھی انوار یقذفھا اللہ تعالیٰ فی قلوب طالبیہ۔ یعنی اس عطیۂ خداوندی کو اپنے قوت بازو سے نہیں حاصل کیا جا سکتا۔ نہ اپنے ارادہ سے اس کا لانا ممکن اور نہ جب آجائے تو رد کرنا ممکن۔ کیونکہ یہ ایک نور ہے جس کو اللہ تعالےٰ اپنے طالب کے قلب میں ڈال دیتے ہیں۔ ولاراد لفضلہ ۔ اس نوع کی موہبۃ ابوعبداللہ شیرازیؒ نے ایمان کے (وجود عینی) کو بھی قرار دیا اور اسکی تعبیر میں الفاظ بھی قریب قریب ان کے وہی ہیں جو صاحب ترصیع اپنے کلام میں لائے ہیں یعنی فرماتے ہیں کہ انہٗ نور یقذف فی القلب من نور الذات اور آخر میں فرماتے ہیں کہ ذلك القذف یتعلق بمراد للہ تعالےٰ۔ لا یقدر علی کسبہ یعنی وہ ایک نور ہے نور ذات سے جو کہ

قلب میں ڈالا جاتا ہے۔ اور اس کا قلب میں پڑجانا محض اللہ تعالیٰ کے چاہنے پر موقوف ہے بندہ کے کسب سے اس کا تعلق نہیں ہے۔ ——— میں کہتا ہوں کہ اس نوع کی ایک اور موہبۃ بھی ہے جس کے متعلق حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ ثم بعد حصول النسبۃ عروج آخر ھو الفناء فی اللہ الخ اور شاہ صاحب نے اس مقام پر نہایت عمدہ کلام فرمایا ہے۔ ناظرین کے افادہ کے لئے ہم اسکو بعینہ نقل کرتے ہیں۔

القول الجمیل میں پہلے نسبت کی تعریف اور اسکے حاصل ہونے کے طرق کا بیان کیا ہے اور یہ فرمایا ہے یہی وہ چیز ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متوارث چلی آرہی ہے اور اس کے بعد فرماتے ہیں کہ سالک کی ترقی اور اس کا عروج اس نسبت ہی پر ختم نہیں ہوجاتا بلکہ ———

ثم بعد حصول النسبۃ عروج آخر ھو الفناء فی اللہ والبقاء بہ۔ والحق عندی انہ لیس متوارثاً عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم بواسطۃ المشائخ بالسند المتصل بل ھو موھبۃ من اللہ تعالیٰ یھبہ لمن یشاء من عبادہ من غیر توارث۔

حصولِ نسبت کے بعد ایک اور عروج ہے جس کو فنا فی اللہ اور بقا باللہ کے عنوان سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور میرے نزدیک حق یہی ہے کہ یہ مرتبہ فنا اور بقا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بواسطہ مشائخ سند متصل کے ساتھ متوارث نہیں ہے (جس طرح سے کہ نسبت صوفیہ متوارث اور مسلسل ہے) بلکہ یہ تو ایک خدائی موہبۃ ہے کہ وہی اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں بدون توارث کے عطا فرما دیتے ہیں۔

ومما یشھد لھذا المعنیٰ ما روی ان خواجہ نقشبند سئل عن سلسلۃ شیوخہ فقال لم یصل احد الی اللہ بالسلسلۃ بل وصلت الی جذبۃ فاوصلتنی الی اللہ قضیۃ لما ورد جذبۃ من جذبات اللہ توازی عمل الثقلین ھذا مع ان سلسلۃ شیوخہ معلومۃ ومعروفۃ

اور میرے اس مدعا پر (کہ یہ مرتبہ کسبی نہیں بلکہ وہبی ہے) حضرت خواجہ نقشبندؒ کا یہ ارشاد شاہد ہے کہ ان کے مشائخ کے سلسلہ کے بارے میں ان سے دریافت کیا گیا؟ تو فرمایا کہ بھائی کوئی شخص اللہ تعالیٰ تک اپنے سلسلہ کے واسطے سے نہیں پہنچا ہے بلکہ مجھ تک تو ایک کشش ربانی پہنچی جس نے مجھے اللہ تک پہنچا دیا۔ اور یہ بات اس حدیث کے بھی مطابق ہے جس میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کششوں میں سے ایک کشش تمام جن اور انس کے عمل کے برابر (بلکہ اس سے بڑھ کر) ہوتی ہے اس بات کو سمجھ لو اور یاد رکھو۔ اور یہ

فمن شاء ھذا العروج فلیرجع الی سائر کتبنا واللہ الھادی

(ص۵۱ القول الجمیل)

جان لو کہ حضرت خواجہ نقشبند (کوئی معمولی شخص نہیں ہیں) آپ کے مشائخ کا سلسلہ بھی معروف و مشہور ہے (اسکے باوجود وہ ایسا فرما رہے ہیں) باقی فنا و بقا کے وہبی ہونے کی اگر زیادہ تحقیق درکار ہو تو ہماری کتب کی مراجعت کرو۔

آپ سے کہتا ہوں کہ حضرت شاہ صاحبؒ نے اس مضمون کو کیا بیان فرمایا گویا سارا تصوف بیان کردیا۔ اور اس کتاب میں اگر صرف یہی مضمون ہوتا اور کچھ نہ ہوتا تب بھی بس تھا۔ اور اگر دوسرے سارے مضامین ہوتے اور یہی نہ ہوتا تو میرے نزدیک کتاب نا تمام رہ جاتی۔

میں کہتا ہوں کہ یہ مضمون جو یہ حضرت بیان فرما رہے ہیں کہ ادھر سے ایک وارد آتا ہے جو وہبی ہوتا ہے یا ایک نور قلب مومن میں قذف کیا جاتا ہے یا یہ کہ نسبتہ سے آگے ایک عروج ہے جو کہ محض وہبی ہے۔ غرض ان سے نور کا وہبی ہونا جو معلوم ہوتا ہے تو یہ مضمون تو نص میں بھی آیا ہے اللہ تعالٰے ارشاد فرماتے ہیں:

اومن کان میتاً فاحییناہ وجعلنالہٗ نوراً یمشی بہ فی الناس (پ۸ رکوع ۲)

ایسا شخص جو کہ پہلے مردہ تھا ہم نے اسکو زندہ بنادیا اور ہم نے اس کو ایک ایسا نور دیا کہ وہ اسکو لئے ہوئے آدمیوں میں چلتا پھرتا ہے

اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد فرماتے ہیں :۔

یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ وآمنوا برسولہ یؤتکم کفلین من رحمتہ و یجعل لکم نوراً تمشون بہ ویغفر لکم واللہ غفور رحیم (پ۲۷ حدید)

اے ایمان رکھنے والو! اللہ تعالٰے سے ڈرو اور اسکے رسول پر ایمان لاؤ۔ اللہ تم کو اپنی رحمت سے دو حصے دیگا اور تم کو ایسا نور عنایت کریگا کہ تم اس کو لئے ہوئے چلتے پھرتے ہوگے اور تم کو بخش دیگا اور اللہ غفور رحیم ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

ومن لم یجعل اللہ لہٗ نوراً فمالہٗ من نور

یعنی جس کو اللہ تعالٰے نور نہ عطا فرمادیں پھر اسکو نور نہیں مل سکتا۔

اللہ تعالٰے نے ان آیتوں میں نور کے ملنے نہ ملنے کو اپنے جعل (یعنی عطا فرمانے) پر مرتب فرمایا ہے یعنی یہ فرمایا کہ ہم نے نور دیا یا اللہ تعالٰے نور عنایت فرمائیں گے یا جسکو خدا نور نہ دے اسکو نور نہیں مل سکتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان خدا تک جو پہنچتا ہے وہ جذب الٰہی کے ذریعہ پہنچتا ہے یعنی ادھر ہی سے کشش ہوتی ہے تب ہی انسان واصل ہوتا ہے۔

اب اسکے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات ملاحظہ فرمائیے کہ جب ان آیات سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے نور کا عطا فرمانا اپنے قبضہ اور تصرف میں رکھا ہے تو آپ نے پھر اللہ تعالیٰ ہی سے اسکو طلب بھی فرمایا چنانچہ ایک دعا میں آپ نے اللہ تعالیٰ سے اسطرح نور کا سوال کیا ہے ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

اللھم اجعل فی قلبی نوراً وفی بصری	یا اللہ کردے میرے دل میں نور اور میری بینائی میں نور اور میری
نوراً وفی سمعی نوراً وعن یمینی نوراً	شنوائی میں نور اور میرے داہنی طرف نور۔ اور میرے بائیں
وعن شمالی نوراً وخلفی نوراً ومن	طرف نور۔ اور میرے پیچھے نور۔ اور میرے سامنے نور
امامی نوراً واجعل لی نوراً وفی عصبی	اور کردے میرے لئے ایک خاص نور اور میرے پٹھوں میں
نوراً وفی لحمی نوراً وفی دمی نوراً	نور اور میرے گوشت میں نور۔ اور میرے خون میں نور
وفی شعری نوراً وفی بشری نوراً	اور میرے بالوں میں نور اور میرے پوست میں نور
وفی لسانی نوراً واجعل فی نفسی	اور میری زبان میں نور اور کردے میری جان میں نور
واعظم لی نوراً واجعلنی نوراً	اور دے مجھے نور عظیم اور کردے مجھے سراپا نور
واجعل من فوقی نوراً ومن تحتی نوراً	اور کردے میرے اوپر نور اور میرے نیچے نور
اللھم اعطنی نوراً	یا اللہ دے مجھے نور

(ص۳۷ مناجات مقبول کریں)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس دعا میں اسی لفظ جعل کو استعمال فرمایا اور اللہ تعالیٰ ہی سے نور طلب فرمایا اور یہ سمجھ کر کہ جب کوئی ذات کریم کسی چیز کی دینے والی ہو تو پھر اس سے مانگنے میں بخل کیوں کیا جائے؟ آپ نے بھی پھر کس طرح اللہ تعالیٰ سے نور طلب فرمایا ہے اور اس میں شک نہیں کہ اس دعا کے صرف الفاظ ہی کو زبان پہ لانے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے نور قلب میں آرہا ہے بہت نفیس دعا ہے۔ آپ کی مانگی ہوئی یہی دعا اگر ہم لوگ سیکھ لیں اور اس کے ذریعہ صدق دل سے اللہ تعالیٰ سے نور کے طالب ہوں تب بھی ہمارا بیڑا پار ہو جائے۔

لیکن افسوس اس کا ہے کہ نور کی تحصیل کے لئے کیسے کیسے طریقے اور مجاہدے لوگ اختیار کرتے ہیں مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سہل اور آسان طریقہ ہمارے پیش نظر نہیں ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ محنت بہت ہے اور نفع کم ترک سنت کی یہ سزا اور وبال ہے جو آج ہمارے نقد حال ہے۔ اللہ تعالیٰ فہم سلیم عطا فرماویں۔

يقذفها الله تعالى في قلوب طالبيه عند برائتهم من الدعوى وتحررهم من رق الاغيار وتعرضهم لنفحاته تعالى بالذل والافتقار و اذا كانت الواردات من العلوم الالهية فلا يعمل بها مالم يشهد بها الشرع فان كل حقيقة تخالف الشريعة فهي باطلة

جن کو اللہ تعالیٰ اپنے طالبین کے قلوب میں ڈال دیتے ہیں جبکہ وہ دعویٰ اور پندار سے نکل چکتے ہیں اور اغیار کی غلامی سے آزاد ہو چکے ہوتے ہیں (اور یہی نہیں بلکہ) اپنے اندر غایت ذلت اور افتقار پیدا کرکے خود کو ان نفحات الٰہیہ کے ورود کے محل میں پیش کر دیتے ہیں۔ پھر جب یہ واردات از قبیل علوم الٰہیہ کے ہوں تو (ان کا حکم یہ ہے کہ) ان کے مقتضیٰ پر عمل اس وقت تک نہیں کیا جائے گا جب تک کہ یہ نہ معلوم کر لیا جائے کہ وہ شرع کے خلاف تو نہیں ہیں (یعنی شریعت ان کی تصدیق کر دے) اس لئے کہ ہر وہ حقیقت (یعنی طریقت) جو شریعت کے خلاف ہو وہ مردود اور باطل ہے۔

ثم من الادب ان لا يفرح بالوارد ولا يغتر به مالم يعلم ثمرته فيه من تاثير القلب و تبدل صفاته المذمومة بالصفات المحمودة وان لا يتكلم بالمعاني الواردة عليه حتى يتحقق بها و ترسخ و تتضح بانكشافها

پھر وارد کے آداب میں سے ایک ادب یہ ہے کہ کسی وارد کو پاکر سالک فرح بطر نہ کرنے لگ جائے اور اس پر مغرور نہ ہو جب تک کہ یہ نہ معلوم کر لے کہ اس کا ثمرہ خود اسکے اندر کیا مرتب ہوا؟ یعنی اسکے قلب نے اس سے کیا اثر قبول کیا۔ اور اسکی صفات مذمومہ صفات محمودہ سے بدل گئیں یا نہیں؟ اور ایک بات قابل لحاظ یہ ہے کہ جن معانی اور صفات (یعنی حالات وکیفیات) کے ساتھ متحقق اور متصف نہ ہو اور جو حالات وکیفیات اس کے اندر راسخ نہ ہوں اور جن کا کشف واضح نہو ان کا تکلم بھی اپنی زبان سے نہ کرے۔

وان لا يطلب بقاء الوارد ولا ياسى على فقده بعد ان بسط عليه انواره فتكيف باطنه وظاهره بكيفيات العبودية

اور ایک ادب یہ ہے کہ نہ تو وارد کے بقاء کی خواہش کرے اور نہ اسکے چلے جانے سے اپنے اوپر یاس ہی طاری ہونے دے یہ خیال کرکے کہ کبھی مجھ پر بھی اس وارد کے نور کی بارش ہوئی تھی جسکی وجہ سے میرا ظاہر اور باطن عبودیت کی کیفیت سے سرشار ہو چکا تھا

ولا حظ لہ شئی من عظمۃ الربوبیۃ فان فی اللہ غنیً عنہ و عن غیرہ وکذلک لا ینبغی ان یلاحظ العبد شیئاً من الاغیار والانوار اوالمقامات والاحوال والدنیا والآخرۃ والنعم الباطنۃ والظاھرۃ ولا یرکن الیھا ولا یعتمد علیھا بقیت او ذھبت فانھا غیرہ فیلزم ان تحید عنھا کما قیل ؎

اور ربوبیۃ کی عظمت کا نور مجھ پر چمک چکا تھا، مگر افسوس کہ اب وہ جاتا رہا تو اس قسم کے خیالات کا کبھی اتباع نہ کرے) کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے اندر اس وارد سے اور اس کے علاوہ سب ہی چیزوں سے کفایت موجود ہے۔ اسی طرح سے بندہ کیلئے زیب بھی نہیں دیتا کہ غیر اللہ کی جانب ادنیٰ التفات بھی کرے خواہ وہ اغیار ہوں یا انوار۔ مقامات ہوں یا احوال۔ دنیا ہو یا آخرت۔ باطنی نعمتیں ہوں یا ظاہری غرض انکی جانب ادنیٰ میلان بھی روا نہیں ہے۔ اور نہ واردات پر اعتماد کرے وہ باقی رہیں چاہے ختم ہو جائیں۔ اسلئے کہ وہ خدا نہیں ہیں معاذ اللہ (مطلب یہ کہ مقصود نہیں ہیں اسلئے سالک کو ان کی پرواہی کیا ہے؟) لہذا ان سے علیحدگی اور دوری ہی مناسب ہے جیسا کہ کہا گیا ہے ؎

الیک یا حور الجنان عنا
مالک قاتلنا ولا قتلنا

(کہ شہید مخلص کو جنت میں جب حوریں ملیں گی تو وہ کہے گا کہ) اے جنت کی حور مجھ سے الگ ہی رہو اسلئے کہ ہم نے دنیا میں جو قتل و قتال کیا تھا اور مقتول ہو گئے تھے تو وہ کچھ تمہاری خاطر نہیں ہوئے تھے۔

قال ابو القاسم القشیری رحمہم اللہ تعالیٰ ومن المقاطع المشکلۃ السکون الی استحلاء ما یلاقیک بہ من فنون تقریبک فان کل لطیفۃ بطربک بھا تحتھا خدع انتھی۔ ولو خاطب الولی کل ما فی الکون وقال السلام علیک یا ولی اللہ تعالیٰ

حضرت ابو القاسم قشیریؒ نے فرمایا ہے کہ مقامات مشکلہ اور دشوار گذار گھاٹیوں میں سے ایک یہ ہے کہ سالک اللہ تعالیٰ سے قریب کرنے والے امور کو پاکر اور انھیں شیریں اور لذیذ پاتے ہوئے ان سے سکون اور قرار حاصل کرنے لگے (کیونکہ بسا اوقات وہ اسی کو مقصود سمجھ لیتا ہے اور ادھر سے منقطع ہو جاتا ہے) اور یہ اسلئے کہ ہر وہ لطیفہ جو تمہارے حق میں طرب و نشاط کا موجب بنے یقین کرو کہ اس کے باطن میں کوئی نہ کوئی مفسدہ فتنہ اور خداع ضرر مخفی ہے (گو تم اسکو محسوس نہ کر سکو) چنانچہ اگر کسی ولی سے دنیا کی تمام چیزیں کلام کرنے لگیں اور آکر یہ کہیں کہ السلام علیک یا ولی اللہ تعالیٰ (اے اللہ تعالیٰ کے ولی تم پر سلام ہو)

فسكنت نفسه الى ذالك كان في يد ذالك اسيراً۔

اور اس کی وجہ سے اسکا نفس کچھ خوش ہو جائے اور اسکو باطنی سکون حاصل ہو تو سمجھو کہ ابھی وہ اپنے (نفس کے) ہاتھوں اسیر ہے۔

وقال سيدي ابو العباس المرسي رحمه الله تعالىٰ اللطف حجاب عن اللطيف يعني السكون اليه والوقوف عنده وشدة الفرح به انتهى۔ ومتىٰ قصد العبد شيئاً من الكرامات وخرق العوائد وانواع الاجابات افتتن وانقطع عليه طريق العبودية ومن ادركته السعادة كاشفه الله تعالى بشهود جلاله وجماله لا باثباته في الاحوال اللطيفة والكرامات الشريفة ما ارادت همة سالك ان تقف عند ما كشف له الا

(اسی بات کو) ہمارے شیخ ابو العباس مرسیؒ یوں فرماتے تھے کہ لطف (یعنی وارد) لطیف کی جانب سے ایک حجاب ہے مطلب یہ کہ اس لطیفہ سے سکون حاصل کرنا اور اسی پر قناعت کرلینا یا اسکی وجہ سے فرح بطر میں مبتلا ہو جانا یہ سب باتیں بعد کی ہیں (اور منع ہیں ورنہ تو حال مہمان عزیز ہے قابل قدر اور لائق صد شکر ہے) اور جب سالک نے کسی کرامت یا خارق عادت یا کسی قسم کی اجابت کے حصول کا قصد کیا تو سمجھ لو کہ وہ مفتون ہے اور اب اس پر عبودیت کا راستہ ہی بند ہو جائیگا۔ اور جسکی قسمت میں سعادت ازلی لکھی ہوتی ہے اسپر اللہ تعالیٰ اپنے جلال وجمال کا مشاہدہ مکشوف فرمادیتے ہیں (جس سے وہ ہمیشہ سرشار رہتا ہے) اور احوال لطیفہ اور کیفیات اور کشف وکرامات کی فکر اور خواہش ہی سے اسکو دور رکھتے ہیں اسطرح سے کہ اگر کسی سالک کا ارادہ بھی ان مکاشفات پر وقوف کا ہوا تو وہ (جلال وجمال کا مشاہدہ) جسکو حقیقت کا ہاتف کہنا چاہیئے اس سے پکار کر کہتا ہے کہ خبردار دیکھ

ف: قوله اللطف حجاب عن اللطيف الخ) یہی وجہ ہے کہ اولیاء اللہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے بردِ قضاء کا شکوہ کرتے رہے ہیں جس طرح سے کہ اور دوسرے لوگ تدابیر کی مشغولی سوا اختیار کے وبال سے ڈرتے ہیں اور خوف کرتے ہیں اور یہ اسلئے کہ برد قضا کیوجہ سے (یعنی یہ کہ ہر خواہش اور مراد بدون اختیار اسباب کے پوری ہوتی رہے) نفس کو جو لذت اور حلاوت حاصل ہوتی ہے کہیں اسمیں پھنسکر اللہ تعالیٰ کی جانب سے صرف نظر نہ ہو جائے (اولیاء اللہ اس سے ڈرتے ہیں کیونکہ عبدیت یہ ہے کہ بندہ ہر آن اپنی احتیاج اپنے مالک کے آگے پیش کرتا رہے اور کبھی کوئی غیر اللہ اسکے لئے سبب سکون نہ بنے)

نادته هواتف الحقیقة انما نحن فتنة فلا تکفر الذی تطلب امامك۔

یہ ٹھہرنے کا مقام نہیں ہے بلکہ ایک فتنہ ہے لہذا اسمیں پڑ کر کافر مت ہو جانا (یعنی یہاں توقف کرکے راہ سے منقطع نہ ہو جانا) تمہارا مطلوب و مقصود اور آگے ہے۔

والحاصل ان الصوفی مرجعه فی کل احواله الی الحق تعالی فهو لا دنیا له ولا آخرة وذلك لان الحق تعالی غیور لا یحب ان یری فی قلب عبده سواه فان وجد فی قلبه سکونا الی غیره ابتلاه وحجب ذکره عن قلبه واجراه علی لسانه فان انتبه وانقطع عمن سکن الیه کشف الله مابه وان دام علی سکونه نزع من قلوب الخلق الرحمة الیه والبسه لباس الطمع فیهم فتصیر حیاته عجزا وموته کمدا او معاده اسفا نعوذ بالله تعالی من السکون لغیره آمین قال الشاعر ؎

حاصل یہ کہ ایک صوفی کا مطلوب تو اپنے جملہ احوال میں حق تعالی ہی ہوتے ہیں پس اسکے پیش نظر نہ تو دنیا ہوتی ہے اور نہ آخرت ہوتی ہے۔ اور یہ اس لئے کہ حق تعالی بڑے ہی غیرت والے ہیں اسکو پسند ہی نہیں فرماتے کہ اپنے بندہ کے قلب میں اپنے سوا کسی غیر کو دیکھیں۔ پس اگر کسی بندہ کو ایسا دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے قلب میں اللہ تعالی کے سوا کسی اور سے بھی سکون پاتا ہے تو اسکو امتحان کے شکنجہ میں کھینچتے ہیں اور اپنی یاد کو اسکے قلب سے جدا کر دیتے ہیں اور ذکر کو صرف اسکی زبان پر جاری فرما دیتے ہیں اب اگر اس سزا سے اسکو تنبہ ہو گیا اور وہ اس غیر سے جس سے اس نے سکون حاصل کیا تھا منقطع ہو گیا یعنی اس سے اپنے قلب کو فارغ کر لیا تو اللہ تعالی سزا کو اس سے دور فرما کر اسکے قلب کو روشن فرما دیتے ہیں ورنہ کہیں اگر وہ اپنے اسی سکون پر قائم اور مداوم رہا تو (دوسری سزا اسکو یہ دیجاتی ہے کہ) مخلوق کے قلوب سے اس پر رحم اور شفقت کو نکال دیا جاتا ہے اور اللہ تعالی اسکو مخلوق سے طمع کا لباس پہنا دیتے ہیں جسکی وجہ سے اسکی زندگی بالکل ایک عاجز اور ذلیل جیسی ہو جاتی ہے اور موت اسکی مشقت والی ہو جاتی ہے اور آخرت میں بھی اس کا حال بس قابل افسوس ہی ہوگا۔ ہم اللہ تعالی سے غیر اللہ کی جانب سکون قلبی ہونے سے پناہ مانگتے ہیں۔

کسی نے خوب کہا ہے ؎

من لم یکن بك فانیا عن حظه
وعن الهوی والانس بالاحباب

جو شخص تجھے پا کر بھی اپنے حظوظ دنیویہ سے فارغ نہ ہوا اور اسکو نہ بھولا
بلکہ خواہشات نفسانیہ ہی میں اور احباب کے تعلق ہی میں لگا رہا۔

فلأنه بين المراتب واقف
لمنال حظ او لحسن مآب

تو بس یہ سمجھو کہ وہ ان دونوں مراتب کے مابین معلق ہی رہیگا یعنی نہ تو کھلکر دنیوی چین ہی اٹھا سکے گا اور نہ اُخروی حسن انجام ہی سے حصہ پا سکے گا۔

وقال ابو سليمان الداراني اقرب ما يتقرب به الى الله تعالى ان يطلع على قلبك وهو لا يريد من الدنيا والآخرة غيرهٗ انتهى۔

ابو سلیمان دارانی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے تقرب کے جو ذرائع ہیں ان میں سب سے قریب ترین ذریعہ یہ ہے کہ تمہارے قلب کی یکسوئی کی یہ حالت ہو کہ اگر اس کا جائزہ لیا جائے تو اس میں دنیا کی کوئی تمنا نکلے اور نہ آخرت کے کسی چیز کی آرزو ملے بجز خدا کی ذات کے اور

وقد اطلقنا عنان القلم فى هذا المقام لانه مزلة الاقدام الا من رحم ربك۔

اسکی یاد کے (ذکر کے بعد کے اس ادب دوم کے بیان میں) ہم نے بھی قلم کی لگام ذرا ڈھیلی کر دی (یعنی اسکو مفصل اور واضح بیان کیا) اسلئے کہ یہ مقام لوگوں کیلئے مزلۃ الاقدام ہوا ہے۔ سوا اس شخص کے جس پر تمہارا رب ہی رحم فرماوے۔

ف (افادہ) قولہ یہ مقام لوگوں کیلئے مزلۃ الاقدام ہے الخ) میں کہتا ہوں یہ مقام مزلۃ الاقدام اسلئے ہے کہ انسان ذکر سے اگر کوئی لذت پانے لگے یا اسکو سکون الی الغیر حاصل ہو تو کبھی ایسا ہو گا یہی غیر اور یہی لذت اسکا مقصود ہو جائیگی اور ذکر کے حقیقی ثمرات سے وہ محروم رہے گا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ مومن کیلئے ذکر کا ثمرہ اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں فاذکرونی اذکرکم یعنی تم میرا ذکر کرو میں تمکو یاد کرونگا سبحان اللہ۔ اللہ تعالیٰ کی یہ نوازش اور کرم کہ بندہ بندہ کی یاد کا صلہ وہ اسکو اسکی یاد سے مرحمت فرمائیں۔ ع بریں مژدہ گر جاں فشانم رواست

پھر ذکر ہی کے سلسلہ میں ایک بات یہ کہتا ہوں کہ اللہ اللہ کا ذکر ہو خواہ لا الہ الا اللہ کا یہ دونوں ذکر بسیط ہیں اور اس میں شک نہیں کہ ہر ایک کے الگ الگ خواص ہیں اور جدا جدا منافع ہیں۔ مشائخ نے اسکی تصریح فرمائی ہے چنانچہ حضرت خواجہ محمد معصوم فرماتے ہیں کہ:۔

باید دانست کہ صورت ایمان چنانچہ موقوف است بر نفی الہہ آفاقی کہ اصنام وسائر معبودات کفرہ است۔

جاننا چاہیئے کہ جس طرح ایمان کی ایک صورت ہوتی اور وہ اس پر موقوف ہوتی ہے کہ انسان آفاقی آلہہ کو قلب سے دور کرے اور اس سے مراد اصنام اور کفار کے معبودات باطل ہیں۔

حقیقت ایمان موقوف است
بر نفی الٰہ انفسی کہ عبارت از ہوا ہائے
نفسانی است و گرفتاری ست بما دون
حق جل و علا۔ آیۂ کریمہ افرأیت
من اتخذ الٰھہٗ ھواہ شاہد ایں
معنی است۔

اسی طرح سے ایمان کی ایک حقیقت ہوئی جو کہ موقوف
ہے انفسی الٰہ کے ازالہ پر اور ان سے مراد خواہشات نفسانی
ہے اور غیر اللہ کے ساتھ قلب کی گرفتاری ہے (اور خواہشات
کو جو الٰہ کہا گیا تو) آیت آفرایت الآیۃ یعنی آپ نے اس شخص کو
دیکھا جس نے اپنا معبود اپنی خواہش کو بنا رکھا ہے۔ یہ آیت
اس پر شاہد ہے۔

بزرگان گفتہ اند کہ ہرچہ مقصود تست
معبود تست پس طالب حق را جل و
علا از تکرار آں چارہ نیست لہٰذا اہل اللہ
ایں کلمہ طیبہ را برائے سلوک و تسلیک
اختیار فرمودہ اند تا سالک بتکرار ایں
کلمہ از ہوائے نفسانی و وساوس شیطانی
و مقاصد انسانی بہ تمام بر آید
و مقصود و معبود و محبوب او بجز
از ذات منزہ نماند و فنا حاصل
شود۔

بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جو تمہارا مقصود ہو بس وہی تمہارا
معبود ہے۔ لہٰذا حق کے طالب کو لا الٰہ الا اللہ کے تکرار سے
چارہ نہیں۔ اسی لئے اہل اللہ نے ہر زمانہ میں سلوک و
تسلیک کے لئے اسی کلمہ کو اختیار کیا ہے تاکہ سالک اس
کلمہ کے تکرار سے اپنے ہوائے نفسانی۔ وساوس شیطانی اور
مقاصد انسانی سے بالکل نکل جائے اور اس کا
مقصود و معبود اور محبوب سوا ذات عز شانہ
کے کوئی اور نہ رہ جائے اور اس کو فناء تام
حاصل ہو جائے۔

یہ تو کلمہ طیبہ کے بارے میں فرمایا۔ آگے اسم ذات کے متعلق فرماتے ہیں کہ :۔

آرے اسم ذات جذب و
محبت مے آرد و قسمے از فنا می
بخشد۔ لیکن کلمہ نفی و اثبات برائے
سلوک و رفع علائق ناگزیر است
تا فناء حقیقی حاصل شود و حجب بتمام
مرتفع گردد۔

ہاں یہ صحیح ہے کہ اسم ذات بھی (اللہ اللہ کا ذکر)
محبت اور جذب پیدا کرنے میں اکسیر ہے اور ایک نوع
کا فنا بخشتا ہے لیکن لا الٰہ الا اللہ کا ذکر سلوک کے لئے
اور علائق کو قلب سے زائل کرنے کے لئے بہرحال ضروری ہے تاکہ
فناء حقیقی حاصل ہو اور حجابات بالکلیہ مرتفع
ہو جائیں۔

تا بجاروب لا نروبی راہ — جب تک لا کی جھاڑو سے راستے کو صاف نہ کروگے

نرسی در سرائے الا اللہ — الا اللہ کی سرائے تک رسائی مشکل ہے۔

(ص۲ مکتوبات معصومیہ)

اس سے معلوم ہوا کہ جذب حاصل کرنے میں ذکر اسم ذات (اللہ اللہ) کو بڑا دخل ہے اور فنا، تام کے حصول کے لئے کلمہ طیبہ کا ورد ہر زمانہ میں مشائخ کا معمول رہا ہے۔

یہ بالکل صحیح ہے لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ یہ سارے اذکار بسیط ہی ہیں یعنی ان کے ایک ایک معنی ہیں اور ایک ایک مقصد ان سے حاصل ہوتا ہے باقی ان کے علاوہ ایک اور ذکر ہے جو کہ مرکب ہے اور وہ ہے "تلاوت قرآن"۔ اگر سالک اس سے شغف پیدا کرلے تو بیک وقت اللہ تعالیٰ کی ذات۔ صفات۔ آخرت۔ معاد۔ جزا۔ سزا۔ جنت۔ دوزخ ان تمام چیزوں پر تفصیلی طور پر اسکی سیر ہوجائے گی۔ اور اللہ تعالیٰ کی مراد نزولِ کتاب سے یہی ہے کہ بندے ان سب امور پر سے گذریں۔ ظاہر ہے کہ اس مقصد کے حصول کے لئے تلاوت قرآن سے بڑھ کر کوئی ذکر نہیں مگر اس سے یہ مقصود اس وقت حاصل ہوگا جب کہ یہ تلاوت اپنی شرائط کے ساتھ ہو اور قلب سے ہو۔ محض لسانی اور سرسری تلاوت اس مقصد کے حصول کے لئے کافی نہیں۔

(ومن شاء المزید فلیرجع الی رسالتنا "تلاوۃ القرآن المجید")

(حضرت مولانا دامت برکاتہم نے جب یہ ملاحظہ فرمایا کہ ہر طبقہ میں کسی نہ کسی درجہ میں کلام اللہ کے فہم و تلاوت اور اس کے شرائط و آداب کی رعایت میں کوتاہی ہو رہی ہے اور اس کی جانب سے سخت بے اعتنائی برتی جارہی ہے تو آپ نے عوام و خواص سب کو اسکی طرف متوجہ فرمایا اور نہایت شد و مد سے اس موضوع پر کلام فرمایا۔ لوگوں کو ان کی عملی اور اعتقادی کمزوریوں پر آگاہ فرمایا جس سے لوگوں کو بہت نفع ہوا۔ ان مضامین کو کتابی شکل میں تلاوت قرآن کے نام سے شائع کیا جاچکا ہے۔ اس کو بار بار مطالعہ فرمائیے انشاء اللہ بہت نافع ثابت ہوگا۔

حضرت کے بیانات کی خصوصیت یہی ہے کہ ایسا دلکش و دلچسپ کلام ہوتا ہے کہ نہ طبیعت سننے سے اکتاتی ہے اور نہ وہ بیان فرسودہ معلوم ہوتا ہے ؎

وہی اک بات جو سو بار گذری ہے نگاہوں سے — زبانِ شیخ پر آکر نئی معلوم ہوتی ہے)

(از مرتب)

ثانيها اجراء الذكر على قلبك في السكتة المذكورة اما لا اله الا الله او الله الله

دوسرا ادب ہے (غالباً یہ سہو کاتب ہے، دراصل یہ تیسرا ادب ہے دوسرا تو پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ اسی طرح سے اسکے بعد الا چوتھا ہے جسکو کتاب میں تیسرا لکھا ہے) کہ ذکر کو سکتہ مذکورہ میں جس میں حبس دم کیا تھا۔ دل دل میں کرتا ہے خواہ وہ لاالہ الا اللہ ہو یا اللہ اللہ ہو۔

ثالثها ترك شرب الماء حتى يمضى ساعة او نصفها لانه يطفئ نار الشوق التى الهبها الذكر ويفير بالبدن وينبغى من اراد ان تظهر له ثمرة الذكر فى مدة قليلة ان يواظب على هذه الآداب ولا يخل بشئ منها واذا اجتمع جماعة للذكر فينبغى ان يصطفوا مستقبلى القبلة او يتحلقوا واذا كان فيهم امرد اخروه فى آخر الصفوف۔

اور تیسرا ادب (جو کہ حقیقتاً چوتھا ادب ہے) (اگرچہ شروع میں جو کہا ہے اس پر یہ زائد ہے کیونکہ ابتدا میں کہا تھا کہ ذکر کے بعد کے تین آداب حالانکہ اب چار ہونگے) یہ ہے کہ ذکر کے بعد گھنٹہ آدھ گھنٹہ تک پانی نہ پیئے اسلئے کہ اسکی وجہ سے شوق کی وہ آگ بجھ جائیگی جسے ذکر نے بھڑکایا ہے اور اسطرح سے ذکر کی مشقت کے بعد فوراً پانی پینا بدن کو صحت کی رو سے بھی) مضر ہے اب جو شخص چاہتا ہے کہ ذکر کا ثمرہ قلیل مدت ہی میں اسکے لئے ظاہر ہو جائے تو اسکو چاہیئے کہ ان تمام آداب پر مواظبت کرے اور کسی ادب کو ترک نہ کرے (یہ آداب تو منفرد کے لئے تھے) اور جب ایک جماعت ذکر کے لئے جمع ہو تو چاہیے کہ قبلہ رو ہو کر صف بنالیں یا حلقہ بنالیں اور اگر ان میں کوئی نوخیز لڑکا ہو تو اس کو اخیر صف میں سب سے پیچھے کردیں۔

وينبغى توافق اصواتهم وان تكون حركتهم واحدة ثم اذا اراد الشيخ ختم الذكر فليستاذن ربه فى نفسه و يقول يارب حضرتك لا تمل ولكن اخوانى هوءلاء فيهم المريض وذوالحاجة ومرادى

اور سب کے سب ایک آواز اور ایک حرکت کے ساتھ ذکر کریں۔ پھر جب شیخ یہ چاہے کہ ذکر کو ختم کرے تو اسکو چاہیئے کہ اپنے دل ہی دل میں اللہ تعالیٰ سے اذن طلب کرے اور یوں کہے کہ اے پروردگار آپ کی حضوری تو ملول ہونے کی چیز نہیں ہے مگر میرے یہ سب رفقاء طریق ہیں ان میں بہت سے ایسے ہیں جو کہ مریض ہیں بعضے ان میں حاجتمند ہیں لہذا میں یہ چاہتا ہوں کہ اب ان سب

ان اختم بهم ثم يقول لا اله الا الله هو ثم يطرق رأسه هو واخوانه ويكون قوله لا اله الا الله بصوت متوسط ولا يختم بهم الا اذا رأى همتهم قصرت واما اذا رأى منهم النشاط وشدة الشوق فلا ينبغي ان يختم بهم وعند الختم ينبغي ان يذكر بهمة هو والجماعة ولا يختموا الا على نوع استغراق ليبقى لهم داعية الذكر ثانياً۔

کے ساتھ ذکر کو ختم کردوں پھر لا الہ الا اللہ ہو کہے پھر وہ اور سب اخوان الطریق اپنا اپنا سر جھکالیں اور اس کا یہ لا الٰہ الا اللہ کہنا متوسط آواز کے ساتھ ہونا چاہیئے۔ اور ان کے ساتھ ذکر اسی وقت ختم کرے جب کہ ان کو کم ہمت پاوے لیکن جب ان لوگوں میں نشاط اور شوق کی زیادتی دیکھے تو پھر ان کے ساتھ ذکر نہ ختم کرے اور ختم ذکر کے وقت مناسب ہے کہ خود شیخ اور پوری جماعت پوری ہمت اور توجہ کے ساتھ ہو کہے۔ اور ذکر کو ایک قسم کے استغراق پر ختم کرے تاکہ دوبارہ ذکر کا داعیہ اور شوق باقی رہے۔

ولا يكن مجلسه في الذكر بالطويل الا في الليالي الفاضلة ولا بالتقصير الا اذا كان هناك عذر۔

اسی طرح سے ذکر کی مجلس طویل نہ ہونی چاہیئے بجز ان راتوں کے جن کے متعلق کچھ فضیلت آئی ہے۔ اور نہ مختصر ہی کرے۔ سوا عذر کی صورت کے۔

واما السماع فينبغي الاخذ بالاحوط في تركه فانه تصغا اليه النفوس تقبل عليه لانه من شهواتها والزمان فاسد وهذا الامر لم يجر عليه طريق الصديقين ولا اكثر الائمة في الطريق لانه في الحقيقة من حظوظ النفس ومنه الافعال المباحة في الحكم واهل الله لا ينبغي ان يكونوا الا في فريضة او فضيلة +

بہر حال (اہل طریق کیلئے) سماع کا مسئلہ تو لازم ہے کہ اس میں احوط صورت کو لیں یعنی اسکو ترک ہی کردیں کہ اسکا ترک ہی زلال یعنی شفاف پانی ہے ورنہ نفوس اسپر ٹوٹ کر گرتے ہیں اسلئے کہ وہ نفسانی خواہش کے عین مطابق ہے اور زمانہ بھی فساد کا ہے لہٰذا اس کا ترک ہی اولیٰ ہے پھر یہ کہ صالحین اور صدیقین اور طریق کے اکثر ائمہ کا یہ طریقہ بھی نہیں رہا ہے اسلئے کہ درحقیقت اسمیں حظ نفس کا پورا سامان موجود ہے۔ چنانچہ بہت سے ایسے افعال جو فی نفسہ مباح ہوتے ہیں وہ بھی ذریعہ بنجاتے ہیں حظ نفس کا (ایسا ہی یہ سماع بھی ہے) اور اہل اللہ کے شایان شان تو یہ ہے کہ وہ صرف انہیں کام کو انجام دیں جو یا تو فرض ہو یا افضل ہوں۔

(ثم اذا اسمعوا فليراعوا آداب القوم في السماع) منها ان يكون القوال منهم وان لا يقول الا من كلام القوم المشتمل على الوعظ والنصائح[ع] دون الشطح والمغلق + ومنها ان لا يكون بينهم من ليس من طريقهم ولا من لا يقول بالسماع لئلا يقبضهم[عه] واذا لم يكن القوال منهم فليكن ممن حسن ظنه بهم وينبغي

بہرحال (اس فیصلہ کے بعد بھی کہ ترک سماع ہی ہمارے زمانہ میں مناسب ہے) اگر اہل طریق سنتے ہیں تو ان کو قوم صوفیہ کے آداب کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔
ایک شرط یہ ہے کہ قوال بھی اسی جماعت کا ایک فرد ہو یعنی اہل طریق میں سے ہو (فاسق فاجر نہ ہو) اور کلام قوم ہی میں سے کوئی چیز پیش کرے جو پند و نصیحت پر مشتمل ہو۔ شطحیات اور مغلقات نہ ہوں۔
ایک شرط یہ ہے کہ سماع سننے والوں کے درمیان ایسا کوئی شخص نہ ہو جو ان کے طریقہ پر نہ ہو بلکہ اجنبی ہو اور نہ ایسا کوئی ہو جو سماع کا قائل نہ ہو تاکہ قوم کو اس کی وجہ سے انقباض نہ ہو۔
اور اگر قوال اہل طریق میں سے نہ ہو تو کم از کم ایسا ضرور ہو کہ اس جماعت کے ساتھ حسن ظن رکھنے والوں میں تو اس کا شمار ہوتا

ع (قولہ المشتمل علی الوعظ والنصائح الخ) تاکہ وہ اشعار روح کیلئے بمنزلہ حُدی کے ہو جائیں (حُدی اسکو کہتے ہیں کہ عرب میں اونٹ کو تیز چلانے کیلئے اور اس لئے کہ سفر کا تعب اسکو نہ ہو اونٹ سوار عمدہ آواز سے کچھ اشعار پڑھتے تھے جسکو سنکر اونٹ مست ہو جاتے تھے اور جھوم جھوم کر چلتے تھے رفتار بھی انکی تیز ہو جاتی تھی اور پھر تکان بھی محسوس ہوتا تھا) اور اشعار پڑھنے (اور سننے) کا بہترین اور مناسب ترین زمانہ وہ ہے جبکہ سالک مقام ثالث میں ہو (یعنی نفس لوامہ سے نکلکر نفس ملہمہ میں داخل ہو چکا ہو جسکی تفصیل آگے آتی ہے) جسمیں کہ عشق و محبت سے دوچار ہو جاتا ہے چنانچہ اسکی جانب اسطرح سے مضطر ہوتا ہے جیسے کھانے کی جانب محتاج ہوتا ہے۔
جس زمانہ میں کہ اس مرتبہ میں تھا میرے ایک صادق و مخلص دوست نے کہا کہ تمہارے ساتھ ذرا خلوت چاہتا ہوں چنانچہ خلوت ہو گئی تو انہوں نے مجھے اس وقت میرے ذوق اور حال کے مناسب کچھ اشعار سنائے اور مجھے اسمیں بڑا ہی لطف آیا اور اسکی وجہ سے مواجید عظیمہ میں نے پائے۔

عہ (قولہ لئلا یقبضہم الخ) یعنی (یہ شرط کہ مجلس سماع میں وہی لوگ ہوں جو اسکے جواز کے قائل ہوں دوسرے لوگ نہ ہوں اسلئے لگائی کہ) جو شخص اس کے جواز کا قائل نہ ہوگا ظاہر ہے کہ وہ ناجائز چیز ہوتے ہوئے دیکھ کر اس سے منقبض ہوگا۔ پس اس کے انقباض کا اثر اہل سماع پر پڑے گا اس لئے کہ ان حضرات کا باطن صاف و شفاف ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب سید الطائفہ حضرت جنیدؒ سے کہا گیا کہ حضرت آپ سماع کیوں نہیں سنتے؟ تو فرمایا کہ سنانے والا کون ہوگا؟ اور سننے والے ساتھی کون لوگ ہوں گے؟ (حضرت کا مطلب تھا کہ شرائط اسکی سخت ہیں اور ان کا پایا جانا آسان نہیں ہے) پس جسطرح سے کہ یہ ضروری ہے کہ قوال بھی صاف باطن ہو اسی طرح سے یہ بھی ضروری ہے کہ رفقاء سماع یعنی سب کے سب حاضرین اور شرکاء اسی مسلک و مشرب کے ہوں کوئی اس کا منکر اس میں نہ ہو۔ یہاں تک کہ بعض مشائخ کے متعلق سنا گیا ہے کہ سماع سننے کے وقت وہ حجرے کا دروازہ بند کر لیا کرتے تھے اور کسی اجنبی (اور منکر) کو نہ آنے دیتے تھے چنانچہ ان سب رعایات کے بعد انکو بہت سے احوال اور مواجید حاصل ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ ایسی ہی مجلس تھی مگر اسمیں کسی کو کچھ نہیں حاصل ہوا ان شیخ نے فرمایا کہ ذرا دیکھنا تو مجلس میں کوئی اجنبی تو نہیں آ گیا ہے جسکی نحوست سے آج فیض نہیں ہو رہا ہے) لوگوں نے عرض کیا نہیں حضرت سب لوگ اپنے ہی ہیں اجنبی تو کوئی نہیں ہے۔ پھر فرمایا کہ دیکھو کسی اجنبی کی کوئی چیز تو مجلس میں نہیں آ گئی ہے؟ اب لوگوں کو فکر ہوئی تلاش کیا تو پتہ چلا کہ کوئی صاحب کسی اجنبی کا جوتا بدل لائے ہیں جس کا اثر یہ ہوا غرض لوگوں نے اسکو حجرہ سے باہر نکالا اور پھر بیٹھے تو حسب دستور مواجید حاصل ہوئے:

ان یجز لوا له العطاء ویباسطوه
حتی یتمکن من قلبه حب الجماعة
والقوم ان کان من العامة واذا
ظهر لهم منه فی اثناء المجلس
سآمة اوکسل اسکتوه واراحوا هم
واشتغلوا بنفوسهم وطیب وقتهم
ثم ان کان فی الجماعة من ینوب
عنه والا اخذوا فی الذکر بصوت واحد
وطریقة موزونة وهی عند المحققین
احسن من قول القوال ونتیجتها
اعلی لمن کان له قلب او القی
السمع وهو شهید +

ہی ہو۔ نیز سامعین کو چاہیئے کہ قوال کو کبھی کبھی کچھ انعام
بھی دیدیا کریں اور اس کے ساتھ خوش اخلاقی سے پیش آویں تاکہ
اس کے قلب میں قوم اور جماعت کی محبت قائم ہو جائے جبکہ
وہ عوام الناس میں سے ہو۔ اور اگر قوال درمیان مجلس میں سست
ہو جائے یا اس پر کسل کا غلبہ معلوم ہو تو چاہیئے کہ لوگ اسکو خاموش
کردیں اور اپنے باطن کو اسکے بے کیف سُر سے راحت دیدیں اور خود
اپنے نفوس کی جانب اور اپنے وقت کو بالطف بنانے کی جانب
متوجہ ہو جائیں۔ پھر اگر اس جماعت میں کوئی دوسرا قوال ہو تو
اسکو مقرر کردیں ورنہ یہ کریں کہ سب کے سب یک آواز ہو کر اور باہم سُر
میں سُر ملا کر ذکر بالجہر شروع کردیں۔ چنانچہ یہ ذکر محققین کے نزدیک
قوال کے اشعار سے کہیں زیادہ بہتر ہے اور انجام وفائدہ بھی اسکا زیادہ پائیگا
ہر وہ شخص جو قلب رکھتا ہے یا اپنی قوت سامعہ کو بیداری قلب کیساتھ متوجہ کئے ہوئے ہے۔

واذا اخذ القوال فی شانه
واستمرت الاحوال فی نفوس
السامعین وتحکم سلطان الوجد
وتحرکت هذه الهیاکل للتشوف
روحانیتها الی الملأ الاعلی فما
فوقه کل علی قدر قوته ومقامه
فاذا اسقط ثوب من احدهم فقد
کانوا یعطونه للقوال اذا کان
الوجد حصل لمعنی فی قوله
والا فللقوم یقسمونه فیما بینهم
بل کانوا اذا سقط منهم شئ

اور جب قوال پورے نشاط میں آجائے اور سننے والوں کے
نفوس میں احوال جاگزیں ہو جاویں اور سلطان وجد کا غلبہ ہو جاوے
اور لوگوں کی روحانیت کا اشتیاق ملأ اعلی یا اس سے بھی اوپر کی
جانب حسب مراتب مقام ہونے کی وجہ سے سارے اجسام
حرکت میں آجائیں (تو سمجھو کہ اب وجد کمال کو پہونچ گیا ہے)
اب اگر اس حالت میں ان اہل سماع میں سے کسی کا کوئی
کپڑا گر جاتا تھا تو وہ قوال کا حق سمجھا جاتا تھا۔ بشرطیکہ یہ
وجد قوال کے پڑھنے کی وجہ سے ہوا ہو۔
ورنہ تو وہ قوم کی میراث بنتا تھا اور سب لوگ آپس میں اسکو
تقسیم کر لیتے تھے۔ بلکہ اہل طریق کا تو یہ حال تھا کہ اگر ان میں سے
کسی کی کوئی چیز راستہ ہی میں کیوں نہ گر جاتی تو وہ اسکی

لو في طريقهم لا يرجعون في طلبه
ـو تحس نفوسهم بذلك ومتى
تغيرت نفوسهم عند ذلك فهم[ـه]
أصحاب علة ولكون في قلوبهم
ـط ومن هذا شانه فليسع
في زوال هذه العلة عن نفسه
واما توجهات الاسماء السبعة
بهذه الطريقة الخلوتية المروية
عن السيد مصطفى البكري فهي
بعد البسملة والحمد لله والصلوٰة
والسلام على النبي صلى الله تعالىٰ
عليه وسلم هكذا اتوجه الاسم
وهو لا اله الا الله، الٰهي اظهر على
ظاهري سلطان لا اله الا الله حتى
لا اشهد الا الله بسر لا اله الا الله

تلاش وجستجو میں پیچھے واپس نہیں ہوتا تھا اور نہ اس کے ضیاع کا
اس کو کچھ قلق ہی ہوتا تھا اور اگر کسی ایسے موقع پر ان میں سے
کسی صوفی کے اندر کچھ تغیر دیکھا جاتا تو لوگ اسکو روگ والا
سمجھتے تھے یعنی ابھی اس میں کسر ہے اور یہ سمجھا جاتا تھا کہ ابھی دنیا
کا علاقہ قلب میں باقی ہے اسی لئے تو اس چیز کا قلق ہوا اور جس کا یہ
حال ہوتا اس پر لازم ہوتا کہ اپنے اندر سے اس نقص کو دور کرے۔

بہرحال اسماء سبعہ کی توجہات (کا طریقہ) جو سلسلۂ خلوتیہ میں رائج
ہے اور سید مصطفیٰ بکری سے مروی ہے تو وہ یہ ہے کہ
پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہے اور پھر اللہ تعالیٰ کی حمد
کرے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے۔ اسکے
بعد سب سے پہلے جس جانب توجہ کرتا ہے وہ لا الہ الا اللہ ہے۔
پس قلب سے اللہ تعالیٰ کی جانب متوجہ ہو کر یوں کہے کہ اے
اللہ میرے ظاہر پر لا الہ الا اللہ کا سلطان قائم فرما دیجئے یہاں
تک کہ میں بجز اللہ تعالیٰ کے کسی اور کو حاضر و موجود نہ جانوں
بطفیل لا الہ الا اللہ کے۔ اور میرے باطن میں بھی لا الہ الا اللہ

ـه قولہ ومتی تغیرت نفوسہم عند ذلک فہم اصحاب علۃ الخ) میں کہتا ہوں کہ صوفیہ کے ان حالات کو سنکر شاید
تم کو تعجب ہو کہ کیسے لوگ تھے اسقدر دنیا سے بے تعلق۔ تو یہ ٹھیک ہے تم اپنے ضعیف حال پر اسکو قیاس کرتے ہوگے (کہ تم ایسے نہیں ہو تو
تمکو حیرت ہوتی ہے کہ وہ لوگ ایسے کیسے ہوگئے) تو بھائی اللہ تعالیٰ نے جسکو بصیرت کا نور عطا فرمایا ہو اور اسکی وجہ سے وہ دنیا کو اس کی
اصلی صورت میں دیکھ رہا ہو تو اسکے اعتبار سے کچھ تعجب کی بات نہیں ہے (ہم کو یہ مقام نہیں حاصل ہے اسلئے ہمکو تعجب ہوتا ہے)۔
خود مجھ سے میرے بعض دوستوں نے قسم کھاکر بیان کیا کہ اگر میری یہ گٹھری جو سامنے رکھی ہوئی ہے سونے
سے بھری ہوئی ہو اور کوئی شخص اسکو اٹھائے جائے اور میں اسکو دیکھ بھی رہا ہوں تو (انشاء اللہ تعالیٰ) اسکی وجہ سے میرے
ایک رونگٹے کو بھی حرکت نہ ہوگی۔ انتہی ۱۲

وحقق باطنی بتحقیق لا الٰہ الا اللّٰہ
واحفظنی واستغرق فیك سائری
باحاطة لا الٰہ الا اللّٰہ حتی لا اشہد
الا اللّٰہ بسر لا الٰہ الا اللّٰہ واحفظنی
اللّٰہم فی مراتب وجودی بشہود
لا الٰہ الا اللّٰہ حتی لا اشہد الا اللّٰہ
بسر لا الٰہ الا اللّٰہ بوجہك الحق
الذی لا الٰہ الا اللّٰہ انت یسر لی
علم لا الٰہ الا اللّٰہ یا لا الٰہ الا اللّٰہ
ثلاث مرات وصلی اللّٰہ تعالٰی علی
سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وسلم +
وزاد شیخ شیخنا السید القصبیؒ
اللّٰہ معی اللّٰہ ناظر الی اللّٰہ شاہد
علی اللّٰہم انا نسئلك عافیة سالمة
من المحن ونعمة مشکورة علی توالی
الزمن لا تنتقم اللّٰہم منا بذنوبنا
ولا تطردنا عنك بعیوبنا وسامحنا
بحلمك وعاملنا برحمتك وافض
علینا من خزائن علمك یا ارحم
الراحمین - یقول ذلك سبع مرات
اواحدی وعشرین مرة اواحدی
واربعین مرة اوسبعین مرة
قبل الذکر وبعدہ بحسب قوة

کو محقق فرما دیجئے۔ اور میری حفاظت فرما اور مجھے یعنی میرے
سارے جسم کو اپنی یاد میں مستغرق کر دے۔ لا الٰہ الا اللہ کے
احاطہ کے ساتھ یہاں تک کہ میں بجز اللہ تعالیٰ کے کسی کو موجود
و حاضر نہ جانوں۔ بطفیل لا الٰہ الا اللہ۔ اور میری حفاظت
فرما۔ اے اللہ میرے وجود کے ہر مراتب میں لا الٰہ الا اللہ کے
شہود کا ذوق بخش تاکہ لا الٰہ الا اللہ کے طفیل میں میں سوا خدا کے
کسی کو حاضر و ناظر نہ جانوں۔ اے اللہ اپنے وجہ حق (یعنی اپنی ذات)
کے طفیل میں کہ جسکے سوا کوئی معبود نہیں ہے میرے لئے لا الٰہ الا اللہ کا علم
آسان فرمادے۔ اے وہ ذات کہ جسکے سوا کوئی معبود نہیں ہے
(اور اس لا الٰہ الا اللہ کو تین بار کہے اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہوئے یوں کہے کہ وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد الخ
اور ہمارے شیخ کے شیخ حضرت سید قصبیؒ نے اتنا اور اضافہ فرمایا ہے کہ یوں کہے
کہ اللہ تعالیٰ میرے ساتھ ہیں اور مجھے دیکھ رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مجھ پر
شاہد ہیں (اور یوں دعا کرے کہ) اے اللہ ہم آپ سے ہمیشہ ایسی عافیت
طلب کرتے ہیں جو محن اور مشقتوں سے خالی ہو اور ہمیشہ ایسی نعمت کا
سوال کرتے ہیں جس پر شکر کی توفیق ہو۔ اے میرے اللہ ہمارے گناہ کا
انتقام نہ لے اور اے اللہ ہمارے عیوب نا کارگی کی وجہ سے
ہم کو اپنے در سے نہ دھتکار۔ بلکہ اپنے حلم کے ذریعہ ہمارے ساتھ درگذر
کا معاملہ فرما اور اپنی رحمت کا برتاؤ فرما۔ اور اے سب رحم کرنے والوں
سے بڑھ کر رحم کرنے والے اپنے علم کے خزانوں سے کچھ فیضان ہم پر بھی
فرمادے۔ اور (ان کلمات کو) سات بار کہے یا اکیس بار کہے یا چاہے
تو اکتالیس بار کہے۔ اور جی چاہے تو ستر بار کہہ لے۔ ذکر سے
پہلے بھی کہہ سکتا ہے اور بعد میں بھی۔ مرید و طالب کی جیسی

المرید وضعفه +

وذکر انه وردُ عبد الله بن سهل رضی وان بعضهم سلك به کان یقوله قبل الذکر وبعده کثیراً +

(الاسم الثانی الله)

وهذا توجهه بسم الله الرحمن الرحیم الٰهی بعظمتك وجلالك سبحات وجهك ارزقنی حبك یا الله یا الله یا الله آه آه الٰهی بعظمتك وجلالك سبحات وجهك اجعل قلب عبدك الضعیف مظهراً لذاتك یا الله یا ودود یا نور یا حق یا رحمن ثلاثة یا الله یا الله یا الله وصلی الله تعالیٰ علی سیدنا محمد واله وصحبه وسلم +

(الاسم الثالث هو)

وهذا توجهه بسم الله الرحمن الرحیم یا هو یا من هو هو انت هو یا هو یا لطیف یا هو آه یا هو یا آه یا هو یا من لا اله الا الله هو یا هو ثلاثاً وصلی الله علیٰ سیدنا محمد واله وصحبه وسلم +

قوت اور ہمت ہو۔

بیان کیا جاتا ہے کہ یہ دعا حضرت عبد اللہ بن سہل رضی کا ورد ہے اور بعض سالکین نے اسی کے ذریعہ سلوک طے کیا ہے یعنی ذکر سے پہلے بھی اور بعد میں بھی بکثرت اسکو پڑھا کرتے تھے (خلوص سے پڑھا مقبول ہوگئی)

(دوسرا اسم اللہ ہے)

اور اس کی جانب توجہ کی یہ صورت ہے کہ اول بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھے پھر یوں عرض کرے کہ اے اللہ اپنی عظمت اپنے جلال اور اپنی ذات کے سراپردوں کے طفیل میں۔۔۔۔۔ ۔۔۔۔ مجھے اپنی محبت عطا فرما یا اللہ یا اللہ یا اللہ۔ آہ۔ آہ اور اے اللہ اپنی عظمت اپنے جلال اور اپنی ذات کے سراپردوں کے طفیل میں۔۔۔۔۔ ۔۔۔ اپنے اس بندۂ ضعیف و ناتواں کے قلب کو اپنی ذات کا مظہر بنا دیجئے۔ یا اللہ یا ودود یا نور یا حق یا رحمن (یا اللہ سے لیکر یہاں تک) تین بار کہے اور پھر (تین بار) یا اللہ یا اللہ یا اللہ کہے اور درود شریف پڑھے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

(تیسرا اسم ہو ہے)

اور اس کی جانب توجہ کا طریقہ یہ ہے کہ اولاً بسم اللہ پڑھے پھر یوں کہے یا ہو یا من ہو ہو۔ انت ہو یا ہو یا لطیف یا ہو آہ ہو یا آہ یا ہو اے وہ ذات کہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں یا ہو یا ہو یا ہو اور پھر درود پڑھے

صلی اللہ علی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

(الاسم الرابع حق)

وھذا توجھہٗ بسم اللہ
الرحمن الرحیم یاحق المحق آثار
بشریتی بحقک یاحق ادفع
عنی کثرۃ الاغیار یاحق یامن
لہ الامر والخلق یاحق ثلاثا
وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد
وعلیٰ الہٖ وصحبہ وسلم +

(چوتھا اسم حق ہے)

اور اسکی توجہ یوں ہے کہ پہلے بسم اللہ الرحمن
الرحیم پڑھے پھر یوں کہے کہ اے حق اپنے حق ہونے
کے طفیل میں مجھ سے میری بشریت کے آثار مٹا دیجئے
اے ذات حق میرے قلب سے اغیار کی کثرت کو دور
کر دیجئے۔ اے ذات حق۔ اے وہ ذات کہ جسکے لئے خلق اور امر
ثابت ہے یا حق یا حق یا حق وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد
وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم +

(الاسم الخامس حی)

وھذا توجھہ بسم اللہ
الرحمن الرحیم یاحی لا حیّ
الا انت۔ یاحی حقق حیاتی
بک یاحیّ یاحی یامن الیہ یرجع
کل حی اظہر نور محیای فی حیاتک
یاحی ثلاثًا وصلی اللہ تعالےٰ علیٰ
سیدنا محمد وعلی الہٖ وصحبہ
وسلم +

(پانچواں اسم حیّ ہے)

اور اس کی توجہ اس طرح سے کرے کہ اول
بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھے پھر کہے اے ذات حی
بجز تیرے کوئی حی کہے جانے کا مستحق نہیں۔ اے
ذات حی میری حیات اور زندگی اپنی ذات کے ساتھ
محقق فرما دیجئے یا حی یا حی اے وہ ذات جسکی جانب ہر حی کا
مرجع ہے یعنی لوٹ کر جاتا ہے میری حیات کا نور اپنی حیات میں
ظاہر فرما یا حی یا حی یا حی۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ سیدنا محمد وعلی
آلہ وصحبہ وسلم +

(الاسم السادس قیوم)

وھذا توجھہٗ بسم اللہ
الرحمن الرحیم الٰھی اقمنی
بک یاقائم بقیومتک بک قیامی
یاقیوم انت قیوم السمٰوات
والارض یاقیوم اطلع علی

(چھٹا اسم قیوم ہے)

اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم
کہے اس کے بعد یہ کہے کہ اے اللہ مجھ کو اپنی ذات کے ساتھ قائم
فرما۔ اے وہ ذات جو اپنی قیومیت کے ساتھ قائم ہے اپنی ذات
کے ساتھ مجھے بھی قائم رکھ۔ اے قیوم تو آسمانوں اور زمین کا قائم
رکھنے والا ہے۔ لہذا اے قیوم مجھ پر اپنے قیومیۃ کا سورج

شمس قیومیتك یا قیوم انت
القائم القیوم یا قیوم ثلاثًا
وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد
وعلی الہ وصحبہ وسلم +

(الاسم السابع قہار)

وھذا توجھہٗ بسم اللہ
الرحمن الرحیم یا قہار من فی
السموات والارض یا قہار
یا مظہر القہر فی عالم السر والجمال
یا قہار الحکم للہ الواحد القہار
السلطان للہ الواحد القہار
یا قہار اقہر عوالم نفسی و
صفاتہا الرسمیۃ وملکنی
ایاھا بقہر قہرك یا قہار ثلاثًا
وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا
محمد وعلی الہ وصحبہ وسلم +

طلوع فرما۔ اے قیوم تو خود قائم ہے اور دوسروں کو
قائم رکھنے والا ہے یا قیوم یا قیوم۔ یا قیوم
وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد و علیٰ آلہ و
صحبہ وسلم +

(ساتواں اسم قہار ہے)

اور اس کے توجہ کا یہ طریقہ ہے کہ اولاً بسم اللہ الرحمن الرحیم
کہے پھر یہ کہے کہ اے وہ ذات جو قہر کرنے والی ہے ان تمام
چیزوں پر جو آسمانوں اور زمینوں میں ہیں۔ یا قہار اے قہر کے
مظہر عالم سر اور جمال میں یا قہار حکم صرف اللہ واحد قہار کے
لئے ہے۔ اور بادشاہت اور بادشاہی صرف اللہ واحد قہار کیلئے
ہے۔ اے قہار میرے نفس کے تمام عالم اور اسکی سب صفات
رسمیہ کو مقہور و مغلوب فرما دے۔ اور مجھے ان پر حکمراں کردے
اپنے قہر کے دبدبے سے اے قہار اے قہار اے قہار۔
وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنا محمد وآلہ وصحبہ وسلم

وصل فی بیان مایظہرہ اللہ تعالیٰ علی ایدی القوم من الکرامات

(اللہ تعالیٰ اس قوم کے ہاتھوں پر جو کرامات ظاہر فرماتے ہیں ان کا بیان)

فمنھا التلذذ بالطاعات فی الخلوات والجلوات حتی قالوا اھل اللیل فی لیلھم الذ من اھل اللھو فی لھوھم وقال بعضھم لو یعلم الملوک[۵] ما نحن علیہ لقاتلونا علیہ بالسیوف حتی انھم لا یروعھم شیٔ مثل طلوع الفجر +

منجملہ ان کرامات کے ایک کرامت ان حضرات کا خلوت وجلوت میں اپنی طاعات سے متلذذ ہونا ہے یہاں تک کہ مشائخ کا مقولہ ہے کہ یہ رات والے لوگ (یعنی اہل اللہ) اپنی راتوں میں اس سے زیادہ لذت حاصل کرتے ہیں جتنی کہ اہل لہو ولعب اپنے لہو ولعب میں۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اگر بادشاہوں کو ہمارے حالات (یعنی دولت لذت) کا علم ہوجائے تو یہ لوگ (اسکو چھیننے کیلئے) ہم پر تلوار سے حملہ کریں (اس دولت اور اسکے ساتھ ان حضرات کے شغف کا اندازہ اس سے لگاؤ کہ) کوئی چیز ان حضرات کے نزدیک طلوع فجر سے زیادہ گھبرا دینے والی نہیں۔

ومنھا الرضا[۵] عن اللہ تعالیٰ فی جمیع الحالات ای حالۃ الصحۃ والمرض والعز والذل والغنیٰ والفقر فان الرضا من ثمرات المحبۃ وکل ما یفعل المحبوب محبوب +

منجملہ ان کرامات کے ایک یہ ہے کہ یہ حضرات اپنے تمام حالات میں یعنی صحت میں مرض میں عزت میں ذلت میں امیری میں غریبی میں غرض سب حالات میں اللہ تعالیٰ سے راضی رہتے ہیں (اور یہ اسلئے ہے کہ) رضا محبت کا ثمرہ ہے اور محبوب جو بھی کرے محبوب ہی ہوتا ہے۔

---

[۵] (قولہ) لو یعلم الملوک الخ) مصنف فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ میں نے بھی اپنے اوقات صفا میں اس لذت کا کچھ تھوڑا سا مزہ چکھا ہے وللہ الحمد۔

[۵] (قولہ ومنھا الرضاء عن اللہ الخ) یعنی اللہ تعالیٰ سے بندے کا راضی ہونا اور یہ سبب ہے اللہ تعالیٰ کے بندے سے راضی ہونے کا۔ اسلئے کہ حدیث میں ہے کہ من رضی فلہ الرضا منی حتی یلقانی۔ یعنی جو شخص مجھ سے راضی ہوا تو اسکو میری رضا حاصل ہوگی۔ یہاں تک کہ وہ مجھ سے ملاقات کریگا۔ مصنف کہتے ہیں کہ مجھ پر ایک زمانہ اس حال پر گذرا کہ میں اللہ تعالیٰ کے قضا سے کسی چیز پر کبھی ناخوش نہ ہوتا تھا بلکہ جو کچھ بھی اُدھر سے پیش آتا تھا تو میں یہی کہتا تھا کہ خیر ہے اور میرے ساتھ میرے ایک دوست محمد درنیقہ بھی اسی ذوق پر تھے چنانچہ اسکے بعد جب ہم لوگ اس زمانہ کو یاد کرتے تھے تو اسے ایام خیر کے ساتھ تعبیر کرتے تھے۔ ۱۲

وفی العہود الوسطیٰ للشعرانی

اخذ علینا العہود ان نرضی عن ربنا فیما قسمہ لنا من الطاعات الیسیرۃ کما یجب علینا الرضا بما قسمہ من الرزق الظاہر۔

وکذلک لا نسخط علی مقدور ربنا اذا قدر علینا الوقوع فی امر من الامور التی تنکس الراس فقد یعلم المصلحۃ لنا فی ذلک۔ انتہیٰ

علامہ شعرانی رحمہ اللہ نے عہود وسطیٰ میں تحریر فرمایا ہے کہ ہم (جماعت فقرا) سے یہ عہد لیا گیا ہے کہ ہم اپنے رب سے راضی رہیں اپنی قلیل عبادات میں بھی جو ہمارے لئے مقدر کی گئی ہیں۔ جس طرح سے کہ ہم پر یہ واجب ہے کہ ہم اس حصہ مقسوم پر راضی رہیں جو رزق کا ہمارے لئے اللہ تعالیٰ نے مقدر فرمایا ہے۔

اور اسی طرح سے (اسکا بھی عہد لیا گیا ہے کہ) ہم ناگوار نہ مانیں اپنے رب کی اس تقدیر کو جو کسی ایسی معصیت سے متعلق واقع ہوئی ہو جس کے (ارتکاب کے بعد شرم سے) انسان ہمیشہ سرنگوں ہی رہتا ہو اسلئے کہ وہی اس کی مصلحت کو خوب جانتا ہے۔ انتہیٰ

لہ (قولہ فقد یعلم المصلحۃ لنا فی ذلک الخ) اللہ تعالیٰ ہی ہماری مصلحت کو خوب جانتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ اگر مال کی زیادتی ہو تو طغیان اور سرکشی پیدا ہو جائے یا عمل زیادہ ہوا تو عجب پیدا ہو گیا۔ اسی طرح سے جن امور کی وجہ سے انسان کا سر ساری عمر جھکا رہتا ہے۔ ان کے وقوع میں مصلحت یہ ہے کہ عجب سے خلاصی ہو جاتی ہے (بس یہی ایک مصلحت کیا کم ہے) چنانچہ حالت سلوک میں تو میرے ساتھ حق تعالیٰ کا معاملہ ہی یہ رہا کہ جب جب میرے اندر عجب پیدا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے کسی معصیت صغیرہ میں مجھے مبتلا کر دیا جس نے میرے سر کو جھکا دیا اور مجھ میں کسر و انکسار پیدا کر دیا اور پھر اسکے بعد میں نہ تو اپنا کوئی مقام سمجھتا تھا اور نہ اپنے لئے کوئی شان دیکھتا تھا۔ اور پھر برابر یہی اپنے نفس سے کہتا تھا کہ بھلا عاصی کی بھی کوئی شان ہوتی ہے۔ غرض وہ معصیت تو میرے حق میں رحمت ہی بن گئی۔ (یہیں سے کہا گیا ہے کہ) جو معصیت کہ انسان کے اندر ذلت اور انکسار پیدا کرے وہ اس طاعت سے بہتر ہے۔ جو کبر و نخوت کا سبب بنے۔ انتہیٰ ۱۲۔

(ومنها) الكشف بالاطلاع على الغيوب وهي كثيرةٌ والكشف عليها من كرامات الخاصة الا الغيوب الحسيّة كالاماكن البعيدة وافعال اهلها فان الكشف عليها من كرامات العوام ومنها طيّ الارض والمشي على الماء والطيران في الهوا ء والتصرف إمّا بمعرفة اسماء التكوين واما بمجرد الصدق

اور منجملہ کرامات کے علوم غیبیہ پر مطلع ہونا بھی ہے اور اس کا وقوع کثیر ہے اور کشف کی یہ قسم خواص کے نزدیک کرامت شمار ہوتی ہے۔ باقی مغیبات حسیہ کا جان لینا مثلاً دور دراز جگہوں کو اور وہاں کے رہنے والوں کے افعال کو جاننا تو یہ عوام کے نزدیک کرامت سمجھی جاتی ہے۔ اسی طرح سے منجملہ کرامات کے کسی ولی کا طیّ ارض کر لینا یا پانی پر چلنا یا ہوا میں اڑنا اور عالم کون میں تصرف کرنا بھی ہے خواہ اسماء تکوینیہ کی معرفت ہونے کی وجہ سے خواہ محض ایمان اور صدق کی وجہ سے۔

(ومنها) القوة الظاهرة على ابدانهم كالذي اقتلع شجرة من اصلها برجله و يد ورقي السماع + والذي حمل الزير العظيم مملوءً ا ماءً ا

اسی طرح سے ایک کرامت یہ بھی ہے کہ ان کے بدن اور جثہ سے زیادہ انھیں قوت حاصل ہو جائے۔ جیسے وہ شخص جس نے اپنے پاؤں سے ٹھوکر مار کر درخت کو جڑ سے اکھاڑ دیا تھا۔ درآں حالیکہ وہ سماع میں حال طاری ہونے کے سبب وجد اور رقص کر رہا تھا۔ اسی طرح سے وہ شخص جس نے

ف (قولہ واما بمجرد الصدق الخ) مجھے میرے استاد زادے شیخ علی آفندی نے یہ بتایا کہ انھوں نے اپنے والد کی شاہ خرچی بدون کسی ظاہری سبب آمدنی کے دیکھ کر ایک دن ان سے پوچھا کہ والد صاحب کیا آپ کیمیا جانتے ہیں (وہ سوال کا منشا سمجھ گئے) کہا کہ خدا اس سے بھی زیادہ دینے والا ہے۔ پھر میں نے کہا کہ کیا آپ کو کوئی اسم معلوم ہے جس کی خاصیت کی وجہ سے یہ وسعت ہے انھوں نے کہا کہ اللہ اس سے بھی زیادہ دینے والا ہے تو اب اس کے بعد کوئی اور چیز تو رہی نہیں سوائے اس کے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی جانب خاص توجہ اور نظر رکھتے تھے جس کی برکت سے ان پر فتوحات ہوتی تھیں۔ اسی چیز کو یہاں مجرد صدق کے عنوان سے بیان کیا گیا ہے۔ ۱۲

وهو ضعیف لا یستطیع حمل جرّۃ + ایک بہت بڑے مٹکے کو جو پانی سے بھرا تھا اٹھالیا تھا۔ حالانکہ وہ ایک پانی کے گھڑے کے بھی اٹھانے پر بھی قادر نہیں تھا۔

ومنہم یشیر بیدہ الی شخص لیقع فیقع او یضرب عنقہ بالاشارۃ فیطیر راسہ عن جسدہ قیل لبعضہم ما علامۃ العارف قال لو قال لھذا الجبل زل لزال۔ اسی طرح اولیاء میں سے بعض ایسے ہوئے ہیں جنھوں نے ایک شخص کی طرف اپنی انگلی سے اشارہ کیا تاکہ وہ گر جائے چنانچہ وہ گر گیا یا اسکی گردن کٹ جائے چنانچہ دیکھا گیا کہ اس کا سر تن سے اڑ گیا۔ بعض مشائخ سے پوچھا گیا کہ عارف کی کیا پہچان ہے کہا یہ کہ اگر وہ اس پہاڑ کو کہدے کہ ہٹ جا تو وہ اپنی جگہ سے ہٹ جائے۔

فتحرک الجبل فقال لہ انما اضرب مثلاً۔ چنانچہ ان بزرگ نے جس پہاڑ کی طرف اشارہ کرکے یہ بات کہی تھی وہ پہاڑ حرکت کرنے لگا یہ دیکھکر انھوں نے کہا کہ میں تجھے ہٹنے کو تھوڑا ہی کہہ رہا ہوں میں تو یہ طور تمثیل کے یہ بات کہہ رہا ہوں۔

ومنہا احیاء الموتیٰ وایجاد المعدوم وقضاء الحوائج علی غیر ایدی البشر واکل مقدار عظیم من الطعام اور منجملہ کرامات کے احیاء موتی اور ایجاد معدوم اور بشر کے علاوہ دوسرے کے ہاتھ پر حوائج کا پورا ہونا ہے اور بہت زیادہ کھانا کھالینا اتنا کہ جسکو

عـہ (قولہ ومنہم من یشیر بیدہ الی شخص لیقع فیقع) یعنی بعض وہ لوگ ہیں جو ایک شخص کی جانب اشارہ کرتے ہیں تاکہ وہ گر جائے چنانچہ وہ گر جاتا ہے اس جیسا واقعہ شیخ محمد الجبر کے چچا شیخ عبداللطیف کے ساتھ پیش آیا کیونکہ جب یہ سب لوگ یافا سے بیت المقدس کی زیارت کو روانہ ہوئے اور ان دونوں حضرات کے مابین کچھ ایسی چیزیں تھیں جنکا ذکر نہ کرنا ہی بہتر ہے چنانچہ جب چچا سواری پر سوار ہوتے تو شیخ الجبر ان کو ہاتھ سے گر پڑنیکا اشارہ کر دیتے۔ چچا الٹ جاتے۔ یہاں تک کہ شیخ حسین جو یافا کے مفتی تھے انھوں نے ان کو اس حرکت سے منع کیا۔ یہ حکایت مشہور ہے۔

عـہ (قولہ واکل مقدار عظیم الخ) یعنی بہت زیادہ مقدار میں کھانا کھا جانا میں کہتا ہوں کہ ہمارے شیخ کے لئے ان کے ابتدائی زمانہ میں اسی کے مثل واقعہ پیش آیا۔ وہ یہ کہ ایک دفعہ وہ ایک بہت بڑا صندوق بھر کر کشمش معہ بیج کے کھا گئے اور صندوق بھی ایسا کہ جسے قوی اور مضبوط دو جانور اٹھا سکیں۔ ایک دفعہ میری موجودگی میں ایک شخص نے ان سے کہا کہ وہ دن یاد ہے جب آپ ایک بکس بھر کر کشمش معہ بیج کے کھا گئے۔ یہ سنکر شیخ مسکرائے اور فرمایا کہ ہاں بھائی اس دن میں کچھ ہوش میں نہ تھا۔ مطلب ان کا یہ تھا کہ مجھ پر ایک ایسی حالت طاری تھی جو جذب سے مشابہ تھی۔

لا تاکلہٗ عشرۃ انفار وقلب الاعیان الی غیر ذلك من الامور الخارقۃ للعادۃ۔

دس آدمی نہ کھا سکیں۔ اسی طرح سے ایک چیز کو دوسری چیز سے بدل دینا علاوہ ان کے دیگر خوارق کا ہونا ہے۔

وسبب ذلك انھم لما خرقوا العادۃ من انفسھم بترك ما استمرت علیہ نفوس الخلق خرق اللہ تعالیٰ لھم العادۃ علی حد قول بعضھم وقد رؤی متربعاً فی الھواء ترکت لہ الھوی فاجلسنی فی الھواء

اور اس کا سبب یہ ہے کہ جب کہ ان لوگوں نے اپنے نفوس کی عادت کا خرق کیا۔ یعنی جن اخلاق پر نفوس مستمر ہیں ان کو ترک کیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے لئے اپنی عادت کو خرق کر دیا جیسا کہ بعض حضرات نے بیان فرمایا ہے جنھیں ہوا میں چوزانو بیٹھا ہوا دیکھا گیا کہ میں نے خدا کے لئے ہویٰ کو چھوڑ دیا تو خدا نے مجھے ہوا پر بٹھا دیا۔

وجمیع ما تقدم من کرامات العوام والحکمۃ فیھا انما ھی تائید وتثبیت المرید الضعیف والاقویاء والخواص ینفرون منھا لمشارکۃ المستدرج والممکور بہ فیھا ولکونھا اذا حصلت قبل التخلص من الآفات ربما تورث غروراً ولکونھا معاوضۃً فیخافون ان تکون حظ عملھم عجّل لھم فی الدنیا الا اذا اقترن خرق العادۃ بالبشارۃ بانہ لا ینقص حظاً من حظوظ الآخرۃ ولا یورث حجاباً فحینئذٍ لا ینفرون

اور یہ تمام کرامات جن کا ذکر کیا گیا وہ عوام کی کرامات تھیں اور حکمت اس میں یہ ہے کہ ان کرامات سے مقصود مرید ضعیف کی تائید و تقویت ہوتی ہے۔ رہے اقویاء اور خواص تو وہ لوگ اس سے بھاگتے ہیں اس لئے کہ یہ صورۃً مستدرج اور ممکور بہ کے مشابہ ہے۔ اس لئے بھی کہ یہ چیزیں جب آفات نفوس سے چھٹکارے سے قبل حاصل ہو جاتی ہیں تو بسا اوقات غرور و پندار پیدا کرتی ہیں۔ نیز ان میں شائبہ معاوضہ ہونے کا بھی ہوتا ہے۔ لہذا یہ حضرات خوف کرتے ہیں کہ کہیں ان کے عمل کا بدلہ دنیا ہی میں تو نہیں دے دیا گیا۔ ہاں جب کوئی خرقِ عادت بشارت کے ساتھ مقرون ہوتی ہے یعنی یہ کہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اسکی وجہ سے ان کے آخرت کے حصہ میں سے کچھ بھی کمی نہ ہوگی اور یہ سبب حجاب بھی نہیں

منها ويعد ونها كرامةً۔

بنے گی تو پھر اس وقت یہ حضرات اس سے نفرت بھی نہیں کرتے بلکہ اسے خدا کی جانب سے اعزاز سمجھتے ہیں۔

والكرامة بالحقيقة هي البشرىٰ المذكورة۔

لیکن کرامت تو حقیقت میں وہ خوشخبری اور بشارت ہے۔ جو مذکور ہوئی ۔

وبالجملة فالكرامة عندهم في هذه الدار انما هي الاستقامة على النهج القويم والرضا عن الله تعالىٰ في جميع الاحوال وهذا مقام جامع لعبودية الظاهر والباطن وهو اعلى المقامات وقالوا ليس الرجل الذي يمد يده في الهواء فيرجعها مملوءة دراهم وانما الرجل من يضع الدراهم في جيبه ثم يمد يده فلا يجده فلا يتغير وفي الذهب الابريز الكرامة المعتد بها شيأن۔

حاصل کلام یہ کہ اصل کرامت ان حضرات کے نزدیک اس دارِ دنیا میں صراطِ مستقیم پر استقامت اور اللہ تعالیٰ سے اپنے تمام احوال میں راضی ہونا ہے اور یہی وہ مقام ہے جو عبودیت ظاہرہ و باطنہ کا جامع ہے اور یہ تمام مقامات سے اعلیٰ ہے۔ چنانچہ مشائخ نے فرمایا ہے کہ مرد وہ نہیں ہے جو اپنا ہاتھ ہوا میں بڑھائے اور وہ درہم سے بھر جائے ۔ بلکہ مرد وہ ہے جو اپنے جیب میں درا ہم رکھے ہو اور جب اپنا ہاتھ اس میں ڈالے تو نہ پاوے اور اس کی وجہ سے اس کے اندر ذرا بھی تغیر اور پریشانی نہ واقع ہو۔ کتاب الذھب الابریز میں ہے کہ کرامت حقیقیہ تو بس دو ہی چیزیں ہیں ۔

ــہ (قولہ انما ھی الاستقامۃ الخ) یعنی کرامت ان حضرات کے نزدیک اس دنیا میں استقامت کا نام ہے۔

چنانچہ ہمارے شیخ رح فرمایا کرتے تھے کہ بھائی میری کرامت تو یہ ہے کہ میں نے چھتیس سال سے اپنی کوئی نماز سفراً حضراً صحتاً مرضاً اپنے وقت سے موخر نہیں کی اور حضرت شیخ اپنے اوقات کو تقسیم کئے ہوئے تھے۔ کچھ حصہ میں مخصوص تعداد تلاوت قرآن کریم کی فرماتے تھے اور کچھ دیر تک نوافل ادا فرماتے تھے اسی طرح سے دیگر انواع قرب چنانچہ کوئی معمول ان کے معمولات میں سے اپنے مقررہ وقت سے کبھی ٹلتا نہ تھا۔ یہاں تک کہ انھیں نہیں دیکھا گیا کہ صلوٰۃ ضحیٰ کے ہر شفعہ میں مسواک جو فرمایا کرتے تھے کبھی اُسے ترک کیا ہو۔ ۱۲

عقیدۃ اھل السنۃ والجماعۃ والاستقامۃ علی الطاعات +

ایک یہ کہ آدمی اہلسنت والجماعت کا عقیدہ رکھتا ہو اور دوسرے یہ کہ طاعات پر استقامت رکھتا ہو۔

(وصل) ومن جملۃ ما یجاھد بہ المرید نفسہ الخلوۃ التی اصطلح علیھا اھل الطریق۔

منجملہ ان امور کے جن سے سالک اپنے نفس کا مجاہدہ کرتا ہے ایک چیز خلوت ہے۔ جس پر جملہ اہل طریق کا اتفاق ہے۔

عہ (قولہ ومنجملۃ ما یجاھد بہ الخ) یعنی جن چیزوں کے ذریعہ مرید مجاہدہ کرتا ہے۔ یعنی جن امور سے سالک کا مقصود خالص اللہ تعالیٰ کے لئے نفس کا مجاہدہ کرنا ہوتا ہے اور ان سے اس کا مقصود فتوحات وغیرہ نہیں ہوتا ورنہ تو اسکی عبادت معلول بہ علت ہو جائیگی اور اس پر کوئی ثمرہ مرتب نہ ہوگا (جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ من اخلص للہ اربعین صباحًا انفجرت ینابیع الحکمۃ من قلبہ علی لسانہ یعنی جو شخص محض اللہ تعالیٰ کے لئے (اپنی عبادت وغیرہ میں) خلوص اختیار کرے گا تو حکمت کے چشمے اس کے قلب سے جاری ہو کر اسکی زبان پر آجائیں گے۔ چنانچہ بعض عارفین نے کہا ہے کہ اور جس شخص نے چشمے جاری ہونے کے لئے خلوص اختیار کیا تو اس کے قلب سے چشمے کبھی نہ جاری ہوں گے۔ انتہی ۱۲

(افادہ) میں کہتا ہوں کتاب الموافقات میں اس مقام پر ایک حکایت بھی لکھی ہے۔ فرماتے ہیں کہ وھنا تقع حکایۃ من سمع ان من اخلص للہ اربعین صباحًا ظھرت ینابیع الحکمۃ من قلبہ علی لسانہ فاخذ بزعمہ فی الاخلاص لینال الحکمۃ فتم الامد ولم تاتہ الحکمۃ فسأل عن ذلک فقیل لہ انما اخلصت للحکمۃ ولم تخلصہ للہ۔

یعنی اس مقام پر ایک حکایت بیان کی جاتی ہے وہ یہ کہ کسی شخص نے یہ حدیث سنی کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے لئے چالیس دن خلوص کے ساتھ عبادت کرے گا تو اس کے قلب سے حکمت کے چشمے اسکی زبان پر جاری فرمادینگے۔ چنانچہ اس نے اپنے گمان میں اخلاص اختیار کیا تاکہ حکمت کے چشمے جاری ہوجائیں لیکن مدت پوری ہوگئی اور چشمے جاری نہ ہوئے تو کسی محقق سے دریافت کیا کہ آخر کیا بات ہے۔ حدیث میں تو ایسا مضمون آیا ہے اور میں نے عمل بھی کیا لیکن میرے قلب سے حکمت کے چشمے جاری نہیں ہوئے انھوں نے فرمایا کہ تم نے تو جو کچھ کیا وہ حکمت کے چشمے جاری کرانے کے لئے کیا ہے خدا کے لئے تو کیا نہیں۔

اور حدیث شریف میں من اخلص للہ آیا ہے نہ کہ من اخلص للحکمۃ تو جب شرط اور سبب ہی غائب تو پھر مشروط اور مسبب کا انتظار کیسا؟

دیکھا آپ نے شرائط پر عمل بھی نہیں کیا اور مشروط کے انتظار میں بیٹھ گئے۔ خوب۔

اس مقام پر صاحب الموافقات نے اخلاص کی نہایت عمدہ توضیح فرمائی ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسکو یہاں درج کر دوں۔ شاید کسی اللہ کے بندے کو اس سے نفع پہونچ جائے کیونکہ طریق میں جسقدر اخلاص کی ضرورت ہے اسی قدر لوگوں میں اسکی آج کی محسوس فرمائی جارہی ہے۔ فرماتے ہیں کہ:-

اما الاخلاص فلان المکلف اذا لبنی الامر والنھی فی السبب من غیر نظر الی ماسوی الامر والنھی۔ خارج عن حظوظہ۔ قائم بحقوق ربہ + واقف موقف العبودیۃ بخلاف ما اذا التفت الی المسبب وراعاہ۔ فانہ عند الالتفات الیہ متوجہ شطرہ فصار توجھہ الی ربہ بالسبب۔ بواسطۃ التوجہ الی المسبب۔ ولا شک فی تفاوت ما بین المرتبتین فی اخلاص۔ (الموافقات ص۲۴ ج ۱)

یعنی مکلف جب کہ محدود و محصور رکھے امر ونہی کو سبب میں یعنی حق تعالیٰ کے اوامر کا امتثال اور نواہی سے اجتناب صرف اس لئے کرے کہ وہ حق تعالیٰ کا حکم ہے بدون کسی اور چیز پر نظر کئے ہوئے اور اپنے نفس کے حظوظ سے خارج ہو کر اور اپنے رب کے حقوق کو ادا کرتے ہوئے کرے اور عبودیت کے مقام میں اپنے کو ٹھہرائے ہوئے اس کام کو کرتا ہو (اس کا نام اخلاص ہے) بخلاف اس کے جب مکلف کی نظر سبب کی جانب ہو جائے یعنی امر کا امتثال اس لئے کرے کہ اس سے فلاں نفع حاصل ہوگا اور اس کی رعایت بھی رکھے تو ظاہر بات ہے کہ اسکی جانب التفات کی وجہ سے حق تعالیٰ کی جانب اسکی توجہ نصف رہ جائیگی اور توجہ بھی جو ہوگی تو سبب کی وجہ سے ہوگی۔ اور توجہ الی المسبب کے واسطے سے ہوگی اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ان دونوں درجوں میں بڑا فرق ہے۔ اور خلوص کے اعتبار سے دونوں میں بون بعید ہے۔

ص۵ (قولہ الخلوۃ الخ) یہ خلوت نشینی ماخوذ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فعل سے کہ آپ نبوت سے قبل غار حرا تشریف لیجایا کرتے تھے اور وہاں عبادت فرماتے تھے اور اپنے پاس سے گذرنے والے مسافرین کی خاطرداری اپنے توشہ سے کرتے تھے اور پھر اس خلوت کو ختم کردیتے تھے (یہ تو نفس خلوت کا ثبوت ہوا) اور اس کا چالیس دن کی مدت کے لئے ہونا تو وہ اس وجہ سے ہے کہ یہ ایک ایسی مدت ہے کہ اس کے اندر طبیعت ایک ڈھنگ سے دوسرے ڈھنگ کی جانب بآسانی منتقل ہو جاتی ہے۔ مثلاً نطفہ (اسی مدت میں) دم بستہ بنتا ہے پھر اتنی ہی مدت میں مضغہ بنتا ہے پھر اتنی ہی مدت میں اس میں صورت بنتی ہے۔ اسی طرح سے موتی اتنی ہی مدت کے اندر سیپ میں اپنے درجۂ کمال کو پہونچتا ہے۔ اور یہی وہ مدت ہے جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے لئے مقرر فرمائی تھی۔ اسی طرح سے جس شخص نے کسی چیز کو چالیس دن چھوڑے رکھا یا اس سے وہ جدا رہا تو پھر وہ اسکی عادت اور طبیعت ہی بن جاتی ہے۔ اسی مضمون پر وہ حدیث ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے لئے چالیس دن خلوص سے عبادت کی تو حکمت کے چشمے اسکے قلب سے اسکی لسان پر جاری ہو جائیں گے اور وہ حدیث بھی ہے کہ جس نے کتے کا جھوٹا کھایا تو اس کے قلب میں خیر چالیس دن تک داخل نہ ہوگی (کہ ان دونوں حدیثوں میں چالیس کے عدد میں یہی حکمت ہے) اور یہ چالیس دن تو خلوت کی اقل مدت ہے جیسا کہ سید بکری نے فرمایا ہے اور بعض مشائخ کا معمول یہ تھا کہ وہ خلوت تو ضرور کراتے تھے خواہ اس سے بھی کم ہو یا اس سے زیادہ ہو جائے۔ چنانچہ میرے والد ہمارے شہر یعنی طرابلس کی جامع کبیر کے منارہ کے حجرہ میں ہر سال تین مہینے رجب۔ شعبان اور رمضان خلوت گزیں ہوا کرتے تھے چنانچہ ہمارے اس طریق کے مشائخ کا لقب خلوتیہ اسی لئے پڑا کہ کثرت سے وہ لوگ خلوت میں بیٹھتے تھے اور خلوت میں اسلئے بیٹھتے کہ اس میں ادھر سے فیض اور مدد دیکھتے تھے بلکہ ان حضرات کا تو یہ کہنا تھا کہ نفس کی تیزی جاتی نہیں بدون خلوت کے اور تصفیۂ قلب حاصل کرنے کے لئے خلوت ناگزیر ہے۔ شاید ان حضرات کی مراد اس سے غالب حالات پر حکم لگانا ہو ورنہ تو بہت سے سالکین ایسے بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر تہذیب اخلاق کو ایسا سہل فرمادیا کہ انھیں خلوت کی حاجت ہی نہیں پڑی یا بعض طالبین ایسے ہوں کہ ذکر کے بعد کسی وارد کے ذریعہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی طرف ایسا کھینچ لیں جس سے ان کا دل قلب اتنا آباد ہو جائے کہ جیسی آبادی تیس سال تک خلوت میں بیٹھنے سے بھی نہ حاصل ہوتی ہو چنانچہ مجھے تو میرے شیخ نے اجازت دی اور خلیفہ بنایا اور ایک دن بھی خلوت میں نہیں بٹھایا۔ انتہی ۱۲

اَقلّهَا اَرْبَعُوْنَ يَوْمًا فى بيت
غير ارتفاعه قامة
طوله بحيث تمكنه الصلوٰة
يه وعرضه بقدر جلسة
لانسان بعيدا عن الاصوات
الحركات ليس فيه
منفذ للضوء وبابه قصير
ضيق من جهة القبلة
الاحسن ان يكون فى بيت
معمور بالناس وان ينام
عنده انسان خارج الخلوة
بحيث لا يكثر الحركة و
المقصود بهذا كله سد الحواس
الظاهرة لتنفتح الحواس الباطنة
فلذلك لا يتحرك فيها
بحركة عبثا لا بلحيته
ولا بثوبه بل ولا يقتل
فيه حيوانا نحو القمل فان شغله
خلع ذلك الثوب و
لبس من الثياب التى
يكون اعدّها لذلك
ولا يخرج لصلوة الجماعة
الا اذا اقيمت فى المسجد
الذى هو فيه فان الحركة

جس کی اقل مدت چالیس دن ہے (مشائخ کہتے
ہیں کہ یہ خلوت) ایک چھوٹے حجرہ میں ہونا چاہئے جس
کی بلندی قد آدم ہو۔ اور طول اتنا ہو کہ جس
میں نماز پڑھ سکے۔ اور عرض بقدر نشست
کے ہو اور ایک ایسے گوشہ میں ہو جہاں شور
اور حرکات سے امن ہو اور اس میں روشنی
آنے کے لئے کوئی سوراخ نہ ہو اور اس کا
دروازہ چھوٹا تنگ اور قبلہ کی جانب ہو
اور بہتر یہ ہے کہ ایسے گھر میں خلوت خانہ ہو
جو انسانوں سے آباد ہو اور یہ کہ کوئی شخص
اس کے خلوتخانہ سے الگ اس کے پاس سوئے
تاکہ اسے حرکت زیادہ نہ کرنی پڑے۔ اور مقصد
ان تمام امور سے اس کے ظاہری حواس کو بند
کرنا ہے تاکہ حواس باطنیہ کھلیں۔ اسی لئے
سالک کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اپنے خلوتخانہ
میں ایسی کوئی حرکت نہ کرے جو عبث شمار ہوتی
ہو مثلاً اپنی داڑھی اور اپنے کپڑے سے کھیلنا
اور اس میں سے کسی حیوان یعنی جوں، چیلر وغیرہ
نہ مارے اگر ان کی کثرت اسے پریشان ہی کردے
تو اس کپڑے ہی کو اتار دے اور دوسرا کپڑا
پہن لے جس کو اسی غرض سے پہلے سے رکھ
چھوڑا ہو اور نماز جماعت کے لئے نہ نکلے مگر
جبکہ مسجد میں اقامت شروع ہو جائے جس میں
یہ موجود ہے۔ اس لئے کہ حرکت اس کے لئے مضر

تضره بل يقتدي بالخادم وهو في داخل الخلوة و اذا خرج لصلوٰة الجمعة فليكن ساتراً وجهه والخادم يقوده و بمجرد ما يسلم الامام من الفرض يعود لمحله. وبعضهم كان يقول تسقط عنه الجمعة ولكن شيخ مشائخنا السيد البكري لم يرتضه وليتخير لها الا شهر الفاضلة و يقدم قبلها العزلة لتألف نفسه الانفراد و لا يدخلها الا باذن الشيخ ان كان موجوداً ثم ان الشيخ اذا لم ير للمريد فائدة في الخلوة فلا ياذن له بها۔

ومن شروطها تقليل الطعام بالتدريج[عه] و الصيام

ہے بلکہ یہ اپنے حجرے میں رہتے ہوئے اپنے خادم کی اقتدا کرے اور جب نماز جمعہ کے لئے نکلے تو اپنا چہرہ اور سر ڈھانک لے اور خادم اس کے آگے آگے چلے اور امام کے سلام پھیرتے ہی اپنے مقام پر آجائے۔ اور بعض مشائخ کا تو یہ بھی کہنا ہے کہ اس سے جمعہ بھی ساقط ہوجاتا ہے۔ لیکن ہمارے شیخ المشائخ سید بکری اس قول پر راضی نہیں تھے اور اس خلوت نشینی کے لئے چاہئے کہ افضل مہینوں کا انتخاب کرے اور خلوت سے پہلے عزلت اختیار کرے تاکہ نفس تنہائی کا خوگر ہوجائے۔ اسی طرح خلوت نشینی بدون اذن شیخ کے نہ اختیار کرے اگر شیخ موجود ہے۔ پھر شیخ کے لئے بھی یہ حکم ہے کہ اگر یہ مرید کے لئے خلوت میں کوئی نفع نہ دیکھے تو خلوت کی اجازت نہ دے۔

اور خلوت نشینی کے شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ آہستہ آہستہ کھانا کم کرے بلکہ

[عه] (قولہ بالتدریج الخ) یعنی خلوت کے شرائط میں سے ایک تقلیل طعام (یعنی کھانے کو کم کرنا) ہے بالتدریج۔ چنانچہ بعض حضرات (اس سلسلہ میں) یہ کرتے تھے کہ اپنی عام خوراک کو دو گیلی لکڑی سے ایک بار وزن کر لیتے تھے پھر ہر روز اسی سے وزن کر کے کھانا کھاتے تھے۔ چنانچہ جوں جوں لکڑی سوکھتی جاتی تھی کھانے کا وزن کم ہوتا جاتا تھا۔ اور بعض حضرات کی اس سلسلہ میں یہ عادت تھی کہ ہر دن اپنے کھانے میں سے بقدر ایک درہم کم کرتے جاتے تھے (تدریج پر لوگوں کے یہ معمولات ذکر کئے گئے) باقی میں نے اور میرے بعض احباب نے تو ریاضت پر ایکدم سے ہجوم بھی کیا لیکن کسی کو کچھ بھی ضرر نہ ہوا۔ اسلئے کہ ہمکو ذکر کی گرمی اور محبت کی بلندی حاصل ہو چکی تھی۔

ليكون قربة وتقليل
الشراب اوتركه
بالمرة فانه من
الشهوات الكاذبة و
قد تركه شيخنا
اربعة اشهر ولكن
تركه بالتدريج ايضا
ولكن غذاءه مما لا كلفة
لاحد فيه نحو الكعك
والزبيب
ولكن عنده في
خلوته او بركبه بحيث
يوافق مزاجه من نحو
شوربة الارز بدون ملح
او بقليله وحريرة الشعير
او البر من دون ملح وهكذا
خبز البر يكون مملوحا لانه
حار والحاصل ينبغي له ان يرتب
لنفسه طعاما مقويا بطي الهضم
من الحلال فان لم يتيسر
فبالقرض واذا جهل ما يصلح
مزاجه فليسئل من
شيخه او ممن له معرفة
بطب الابدان والانام

روزہ رکھے تاکہ ثواب بھی ملے (اور یہ کام
بھی ہو جائے) اسی طرح سے پانی پینے کو
بھی کم کرے یا چاہیے تو ایک دم سے کھانا
ترک کر دے اس لئے کہ اس کی شہوت
جھوٹی شہوت ہوتی ہے۔ چنانچہ ہمارے
شیخ نے تو یک لخت چار ماہ تک کھانا نہیں
کھایا۔ لیکن مناسب یہی ہے کہ یہ بتدریج
ہی ہو اور سالک کا طعام ایسا ہونا چاہیے
جس سے کچھ کلفت اور زحمت نہ ہو مثلاً
کیک اور کشمش۔

اور چاہیے کہ سالک کے پاس اس
کے خلوتخانہ میں یا قافلہ میں موافق طبع کوئی
چیز ہو جیسے چاول کی تریج بدون نمک کے یا معمولی
نمک کے ساتھ۔ یا آشِ جو۔۔۔) یا
گیہوں کا دلیہ بدون نمک کے۔ اسی طرح سے
گیہوں کی روٹی بھی اگر ہو تو بغیر نمک پڑی
ہوئی ہو اس لئے کہ نمکین روٹی گرم ہوتی
ہے۔ حاصل یہ کہ سالک کو چاہیئے کہ اپنے لئے
ایسا طعام تیار کرے جو مقوی ہو اور نہ زود
ہضم ہو مگر ہو حلال اگر خود سے دستیاب
نہ ہو سکے تو قرض سے حاصل کرے اور اگر
اس سے ناواقف ہے کہ کونسی چیز اس کے
موافق ہے تو اپنے شیخ سے دریافت کرے
یا جو طب جانتے ہوں ان سے معلوم کرے

الا فی وقت القیلولة
ثم اذا اصار المغرب و
نفسه لا تشتهی الطعام فلیفطر
علی نحو زبیبة او جرعة ماء
و یؤخر طعامه الی ان یجوع
و من شروطها ان لا یکون
طعامه من ذوی روح و لا
ما یخرج من ذوی الروح ثم
اذا کان الشیخ عنده فلیدخل
الشیخ للخلوة قبل المرید
و یصلی فیها رکعة و
یدعو للمرید و اذا لم یکن
الشیخ حاضرا و رأی
المرید نفسه متأهلا
للخلوة فلیستاذن الشیخ بقلبه
ویتوجه الیه و یتوجه
به الی الله تعالی ثم یقدم
صدقة قبل الدخول الیها
ویطهر بدنه و ثوبه و مصلاه
ثم یدخلها و یصلی
بها رکعتین یقرأ فیهما
بعد الفاتحة عشر آیات.
سُنَّةَ مَنْ قَدْ أَرْسَلْنَا (الآیات)
و اعزم فی نفسک انک ما بقیت

اور بجز قیلولہ کے دوسرے اوقات میں نہ
سوئے۔ پھر جب مغرب کا وقت ہو جائے اور
اس کو کھانے کی خواہش نہ ہو تو ایک دانہ
کشمش یا ایک گھونٹ پانی پر افطار کرے اور
کھانے کو بھوک تک کے لئے مؤخر کرے
اور شرائط خلوت سے یہ ہے کہ اس
کا کھانا نہ تو ذی روح سے ہو اور نہ ایسی
چیز سے ہو جو ذی روح سے نکلی ہو (مثلاً
انڈا وغیرہ) پھر جب شیخ اس کے پاس
موجود ہو تو شیخ کو چاہیئے کہ مرید سے پہلے
خود ہی خلوتخانہ میں داخل ہو اور اس
میں دو رکعت نماز پڑھے اور مرید کیلئے
دعا کرے اور اگر شیخ موجود نہ ہو اور
مرید خود اپنے آپ کو خلوت کا اہل سمجھتا ہو
تو اسے چاہیئے کہ دل ہی دل میں اپنے
شیخ سے اجازت لے اور اس کی طرف
متوجہ ہو اور اس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ
کی طرف متوجہ ہو۔ پھر خلوت میں داخل
ہونے سے پہلے کچھ صدقہ کرے اور اپنے بدن
کپڑے، جانماز کو پاک کرے پھر اس
میں داخل ہو اور اندر جاکر دو رکعت نماز
پڑھے جس میں سورۂ فاتحہ کے بعد دس آیتیں
پڑھے وہ یہ ہیں سُنَّةَ مَنْ قَدْ أَرْسَلْنَا (الآیۃ)
اور اپنے نفس میں عزم کرے کہ اب تو یہاں

اوتخرج منها الا الی القبر ولتكن شجاعاً عند سماع زعقة اوصيحة واشتغل فيها بالذكر الذی لقنك اياه شيخ ———

سے نکل کر بس قبرستان ہی جاتا ہے اس کو چاہیے کہ اگر کوئی ڈراونی آواز یا چیخ سنے تو اپنے دل کو قوی رکھے ڈرے نہیں ۔ اور خلوتگاہ میں اس ذکر میں مشغول ہوجائے جو اس کے شیخ نے اسکو تلقین فرمایا ہے ۔

وقيل بالله والذی يظهر ان من قطع الاسماء يخير بين لا اله الا الله و بين الله بحسب ما يجد فيه قلبه والذی لم يقطعها يشتغل بالذكر الذی هو فيه من الاسماء السبعة والذی عند شيخه يشتغل بما يأمره به الشيخ

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ اللہ کرے میرے نزدیک بہتر یہ ہے کہ جو شخص اسماء سبعہ کا ذکر کرچکا ہو اسکو تو اختیار ہے خواہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کرے خواہ اللہ اللہ کرے ان میں جس سے اپنے قلب کو زیادہ لگاؤ پائے وہ کرے ۔ اور جس شخص نے اسماء سبعہ کا ذکر نہیں کیا ہے وہ انھیں اسماء سبعہ میں سے جس ورد میں ہو اسی میں مشغول رہے اور جو شخص شیخ کے پاس ہی ہے تو وہ اپنے اس وظیفہ میں مشغول رہے جس میں اس کے شیخ نے اس کو اجازت دی ہے ۔

وعادة اشياخنا انهم لا يدخلون المريد الخلوة الا بعد تمام الاسماء السبعة ويذكر فيها بالاسماء المذكورة بكل اسم مأة وعشرين الفاً

اور ہمارے مشائخ کا طریقہ تو یہ تھا کہ وہ کسی مرید کو خلوت میں داخل ہی نہیں فرماتے تھے مگر اس وقت جب کہ اسماء سبعہ ختم ہوجائیں تاکہ وہ اس میں انہی اسماء کا ذکر کرے اس طرح سے کہ ہر اسم کو ایک لاکھ بیس ہزار بار کہے ۔

(تنبيهات) الاول ليكن عقدك عند دخول الخلوة

(تنبیہات) اول۔ خلوت میں داخل ہونے کے وقت تمھاری نیت یہ ہونی چاہیئے کہ اللہ کے

ان الله تعالی لیس کمثله شیئ
فکل ما یتخیل لك من الصور
فی خلوتك ویقول لك انا الله
فقل سبحان الله انت بالله

مانند کوئی شئ نہیں چنانچہ خلوت میں اگر کبھی
کوئی صورت ظاہر ہو اور وہ تم سے کہے کہ میں
اللہ ہوں تو فوراً کہو سبحان اللہ تو اللہ کی مخلوق
ہے اللہ کے حکم سے یہاں آئی ہے۔

الثانی لا تطلب من الله تعالیٰ
فی خلوتك سواه ولا تعلق
همتك بغیره ولو عرض علیك
کل ما فی الکون ثم اذا اعطاك
شیئاً فخذه بادب ولا تقف
عنده ولا فاتك
مطلوبك ومن وجد الله
ما فقد شیئاً

دوم تم اپنی خلوت میں اللہ تعالیٰ سے بجز اس کی
ذات کے اور کچھ نہ طلب کرے نہ کسی غیر اللہ
کے ساتھ اپنے قلب کا علاقہ قائم کرنا اگرچہ
تمہارے سامنے دنیا و مافیہا کیوں نہ آجائے پھر اگر
وہی تمھیں کوئی چیز عطا فرمائیں تو اس کو ادب
سے لینا لیکن اس پر وقوف اور قناعت مت
کرلینا ورنہ اپنے مقصود سے رہ جاؤ گے اور جسے
اللہ تعالیٰ مل گئے اس نے سب کچھ پالیا۔

(الثالث) لا تتفکر فی شیئ
ولا تحدث نفسك بشیئ
واعلم انك مجالس الحق
تعالی الذی یعلم هواجس
الضمائر وما تکن السرائر

سوم، بحالت خلوت کسی چیز میں تفکر نہ کرنا اور
نہ اپنے قلب میں کسی امر کے متعلق کچھ بات کرنا
اور یہ دھیان رکھنا کہ تم ہر وقت حق تعالیٰ کے
ہم نشین ہو۔ جو پوشیدہ وساوس اور سرائر کا جاننے
والا ہے۔

(الرابع) اذا دخلت الخلوة
بدون حضور الشیخ وجدت
فی باطنك تقلقا وتعلقا
بالاغیار فاخرج منها و
احکم العزلة اولا حتی

چہارم اگر تم خلوت میں بدون شیخ کی موجودگی
کے داخل ہو اور پھر اپنے باطن میں کچھ آمیزش
اور تعلق غیر اللہ کے ساتھ پاتے ہو تو خلوت سے
فوراً نکل جاؤ اور پہلے اپنی عزلت درست کرو
یہاں تک کہ اس علاقہ اور لگاؤ سے خلاصی پاجاؤ

ع (قوله لا تحدث نفسك بشیئ الخ) یعنی تمہارا نفس بھی کچھ کلام نہ کرے۔ یہ سکوت قلبی کہلاتا ہے اسکی وجہ سے سالک کے
قلب پر اسرار حقائق منکشف ہوتے ہیں۔

تخلص من ذلك التعلق نعوذ لیھا و استعمل عند ھجوم الخواطر الضعف الادویۃ التی ذکرناھا سابقًا۔ و اللہ تعالٰی الموفق

تب اس کے بعد خلوت میں آؤ۔ اور بوقت ہجوم خواطر یا ضعف ان ادویہ کا استعمال کرو جن کو ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں۔ باقی توفیق دینے والے تو اللہ تعالٰی ہی ہیں

(وصلٌ فی آداب العبودیۃ)

وصل عبودیت کے آداب میں

وھی الوفاء بالعھود وحفظ الحدود والرضا بالموجود والصبر عن المفقود۔

عبودیت نام ہے وفائے عہود کا حفظ حدود کا اور رضا بالموجود کا اور صبر عن المفقود کا یعنی جو موجود ہے اس پر راضی رہے اور جو نہ پاسکے اس پر صبر کرے

والاصل فی ھذا الباب ان اللہ تعالٰی خلق العبد لعبادتہ و ھُوَ عبد اللہ من کل وجہ فحق للعبد ان یعبد اللہ من کل وجہ یمکنہ لا لعوض و لا لغرض ولا یکن کعبد السوٗ ان لم یخف لا یعمل ولا کالاجیر لولا طمعہ بالاجرۃ ما عمل فان العبادۃ علی ھذا الوجہ معلولۃ۔

اور اصل اس باب میں یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے بندے کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے چنانچہ انسان ہر حال میں خدا کا بندہ ہے۔ اسلئے اس کو سزاوار ہے کہ اللہ تعالٰی کی عبادت ہر ممکن طریقے سے کرے۔ اس سے نہ عوض مقصود ہو نہ کوئی غرض وابستہ ہو۔ اور عبد سوء (برا بندہ) نہ بنے یعنی یہ کہ اگر اس کا خوف نہ ہوتا تو عمل ہی نہ کرتا۔ اور نہ مانند مزدور (اجیر) کے ہو یعنی یہ کہ اگر اجرت کی توقع نہ ہوتی تو عمل نہ کرتا اس لئے کہ عبادت اس طور پر تو خالص نہ ہوئی بلکہ معلول ہوئی (اور عبد مخلص کے شایان شان خالص ہی عبادت تھی) اس لئے کہ اللہ تعالٰی عبادت کے جو مستحق ہیں اپنی ذات کے اعتبار سے۔

فان اللہ تعالٰی یستحق العبادۃ لذاتہ

ففی بعض الاخبار عجبت لمن یعبدنی طمعاً فی جنتی او خوفاً من ناری لو لم اخلق جنة و لا ناراً ما کنت اھلاً ان اعبد فالعبادة علی ھذا الوجہ عند العارفین لاتکون ابداً قالت السیدة رابعة العدویہ رح ؎

یعبدون اللہ خوفاً من لظی
فلظی قد عبدوا لا ربنا
ولدار الخلد صلوا لا لہ
شبہ قوم یعبدون الوثنا

حتی ان طلب الفتح بینا فی العبودیة دھو من سوء الادب ویفوت العبد بہ اکثر مما ینالہ کما صرح بہ الشیخ الاکبر فی لواقح الاسرار ود ذلک ان اللہ تعالی اوجد العبد وجعل لہ ھذہ الدار دار تکلیف امرہ فیہا باوامر و نہاہ عن مناہ فوظیفتہ ان کان عبداً امتثال ما امر بہا واجتناب ما نہی عنہ ویستعین بربہ فی طلب التوفیق

بعض روایات میں آتا ہے حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مجھے اس بندہ کے حال سے تعجب ہے جو میری عبادت میری جنت کے لالچ اور میری دوزخ کے خوف سے کرتا ہے۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ اگر میں جنت اور دوزخ کو نہ پیدا کئے ہوتا تو میں عبادت کے لائق ہی نہ تھا۔ پس اس طور کی عبادت عارفین کے نزدیک عبادت ہی نہیں ہے۔ سیدہ رابعہ بصریہؒ فرماتی ہیں ؎

لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت دوزخ کے خوف سے کرتے ہیں
پھر تو انھوں نے دوزخ کی پرستش کی نہ کہ ہمارے رب کی
اور جنت کی خاطر لوگ نماز پڑھتے ہیں خدا کیلئے نہیں
یہ تو ایسا ہی ہوا جیسا کہ کوئی قوم بت پرستی کرتی ہو

(یعنی اپنے اور خدا کے درمیان ایک واسطہ بنالیا) یہاں تک کہ فتوحات کا طلب کرنا ان حضرات کے نزدیک) عبودیت کے منافی ہے بلکہ بے ادبی ہے۔ بندہ اسکی وجہ سے جتنا پاتا نہیں اس سے زیادہ کھو بیٹھتا ہے۔ جیساکہ شیخ اکبر نے لواقح اسرار میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔ اور یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے بندہ کو پیدا فرمایا اور اس دار کو اس کے لئے دار التکلیف بنایا۔ اور کچھ اوامر کا اُسے حکم فرمایا۔ اور کچھ مناہی سے اُسے منع فرمایا۔ پس اسکا وظیفہ اگر وہ عبد ہے تو بس یہی ہے کہ جس چیز کا حکم دیا گیا اسکا امتثال کرے اور جس چیز سے منع کیا گیا اس سے اجتناب کرے اور اس بارہ میں توفیق طلب کرنے میں اللہ تعالیٰ کی مدد چاہے

وعلى العبد ان يهيئ محله بان لا يجعل في قلبه ربانية لغيره تعالى فهو يجتهد في قطع العلائق التي تؤثر في عبوديته نقصانا ما هذا شان العبد

اور عبد پر لازم ہے کہ اپنے قلب کو درست رکھے بایں طور کہ غیر اللہ کی ربانیت کو نہ داخل ہونے دے پس یہ بندہ قطع علائق میں کوشش کرتا رہتا ہے جو کہ اس کی عبودیت میں اثر انداز ہوتے ہیں اور کسی نہ کسی درجہ میں نقصان پیدا کرتے ہیں یہ تو شان بندے کی ہوئی

واما نتائج الاعمال فلا يليق به طلبها وذلك امر راجع لربه تعالى ان شاء عجله له في الدنيا او اجله فاذا طلب تعجيل النتائج في دار التكليف فقد اساء الادب من وجهين وعامل الوطن بما لا تقتضيه حقيقته نعم ان عجل له الحق تعالى شيئا قبله مع الادب وعدم الوقوف عنده ولكن فرحته بالنعم من حيث ان تلك العطية تدل على رضاه تعالى عنه ولا يكن فرحه بالنعمة ولا يحزن على سلبها بل يكون مسلوب الارادة كما قيل ؎

رہے ثمرات اعمال تو اس کے شایان شان ان کا طلب کرنا نہیں وہ تو ایک ایسی چیز ہے جس کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے اگر وہ چاہیں تو اسکو دنیا ہی میں جلدی دیدیں یا آخرت کے لئے مؤخر فرما دیں (بندہ کا اس سے کوئی تعلق نہیں) لہذا جب بندے نے ثمرات کو جلدی طلب کیا اور اسی دار دنیا میں اس کو چاہا تو اُس نے دو وجہ سے بے ادبی کی (یعنی اپنی شان کے خلاف کام کیا اور جو امر کہ حق تعالیٰ کی جانب راجع تھا اس میں دخل دیا) اور اس دنیا کے ساتھ ایسا معاملہ کیا کہ اسکی حقیقت جس کو متقاضی نہیں ہے (کہ یہ دار العمل ہے دار الجزا نہیں) ہاں اگر حق تعالیٰ ہی اس کے لئے کوئی چیز جلد عطا فرما دیں تو اس کو ادب کے ساتھ قبول کرے مگر اس پر وقوف نہ کرے اور چاہئے کہ اس کی خوشی اس نعمت کو پاکر اس جہت سے ہو کہ وہ عطیۂ خداوندی ہے اس کی رضا پر دلالت کرنے والی ہے۔
اور اس کی خوشی محض نعمت کی بنا پر نہ ہونی چاہئے چنانچہ اس کے سلب ہو جانے پر غمگین بھی نہ ہو بلکہ مسلوب الارادہ ہونا چاہئے جیسا کہ کسی نے کہا ہے ؎

مرادي منك نسيان المراد
اذا رمت السبيل الى الرشاد

میری مراد تجھ سے یہ ہے کہ میں سب مرادیں بھول جاؤں
جب کہ میں رشد و ہدایت کا راستہ اختیار کروں

فهم راضون عن ربهم على كل حال

پس یہ لوگ اپنے رب سے ہر حال میں راضی رہتے ہیں یا چاہے

سواء وسع علیھم الدنیا او ضیقھا وفقھم بکثرۃ العبادۃ او قسم لھم فیھا حظاً قلیلاً فانھم لا یعلمون الخیرۃ فیما ذا

چاہے اِن پر دنیا وسیع ہو یا تنگ انھیں کثرت عبادت کی توفیق دے یا ان کے لئے عبادت سے حظ قلیل مقدر فرمائے یہ ہر حال میں راضی رہتے ہیں اس لئے کہ نہیں جانتے کہ خیریت کس میں ہے

قال ابراھیم ابن ادھم نمت لیلۃ عن وردی فتکدرت لذلک وکنت اذ ذاک ممن یعتمد علی الاعمال فعوقبت بالنوم عن عدۃ فرائض ثم نودیت فی سری یا ابراھیم کن عبداً لنا تسترح فان انمناک نم وان اقمناک قم ولیس لک فی الوسط شیٔ وذلک ان اللہ تعالیٰ قد یبتلی العبد بالذنب ویکون ذلک خیراً فی حقہ لئلا یعجب فی عملہ معصیۃ اورثت ذلاً وانکساراً خیر من طاعۃ اورثت عزاً واستکباراً وفی الحدیث ان العبد لیذنب الذنب فیدخل فیہ الجنۃ یعنی انہ یستغفر منہ ویتوب فیغفر لہ ثم لا یزال حزیناً خائفاً منہ منکسر القلب منکس الرأس وھذہ کلھا حسنات ۔ والحاصل ان العبودیۃ عبارۃ عن امتثال الاوامر واجتناب

حضرت ابراہیمؒ نے فرمایا کہ میں ایک رات اپنے وظیفہ سے سو گیا جس کی وجہ سے مجھے تکدر تھا اور اُن دنوں میں اُن لوگوں میں سے تھا جن کو اپنے اعمال پر اعتماد ہوتا ہے چنانچہ مجھے نیند کے ذریعہ سزا دیگئی جس کی وجہ سے مجھ سے چند فرائض چھوٹ گئے پھر میرے باطن میں ایک آواز آئی کہ اے ابراہیم ہمارے بندے بن جاؤ آرام پا جاؤ گے یعنی اگر ہم تمھیں سلادیں تو سوجاؤ اور کھڑا کریں تو کھڑے جاؤ تمھارے لئے درمیانی کوئی چیز نہیں اور یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کبھی بندے کا ابتلا معصیت سے بھی کرتے ہیں اور یہ اس کے حق میں (سبب) خیر ہوتا ہے تاکہ اس کو اپنے عمل میں عجب نہ ہو (چنانچہ کہا گیا ہے کہ) جو معصیت کہ ذلت اور انکساری پیدا کرے وہ اُس طاعت سے بہتر ہے جو غرور اور تکبر کا باعث بنے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ بلا شبہ بندہ گناہ کرتا ہے ایک گناہ اور اسی کی وجہ سے جنت میں داخل ہوجاتا ہے مثلاً یہ کہ اس گناہ کی وجہ سے استغفار کرتا ہے اور توبہ کرتا ہے پس اس کی مغفرت کر دی جاتی ہے پھر اسکی وجہ سے ہمیشہ وہ غمگین اور خائف اور منکسر القلب اور سرنگوں رہتا ہے اور یہ سب کے سب حسنات ہیں ۔ حاصل یہ کہ عبودیت عبارت ہے امتثال اوامر اور اجتناب نواہی سے ایسا امتثال جو محض خدا کا

النواهی امتثالاً لامر اللہ تعالیٰ لا لعلۃ وان تکون راضیاً عن اللہ تعالیٰ علیٰ کل حال ولیس لک معہ اختیار

نقل فی الفتح الربانی ان بعض الناس اشتریٰ مملوکاً فقال للمملوک ما تشتھی ان تلبس قال الذی تلبسنی قال ما تشتھی ان تعمل قال الذی تأمرنی قال این ترید ان تجلس من داری قال حیث تأمرنی قال فانت مالک مراد فی شیئ فقال یا سیدی وھل[ع] یکون للعبد مراد مع سیدہ انتھیٰ

حکم سمجھ کر کیا جائے اس میں کوئی اور غرض شامل نہ ہو اور اس میں یہ بھی داخل ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ہر حال میں راضی رہو اور اللہ تعالیٰ کے آگے تمھارے لئے اپنا کوئی اختیار نہ ہو۔ فتح ربانی میں نقل ہے کہ ایک شخص نے غلام خریدا اور اس سے پوچھا کہ تم کیا پہننا چاہتے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ جو آپ پہنادیں اس نے پھر پوچھا کہ تم کون سا کام کرنا چاہتے ہو؟ کہا جس کا آپ حکم دیں۔ پھر اس نے پوچھا کہ میرے گھر میں کہاں رہنا چاہتے ہو؟ کہا جہاں آپ حکم دیں۔ یہ سُن کر مالک نے کہا (کہ تم تو عجیب آدمی ہو) کسی چیز میں تمھاری کوئی مراد ہی نہیں ہے اس نے جواب دیا کہ اے میرے سیّد کیا کسی غلام کے لئے بھی اپنے سید کے مقابلہ میں کوئی رائے ہوتی ہے انتھیٰ

(وصل فی کیفیۃ السلوک والوصول)

سلوک اور وصول کے طریقہ کا بیان

قد تقدم ان حجابک عن اللہ تعالیٰ انما ھو نفسک وقد عدھا علماء الحقیقۃ باعتبار اطوارھا سبعۃ امارۃ۔ لوامۃ۔ ملھمۃ۔ مطمئنۃ۔ راضیۃ۔ مرضیۃ۔ وکاملۃ وانت محجوب فی کل طور من اطوارھا بعشرۃ حجب فبین العبد وربہ سبعون حجاباً

پہلے یہ بات گذر چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے تمھارے حجاب کا سبب دراصل تمھارا نفس ہے چنانچہ علماء حقیقت نے نفس کی اس کے مختلف حالات کے اعتبار سے سات قسمیں بیان کی ہیں امارہ۔ لوامہ۔ ملھمہ۔ مطمئنہ۔ راضیہ۔ مرضیہ وکاملہ اور تم اس کے ان ساتوں حالات میں سے ہر حال کے اعتبار سے دس حجابوں میں ہو۔ چنانچہ بندے اور اس کے رب کے درمیان ستر حجابات ہیں۔ اُن میں سے دس

ع (قولہ وھل یکون للعبد الخ) یعنی اس غلام نے کہا کہ اے میرے سید کیا عبد کیلئے بھی اپنے سید کے ساتھ کچھ مراد ہوتی ہے؟ قصہ کا تتمہ یہ ہے کہ غلام کا جواب سُنکر سید نے کہا کہ اے کاش میں بھی اپنے سید کیساتھ اسی طرح ہوتا جیسا کہ تو میرے ساتھ ہے یہ کہکر اس نے غلام سے کہا کہ اچھا تو تو خدا کے واسطے آزاد ہے اور یہ کہا کہ اب آپ میرے پاس قیام کیجئے تاکہ میں بذات خود آپ کی خدمت کروں۔

وهي حجب النفس الامارة والباقي نورانية ولكن بعضها ادق من بعض ونعني بالحجب الاوصاف المباينة لصفة العبودية كالكبر والحسد وهما من الحجب الظلمانية وكحب الكرامات وانتشار الصيت وهما من الحجب النورانية وبالجملة فادام السالك في قلبه شيء من الاشياء فهو محجوب بذلك الشيء عن الحق سبحانه وتعالى ومن هنا يطول السلوك على بعض السالكين ويقرب على بعض فمنهم من تكثر علله وتقوى وتضعف مع ذلك روحانيته ومنهم على العكس من ذلك ومنهم من يرجع من بعض الطريق ومنهم من يقف ونحو ذلك

ظلمانی ہیں اور یہ نفس امارہ کے حجابات ہیں اور باقی حجابات نورانی ہیں لیکن انہیں بھی بعض بعض سے دقیق ہیں اور ہماری مراد حجابات سے نفس کی وہ صفات ہیں جو عبودیت کے منافی ہیں جیسے کبر اور حسد اور یہ دونوں منجملہ ظلمانی حجابات کے ہیں یا جیسے کرامات اور شہرت کو پسند کرنا اور یہ دونوں منجملہ نورانی حجابات کے ہیں۔
حاصل کلام یہ کہ جبتک سالک کے قلب میں ان چیزوں میں سے کوئی بھی چیز باقی ہے تو وہ اسی چیز کی وجہ سے حق سبحانہ تعالیٰ سے محجوب ہے یہیں سے بعض سالکین پر انکا سلوک طویل اور دشوار ہوگیا ہے اور بعضوں پر قریب اور آسان رہا ہے اور بہت سے انہیں ایسے ہیں کہ انکے اندر بہت سی علتیں موجود ہیں اور قوی ہیں جسکی وجہ سے انکی روحانیت ضعیف ہے اور بعضوں کا معاملہ اسکے برعکس ہے (یعنی علل قلیل اور ضعیف ہیں اور روحانیت قوی ہے) اور بہت سے انہیں ایسے ہیں جو درمیان راہ سے واپس ہو جاتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو راستہ میں کھڑے رہ جاتے ہیں وغیرہ وغیرہ

ثم ان علماء السلوك ذكروا لكل واحدة من النفوس المذكورة طوراً وسيراً وعالماً ومحلاً وارداً وموكلاً وجنوداً ومفتاحاً ونوراً وشغلوا المريد في كل نفس منها باسم مخصوص من اسمائه تعالى عرفوا مناسبته للتداوي من تلك النفس والتخلص منها ففي المقام الاول لما كان يغلب على الانسان فيه العبودية لنحو الدنيا والزوجة والدينار والخميصة شغلوه بلا اله الا الله

پھر یہ سمجھو کہ علماء سلوک نے ان نفوس سبعہ مذکورہ میں سے ہر ایک کے لئے طور۔ سیر۔ عالم۔ محل۔ وارد۔ موکل جنود۔ مفتاح اور نور بیان کئے ہیں اور ان میں سے ہر نفس میں طالب کو اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے مخصوص اسم کے ساتھ بغرض علاج باطن مشغول کیا ہے جن ناموں کو اس مخصوص نفس کے ساتھ مناسبت دیکھی ہے تاکہ اس شغل کی برکت سے سالک اس نفس ردیہ سے خلاصی پا جائے پس مقام اول میں چونکہ انسان پر دنیا اہل و عیال۔ دینار اور خمیصہ (عمدہ چادر) کی محبت غالب ہوتی ہے اس لئے یہ حضرات اس کو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا شغل تلقین فرماتے ہیں تاکہ

لنفي الوهية غيره تعالى من القلب فاذا تخلص من ذلك شغلوه بذكر الاسم الثاني وهو الله وهكذا ولنذكر لك النفوس السبعة على ترتيبها

غیر اللہ کی الوہیت قلب سے نکل جائے چنانچہ جب سالک اس سے خلاصی پا جاتا ہے تو اُسے یہ حضرات اسم ثانی کے ذکر کے ساتھ مشغول کرتے ہیں اور وہ اللہ ہے علی ہذا القیاس اور اب ہم تم سے اُن نفوس سبعہ کو ترتیب وار بیان کرتے ہیں

(الباب الرابع في المقام الاول الذي هو النفس الامارة)

(باب چہارم مقام اول کے بیان میں اور وہ نفس امارہ ہے)

وسميت بذلك لانها تأمر بالسوء وهي نفس خبيثة تبيع آخرتها بشهوة واحدة ومن صفاتها البخل والحرص والحسد والجهل والكبر والشهوة والغضب والغفلة والشره وسوء الخلق والخوض فيما لا يعني من الكلام والاستهزاء بالخلق والبغض لهم والايذاء باليد واللسان وغير ذلك وذلك لوقوعها في ظلمة الطبيعة فلا تفرق بين الخير والشر وهي واسطة الشيطان و وسيلته في الاغواء وهي اعدى عدوك فكن منها على حذر وعليك بتقليل الطعام والشراب والمنام لتضعفها ويهون عليك الخلاص منها واياك ان تساعدها على مطلب او تنتصر لها ان احد ظلمها وليكن ذكرك في هذا المقام لا اله الا الله مع

نفس امارہ کو امارہ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ بُرائی کا حکم کرتا ہے یہ ایک خبیث نفس ہے۔ اپنی آخرت کو ایک معمولی سی شہوت کے عوض بیچ دیتا ہے۔ چنانچہ اسی کی صفات میں سے بخل ہے۔ حرص ہے۔ حسد ہے۔ جہل ہے۔ کبر ہے۔ شہوت ہے۔ غضب ہے۔ غفلت ہے۔ لالچ ہے۔ سوء خلق ہے اور لایعنی باتوں میں گھسنا ہے۔ مخلوق سے استہزا کرنا اور اُن سے بُغض رکھنا ہے اور ہاتھ اور زبان سے ایذا دینا ہے اور اس کے علاوہ بہت سی صفات ہیں اور یہ نفس چونکہ اپنی طبیعت کی ظلمت میں پڑا ہوتا ہے اس لئے خیر اور شر میں تمیز بھی نہیں کرتا اور یہی وہ نفس ہے جو شیطان کا واسطہ اور وسیلہ بنتا ہے اغوا میں اور یہی وہ نفس ہے جس کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ تمہارا سب سے بڑا دشمن نفس ہے لہذا اس سے بہت احتیاط رکھو اور اپنے اوپر کم کھانے، کم پینے اور کم سونے کو لازم پکڑو تاکہ یہ ضعیف رہے اور تمہارے لئے اس سے خلاصی آسان ہو۔ اور خبردار کسی مقصد کے حصول میں اس کا ساتھ نہ دینا یا اگر کوئی شخص اس پر ظلم کرے تو تم اس نفس کا ساتھ نہ دینا اور چاہئے کہ تمہارا ذکر اس مقام میں لا اله الا الله کی تکثیر ہو ہمت عالیہ کے

الاكثار والهمة العالية والمحافظة
على آداب الذكر المتقدمة حتى
تنكشف عن قلبك الحجب العشرة
الظلمانية الحاصلة من الذنوب
الماضية وعند ذلك تظهر على اول
منازل القرب ومراتب السعادة وهو
توحيد الافعال فتشهد بعين البصيرة
شهود ذوق انه لَا مُعْطِيَ وَلَا مَانِعَ
وَلَا ضَارَّ وَلَا نَافِعَ وَلَا محرك ولا
مسكن الا الله تعالى - وعلامة هذا
المشهد انك لا ترجوا غير الله في امر ما
ولا تخاف ما سواه ولا تكره مخلوقا
اصلا ولا يحصل منك اذى لا
لانسان ولا لحيوان محترم
ولا تلوم من قصر في حقك
مشاهدا ان كل عبيد مسخرون
وان الله تعالى اخذ بناصية كل
فيذهب غمك وطمعك وكلما طرحت
عنك صفة ذميمة عوضك الله تعالى صفة
حميدة هي ضدها وفي هذا المقام
يوقد الله تعالى في قلبك مصباحا
ملكوتيا ترى به عيوب نفسك
فيتوالى عليك الخوف والرجاء
وهما كالسائق والقائد للقلوب

ساتھ اور آداب ذکر جو پہلے مذکور ہو چکے ہیں ان کی محافظت
کے ساتھ یہ ذکر کرتے رہو یہاں تک کہ تمہارے قلب سے
دسوں حجابات ظلمانی جو سابقہ معاصی کی وجہ سے پیدا ہو گئے
تھے دور ہو جائیں اور اب اس وقت تم منازل قرب اور
مراتب سعادت کے اوّل مقام پر فائز ہو گے اور وہ توحید افعالی
ہے چنانچہ تم بصیرت کی آنکھ سے اور ذوق کی شہادت سے
گواہی دو گے کہ بیشک لَا مُعْطِیَ وَلَا مَانِعَ وَلَا ضَارَّ
وَلَا نَافِعَ وَلَا مُحَرِّكَ وَلَا مُسَكِّنَ اِلَّا اللّٰہُ تَعَالٰی
یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا نہ تو کوئی دینے والا ہے نہ منع کرنے والا الخ
اور علامت اس مقام پر فائز ہونے کی یہ ہے کہ پھر تم کسی امر
میں بھی غیر اللہ سے امید نہ رکھو گے اور نہ ماسوی اللہ سے ڈرو گے
اور نہ کسی مخلوق کو برا سمجھو گے اور نہ تم سے کوئی تکلیف دہ
حرکت صادر ہو گی نہ کسی انسان کے لئے اور نہ کسی محترم
حیوان کے لئے۔

اور اپنے حق میں کوتاہی کرنے والے کو ملامت نہ کرو گے
یہ خیال کرکے کہ سب کے سب بندے ہیں اسکی قضا کے آگے
مسخر ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی پیشانی کو پکڑے ہوئے ہیں
بس اس خیال سے تمہارا غم اور طمع سب ختم ہو جائیں گے
اور جیسے جیسے تم سے کوئی صفت ذمیمہ ختم ہوتی جائے گی تو
اللہ تعالیٰ اسکے بدلہ میں اس کے مقابل کی صفت حمیدہ پیدا
فرماتے جائیں گے اور اس مقام پر پہونچ کر اللہ تعالیٰ تمہارے
قلب میں ایک ملکوتی چراغ روشن فرمادیں گے جس کی وجہ
سے تم اپنے نفس کے عیوب دیکھ سکو گے۔ پھر اس کے بعد
پے در پے تم پر آتے رہیں گے خوف و رجا اور یہ دونوں

فی سیرھا إلی اللہ تعالیٰ

وعلیك وانت فی ھذا المقام بالوقوف علی ابواب الشریعة ومحاسبة النفس فی کل ساعة وتخویفھا بالموت وعذاب القبر و اھوال القیامة وعلیك بملازمة الذل والانکسار والمسکنة و الخضوع والتقرب الیه تعالیٰ بانواع البر والنوافل والتضرع و الابتھال الی اللہ تعالیٰ فی ان ینقلك من ظلمة طبعك وایاك ان تمل من الدعاء او تستبعد الفتح فتتوانی وتضجر فان ذلك مما یقطع المرید فاجتھد فیما وصفت لك واعرض عما یشغلك عن مولاك ولازم القناعة

قلوب کے لئے اس کے سیر الی اللہ میں مانند سائق اور قائد کے ہیں (سائق کہتے ہیں پیچھے سے ہانکنے والے کو اور قائد کہتے ہیں آگے سے کھینچنے والے کو) اور تم پر اس مقام میں ہوتے ہوئے لازم ہے کہ ابواب شریعت پر وقوف کرو اور ہر آن اپنے نفس سے محاسبہ کرتے رہو اور اس کو موت سے اور عذاب قبر سے اور قیامت کے ہولناک حالات سے ڈراتے رہو۔ نیز اپنے لئے ذلت وانکسار سکنت وخضوع اور انواع بر اور نوافل کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا تقرب اور اس کی جانب تضرع اور ابتہال کو لازم کرلو تاکہ اللہ تعالیٰ تم کو تمہارے طبعی ظلمتوں سے نکال دیں اور (دیکھو) یہ ہرگز نہ کرنا کہ گھبرا کر اور ملول ہوکر دعا کرنا ہی چھوڑ دو۔ یا فتح وکامیابی کو بعید سمجھکر اس کی جانب سے سست وتنگدل ہوجاؤ اس لئے کہ یہ چیزیں تو مرید کے رشتہ ہی کو قطع کردینے والی ہیں لہذا جو چیزیں میں نے تم کو بتلائی ہیں انہیں تندہی کے ساتھ لگو اور جو امور تم کو تمہارے مولیٰ سے مشغول کردینے والے ہوں اُن سے اعراض کرو اور قناعت کو لازم پکڑو۔

والاعراض عن اللذات و الاشتغال فیما یعنیك والتضرع الی ربك والاقبال بکلیتك علیه فاذا بدل اللہ تعالیٰ اوصافك الذمیمة بالاوصاف الحمیدة شاھدت بعض الاسرار والعجائب المخزونة فی الصدفة البشریة فلا تغتر بما تراہ ولا تقف

اور لذات کو اور بے فائدہ امور کی مشغولی کو ترک کرو اور اپنے رب سے گریہ وزاری کرو اور ہمہ تن اس کی جانب متوجہ ہوجاؤ پھر جب اللہ تعالیٰ تمہارے اوصاف ذمیمہ کو اوصاف حمیدہ سے بدل دیں تو اس وقت تم بعض اسرار کا اور ان عجائبات کا مشاہدہ کروگے جو تمہاری اس بشریت کے سیپ میں مخزون ومحفوظ ہیں لہذا تم دھوکہ میں نہ پڑو اس سے جس کا تم مشاہدہ کرو اور اس پر وقوف

عنده واخبر استاذك بجميع ماترى
حتى الرؤيا المنامية فاذا رأيت
ما يدل على انتقالك للمقام الثانى
وقد كنت ذكرت فى الاسم الاول
مائة الف نقلك شيخك للمقام الثانى
ولقنك الاسم الثانى وهكذا
فى كل اسم لابد من الذكر مائة الف
واذ لم ترا لاشارة لاانت انت ولا
شيخك بالانتقال لما بعد المقام
الذى انت فيه تذكر بعد ذلك
بلا عدد حتى ترى انت او استاذك
الاشارة بالنقلة لما بعده واذا كان
استاذك فى بلدة اخرى تكتب له
جميع ما يقع لك وعند استحقاق النقلة
تسافر اليه ينقلك واذا كان فى
مكان بعيد كالمغرب وانت فى الشام
مثلاً فينبغى له ان يلقنك الاسماء كلها
فى مجلس واحدٍ ويأمرك ان تذكر فى
الاسم الاول حتى ترى الاشارة برؤيا او غيرها
وتكرر ثلاثاً فحينئذٍ تنتقل لما بعده
وهكذا الى تمام المقامات السبعة
وعند الاتمام ان وقعت لك الاجازة
بتلقين الذكر واخذ العهود فتقدم
والا فلازم الخمول الى الموت.

بھی نہ کرو اور اپنے شیخ کو ان تمام امور کی جسے تم دیکھو اطلاع کر
یہاں تک کہ اپنے خواب کی بھی اطلاع کر دیا کرو پس جب تم
ایسی کوئی چیز دیکھو جو اس امر پہ دلالت کرے کہ تم مقام ثانی
میں پہونچ گئے ہو اور حال یہ ہے کہ تم نے اسم اول کا ذکر ایک
لاکھ بار کر لیا ہے تو اب تم کو تمہارا شیخ مقام ثانی کی طرف
منتقل کر دے گا اور اسم ثانی کے ذکر کی تم کو تلقین کرے گا
اسی طرح ہر اسم کا ذکر ایک لاکھ بار ہونا ضروری ہے اور جب
نہ تم اور نہ تمہارا شیخ انتقال کے لئے کوئی اشارہ پائے تاکہ
جس مقام میں تم ہو اس سے آگے والے میں منتقل ہو جاؤ
تو اس کے بعد برابر بدون کسی مقررہ تعداد کے ذکر کرتے
رہو یہاں تک کہ تم یا تمہارا شیخ آئندہ مقام میں منتقلی کا
اشارہ پا جائے اور اگر تمہارے شیخ دوسرے شہر میں ہوں
تو تمام حالات انکو لکھو اور اگر وہ منتقل کرنے کی استعداد محسوس
کریں تو اُن کے پاس جاؤ تاکہ وہ تم کو منتقل کر دیں۔
(یہ جب ہے کہ تمہارے اور ان کے درمیان بہت زیادہ
دوری نہ ہو) ورنہ اگر وہ کسی بہت دور کے مقام میں
ہوں جیسے مغرب میں ہوا ور تم شام میں ہو پس اُسے چاہئے کہ
تم کو سارے اسماء تلقین کر دے ایک ہی مجلس میں اور تمہیں
حکم دے کہ تم اسم اوّل کا ذکر کرو یہاں تک کہ خواب سے یا کسی
اور ذریعے اشارہ منتقلی کا پا جاؤ اور تم مکرر کرو ایک ذکر کو تین بار
پھر منتقل ہو جاؤ مابعد والے کی طرف اسی طرح سے تمام
مقامات سبعہ تک یہی معاملہ رکھو اور جب یہ ذکر ختم ہو جائے تو اگر
تمکو ذکر کی تلقین کی اجازت ملی ہوئی ہو اور تم کو عہد لیا گیا ہو تو اسکے
لئے اقدام کرو ورنہ مرتے دم تک گوشۂ خمول میں پڑے رہو

الباب الخامس فی المقام الثانی الذی هو النفس اللوّامة

وسمیت لوامۃً لانها کلما وقع صاحبها فی مخالفۃٍ لامته۔
فمن صفاتها اللوم والهوی والمکر والعجب والریاء والظلم والغیبة والکذب وحب الریاسة وحب الشهرة وربما بقی معها

باب پنجم مقام ثانی کے بیان میں اور وہ نفس لوامہ ہے

اس نفس کا نام لوّامہ اس لئے پڑا کہ جب بھی اس کا صاحب (حق کی) مخالفت کرتا ہے تو یہ اس کو ملامت کرتا ہے۔
چنانچہ اس کی صفات میں سے ملامت کرنا ہے اور ہوٰی ہے اور مکر ہے۔ عجب اور ریاء ہے اور ظلم اور غیبت ہے اور کذب اور غفلت ہے۔ اور حب جاہ وحب شہرت ہے۔ اور بسا اوقات ان صفات کیساتھ نفس امّارہ کی

حاشیہ متعلق صـ ۲۳۵ (قولہ اوتنتصر لها ان احد ظلمها) یعنی اگر کوئی شخص تمہارے نفس پر ظلم کرے تو اس سے بدلہ نہ لو۔ جیساکہ ابراہیم ابن ادہمؒ کا واقعہ مشہور ہے کہ ایک سپاہی نے ان کے سر پر مارا۔ اسپر حضرت نے فوراً ہی فرمایا کہ ایسے سر کو ضرور مارو جس نے اپنے اللہ کی بہت نافرمانی کی ہے۔

اور مجھے میرے شیخ نے یہ واقعہ سنایا کہ ایک شخص نے ان کو نہایت ہی فحش گالی دی شیخ نے یہ سمجھکر کہ یہ شخص کسی دوسرے کو گالی دے رہا ہے پیچھے مڑکر دیکھا کہ وہ کون شخص ہے مگر وہاں کوئی شخص موجود نہ تھا یہ دیکھ کر گالی دینے والا کہتا کیا ہے کہ آپ ہی کو کہہ رہا ہوں آپ ہی کو شیخ یہ سنکر خموشی سے گذر گئے اور اس کو کچھ جواب نہیں دیا۔

اور مجھے شیخ عبداللہ حلبیؒ جو دُبّاب کے لقب سے مشہور تھے اُن کا یہ واقعہ ہوا تھا کہ کسی شخص نے بُرے بُرے الفاظ میں انھیں گالیاں دینی شروع کیں۔ چنانچہ جب وہ کسی وصف سے ان کو متصف کرتا مثلاً یہ کہتا کہ تم رذیل ہو، خبیث ہو تو شیخ حلبی فرماتے کہ تم سچ کہتے ہو۔ یہاں تک کہ اس نے کہا کہ یاخرا (جس کے معنی فارسی میں گدھے کے اور عربی میں پلیدی کے آتے ہیں) آپ نے فرمایا کہ بھائی ٹھیک کہتے ہو۔ پلیدی اور گندگی تو میرے پیٹ میں موجود ہی ہے یہانتک تو شیخ نے صبر کیا لیکن جب اس نے یہ کہا کہ (انت متحفظ بالمصحف ای جاعل له تحت مقعدتک) یعنی تم قرآن کو اپنی سُرین کے نیچے رکھنے والے ہو تو انکے تن بدن پر رعشہ طاری ہو گیا سر سے پیر تک کانپ گئے اور کہا کہ خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔

اس قسم کی بعض چیزیں مجھے بھی پیش آئیں یعنی بعض لوگوں کیجانب سے تحقیر اور تذلیل اور تشتیم کا معاملہ کیا گیا تو میں نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا وہاں سے اٹھکر چلا گیا اور دل ہی دل میں انکے لئے دعائیں کرتا رہا کہ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَہٗ اَللّٰھُمَّ لَا تُؤَاخِذْہُ

بعض صفات من صفات النفس الامارة ولكنها مع ذلك ترى الحق حقاً والباطل باطلاً لرؤية اقوى من المعرفة السابقة لانها حاصلة عن نور المصباح الملكوتي الذي اوقده الله تعالى في قلب السالك بحيث تكون تلك الرؤية باعثة على التخلي من الصفات المذمومة بالمجاهدة والتحلي بالاخلاق الحميدة لكنها لا تقدر بعد على الخلاص منها ولها رغبة في موافقة الشرع والمجاهدة ولها اعمال صالحة من قيام وصيام وصدقة وغير ذلك ولكن يدخل عليها في ذلك العجب والرياء وحب المحمدة وثناء عليه من جهة تلك الاعمال الصالحة فيجب عليه ان يظهر للناس ما فيه من خصلتي العجب والرياء والا كانا سببا (عن) في انقطاعه وعليه بالمجاهدة وكثرة الذكر بالاسم الثاني وهو الله حتى يتخلص من ذلك وهذا اذا لم تلح له في المقام

بعض صفات موجود رہتی ہیں لیکن نفس اس درجہ میں ان صفات سے متصف ہونے کے باوجود حق کو حق اور باطل کو باطل جانتا ہے اور وہ جاننا ایسا ہوتا ہے جو کہ معرفت سابقہ سے قوی ہوتا ہے اس لئے کہ اسکو یہ معرفت حاصل ہوتی ہے ایک ایسے ملکوتی مصباح کے نور سے جس کو اللہ تعالیٰ نے سالک کے قلب میں روشن کر رکھا ہے ایسے طور پر کہ یہ رویت باعث بنتی ہے مجاہدہ کے ذریعہ صفات مذمومہ سے تخلص کا اور اخلاق حمیدہ کے ساتھ تخلق کا (نفس اس مرتبہ میں حق وباطل میں فرق تو کرتا ہے) لیکن ابھی تک وہ اپنی صفات مذمومہ سے خلاصی پانے پر قادر نہیں ہو پاتا۔ چنانچہ اس کے لئے اتباع شرع اور مجاہدہ وغیرہ میں رغبت بھی ہوتی ہے۔ اسی طرح سے اس کیلئے کچھ اعمال صالحہ بھی ہوتے ہیں مثلاً قیام وصیام وصدقہ وغیرہ مگر سالک پر اس مقام میں عجب (خود پسندی) ریاء تعریف کی خواہش اور یہ خیال کہ ان اعمال صالحہ کی وجہ سے لوگ اسکی تعریف کریں یہ سب رذائل پیدا ہوجاتے ہیں لہذا اس پر لازم ہے کہ اسکے اندر عجب وریاء جو دو خصلتیں موجود ہیں ان کو لوگوں پر ظاہر کرے ورنہ یہی دونوں اسکے انقطاع عن الطریق (طریق سے رہ جانے کی ۱۲) کا سبب بن جائیں گے
اور اس کے اوپر اس مرتبہ میں لازم ہے کہ ذکر کی کثرت کرے، خوب مجاہدہ کرے اور ذکر بھی اسم ثانی کا یعنی اسم ذات اللہ کا یہانتک کہ اس سے خلاصی پاجائے اور یہ اس وقت

حاشیہ (قولہ والا کانا سببا فی انقطاعہ) یعنی اگر لوگ اسکی وجہ سے دھوکہ میں پڑتے اور اسکی خیر وصلاح کے معتقد ہوتے ہیں (تب یہ اظہار واجب ہے) ورنہ سالک پر اپنے عیوب کا اظہار لازم نہیں۔

الاول وحدة الافعال

واما اذا لاحت فلا عجب ولا ریاء لانه حینئذ لا یریٰ له عملاً حتی یعجب فیه او یرائی بل یشتغل بالحمد و الشکر لخالقها ومولاها ویخاف ان قصر بالشکر ان تسلب عنه لکنه فی ھذا المقام کثیر الخواطر والوساوس والافکار فلیستعن علی نفیها بالذکر الجہری الشدید وبالاستعانة باللّٰہ تعالیٰ علی کل قاطع یقطع عن اللّٰہ تعالیٰ من الجن و الانس وکلما لاح له شیٔ من العجائب و الاسرار فلیخبر به استاذہ کما تقدم

ہے جبکہ اسکے لئے مقام اول میں وحدت افعال ظاہر ہو چکی ہو اور اگر ظاہر ہو چکی ہو تو پھر عجب و ریا رہی نہ رہ جائیں گی اس لئے کہ اس وقت میں وہ کسی عمل کو اپنا سمجھتا ہی نہیں تاکہ اس کو عجب ہو یا وہ ریاکاری کرے بلکہ وہ تو مشغول ہوجاتا ہے اپنے خالق اور مولیٰ کی حمد و شکر میں۔ اور اس امر کا اندیشہ کرتا رہتا ہے کہ اگر شکر میں کوتاہی ہو گی تو یہ سب دولتیں سلب ہو جائینگی۔ لہذا اس مقام میں ہو نیکہ یہ سب چیزاس سے صادر نہونگی۔ البتہ اس مقام میں اسے خواطر ردیہ اور وساوس واہیہ اور افکار بہت پیش آئیں گے۔ لہذا اُسے چاہئے کہ انکی نفی پر ذکر جہری سے اعانت چاہے اور اللہ تعالیٰ سے ہر اس قاطع پر عون اور مدد طلب کرے جو اسکو اللہ تعالیٰ سے ہٹائے خواہ وہ جن میں سے ہو یا انس میں سے۔ اور جب بھی کوئی چیز عجائبات میں سے یا اسرار میں سے اسپر منکشف ہو تو اسکو اپنے شیخ سے بیان کرے جیسا کہ گذر چکا۔

الباب السادس فی المقام الثالث الذی هو النفس الملهمة وحالها وصفاتها

(باب ششم مقام ثالث کے بیان میں اور وہ نفس ملہمہ اور اسکے حالات اور اسکی صفات ہیں)

فحالها العشق وصفاتها الحلم والسخاء والقناعة و التواضع والتوبة والصبر وتحمل الاذی والعفو عن الناس وحسن الظن بهم و قبول عذرهم وشهود ان اللّٰہ تعالیٰ اخذ بناصیة کل دابة فهو

اس کا حال تو بس عشق الٰہی میں مستغرق رہنا ہے اور اسکی صفات یہ ہیں۔ حلم۔ سخاوت۔ قناعت۔ تواضع۔ توبہ۔ صبر ایذا کا تحمل۔ لوگوں کو معاف اور درگذر کرنا۔ اور ان کے ساتھ حسن ظن رکھنا۔ اور ان کا عذر قبول کرنا اور (عین قلب سے) اس بات کا شاہدہ کرنا کہ اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ میں ہر جاندار کی پیشانی ہے پس سب کے سب

مجبورون علی اختیار ما ھم فیہ فلا ینبغی لک اعتراض علی مخلوق اصلاً ومن صفاتھا ایضاً البکاء والھیمان عند سماعھا و حب الذکر وبشاشۃ الوجہ و الفرح باللہ تعالیٰ والتکلم بالحِکَم والمعارف والاعراض عن الخلق والاشتغال بالحق وحب الاصوات الحسنۃ وزیادۃ الھیمان عند سماعھا وغیر ذلک من الصفات الحمیدۃ ومفتاحھا کلمۃ ھُوَ و سمیت ملھمۃ لان اللہ تعالیٰ الھمھا فجورھا وتقوٰھا وصارت تسمع بذلک القاء الملک والقاء الشیطان۔ وھذا المقام خطر عظیم صعب یحتاج فیہ السالک الی الملک لیخرج من ظلمۃ الشبھات الی نور التجلیات ویخشی علیہ ان غفل عن نفسہ فی ھذا المقام ان یرجع الی تحین الطبیعۃ وھو المقام الاول فینقطع ویرجع الی ما کان علیہ من الاوصاف الذمیمۃ و مخالطۃ الخلق وکثرۃ الاکل و الشرب والنوم بل ربما یفسد

اس کام کے کرنے پر مجبور اور مضطر ہیں جسمیں وہ لگے ہوئے لہٰذا تم کو کسی مخلوق پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اور اس نفس کی صفات میں سے رونا ہے اور کسی کا رونا سنکر بلبلا جانا ہے۔ اسی طرح ذکر کو پسند کرنا۔ اور چہرہ پر خدائی تعلق کی وجہ سے بشاشت اور خوشی کے آثار کا ظاہر ہونا۔ اور حکمت اور معارف کی باتوں کا زبان سے نکلنا ہے۔ اور مخلوق سے دوری اور اعراض اور حق تعالیٰ کے ساتھ وابستگی اور اشتغال اور صوتِ حسن کی جانب قلبی کشش اور اسکو سنکر اسکی جانب زیادتی میلان وغیرہ اور اسیطرح کی دیگر صفات حمیدہ یہ سب اس درجہ میں نفس کی مرغوبات سے ہیں۔ اور اسکی کنجی کلمہ ھُوَ ہے اور اس نفس کو مُلہِمَہ اسلئے کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسکو فجور اور تقویٰ الہام فرمادیا ہے۔ چنانچہ قرآن شریف میں ہے کہ فَاَلْھَمَھَا فُجُوْرَھَا وَتَقْوٰھَا جس کیوجہ سے یہ القاء ملک اور القاء شیطان کو سنتا ہے۔ اور یہ مقام ایک نہایت ہی عظیم الشان مقام ہے اور ایک سخت مرحلہ ہے اسمیں سالک کو ملک کی جانب احتیاج ہوتی ہے تاکہ وہ اسکو شک و شبہات کی ظلمتوں سے تجلیات کے نور کیطرف نکالے اور اُس پر اس امر کا اندیشہ کیا جاتا ہے کہ اگر اس مقام میں اپنے نفس سے ذرا غافل ہوا تو اپنی طبیعت کے سجین کیجانب لوٹ جائیگا جو کہ اس کا پہلا مقام تھا پس راہ سے منقطع ہوجائیگا اور اوصاف ذمیمہ سے اتصاف۔ مخالطت خلق کثرت اکل و شرب وکثرت نوم کے جس مقام میں تھا اسی کی طرف واپس چلا جائیگا۔ بلکہ بسا اوقات تو

اعتقادہ والعیاذ باللہ تعالیٰ فیترک
الطاعات ویرتکب المحرمات ویزعم
انہ قطب موحد مکاشف بحقیقۃ
الاشیاء وھو بعید عن ذلک و
الواجب علی المرید وھو فی ھذا
المقام الصعب متابعۃ الشیخ والتمسک
بہ تمسک الاعمی علی شاطئ النھر
بالقائد وان سولت لہ نفسہ
بانہ ارقی منہ واکمل وانہ موحد
والشیخ محجوب ویجب علیہ التوبۃ
من ذلک واخبار الشیخ بجمیع ما
ذکر لیداویہ بما یناسبہ من امور
الحقیقۃ التی تخفی علیہ ویجب
علیہ متابعۃ الشریعۃ وملازمۃ
الادب لان الطریق کلھا آداب
وینبغی ان یکرہ نفسہ علی الاوراد
ویقیدھا بقیود الطریقۃ وان عسر
ذلک علیہ لانہ فی ھذا المقام
مائل الی الاطلاق وخلع العذار
وعدم المبالاۃ بشیء من الاشیاء
والمقصود مخالفتھا الی ان تطمئن
ویسکن اضطرابھا وذلک بالوصول
الی المقام الرابع الذی ھو مقام
الکمال ومتی وصل السالک الیہ

یہ ہوگا کہ اسکا اعتقاد ہی فاسد ہو جائیگا (معاذ اللہ) پس
طاعات ہی کو ترک کر دیگا اور معاصی و محرمات کا ارتکاب
(کھلے بندوں) کریگا اور یہ سمجھے گا کہ میں مُوحّد ہوں
اور قطب ہوں، اشیاء کے حقائق مجھ پر منکشف ہوتے ہیں
حالانکہ وہ ان امور سے کوسوں دُور ہوتا ہے لہٰذا مرید پر
جبکہ وہ اس دشوار گذار مقام سے گذر رہا ہو اپنے شیخ کا
اتباع بدرجۂ وجوب ضروری ہے۔ اور یہ کہ شیخ کے ساتھ اسطرح
سے تمسک کرے جیسے اندھا اپنے رہبر کے ساتھ ساتھ نہر کے کنارے
چلتا ہے۔ اگرچہ اس سالک کا نفس اسکے قلب میں یہ مزین
کردے کہ تو تو اس سے کہیں زیادہ محتاط اور کامل ہے اور
یہ کہ تو موحد ہے اور شیخ محجوب ہے اور ان امور کی وجہ سے
توبہ لازم ہے۔ اور یہ لازم ہے کہ اپنے شیخ کو ان تمام امور سے
مطلع کرے تاکہ وہ جن حقائق سے مناسب سمجھے اسکا علاج
کرے جو کہ اس سالک پر مخفی تھے۔ اور سالک پر شریعت
کا اتباع اور آداب کی رعایت ضروری ہے اس لئے کہ
طریق سراپا ادب ہی ہے۔ اور اس کے لئے ضروری ہے
کہ اپنے نفس کو زبردستی اوراد کا پابند بنائے اور اسکو طریقت
کی قید سے مقید کرے اگرچہ یہ اسپر کتنا ہی شاق کیوں نہ ہو
اس لئے کہ وہ اس مقام میں آزادی چاہتا ہے اور بندش
سے بھاگتا ہے اور کسی چیز کی بھی اسکو پرواہ اور اہتمام نہیں
ہوتا۔ حالانکہ مقصود اسکی مخالفت کرنا ہے یہانتک کہ وہ
(امارہ سے) مطمئنہ ہو جائے اور اسکی تیزی وطراری مبدل
بسکون ہو جائے اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ وہ
مقام رابع میں پہونچ جائے جو کہ مقام کمال ہے چنانچہ جب

خلص بعون اللہ تعالیٰ من جمیع آفات النفس ومقتضیات البشریۃ

سالک اس مقام تک پہونچ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے فضل و سے اور ان کی مدد سے نفس کے جملہ آفات اور بشریت کے تمام تقاضوں (نفسانی وشہوانی) سے وہ نکل جاتا ہے

وعلی السالک ان لایلتفت فی ھذا المقام وکذا سائر المقامات الی ما یلوح لہ من البوارق العلویۃ لانہا حجب وموانع واسباب للانقطاع والعود الی سجین الطبیعۃ ولیداوم علی الامور التی اوصلتہ الی ما ھو من الانکشاف کالسہر والجوع والعزلۃ وقلۃ الکلام و التمسک باذیال المرشد لیتم انکشافہ ویقوی الجذابہ الی عالم القدس ولیضعف منہ جانب البشریۃ

اور سالک پر لازم ہے کہ وہ اس مقام میں بلکہ اپنے دیگر تمام ہی مقامات میں اُن امور کی جانب اصلا التفات نہ کرے جو اس کے لئے ظاہر ہوں جو کہ از قبیل بوارق علویہ کے ہوں یعنی عالم بالا کی چمک اور روشنی وغیرہ اسلئے کہ وہ سراسر حجاب اور موانع ہیں اور اسباب انقطاع سے ہیں اور ایسے امور ہیں جو کہ سالک کو اس کی اصل طبیعت کے جہنم میں واپس کر دینے والے ہیں۔ بلکہ اسکو چاہئے کہ اپنے ان معمولات پر مداوم رہے جنہوں نے اسکو اس انکشاف کی مقام تک پہونچایا ہے جیسیں وہ ہے یعنی شب بیداری گرسنگی تنہائی قلت کلام اور اپنے مرشد کے دامن کیساتھ وابستگی تاکہ اس کا انکشاف تام ہو جائے اور عالم بالا کی جانب اسکا انجذاب قوی ہو جائے اور بشریت [illegible]

والحاصل ان ھذا المقام مقام جامع للخیر والشر فان غلب خیر النفس علی شرھا ترقت الی المقامات العلیۃ و ان غلب شرھا علی خیرھا ھبطت الی سجین الطبیعۃ وعلامۃ غلبۃ الخیر علی الشر ان تری باطنک معمورًا بالحقیقۃ الایمانیۃ ای بان تکون محققا بان جمیع ما فی الوجود وجار علی وفق ارادۃ

حاصل یہ کہ یہ مقام، خیر وشر کے اعتبار سے ایک جامع مقام ہے۔ اگر نفس کا خیر اس کے شر پر غالب آگیا تو وہ مقامات عالیہ اور درجات رفیعہ کی جانب ترقی کر جائے گا اور اگر کہیں (خدانخواستہ) اس کا شر اسکے خیر پر غالب آگیا تو وہ طبیعت کے جہنم کے غار میں گر جائے گا باقی خیر کے شر پر غالب ہونے کی علامت یہ ہے کہ تم اپنے باطن کو حقیقت ایمانیہ سے بالکل معمور دیکھو یعنی تمہارے ایمان اور تصدیق کا یہ حال ہو جائے کہ تم تصدیق کرنے والے ہو کہ عالم میں جتنی چیزیں ہو رہی ہیں سب اللہ تعالیٰ کے ارادے کے تحت ہو رہی ہیں اور اس کے تحت القدرۃ

الله تعالیٰ ومقدورٌ بقدرته و ظاهرك معمورًا بالشريعة الاسلامية بان تكون متلبسًا بالطاعات مجتنبًا جميع الزلات سواء كنت بين الناس او في الخلوة - وعلامة غلبة الشر على الخير ان يقوى شهود الحقيقة الايمانية على السالك مع بقاء من بشريته ولايكون ظاهره معمورًا بالشريعة فيترك الطاعات ويرتكب المعاصي -

ہیں (یہ تو تمھارے باطن کا حال ہو) اور تمھارا ظاہر شریعت اسلامیہ کے احکام سے آراستہ ہو۔ بایں طور کہ تم طاعات اور عبادات کے ساتھ متلبس ہو اور ہر قسم کی زلات اور لغزشوں سے کنارہ کشی اختیار کرنے والے ہو۔ خواہ مجمع میں رہو یا خلوت میں۔ اور (اسی طرح سے نفس کے) شر کے اسکے خیر پر غالب ہونے کی علامت یہ ہے کہ حقیقت ایمانیہ کا شہود تو سالک پر قوی ہو مگر اس میں اسکی بشریت کا بھی کچھ حصہ شامل ہو۔ اور اس کا ظاہر شریعت سے معمور نہ ہو۔ پس وہ طاعات کو بھی ترک کر دیتا ہو اور ارتکاب معاصی بھی کر لیتا ہو۔

(واعلم) ان رضاء الله تعالیٰ وتجلياته لايصل شيء منها للعبد الا من باب الطاعات وان سخطه وطرده وبعده لايصل العبد الا من ابواب المعاصي والزلات - فقف على ابواب الشريعة وقفة العبد الذليل و اسئل مولاك كل ماتحتاج اليه و استعن على مطالبك في هذا المقام بالاكثار من الذكر بالاسم الثالث تظهر انشاء الله تعالى على الهوية السارية في جميع الموجودات -

جانو! کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی تجلیات کا جو بھی حصہ سالک کو ملتا ہے وہ طاعات کے راستہ سے ملتا ہے اور اس کی ناراضگی اور طرد و بُعد سے جو بندوں کو پہونچتا ہے تو وہ معاصی اور زلات کی راہ سے۔

لہذا تم بس ابواب شریعت پر وقوف کرلو ایسا وقوف جیسے کوئی ذلیل عبد اپنے مالک کے در پر وقوف کئے رہتا ہے۔ اور اپنی جملہ حاجات اپنے پروردگار ہی سے طلب کرو اور اس مقام میں اپنے مقاصد کے پورا کرنے کے لئے اسم ثالث کے ذکر کی تکثیر سے مدد چاہو۔ جس کی وجہ سے انشاء اللہ تعالیٰ تم اُس ھُویۃ پر غالب آجاؤ گے جو کہ تمام موجودات میں ساری اور جاری ہے۔

(واعلم) ان سوق النفس في هذا المقام بالعشق والهيمان والشوق الى الوصال والاجتماع بالاحبة وتذكرة

اور جان لو! کہ نفس کا اپنا سفر طے کرنا اس مقام میں جذبۂ عشق۔ جوشِ محبت۔ شوقِ وصال۔ احباب کی معیت لقاء محبوب کا تذکرہ اور اسکے کمالات سے لطف اندوزی

لقاء المحبوب والتمتع بکمال وجهه فان هذه الاشیاء تقوی السالك علی السیر فان هذا المقام مقام العاشقین المتلذذین بالذل و الافتقار ومما یعینه ایضاً خلع العذار والسعی علی اسقاط حرمته من اعین الناس بافعال جائزة شرعاً کحمل متاع بیته علی ظهره وطبق العجین علی راسه و نحو ذلك وهو یختلف باختلاف الناس والمقصود ان لا یکون لهم به اعتناء و لا له عندهم مقدار و لا قیمة و لا ذکر۔

کے ذریعہ ہوگا۔ اس لئے کہ یہ تمام چیزیں سالک کو اس کے سیر میں قوت بخشتی ہیں کیونکہ یہ مقام اہل عشق کا مقام ہے جو کہ ذلت اور افتقار سے خوب متلذذ ہوتے ہیں۔ اسی طرح سے سالک کی اعانت ان سب امور سے بھی ہوتی ہے جو اسکے مرتبہ کو گرادیں اور جائز افعال کے ذریعہ لوگوں کی نظروں میں اپنی حرمت کو ساقط کرنے میں سعی کرنے سے بھی ہوتی ہے۔ مثلاً اپنے گھر کا سامان اپنی پیٹھ پر لادکر لیجانا۔ اور آٹے کا طباق سر پر لیکر چلنا۔ باقی یہ چیزیں سقوط ہمت کا سبب ہیں یا نہیں یہ اور لوگوں کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے۔ اور مقصود ان سب سے یہ تھا کہ عام لوگوں کو ان کی جانب کوئی خاص توجہ نہ ہوسکے اور ان کے نزدیک انکی کچھ وقعت نہ سمجھی جائے اور نہ کوئی قدر و قیمت اور ذکر و تذکرہ کیا جائے۔

ومن ههنا یعلم الصادق من الکاذب ومتی تم خلع العذار ماتت نفسه الشیطانیة القاطعة عن جناب الحق وحصل له خطاب الروحانیین بامر ونهی او خبر فلا یلتفت الی شیء منه فان مقصود الجمیع ان یشغلوه و یلهوه عن مطلوبه

اور اسی مقام میں صادق، کاذب سے ممتاز ہوتا ہے اور جب سالک کے لئے اپنے مرتبہ کا ساقط کرنا تام ہوجاتا ہے تو اب اس کا نفس شیطانی جو کہ حق تعالیٰ کی بارگاہ سے پھیرنے والا ہوتا ہے مُردہ ہوجاتا ہے اور اس کو روحانیین سے شرف تکلم حاصل ہوجاتا ہے۔ اس کی جانب سے امر و نہی ہوتی ہے اور خیر کی باتیں آتی ہیں۔ پس چاہئے کہ سالک ان امور میں سے کسی جانب التفات نہ کرے اسلئے کہ ان سب کا مقصود یہ ہے کہ اس کو مشغول کرلیں اور اپنے مطلوب سے اسکو غافل کردیں۔

و اذا لم يسمع شيئاً فهو الاصلح فی حقه وهو دليل على صدق توجهه لخالقه وعدم تطلبه لذلك بسره وهذا استريح القلب من الفتن والمحن والوقوف عند الاكوان

اور اگر سالک کوئی آواز وغیرہ نہ سنے تو یہ اس کے حق میں بہت ہی اچھا ہے۔ اور اس بات کی دلیل ہے کہ اسکی توجہ اپنے خالق کی جانب خالص رہی ہے۔ اور اس نے اپنے قلب سے بھی ان امور کی خواہش نہیں کی۔ چنانچہ یہی وہ سالک ہے جس کو مستریح القلب (فارغ القلب) کہنا چاہئے یعنی اسکا قلب فتن المحن اور یہ کہ عالم میں کیا ہو رہا ہے، اس سے فارغ ہے (اور اپنے محبوب حقیقی کی یاد میں مشغول ہے)

الباب السابع فی المقام الرابع الذی هو النفس المطمئنة وما تحتوی علیه من الکمال

ساتواں باب مقام رابع کے بیان میں کہ وہ نفس مطمئنہ اور اسکے کمالات ہیں

فمن صفاتها الجود والتوكل والعبادة والتذلل والرضاء والشكر والخشية واتباع الكتاب والسنة بحيث لا يخرج عن الامر التكليفي شبراً واحداً — والفناء المطلق بالعبودية الصحيحة — وعلامة دخول السالك فی هذا المقام ان يجتهد فی الامر التكليفي. ويتخلق باخلاقه صلى الله تعالى عليه وسلم ولا يطمئن الا باتباع اقواله الصحيحة لان هذا المقام مقام التمكين وعين اليقين والايمان الكامل.

وفی هذا المقام تلتذ بالسالك

پس اسکے صفات میں سے جود ہے، توکل ہے۔ عبادت اور تذلل ہے، رضا اور شکر ہے، خشیت ہے، اور اتباع کتاب و سنت ہے ایسے طریقہ سے کہ امور تکلیفیہ سے ایک بالشت ہی باہر نہ ہو۔

اسی طرح سے اسکی صفات میں سے ایک صفت عبودیت صحیحہ کے وظائف ادا کرکے فنا مطلق تک پہنچا ہے، اور سالک کے اس مقام میں داخل ہونے کی علامت یہ ہے کہ امور تکلیفیہ میں خوب کوشش کرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کے ساتھ متخلق ہو جائے یہاں تک کہ بدون آپ کے اقوال صحیحہ کا اتباع کئے ہوئے اس کو چین نہ پڑے اس لئے کہ یہ مقام مقام تمکین ہے اور عین الیقین اور ایمان کامل کا مقام ہے۔

چنانچہ اس مقام میں سالک کو دیکھ کر لوگوں کی آنکھیں

اعین الناظرین وتصغی لاقواله مسامع السامعین حتی انه لوتکلم طول الدهر لایمل کلامه وذٰلک لان لسانه یترجم عما القاہ اللہ فی قلبہ من حقائق الاشیاء واسرار الشریعۃ — فلایتکلم کلمۃ الا وھی مطابقۃ لما قال اللہ تعالیٰ ورسولہ من دون مطالعۃ فی کتاب ولا سماع من احد وینادی فی سرہ من قبل اللہ تعالیٰ انا سرک ایھا الحبیب وانت سری فقر عینًا وطب نفسًا وعند ذٰلک یطمئن ماکان فیہ من الاضطراب ویغرق فی بحر الحیاء والاداب ویلزم الخشیۃ والھیبۃ وتخلع علیہ خلع الوقار والقبول وتظھر لہ حقیقۃ عالم الکون وعلم معنی قولہ کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ فیجب علی السالک فی ھذا المقام ان یجتمع مع الخلق فی بعض الاوقات

لذت پاتی ہیں۔ اور ان کے کان اس کی باتوں کی جانب متوجہ ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر یہ سالک ساری عمر کلام کرتا رہے تب بھی لوگ اس کے کلام سے ملول نہوں اور یہ اس لئے کہ اس کی لسان ان اسرار شریعت اور حقائق کی ترجمان ہوتی ہے جسے اللہ تعالیٰ اس کے قلب میں القا فرماتے ہیں۔

پس یہ کوئی کلمہ زبان سے ایسا نہیں نکالتا جو کہ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق نہ ہو (بلکہ اللہ ورسول ہی کی باتیں کرتا ہے) اور اس کا سبب نہ تو کسی کتاب کا مطالعہ ہوتا ہے اور نہ کسی سے سننا ہوتا ہے، بلکہ اس کے باطن میں خدائے تعالیٰ کی طرف سے آواز آتی رہتی ہے کہ اے میرے محبوب میں تیرا سر ہوں اور تو میرا سر ہے، پس اپنی آنکھ ٹھنڈا کر، اور اپنے جی کو خوش کر، اس وقت جاکر اس کے اضطراب کو سکون اور بیقراری کو قرار آتا ہے۔ اور اب وہ حیا اور آداب کے بحر میں غرق ہوجاتا ہے، اور اسکے لئے خشیت اور ہیبت لازم ہوجاتی ہے، اور اب اسکو وقار اور قبول خلق کی خلعت پہنادیجاتی ہے، اور عالم کون کی حقیقت اور آیت کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ کی حقیقی تفسیر اسپر منکشف ہوجاتی ہے۔ لہٰذا سالک پر اس مقام میں پہونچکر لازم ہے کہ اب وہ لوگوں کے ساتھ کبھی کبھی بیٹھا کرے

(قولہ فیجب علی السالک فی ھذا المقام ان یجتمع الخ) یعنی یہ جو کہا گیا کہ مقام پر پہونچ کر سالک پر واجب ہے کہ مخلوق کے ساتھ کچھ وقت نشست رکھے (تو شاید کہ اس سالک کے حق میں ہو کہ جسکے پاس اس کا شیخ موجود نہیں ہے۔ باقی اگر اپنا شیخ موجود ہو تو اسکے حکم اور اشارہ کا اتباع کرنا چاہئے یعنی وہ جو حکم دے وہی کرنا چاہئے۔

ليفيض عليهم بما انعم الله به عليه ويترجم لهم عما في قلبه من الحكم ويحسن كما احسن الله تعالى اليه

تاکہ ان پر بھی ان امور کا افاضہ کرے جو کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر انعام فرمایا ہے، اور اس کے قلب میں جو اسرار و حکم آتے ہیں ان سے بھی اسکی کچھ ترجمانی کیا کرے۔ یعنی جس طرح سے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر احسان فرمایا ہے، اسکو بھی چاہیئے کہ اور لوگوں پر احسان کرے۔

وليكن له وقت خلوة بينه وبين ربه لانه وهو في هذا المقام في ادنى درجات الكمال فلا يناسبه مخالطة الخلق في جميع الاوقات خوفا عليه من ان يحرم الترقي الى بقية المقامات. فليستعمل الحكمة في الخلطة وعدمهما فمهما كانت الفائدة في الخلطة خالط او في العزلة اعتزل

اور اس کے لئے اپنے رب کے ساتھ خلوت کا بھی ایک وقت ہونا چاہیئے اس لئے کہ وہ اس مقام میں ہوتے ہوئے ابھی کمال کے ادنیٰ ہی درجہ میں ہے لہٰذا اسکے لئے مناسب نہیں کہ اپنا سارا وقت مخلوق سے اختلاط کی نذر کر دے کیونکہ اس سے اندیشہ ہے کہ وہ بقیہ دیگر مقامات کی جانب ترقی کرنے سے رہ جائے گا۔ پس اسکو چاہیئے کہ اختلاط وعدم اختلاط میں حکمت سے کام لے یعنی جب اختلاط ہی میں نفع دیکھے تو اختلاط کرے، اور اگر عزلت میں فائدہ محسوس کرے تو عزلت اختیار کرے۔

وعلامة كون الفائدة في الخلطة ان يستفيد الحاضرون منه مما وهبه الله تعالى من علم الصدور لا علم السطور ولا يغتر بما يظهر له من الكرامات بل يطلب من ربه ان لا يظهره على شيئ منها لئلا تعلق بقلبه فتكون سبب بعده عن حضرة القرب التي لا يدخلها الا العبيد الذين فنيت حظوظهم

باقی اس بات کی علامت کہ فائدہ اختلاط میں ہے یہ ہے کہ حاضرین کو اس سالک کے ان علوم وہبی سے نفع ہو جسے اللہ تعالیٰ نے اسکے سینہ میں عطا فرمایا ہے (یعنی اس کے علوم صدری اور وہبی ہوں) سطوری یعنی ظاہری اور رسمی نہ ہوں۔ اس کے ہاتھوں پر جو کرامات ظاہر ہوں ان سے دھوکہ میں نہ پڑے بلکہ اپنے رب سے یہ دعا کرے کہ اس کے ہاتھ پر کوئی کرامت ظاہر نہ ہو تاکہ اس کا قلب اس سے متعلق نہ ہو اس لئے کہ یہ سبب ہو جائیگا اللہ تعالیٰ سے بُعد کا، اور اسکے مقام قرب میں حضوری کے فوت ہو جانے کا، وہ مقام جسمیں وہی بندے داخل

وانقطعت شهواتهم حتى شهوة القرب

ہوتے ہیں جن کے حظوظ نفس فنا ہو چکے ہوتے ہیں، اور جنکی سب خواہشیں مٹ چکی ہوتی ہیں یہاں تک کہ قرب کی خواہش بھی ان میں باقی نہیں رہجاتی۔

ولذلك ترى الكمل اذا اظهره الله تعالىٰ على ايديهم شيئاً من الكرامات يتغافلون عنها ويندمون عليها ندمهم على المعصية بل يكرهون ظهور الكرامة اكثر من ظهور المعصية ـ وانّما قرة اعينهم العبودية المحضة فانّ عبودية مع استقامة خير من الف كشف وكرامة ـ

اسی لئے تم کاملین کو دیکھوگے کہ جب اللہ تعالیٰ ان کے ہاتھ پر کوئی کرامت ظاہر فرماتے ہیں تو وہ اس سے چشم پوشی اختیار کرتے ہیں بلکہ اس پر اسطرح سے شرمندہ ہوتے ہیں جیسے ان سے کسی گناہ کا صدور ہوگیا ہو، اور اس کے اظہار کو اتنا برا سمجھتے ہیں جتنا کہ کسی گناہ کے ظہور کو۔

انکی آنکھوں کی ٹھنڈک تو بس اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی خالص بندگی اور عبودیت کا اظہار ہوتا ہے۔ چنانچہ ان حضرات کا کہنا ہی یہ ہے کہ وہ عبودیت جسمیں استقامت ہو، وہ ہزاروں ہزار کشف وکرامت سے بڑھکر ہے،

واعلم انّ الكرامة امر عظيم في حد نفسها وانّما المذموم طلبها وتمنيها والميل اليها وتلك حظوظ تنافي العبودية التي هي شرط في دخول حضرة القرب فافهم وتسلم

جانو! کہ کرامت فی نفسہ بہت عظیم الشان چیز ہے باقی مذموم جو شئی ہے وہ اس کا طلب کرنا، اور اسکی تمنا اور اسکی جانب نفس کا مائل ہونا ہے، یہ سب خواہشات نفسانی ہیں جو کہ اس عبودیت کے منافی ہیں جو مقام قرب میں داخل ہونیکی شرائط میں سے ہے، اس بات کو جس قدر سمجھ لوگے سلامتی کے ساتھ رہوگے۔

ولا تقف عند كون من الاكوان تفتتن ويكن حظك ذلك الكون بل اعرض عنه واطلب مكوّنه وان الى ربك المنتهى ـ

اور یہ یاد رکھو کہ عالم کی کسی چیز پر وقوف اور قناعت نہ کرلینا ورنہ فتنہ میں پڑجاؤگے اور اس وقت تمھارا حصہ وہی کون (یعنی دنیوی چیز) رہجائیگا۔ بلکہ تم اس سے ہٹ کر اس کے مکوّن کے طالب ہونا، اور یہ خوب سمجھ لو کہ سب کو تمہارے پروردگار ہی کے پاس پہنچنا ہے۔ ہم نے کلام کو ولایت وکرامت کے بارے میں قصداً طویل کیا ہے اس لئے کہ

وانّما اطلنا الكلام في ذلك لان صاحب المقام اعني الرابع

يغلب عليه حب الكرامات
والميل اليها وذلك حجاب
عن الله سبحانه وتعالىٰ۔

(ثم اعلم) انك وانت فی هذا
المقام تميل الى الاوراد والادعية
وتحب حضرة المصطفىٰ صلى الله
تعالىٰ عليه وعلى آله وصحبه وسلم
محبة غير المحبة التی كنت عليها قبل
هذا المقام۔ ثم اياك ان تقول
قد بلغت مقام الكمال وخلصت من
نفسی فتامن شرها وتغفل عن
كيدها فالعدو لا ينبغی ان يغفل
عنه وان صار صديقاً۔

وقد يعرض لك فی هذا المقام
حب الرياسة والشهرة والتعرض
للمشيخة والارشاد فلا تتعرض لشیء
من ذلك لنفسك وتباعد عنه الا
اذا البسك الله تعالىٰ ثوب المشيخة
وحلاك بحلية القبول من غير سعی
منك فقم حينئذٍ فيها بامر الله تعالىٰ
لا بنفسك وكن مع مراد الله تعالىٰ
واختياره لا مع مرادك واختيارك

وعلامة اقامة الحق سبحانه

اس مقام (یعنی مقام رابع) والے پر کرامت کی محبت اور
اسکی جانب میلان زیادہ پایا جاتا ہے حالانکہ یہ چیزیں سالک
کے لئے حق تعالیٰ شانہ سے حجاب ہیں۔

پھر یہ جان لو کہ تم جب اس مقام پر پہونچو گے، تو
تمہارا میلان اوراد اور ادعیہ کی جانب ہوگا۔ اور اب
تمہارے اندر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اس
مقام کی محبت سے مختلف ہوگی جس پر تم اس سے قبل پہنچے ہو
اور دیکھو! خبردار اس مقام پر پہونچکر دعوائے کمال
نہ کرنا، اور یہ نہ سمجھنا کہ میں کامل ہوگیا ہوں، اور نفس
سے چھوٹ گیا ہوں۔ کیونکہ اس وقت تو تم نفس کے شر
سے مامون ہو جاؤگے اور اس کے کید سے مطمئن وغافل
حالانکہ دشمن سے کبھی غافل نہیں ہونا چاہئے۔ اگرچہ وہ
دوست ہی کیوں نہ ہو جائے۔

اور اس مقام پر کبھی حُبّ ریاست، شہرت اور
اپنے آپ کو مشیخت اور ارشاد کے مقام میں ظاہر کرنے کا
داعیہ بھی پیدا ہو جاتا ہے، تو ان میں سے کسی چیز کو اپنے
نفس کے لئے مت تجویز کر لینا بلکہ اس سے بہت دور
رہنا۔ ہاں جب اللہ تعالیٰ ہی تم کو مشیخت کا لباس
پہنائیں، اور حلیۂ قبول سے آراستہ فرمائیں جسمیں تمہارا
کوئی دخل نہ ہو، تو پھر اللہ کے حکم سے کام کے لئے کھڑے
ہو جاؤ، اپنے نفس کے لئے نہیں، اور جو کچھ کرو اللہ تعالیٰ
کی مراد سمجھ کر اور اللہ تعالیٰ کے اختیار سے کرو نہ کہ اپنی
مراد اور اپنا اختیار سمجھتے ہوئے۔

اور علامت اس بات کی کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو

وتعالى اياك فى مقام الارشاد
ان تكون محبا لجميع اخوانك وهم
مطيعون لامرك ونهيك وانك
لا تجد لك عليهم تميزا ولا سلطنة
ولا فخرا بل ترى انهم متفضلون
عليك وانهم خير منك - فاذا
كنت مع اخوانك هكذا فينبغى
لك ان تخبر مرشدك بذلك
ليأذن لك فى تلقين الذكر واخذ
العهود وحينئذٍ تظهر لاخوانك
وترشدهم برفق وذل وانكسار
وخفض جناح وافتقار مشاهداً
المنة لهم عليك ومتى شاهدت
المنة لك عليهم -
فاعلم انك لستَ من
خيالة هذا الميدان فاترك
المشيخة وفارق الاخوان واسع
فى خلاص نفسك مما بقى عليها
من الاكدار فانه الاهم -
ومتى وجدت مرشداً اعلى
منك فسلم المشيخة له واشكر الله
تعالى الذى اراحك -
(واعلم) انك اذا اتممت
المقام الرابع واطمأنت نفسك

مقام ارشاد پر فائز فرمادیا ہے، یہ ہے کہ تم اپنے سب
بھائیوں کی نظروں میں محبوب ہوجاؤ، اور وہ سب کے
سب تمہارے امر و نہی کے مطیع ہوجائیں باایں ہمہ تم اپنے
لئے ان پر کوئی امتیاز اور فوقیت، فخر و سلطنت نہ دیکھنا
بلکہ یہی سمجھنا کہ وہی سب لوگ تم سے افضل ہیں -
پس جب تم اپنے بھائیوں کے ساتھ ایسے ہوجاؤ
تو تم کو چاہئے کہ اپنے مرشد کو اس کی اطلاع دو تاکہ وہ
تم کو تلقین ذکر کی اور بیعت کرنے کی اجازت دیدے
پھر جب تم کو شیخ کی جانب سے اجازت ہوجائے
تو اپنے بھائیوں کی خدمت کے لئے سامنے آجاؤ اور انکو
نرمی کے ساتھ، عاجزی و انکساری کے ساتھ اور اپنی جانب
کو پست کرکے اور سراپا احتیاج بنکر انکی رہنمائی کرو
اور یہ سمجھو کہ یہ لوگ جو تمہارے پاس آئے ہیں تو ان کا
احسان ہے، اور اگر تمہاری نظروں میں کہیں یہ بات
آئی کہ تم ان کے محسن ہو تو پھر سمجھ لو کہ تم اس میدان کے
شہسوار نہیں ہو، لہذا شیخت کو ترک کرو اور دوستوں
کو چھوڑو، اور اپنے نفس کو اور اسکی بقیہ بداخلاقیوں کی
گندگیوں سے نکالنے میں سعی کرو اس لئے کہ وہی تمہارے
حق میں اہم ہے -
اور پھر جب کسی مرشد کو پاؤ جو تم سے مرتبہ میں زیادہ
ہو تو اسکی شیخت کو تسلیم کرو، اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا
کرو کہ اس نے تم کو بڑی ذمہ داری سے راحت دیدی
اور یہ جان لو کہ جب تم (اس) مقام رابع کو
طے کر لوگے تو تمہارے نفس میں ایک روحانی سکون پیدا

طمانينة روحانية وما زلت قدمك عن اتباع الكتاب والسنة ولا قدر شعرة بل مازج الشرع و الاتباع لحمك ودمك جذبتك يد الالطاف جذبة الكمال وهي غير الجذبة الأولى التي هي في اول السلوك ونودي على نفسك بلسان سر السر يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فيعتريك حينئذ النسيان فلا تدرك شيئاً من امور الدنيا والاخرة الا اذا كان حاضراً عندك ومتى غاب عنك غبت عنه و ذلك لان قلبك حينئذ

ہوجائے گا، اور اب تمہارا قدم جادۂ شریعت سے نہیں ڈگے گا، تم کتاب وسنت کا اتباع کروگے، اور اس سے بال برابر نہیں ہٹو گے بلکہ شریعت اور اتباع تمہارے گوشت اور خون میں سرایت کرجائے گی۔ اسوقت تم کو الطافِ الٰہیہ کا ہاتھ پوری طرح سے جذب کرلیگا (اور یہی یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ہے) اور یہ جذب پہلے جذب کے جوکہ اول سلوک میں پیش آتا تھا مغائر ہوگا اسلئے کہ یہ اتباع کے بعد ہوا ہے، اور وہ اتباع سے قبل کا ہے، اور تمہارے نفس میں سر السر کی لسان سے یہ ندا دیگا کہ یَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً پس تم پر اس وقت ایک خاص قسم کا نسیان طاری ہوجائے گا جس کی وجہ سے تم دنیا وآخرت کی کسی چیز کا ادراک ہی نہ کرسکو گے بجز اس وقت کے جب کہ وہ تمہارے سامنے موجود ہو، اور جہاں نظر دل

(قولہ سر السر الخ) کتاب السیر والسلوک میں جوکہ سیدی قاسم الخانی الحلبی کی تصنیف ہے، یہ لکھا ہے کہ جانو کہ یہ جوہر جس کا نام نفس ناطقہ، قلب، لطیفۂ انسانیہ اور حقیقت انسان ہے جوکہ اشیاء عالم کا ادراک کرنیوالا ہے اور اوامر ونواہی الٰہیہ کا مخاطب ہے اس جوہر کے لئے ایک مرکب ظاہر ہے جس کا نام نفس شہوانیہ ہے، اور ایک مرکب باطن ہے، جس کا نام روح ہے، اور پھر باطن کے لئے بھی ایک باطن ہے جس کو سر کہا جاتا ہے۔ اور پھر اس سر کے لئے بھی ایک باطن ہے جسکو سر السر کہا جاتا ہے، اور پھر اس سر السر کے لئے بھی ایک باطن ہے جس کو خفا کہا جاتا ہے، اور اس خفا کے لئے بھی ایک باطن ہے جس کو اخفیٰ کہا جاتا ہے۔ اور کسی شئی کا باطن اسکی حقیقت اور اسکے مادہ کو کہا جاتا ہے اور ہم تمہارے لئے اس کو ایک مثال سے واضح کرتے ہیں۔ وہ یہ کہ دیکھو مثلاً ایک تخت ہے (جس کے لئے ایک ظاہر ہے، اور ایک باطن، ظاہر تو اس کا وہی اسکی شکل اور صورت اور ہیئت ہے مگر) باطن اس کا لکڑیوں کے چند ٹکڑے ہیں۔ پھر ان لکڑیوں کے ٹکڑوں کی بھی ایک حقیقت یعنی باطن ہے، اور وہ درخت ہے اور درخت کے لئے بھی ایک باطن ہے، اور وہ عناصر اربعہ ہیں (امید کہ اس مثال سے یہ بیان تمہاری سمجھ

صفحہ ۲۵۸ پر ملاحظہ ہو

لا یفتر عن مشاهدۃ جمال الحق و جلالہ ــــ (واعلم) ان ذالک قلیل من کثیر بالنسبۃ لما سیظھر الحق سبحانہ و تعالیٰ علیہ فی المقامات التی بعد ھذا المقام فداوم علی الاکثار من ذکر الاسم الرابع حتی ینقلک اللہ تعالیٰ للمقام الخامس وفیہ تری العجائب۔

وہ غائب ہوئی اور تم اس سے غائب ہوئے، اور یہ اسلئے کہ تمہارا قلب اسوقت جمال حق کے مشاہدہ میں علی الدوام مشغول ہو جائیگا، نہ اس سے تھکے گا نہ اسکو سیری ہی حاصل ہوگی ــــ اور یہ سمجھ رکھو کہ سالک کو اس مقام میں جو کچھ حاصل ہوتا ہے، وہ بہت ہی اقل قلیل ہوتا ہے اسکے مقابلہ میں جو اللہ تعالیٰ سبحانہٗ آئندہ مقامات میں اسکو مرحمت فرماویں گے۔ لہذا اسم رابع کے کثرت ذکر پر مداوم رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہی تم کو اس مقام سے مقام خامس کی جانب منتقل فرماویں۔ پس اسمیں تم عجائبات کا تماشا دیکھوگے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵۶) میں آگیا ہوگا) پس اس تحقیق کو خوب اچھی طرح سے ذہن نشین کر لو اور سمجھ لو کیونکہ اس کتاب کے علاوہ یہ تمہیں اور کہیں نہیں ملیگی ــ پس یہ جوہر جو کہ ایک لطیفۂ ربانی ہے ہمارے اس قلب کے ساتھ جو کہ صنوبری الشکل ہے، اس طریقہ سے قائم ہے جس طرح سے کہ بینائی کا قیام تِلی کیساتھ ہوتا ہے۔ اور اسی کی وجہ سے انسان جملہ حیوانات سے ممتاز متصور ہوتا ہے ــ چنانچہ جس وقت یہی جوہر غایت درجہ لطیف اور خفی ہو جاتا ہے تو اس کا نام اخفیٰ رکھا جاتا ہے۔ اور جب اس سے ایک درجہ گھٹ جاتا ہے اسکی لطافت میں قدرے تکاثف آجاتا ہے تو اس کا نام خفی ہو جاتا ہے اور جب اس سے ایک درجہ اور گھٹ جاتا ہے۔ اور اسکا تکاثف پہلے سے زیادہ قوی ہو جاتا ہے، تو اسکا نام سِرّ السر رکھا جاتا ہے۔ اسی طرح سے جب اسکی لطافت اور کم ہو جاتی ہے تو اس کا نام روح اور جب اور کم ہو جاتی ہے تو اس کا نام قلب اور نفس ناطقہ رکھا جاتا ہے پھر اگر اس سے ایک درجہ اور کم ہو جائے۔ تو وہ نفس امارہ کہلاتا ہے (انتہیٰ)

(قولہ مشاھدۃ جمال الحق الخ) یہ جو کہا گیا کہ اس وقت تمہارا قلب جمال حق کے مشاہدہ سے سیر نہ ہوگا تو مشاہدہ سے یہ مراد ہے کہ جو چیزیں موجود ہیں ان کے ذرات میں سے ہر ذرہ میں سالک حق سبحانہٗ و تعالیٰ کو دیکھے اور ساتھ ہی ساتھ اس کا بھی لحاظ رہے کہ جو امور حق تعالیٰ کی عظمت و جلال کے شایان شان نہیں ہیں مثلاً حلول وغیرہ تو اس کو ان سے پاک جانے۔

باقی یہ ضرور ہے کہ یہ مشاہدہ ایک ذوقی چیز ہے بالکل ایسا جیسے کہ تم کسی انسان کی تحریر کو دیکھو تو تمہارے قلب میں کاتب کی تصویر آجائے (یہی وہ مضمون ہے جسے عارف شیرازی نے یوں فرمایا ہے۔ ؎

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

یعنی عارف کی نگاہ میں ہرے بھرے درخت کا ہر ہر پتہ حق تعالیٰ کی معرفت کے لئے بمنزلہ دفتر کے ہوتا ہے)

الباب الثامن في المقام الخامس الذي هو النفس الراضية ومحاسنها وكمالاتها

(فمنها) الزهد والورع والاخلاص والرياضة والوفاء والنسيان لكل شئ ماسوى الله تعالى والرضاء بكل ما يقع في الوجود من غير انزعاج قلب ولا توجه برفع المكروه ولا اعتراض اصلا وذلك لانه مستغرق في شهود الجمال المطلق ولا تحجبه هذه الحالة عن النصيحة للخلق وامرهم ونهيهم ولا يسمع احد كلامه الا وينتفع به وقلبه مشغول بعالم اللاهوت

وصاحب هذا المقام غريق في بحر الادب مع الله تعالى. ودعوته لا ترد الا انه لا ينطق لسانه بالسوال حياءً وادبا ولا يسأل الا اذا اضطر اضطرارا كليا. وهو عزيز عند الخلق محترم عند الاكابر والاصاغر لانه قد نودى عليه من حضرة القرب "انك اليوم لدينا مكين امين" فصار تعظيم الخلق له امرا ضروريا لا يعلمون لماذا يعظمونه ويحترمونه.

آٹھواں باب پانچویں مقام کے بیان میں جس کا نام نفس راضیہ ہے اور اس کے محاسن اور کمالات کے بیان میں

نفس راضیہ کے کمالات میں سے زہد ہے، ورع ہے، اخلاص ہے، ریاضت ہے، وفا ہے اور تمام ماسوی اللہ کا بھول جانا ہر اور جو امور درپیش ہوں ان پر دل سے راضی رہنا ہے بدون اسکے کہ قلب میں کچھ تنگی پیدا ہو۔ اور بدون اسکے کہ دفع مکروہ کا کچھ بھی دل میں خیال آوے اور اعتراض کی تو بھلا کیا مجال ہے۔

اور یہ اس لئے کہ اس مرتبہ میں پہونچکر سالک جمال مطلق کے شہود میں غرق ہوجاتا ہے۔ مگر یہ حالت خلق کی نصیحت سے اور ان کو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کرنے سے مانع نہیں ہوتی اور کوئی شخص ایسا نہیں ہوتا کہ جو اسکے کلام سے متاثر اور منتفع نہ ہوتا ہو اور اس کا قلب عالم لاہوت کیطرف مشغول رہتا ہے

اور اس مقام پر پہونچکر سالک اللہ تعالیٰ کے آداب کے بحر میں غرق ہوجاتا ہے اور اسکی دعا رد نہیں ہوتی (یعنی وہ مستجاب الدعوات ہوجاتا ہے) مگر یہ کہ وہ زبان سے کوئی سوال محض حیا اور ادب کے خیال سے نہیں کرتا۔ اور سوال بھی جو کرتا ہے تو اسوقت جبکہ کلی طور پر مضطر ہوجاتا ہے۔ اور یہ شخص خلق کے نزدیک معزز اور ہر چھوٹے بڑے کی نظروں میں محترم ہوجاتا ہے اسلئے کہ حق تعالیٰ کی بارگاہ قرب سے اس کیلئے یہ اعلان ہوچکا ہوتا ہے کہ تم آج کے دن ہمارے نزدیک بڑے معزز اور معتبر ہو۔ پس تعظیم خلق تو اسکے لئے بمنزلہ شاہی حکم کے ہوجاتی ہے یعنی لوگ اسکی تعظیم پر مجبور ہوتے ہیں مگر

فینبغی له ان لا یرکن الیهم خصوصًا الظالمین منهم لئلا تمسه نار طبائعهم خصوصًا اذا احسنوا الیه و کانوا فقیرًا فان القلوب جبلت علی حب من احسن الیها ولیتمسك بقوله تعالی وَلَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وکلما اعرض عنهم اقبلوا علیه و ما قسمه الله تعالی علی ایدیهم فهو جاء بالتهم منهم ویکن فی اقبالهم وادبارهم علی حد سواء لا یکره ذلك ولا یتمنی هذا لئلا یکون فی شیٔ من ذلك دسیسة نفسیة وهو وان کان لا یخاف علیه من دسائس النفس فی هذا المقام الا ان الحذر اولی

یہ نہیں جانتے کہ کیوں اسکی تعظیم اور احترام کر رہے ہیں۔ لہذا (جب مخلوق کا یہ معاملہ دیکھے تو) اسکو چاہئے کہ انکی جانب اصلًا التفات نہ کرے بالخصوص انہیں جو اہل جور ہیں انکی طرف تو آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے تاکہ انکی طبیعت کی آگ اسکو نہ پہونچ جائے۔ خاصکر اسوقت تو ان سے احتراز اور زیادہ ضروری ہے جبکہ یہ سالک غریب اور نادار ہو اور وہ لوگ اسپر کچھ احسان بھی کر چکے ہوں اس لئے کہ اپنے محسن کا شکر گزار ہونا اور اس سے محبت کرنا تو انسانی فطرت ہے، اور اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے استدلال کرے کہ فرمایا کہ "مت مائل ہو ان لوگوں کی طرف جو ظالم ہیں کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کو بھی نار جہنم کر پلے"۔ اور جس قدر کہ ان لوگوں سے اعراض کریگا وہ لوگ اسکی جانب متوجہ ہوں گے اور جو کچھ کہ اللہ تعالیٰ نے انکے ہاتھوں پر اسکا حصہ مقرر کر رکھا ہوگا وہ تو خواہی نہ خواہی مل کر رہیگا پھر انکی جانب میلان کی حاجت ہی کیا ہے۔

اور چاہئے کہ سالک اہل دنیا کی جانب توجہ کرنے میں اور ان سے اعراض کرنے میں حد اعتدال پر ہو یعنی نہ اسکو برا جانے اور نہ اسکی تمنا کرے تاکہ اس کے اس میلان یا اعراض میں کوئی نفسانی دسیسہ نہ شامل ہو جائے۔ اور یہ شخص اگرچہ ایسے مقام میں ہے کہ جسمیں اس پر دسائس نفس میں ابتلاء کا خطرہ نہیں ہے تاہم احتیاط بہرحال مناسب ہے۔

ولیکثر من ذکر الاسم الخامس

اور سالک کو چاہئے کہ اس مقام میں اسم خامس یعنی حیٌّ

وھو حقٌ لیزول فناؤہ فان ھٰذا المقامؔ مقام الفناء بالاکثار من ذکر اسمہ تعالیٰ | کا ذکر کثرت سے کرے تاکہ اس کا فنا زائل ہوجائے اس لئے کہ یہ مقام مقام فنا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے اسم حق کے تکثیر ذکر سے

ؔ قولہ لیزول فناءہ فنا جسے حق الیقین

بھی کہا جاتا ہے۔ وہ صفات حق میں صفات عبد کے فنا ہوجانے کا اور حق کے ساتھ نفس کے بقا کا نام ہے اور بقا بھی ایسی جو کہ علمی شہودی اور حالی ہو نہ فقط علمی نہ ہو۔

مثال اسکی یہ ہے کہ دیکھو ہر عاقل موت کو علم الیقین کے طور پر جانتا ہے۔ لیکن جب وہ موت کے فرشتوں کو دیکھ لیتا ہے تو اسے اس کا عین الیقین ہوجاتا ہے۔ اور پھر جب خود اسپر موت طاری ہونے لگتی ہے یعنی اس کا مزہ چکھنے لگ جاتا ہے اسوقت اسکو اس کا یقین حق الیقین کے درجہ میں ہوجاتا ہے۔ پس فنا اسی ذوق یعنی چکھنے کا نام ہے۔

اور مشائخ نے اس کے لئے ایک اور مثال بیان فرمائی ہے۔ وہ یہ کہ کوئلہ کا ایک ٹکڑا جبکہ اس پر آگ کی روشنی پڑے تو اسکی وجہ سے وہ چمک اٹھتا ہے تو اگر یہ روشنی آگ کی اولاً دیوار وغیرہ پر پڑے اور اسپر سے پلٹ کر کوئلہ پر آوے جس کی وجہ سے کوئلہ میں بھی ایک گونہ روشنی آجاوے تو یہ مثال ہے علم الیقین کی۔ اور اگر آگ کی روشنی کوئلہ پر محض آگ کے بالمقابل ہونے کی وجہ سے پڑے بایں طور کہ کوئلہ اور آگ کے درمیان کوئی حجاب اور واسطہ نہ ہو تو یہ مثال ہے عین الیقین کی۔ اور اگر وہی کوئلہ آگ سے انصال کی وجہ سے خود مشتعل ہوجائے اور اسمیں آگ کی حرارت اور اس جیسی روشنی آجائے اور اسکے ذاتی اوصاف نار کے اوصاف میں فنا ہوجائیں بایں طور کہ اسکی ذاتی ظلمت مبدّل بہ نور نار ہوجائے تو یہ مثال ہے حق الیقین کی جسے یہ حضرات فنا سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔

پس وہ چیز جو کہ بندے سے فنا ہوتی ہے وہ اسکی صفات ہیں نہ کہ ذات۔ اس لئے کہ ذات کا فنا تو خلاف واقع ہے۔ اور اس کا اعتقاد صریح گمراہی ہے۔ اگرچہ اصحاب شطح سے ایسی چیزیں صادر ہوئی ہیں جن سے فنا ذات ہی کا گمان ہوتا ہے۔ مگر وہ شطحیات ہیں۔

حاصل یہ کہ اس قوم کے جملہ علوم ذوقیہ ہیں۔ عبارت والفاظ ان کے سمجھانے سے قاصر ہیں بس جس نے چکھا اسی نے جانا (انتہیٰ من السیر والسلوک بتصرف)

الحی یحصل له البقا بالحی فیحیا حیاۃً طیبۃً
فی الدنیا والاٰخرۃ وبعد الموت فان
ھٰذا الاسم یشابه ماء الحیاۃ واذا
زال فناءہ دخل فی المقام السادس و
ترقی من الباب الی منازل الاحباب
واتصف بالصفات الکمالیۃ وھی
خلعۃ کنت سمعه الذی یسمع به و
بصره الذی یبصر به المعبر عنه
بقرب النوافل۔

ثم لابد لصاحب ھٰذا المقام من
اسماء یذکر بھا تسمّٰی بالفروع وھی
الوھّاب بیاء النداء مع الاسم الخامس
لیسھل علیه الانتقال الی المقام السابع
الذی ھو الیه فی غایۃ الاحتیاج و
کما ان مفتاح ھذا المقام اسمه تعالٰی
حی فمفتاح ھذا الاسم ان تذکر بالاسم
الاوّل وھو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللہ قبله من
مائۃ الی ثلاث مائۃ وفی ذٰلک سرٌّ
بدیعٌ یعرفه اھله ونحن قد اخذنا
عن استاذنا ان نذکر قبل کل اسم بالاسم
او الاسماء التی قبله مائۃ مائۃ ولابد

اسے حی کے ساتھ بقا حاصل ہو جائیگی۔ پس اسکو دنیا اور آخرت
میں اور موت کے بعد غرض ہر حالت میں حیات طیبہ کے
ساتھ زندگی نصیب ہو جائیگی اس لئے کہ یہ اسم مشابہ ہے
ماء حیات کے۔ اور جب سالک سے اسکی فنا زائل ہو جائیگی
تو وہ مقام سادس میں داخل ہو جائیگا۔ اور اب وہ باب سے
منازل احباب کی جانب ترقی کر جائیگا اور صفات کمالیہ
کے ساتھ متصف ہو جائیگا۔ یعنی اب وہ کنتُ سمعه الذی
یسمع به وبصره الذی یبصر به جس کی دوسری تعبیر
قرب نوافل ہے، اسکے خلعت سے نوازا جائیگا۔

پھر اس مقام والے کے لئے بعض اسماء کے ساتھ
ذکر کرنے کی ضرورت ہے جو کہ فروع کہلاتے ہیں اور وہ
الوہاب الفتاح الواحد الاحد اور الصمد ہے۔ پس چاہئے
کہ سالک اللہ تعالیٰ کے اسم الوہاب سے پہلے یا ندائیہ لگا کر
اسم خامس کے ساتھ اس کا ذکر کرے تاکہ اس سے مقام سابع
کی جانب انتقال آسان ہو جائے جس کا یہ بہت زیادہ محتاج
ہے۔ اور جس طرح سے کہ اس مقام کی مفتاح اللہ تعالیٰ کا
اسم حی تھا پس مفتاح اس اسم کا یہ ہے کہ تم اسکے ذکر سے
پہلے اسم اول یعنی لَا اِلٰهَ اِلَّا اللہ کا ذکر ایک سو سے لے کر
تین سو تک کرو۔ اور اسمیں کچھ عجیب وغریب بھید ہے
جسے اہل اللہ جانتے ہیں۔ اور ہم نے تو اپنے استاذ سے یہ
سیکھا ہے کہ ہر اسم کے ذکر سے پہلے اس سے پہلے والے ایک

لذلک من سترها ایضاً

اسم یا جملہ اسماء کا ذکر سو سو بار کر لیا کرے۔ اور اسمیں بھی خاص تاثیر

الباب التاسع فی المقام السادس فی النفس المرضیة وعجائبها و کمالاتها وما تحتوی علیه من الحظ الوافر فی المحبة الکاملة

(فمن کمالاتها التی لا تحصی) حسن الخلق
وترک ما سوی الله تعالیٰ واللطف
بالخلق وحملهم علی الصلاح والصفح عن
ذنوبهم وحبهم والمیل الیهم لاخراجهم
من ظلمات طبائعهم لا کالمیل الذی
فی النفس الامارة لانه لا یکون الا
لعلة ـــ ومن عجائبها انها تجمع
بین حب الخلق والخالق وهذا شیٔ
عجیب لا یتیسر الا لاصحاب هذا المقام
ولذلک کان السالک فی
هذا المقام لا یتمیز عن عوام الخلق
بحسب ظاهره

واما بحسب باطنه فهو معدن
الاسرار وقدوة الاخیار لیس فی
شهوده شیٔ من الاغیار من حیث هی
اغیار وهو دائرة العلم اللدنی وسمیت
هذه النفس بالمرضیة لان الحق

(نواں باب مقام سادس میں ہے جسمیں کہ نفس مرضیہ اور اسکے عجائبات اور کمالات کا نیز بہت سے ان امور کا جن پر یہ مقام مشتمل ہے بیان ہے، اور محبت کاملہ کی بھی اسمیں قدرے تفصیل ہے)

چنانچہ نفس مرضیہ کے کمالات میں جو یوں تو بیشمار ہیں ایک
حسن خلق ہے اور ترک ماسوی اللہ ہے، اور مخلوق کے ساتھ
لطف اور مہربانی کے ساتھ پیش آتا ہے۔ اور انکو نیکی اور صلاح
پر ابھارنا ہے اور انکی خطاؤں سے درگذر کرنا ہے۔ اور ان کی
جانب میلان اور ان سے اسلئے محبت کرنا ہے کہ انکو ان کی
طبیعت کی ظلمتوں سے نکالے۔ نہ ایسا رجحان اور میلان جیسا
کہ نفس امارہ میں ہوا کرتا ہے کیونکہ وہ تو کسی نفسانی غرض
کے تحت ہوا کرتا ہے ـــ اور اس نفس کے عجائبات میں سے
یہ ہے کہ تم حُبِ خلق اور حُبِ خالق کے جامع ہوگے۔ اور یہ
حال عجیب وغریب ہے جو کہ اسی مقام والوں کیلئے حاصل ہوتا ہے یہی
وجہ ہے کہ سالک جب اس مقام میں ہوتا ہے تو اسمیں اور
عام مخلوق میں ظاہری اعتبار سے تمیز مشکل ہوجاتی ہے۔

اور رہا باطن کا معاملہ تو اسکے اعتبار سے تو یہ سالک
اسرار الٰہیہ کا معدن اور اخیار امت کا پیشوا ہوتا ہے۔ اسکے
سامنے اغیار میں سے کوئی شئی اغیار ہونیکی حیثیت سے باقی
نہیں رہجاتی۔ اور اس مقام میں پہونچکر وہ علم لدنی کا احاطہ
کرنیوالا ہوجاتا ہے ـ اور اس نفس کو مرضیہ اسلئے کہا جاتا ہے

تعالی قد رضی عنہا۔

ومن صفات السالک فی هٰذا المقام الوفاء بما وعد ولا یمکن ان یخلف وعدہ اصلاً ووضع کل شیٔ فی موضعہ فینفق الکثیر اذا صادف محلہ حتی یظن الجہول انہ اسرف ویبخل بالقلیل اذا لم یصادف محلہ حتی یظن انہ بخیل۔

کہ حق تعالیٰ اس سے راضی ہوجاتے ہیں۔

چنانچہ اس مقام میں پہونچکر سالک جن صفات کا حامل ہوتاہے۔ انہیں سے ایک یہ ہے کہ جو وعدہ وہ کرتا ہے اس کا ایفاء کرتاہے۔ یعنی ایفاء وعدہ اسکی خو اور طبیعت بن جاتی ہے کہ اب وہ اسکے تخلف پر قادر نہیں ہوتا۔

اسی طرح سے ایک صفت اسمیں یہ پیدا ہوجاتی ہے کہ اسکو ہر شیٔ کو اسکے محل اور مقام پر رکھنے کی عادت ہوجاتی ہے یعنی اسکی طبیعت میں ایک نظم اور انتظام پیدا ہوجاتا ہے۔ چنانچہ موقع اور محل پاجانے پر کثیر سے کثیر رقم بھی خرچ کردینے میں اسکو باک نہیں ہوتا یہانتک کہ جو لوگ کہ اسکے حال سے ناواقف ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ شخص مسرف ہے۔ اور اگر مصرف اور محل نہو تو پھر قلیل رقم بھی خرچ کرنا اسپر بار ہوگا جسکی وجہ سے اسکے متعلق یہ گمان ہونے لگتا ہے کہ نہایت ہی بخیل آدمی ہے۔

ولا یزداد مادحہ اذا لم یکن اہلاً للاعطاء الا تعباً واذا کان ذامہ محلاً للاعطاء فلا یمنعہ حقہ لاجل ذمہ۔ وهٰذہ احوال الکاملین ارباب القلوب۔

اسی طرح سے جو شخص اسکی مدح وغیرہ کرتا ہے (اور مقصود اسکا اس سے طلب مال ہوتا ہے) تو اگر وہ اعطاء کا محل نہو تو اسکی مدح سے اسکو سوائے تعب کے اور کچھ ہاتھ نہ لگے گا۔ اور اگر کوئی شخص اعطاء کا محل ہے اور قصد کا مصرف ہوا تو اگر وہ اسکی مذمت بھی کریگا تو یہ اس کے حق کو محض اسوجہ سے کہ اس نے اسکی قدح کی ہے نہیں روکیگا۔ بلکہ اسکی غربت اور فقر کا لحاظ کرکے اسکو ضرور کچھ نہ کچھ دیگا۔ یہ سب احوال ان لوگوں کے ہیں جو کامل ہیں اور ارباب قلوب میں سے ہیں۔

ومن اوصافه ايضاً انه في
جميع شئونه في الحالة[۵۲] الوسطى بين
الافراط والتفريط وهذه الحالة لايقدر
عليها الا من كان في هذا المقام و
هي خفيفة على اللسان ثقيلة عند
الامتحان وكل احد يحب هذه الخصلة
ويحب من يتصف بها الا انها صعبة
فلا يقدر عليها غير اهلها۔
واعلم انك في اول هذا المقام
تلوح لك بشاهد الخلافة الكبرى

نیز اس شخص کے
اوصاف میں سے ایک خاص وصف یہ بھی ہے کہ اس مقام پہونچکر اسکو
ایسی استقامت حاصل ہوجاتی ہے کہ وہ اپنے تمام حالات میں
افراط وتفریط سے نکل کر میانہ روی اختیار کرلیتا ہے
اور یہ اعتدال ایک ایسی حالت ہے کہ بجز اس مقام والے کے
اور کوئی دوسرا اسپر قادر بھی نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ زبان سے کہنے
میں تو یہ بہت ہلکی پھلکی سی چیز معلوم ہوتی ہے مگر بوقت امتحان
اسکی دقت اور دشواری کا اندازہ ہوتا ہے ۔ اور یہ خصلت ایسی
پسندیدہ ہے کہ ہر شخص اسکو اور اس شخص کو جو اس سے متصف ہوتا ہے
محبوب رکھتا ہے ۔ مگر یہ کہ اسکی صعوبت اور دشواری کی وجہ سے

(قولہ[۵۲] فی الحالۃ الوسطی الخ) یعنی سالک کا ایک وصف اس مقام میں آکر یہ ہوجاتا ہے کہ
وہ افراط وتفریط سے نکل کر میانہ روی کا عادی ہوجاتا ہے ۔ مطلب یہ کہ کھانے میں، بھوکا رہنے
میں، سونے میں، جاگنے میں، غرض ان تمام حالتوں میں اعتدال کی راہ اختیار کرتا ہے جیسا کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خدا کی قسم میں تم سب سے زیادہ خدا سے ڈرتا ہوں اور
تم سب سے زیادہ متقی ہوں۔ لیکن میں روزہ بھی رکھتا ہوں۔ اور افطار بھی کرتا ہوں۔ نماز بھی پڑھتا
ہوں۔ اور سوتا بھی ہوں۔ (خالق سے بھی تعلق رکھتا ہوں اور) نکاح بھی کرتا ہوں۔ اور عورتوں
کے ساتھ بھی زندگی گزارتا ہوں ۔

اور وہ جو مجاہدہ کی حالت میں سالک کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ بہت کم کھائے، بہت کم سوئے
تو وہ حقیقۃً نفس کی پامالی کے لئے ہوتا ہے تاکہ وہ مقہور اور مغلوب ہوجائے کیونکہ مقصد اسکو
اعتدال کی حالت پر لانا ہوتا ہے ۔ جیسے سرکش گھوڑا کہ اس کا دانہ چارہ اس لئے روک دیا جاتا ہے تاکہ
وہ کمزور ہوکر منقاد ہوجائے پھر جب وہ مطیع ہوجاتا ہے تو اسکو عادت اور معمول کے مطابق چارہ
دیا جاتا ہے ۔۔۔ یہیں سے ابن فارض نے کہا ہے کہ میرا نفس ابتداءً امارہ تھا الخ

و فی الاخرۃ تخلع الیک خلعتہا ہی کنت سمعہ الذی یسمع بہ و بصرہ الذی یبصر بہ و یدہ التی یبطش بہا و رجلہ التی یمشی بہا فبی یسمع و بی یبصر و بی یبطش و بی یمشی و ھذا نتیجۃ قرب النوافل۔

بجز اسکے اہل کے دوسرا شخص اسکے ساتھ متصف ہونے پر قادر بھی نہیں ہوتا۔ اور یہ جانو کہ جیسے ہی تم اس مقام میں داخل ہوگے تو تمہارے لئے خلافت کبریٰ کے دلائل روشن ہونگے اور اس مقام کے آخر میں تم کو اسکی خلعت پہنائی جائیگی کہ "میں اسکا کان بنجاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اسکی آنکھ بنجاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اور ہاتھ بنجاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اور اسکا پاؤں بنجاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ غرض میرے ہی واسطے سے وہ سنتا ہے اور میرے ہی واسطے سے وہ دیکھتا ہے، اور میرے ہی واسطے سے وہ پکڑتا ہے، اور میرے ہی واسطے سے وہ چلتا ہے۔ اور یہ سب قرب نوافل کے ثمرات ہیں (یعنی اس مقام کے انعامات سے ہیں)

و تحقیق ھذا المقام ان السالک اذا وصل مقام الفناء ھو المقام الذی قبل ھذا المقام تمحق صفاتہ الذمیمۃ البشریۃ ھی محل الشقاوۃ بسبب تقربہ الی اللہ تعالیٰ بالنوافل والریاضۃ و مجاھدۃ النفس الجہاد الاکبر

اور تحقیق اس مقام کی یہ ہے کہ سالک جب مقام فنا کو پہونچ جاتا ہے جو کہ اس مقام سے پہلا مقام ہے تو اس کے اسکی صفات ذمیمہ بشریہ جو کہ محل شقاوت (اور منشاء شر بنا کرتی ہیں) بالکلیہ محو ہو جاتی ہیں اس لئے کہ نوافل، ریاضات اور نفس کے ساتھ جہاد اکبر کرنے کی وجہ سے اس کو اللہ تعالیٰ کا ایسا قرب حاصل ہو جاتا ہے جو کہ سبب ہو جاتا ہے اس سے ازالۂ رذائل کا۔

و ایاک ان تتوھم من ذلک الحلول تعالیٰ عن ذلک علواً کبیراً و ھذہ امور ذوقیۃ لا تدرک الا بالتائید و المعونۃ الالٰہیۃ و متی حاول العقل ادراکہا وقع فی زندقۃ

اور حدیث شریف میں یہ جو آتا ہے کہ میں اس کا کان ہو جاتا ہوں، آنکھ ہو جاتا ہوں الخ تو اس سے اللہ تعالیٰ کے متعلق حلول کا گمان نہ ہو (تعالی اللہ عن ذلک علواً کبیراً) اس لئے کہ یہ سب ذوقی امور ہیں جو کہ بدون تائید الٰہی اور امداد خداوندی کے سمجھ میں نہیں آتے۔ اور اگر عقل چاہے کہ اس تک پہونچے تو بس اسکے آگے زندقہ دھرا ہوا ہے

لان الفناء والبقاء وقرب الفرائض والنوافل ليس لهذه[1] الاشياء نظير في الخارج حتى تقاس عليه۔	کہ فنا اور بقا اسی طرح سے قرب فرائض اور قرب نوافل وغیرہ ان سب امور کے لئے خارج میں کوئی نظیر نہیں ہے کہ جن پر ان کو قیاس کیا جا سکے
واعلم ان آخر مقامات السالك وصوله الى صورته	اور (ایک بات) یہ سمجھو کہ سالک کا آخر مقام یہ ہے کہ وہ اپنی صورت آدمیت تک پہونچ جائے جو کہ ملائکہ کا

---

[1] قوله ليس لهذه الاشياء نظير الخ یعنی فنا، بقا قرب فرائض اور قرب نوافل ان سب امور کے لئے خارج میں کوئی نظیر نہیں ہے۔ بلکہ الفاظ و عبارات بھی نہیں ہیں جو ان کے مفاہیم کو ادا کریں۔ اور لفظ فنا اور بقا یہ قوم کی اصطلات ہیں جسکو اہل سمجھتے ہیں اور نا اہلوں کو سمجھانے کی ضرورت نہیں اور نہ وہ ممکن ہے چنانچہ علماء نے ان کے مفاہیم کو نا اہل کو سمجھانے کو تشبیہ اس سے دی ہے جیسے کہ تم کسی عنین کو جماع کی لذت سمجھانا چاہو۔ تو ظاہر ہے کہ یہ تمھارے لئے ممکن نہ ہوسکے گا۔ اور یہ اس لئے کہ اس کے لئے الفاظ نہیں جو اس کے معنی کا احاطہ کرلیں۔ اور اگر تم اسکو مثال سے سمجھاؤ مثلاً اس کی لذت کو شکر یا شہد سے تشبیہ دو تو تم نے اسکو اور دور لا ڈالا۔

اسی واسطے اہل طریق کہتے ہیں کہ ہم نے (بہت سی چیزوں کو) اشارہ سے تو سمجھ لیا لیکن جب وہ عبارت میں لائی گئی تو اور مبہم بن گئی۔

قوله صورته الآدمية الخ یعنی یہ جو کہا کہ سالک کا انتہائی مقام یہ ہے کہ وہ اپنی صورت آدمیت تک پہونچ جائے۔ تو اس کی تفصیل سنو!

روح انسانی جو کہ ایک لطیفۂ ربانی ہے جس کی حقیقت سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔ اس کے لئے کچھ اسماء اور مظاہر عالم کبیر میں ہیں اور کچھ اسماء و مظاہر عالم صغیر میں ہیں۔ اور عالم کبیر ان حضرات کے یہاں روح کے جسم انسانی میں آنے سے پہلے کے عالم کا نام ہے، اور عالم صغیر جسم انسانی میں آنے بعد کا عالم کہلاتا ہے۔ چنانچہ عالم کبیر میں روح انسانی کے اسماء یہ ہیں:۔

عقل اوّل، قلم اعلیٰ، لوحِ حقیقت محمدیہ، نورِ محمدی، نور احدی، نفس کلیہ، جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ۔

اور اس کے اسماء اور مظاہر عالم صغیر میں یعنی عالم انسان میں یہ ہیں :۔

اخفیٰ، خفا، سر السر، سر، روح، قلب، نفس ناطقہ اور لطیفۂ انسانیہ۔ اور وہ یعنی روح مذکور اس ذات کے امر میں سے ایک سرِ عظیم ہے جس کے لئے خلق و امر ثابت ہے۔ چنانچہ یہی روح اول موجود ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے وجود بخشا۔ چنانچہ یہ خلیفۂ اکبر ہے اور سرِ اعظم ہے۔ اور یہی روح انسانی جسم انسانی کے لئے بواسطۂ روح حیوانی کے مدبر ہے۔ اور یہ روح اشرف الاشیاء ہے۔ اور تجلیات ربانی کا محل ہے۔

حضرت سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رائی قلبی ربی یعنی میرے قلب نے میرے رب کو دیکھا۔ اور حدیث قدسی میں حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ لم یسعنی ارضی ولا سمائی و وسعنی قلب عبدی المومن اللین الوادع یعنی میری زمین اور میرا آسمان مجھے اپنے اندر سما نہ سکا اور مجھے سمایا جو تو میرے مؤمن بندے کے قلب نے ایسا بندہ جو نرم خو اور متقی ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ کو مؤمنین کے قلوب ہی دیکھ سکتے ہیں۔

اب ایک بات یہ سمجھو کہ روح انسانی جو کہ لطیفہ ربانی بھی ہے۔ جب اس نے اس عالم انسانی میں نزول کیا اور طبیعت انسانی ہی سے مانوس ہوئی تو اس کے سبب سے وہ ستر حجابات میں پڑ گئی۔

اب جو شخص یہ ارادہ کرے کہ اسکو اپنی اصلی حالت پر لوٹا دے جس پر کہ وہ حجابات میں پڑنے سے پہلے تھی تو اس کو چاہیئے کہ قوم صوفیہ کے طریق پر چل کر ان حجابات کے پھاڑنے کی کوشش کرے

اور ما قبل میں خلق اور امر کا جو ذکر آیا ہے تو اس کے متعلق یہ سمجھو کہ عالم امر جسے عالم ملکوت اور عالم غیب بھی کہا جاتا ہے، وہ ارواح اور روحانیات کے عالم کا نام ہے اس لئے کہ وہ روح محض اللہ تعالیٰ کے امر سے موجود ہوئی بدون کسی مدت یا مادہ کے واسطے کے۔

اور عالم خلق جسے عالم ملک اور عالم شہادت بھی کہا جاتا ہے، وہ اجساد اور جسمانیات کا عالم ہے۔ اور وہ بھی حق تعالیٰ کے امر سے وجود میں آتا ہے مگر مادہ اور مدت کے توسط سے۔ انتہیٰ

(ماخوذ از نتائج الافکار للعروسی)

الآدمية التي كانت قبلة الملائكة
التي حقيقتها الحقيقة المحمدية
وهو سر الله الاعظم وهذا غاية
القرب من حضرة الرب فاذا
وصل السالك اليها تحقق بالعبودية
المحضة والعجز والذل وعرف
نفسه بهذا الوصف فعرف
ربه باوصاف الربوبية لانه اذا
عرف نفسه بالذل والفناء عرف
ربه بالعز والبقاء وهكذا
ومتى كوشفت في هذه
الصورة وعلمت انها اعظم مطالب
السالكين اعلى منازل السائرين
جذبت في طلب الاستقامة على

قبلہ ہے اور جس کی حقیقت حقیقت محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والتحیہ
ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کا سر اعظم ہے۔
اور یہ مقام حضرت رب تعالیٰ سے غایت قرب کا ہے
چنانچہ جب سالک اس مقام پر پہونچ جاتا ہے تو عبودیت محضہ
اور عجز اور ذلت کے ساتھ متصف ہو جاتا ہے۔ اور پھر
اس جہت سے وہ اپنے نفس کا عارف ہو جاتا ہے۔ پس اپنے
رب کو اوصاف ربوبیت کے ساتھ پہچان لیتا ہے اس لئے کہ
جب اپنے نفس کو ذلت اور فناء کے ساتھ پہچان لیتا
ہے تو اپنے رب کو عزت اور بقاء کے ساتھ پہچان۔ اسی
طرح سے اور صفات کا حال ہے۔
اور جب نفس سالک پر یہ صورت منکشف ہو جاتی
ہے اور وہ جان لیتا ہے کہ یہ چیز تو سالکین کے اعظم مطالب
سے ہے اور سائرین الی اللہ کے بلند ترین مقامات میں سے
ہے تو یہی چیز اس کو طریق پر استقامت اور تمسک بالسنۃ

(قولہ الحقیقۃ المحمدیۃ) یہ جو کہا گیا کہ قبلہ ملائکہ کی حقیقت حقیقت محمدیہ ہے۔ یہ اس لئے
کہ اول وہ چیز جو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی وہ نور محمدی ہے۔ پس وہی قبضۂ اصلیہ ہے اور ہر
شخص مستحق محبت سے محبت کا اظہار کیا کرتا ہے۔ اور حقائق اسی سے عالم ظہور میں آئے ہیں۔ اور
اسی سے انھوں نے ترقی حاصل کی ہے
پس محمد صلی اللہ علیہ وسلم آدم علیہ السلام کے لئے بھی اکبر ہوئے۔ اسی طرح
سے علاوہ آدم علیہ السلام کے جملہ کائنات کے لئے اب اکبر ٹھہرے۔ خواہ وہ سفلی ہوں یا
علوی یا مرکب انتھیٰ
(قولہ لانہ اذا عرف نفسہ) یعنی جب اپنے نفس کو پہچانے مشاہدہ اور ذوق کے ساتھ

الطريقة والتمسك باذيال الشريعة والتلاوة الاسم السادس وهو القيوم فلا تزال مود بآداب الشريعة والطريقة والحقيقة لا يشغلك بعضها عن البعض الآخر الى ان تنتقل الى المقام السابع طالباً للتحقيق بالصورة الآدمية فاكثر من الذكر بالاسم المتقدم حتى تظفر بالمقصود و تلوح لك الاشارة بانتقالك للمقام السابع

والشریعت اور اسم سادس یا قیوم کے ذکر پر ابھارتی او آمادہ کرتی ہے۔

اسکے بعد پھر وہ سالک شریعت، طریقت اور حقیقت کے آداب کے ساتھ دائمی طور سے مؤدب ہوجا ہے ایسا کہ ان امور ثلٰثہ میں سے کوئی ایک بھی اس کے دوسرے سے شاغل و مانع نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ تر کرکے وہ مقام سابع میں اس سے منتقل ہوجاتا ہے تاکہ صو آدمیت کی حقیقت کا پتہ لگائے۔ پس اس کے لئے تم مذکور الصدر اسم یعنی یا قیوم کا ذکر کثرت سے کرو یہانتک کہ تم اپنے مقصد میں کامیاب ہوجاؤ یعنی تمہارے لئے مقام سابع میں منتقل ہوجانے کا اشارہ غیب سے کردیا جائے

الباب العاشر في المقام السابع في بيان النفس الكاملة و قربها وعودها

دسواں باب مقام سابع میں جس میں نفس کاملہ اور اس کے قرب کا اور اس کے عود کرجانے کا بیان ہے

اعلم ان هذا المقام اعظم المقامات لانه قد كملت فيه سلطنة السالك وتمت فيه المكابدة والمجاهدة وقد وصل صاحبه الى علم اليقين وعين اليقين وحق اليقين. واتصف بجميع ماذكر من الاوصاف الحميدة و ليس لصاحب هذا المقام مطلب

جان لو کہ یہ مقام جملہ مقامات سے اعلیٰ و ارفع ہے اس لئے کہ اس مقام میں آکر سالک کی سلطنت مکمل ہو ہے۔ اور اس کا مکابدہ اور مجاہدہ تمام ہوچکتا ہے۔

اور اس مقام کا صاحب علم الیقین اور عین الیقین اور حق الیقین تک پہونچ جاتا ہے۔ اور جس قدر اوصاف حمیدہ پہلے ذکر کئے گئے ہیں ان سب کے ساتھ متصف ہے۔ چنانچہ اس مقام والے کے لئے سوا اپنے مولیٰ تعالیٰ کی رضاجوئی کی فکر کے اور کوئی دوسرا مقصد ہی نہیں ہوتا

سوی رضوان مولاہ حرکاتہ
حسنات وانفاسہ قدرۃ و
حکمۃ وعبادۃ ۔ ان راہ الناس
ذکروا اللہ تعالیٰ۔ وکیف لایکون
ذلک وھو ولی اللہ بل کان ولیا
وھو فی المقام الرابع الا ان
المقام الرابع مقام اولیاء العوام
والمقام الخامس مقام اولیاء
الخواص والمقام السادس مقام
الاولیاء الذین ھم خواص الخواص
والمقام السابع مقام الخلافۃ
الکبریٰ۔ فسبحٰن من لامانع
لمن اعطی ولا معطی لمن منع
واعلم ان صاحب ھذا المقام
لایفتر عن العبادۃ ابداً اما
بجمیع بدنہ او لسانہ او قلبہ
او یدیہ او رجلیہ وجمیع جوارحہ
لا تغفل عن اللہ تعالیٰ طرفۃ
عین وھو کثیر الاستغفار کثیر
التواضع سرورہ ورضاہ فی
توجہ الخلق للحق وحزنہ وغضبہ
فی ادبارھم عنہ یحب طالب الحق
اکثر من محبۃ ولدہ الذی من

اسکی حرکات حسنات ہوتی ہیں۔ اور اسکی ایک ایک سانس
قدرت، حکمت اور عبادت شمار ہوتی ہے اسکی
شان یہ ہوتی ہے کہ اگر لوگ اس کو دیکھیں تو
ان کو اللہ تعالیٰ کی یاد آجائے۔ اور ایسا کیوں نہ ہو
یہ شخص ولی اللہ بھی تو ہے۔ بلکہ وہ تو اب سے بہت
پہلے جبکہ وہ مقام رابع میں تھا تب ہی سے ولی ہو چکا ہے
مگر یہ کہ یہ مقام رابع ان اولیاء کا مقام ہوتا ہے جو ان میں
بمنزلہ عوام کے ہوتے ہیں۔ اور مقام خامس خواص اولیاء اللہ
کا مقام ہے۔ اور مقام سادس ان اولیاء کا
مقام ہے جو کہ اخص الخواص ہیں۔ اور مقام سابع خلافت
کبریٰ کا مقام ہے۔

پس پاک ہے وہ ذات کہ وہ جس کو جو (انعام)
دینا چاہے تو کوئی اس کو منع کرنے والا نہیں، اور جس کو
نہ دینا چاہے تو اسکو کوئی دینے والا نہیں۔ اور ایک
بات یہ سمجھو کہ اس مقام پر فائز ہونے والا عبادت میں
کبھی سست نہیں ہوتا۔ بلکہ ہر آن عبادت میں لگا رہتا
ہے خواہ اپنے تمام بدن سے۔ خواہ زبان سے، خواہ قلب سے
خواہ ہاتھ پاؤں سے۔ غرض اسکے جملہ جوارح اللہ تعالیٰ
سے ایک آن کے لئے بھی غافل نہیں ہوتے اور وہ ہر
وقت استغفار کرتا رہتا ہے۔ بہت زیادہ متواضع رہتا
ہے۔ اسکی خوشی اور اسکی رضا بس اسی میں ہوتی ہے کہ اللہ
کے بندے اللہ تعالیٰ کی جانب متوجہ ہو جائیں۔ اور اس
کا غم وغصہ صرف اس لئے ہوتا ہے کہ لوگ اُدھر سے ہٹے

صلبه وهو كثير الاوجاع قليل
القوى قليل الحركة ليس في قلبه
كراهة لمخلوق مع انه يامر بالمعروف
وينهى عن المنكر ويظهر الكراهة
لمستحقها لا تاخذه في الله لومة
لائم يرضى في عين الغضب و
يغضب في عين الرضا لكنه يضع
كل شئ في محله متى توجهت همته

الى كون من الاكوان اوجده
الله تعالى على وفق مراده و
ذلك ان مراده قد انطوى
في مراد الله تعالى وهذا غاية
المقامات فان اول المقامات
الصبر على مراد الحق تعالى و
اوسطها الرضا بمراده وآخره
ان تكون بمراده والى ذلك
الاشارة بحديث اذا احب
الله عبداً ابتلاه فان صبر
اجتباه فان رضي اصطفاه
ثم اذا سلك السالك
وقطع تلك الاطوار وثبت
قدمه فليكن ذكره بعد ذلك
لا اله الا الله على الدوام فانه

ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہ شخص طالب حق کو اپنی صلبی اولاد سے
بھی زیادہ چاہتا ہے۔ قویٰ اس کے نحیف ہوتے ہیں مگر
امت کا درد و غم اسکو الم رسیدہ کئے ہوتا ہے۔ اسکے قلب
میں کسی مخلوق سے نفرت نہیں ہوتی۔ حالانکہ امر بالمعروف
اور نہی عن المنکر اس کا منصب ہوتا ہے۔ باقی جو شخص کہ
اپنی حرکات ناشائستہ کی بنا پر مستحق کراہت ہوتا ہے تو
اسپر خفگی کا اظہار بھی کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں
اسکو کسی ملامت کرنیوالے کی ملامت کی پرواہ نہیں ہوتی عین غصہ
کی حالت میں راضی رہتا ہے۔ اور عین رضا کی حالت میں
ناراض رہتا ہے۔ مگر یہ کہ وہ ہر چیز کو اس کے محل اور مو
میں رکھتا ہے۔ اور جب اسکی ہمت کسی ہونے والی چیز کی
جانب متوجہ ہو جاتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس چیز کو اسکے ارا
کے موافق پورا فرما دیتے ہیں۔ اور یہ اس لئے کہ یہ اپنے ارادہ کو
اللہ تعالیٰ کے ارادہ میں فنا کر چکا ہوتا ہے۔ اور یہ سالک کے تمام
مقامات کی انتہا ہے اور سلوک کا منتہیٰ ہے۔ اس لئے کہ سب سے
پہلا مقام اللہ تعالیٰ کی مراد پر صبر کرنا ہے۔ اور درمیانی مقام
اللہ تعالیٰ کی مراد و مرضی پر راضی رہنا ہے۔ اور آخری مقام یہ ہے
کہ تم خود ہی سراپا انکی مراد بن جاؤ۔ اسی کی جانب اس حدیث
میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ سے محبت فرماتے
ہیں تو اولاً اسکو آزمائش میں ڈالتے ہیں پھر جب اسپر صبر
کر لیتا ہے تو اسکو منتخب فرما لیتے ہیں اور جب وہ راضی ہو جاتا
ہے تو اسکو مقرب اور مخصوص بنا لیتے ہیں۔ پھر جب سالک سلوک
طے کر لیتا ہے اور ان تمام مدارج کو قطع کر لیتا ہے اور اسمیں

يجد لذلك لذة عن غيره او يذكر بالاسماء السبعة وهو مخير بين ان يجعلها وردا لاسبوع بان يذكر كل اسم في يوم منه او يذكر كل يوم مقدارا من الاسماء كلها ۔

اس کا قدم راسخ ہو جاتا ہے تو مناسب ہے کہ اس کے بعد اس کا دائمی ذکر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ ہو اسلئے کہ اسکی وجہ سے اب وہ ایک ایسی لذت پائیگا جو اسکو غیر سے پھیر دینے والی ہوگی یا اسماء سبعہ کے ذکر کرے۔ چنانچہ اسکو اختیار ہے کہ چاہے تو انکو ہفتے کے دنوں پر تقسیم کردے بایں طور کہ ہر ہر اسم کو ہفتہ کے ایک ایک دن کے لئے مقرر کرے یا روزانہ ہی تمام اسماء کی ایک مقررہ مقدار کا ذکر کر لیا کرے ۔

واخبرني صديقنا الشيخ علاء الدين بن شيخ محمد عابدين المؤلف الشهير بان شيخه في هذه الطريقة الشيخ المهدي المغربي الخلوتي نزيل دمشق يامر مريديه بعد ختم الاسماء السبعة بان يذكروا بالجمعية هكذا لا اله الا الله ۔ الله هو حق حيٌ قيومٌ قهارٌ بتنوين الرابع والخامس والسادس مدة حتى تنقطع الخواطر والوساوس ۔

اور مجھے خبر دی ہے میرے صدیق محترم شیخ علاء الدین ابن شیخ محمد عابدین نے جو کہ ایک مشہور مؤلف گذرے ہیں کہ اس طریق میں ان کے شیخ مہدی مغربی خلوتی تھے جو دمشق میں آکر رہ پڑے تھے۔ اور یہیں کی سکونت اختیار کر لی تھی.

وہ اپنے مریدین کو اسماء سبعہ کے ورد کے ختم کے بعد حکم دیتے تھے کہ وہ لوگ خوب دلجمعی کے ساتھ اسی طرح ذکر کریں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ ۔ اللہ ھو ۔ حقٌ ۔ حیٌ قیومٌ ۔ قہارٌ یعنی چوتھے اور پانچویں اور چھٹے کلمہ کو تنوین کے ساتھ پڑھیں اور ان اذکار کو اسے زمانہ تک کرتے رہیں کہ قلب سے وساوس اور خواطر بالکلیہ نیست و نابود ہو جائیں۔

ثم يامرهم بعد ذلك بالذكر بالاسم الثاني الله الله لكن بادنى الجهر فاذا رجعت الخواطر للمريد رده للذكر بالجمعية ۔

پھر وہی شیخ مہدی اپنے مریدین کو اسم ثانی کا ذکر یعنی اللہ اللہ کی تلقین کیا کرتے تھے اور یہ فرماتے تھے کہ اس کو معمولی جہر کے ساتھ کیا جائے ۔

پھر جب کسی مرید کے خواطر او وساوس لوٹ آتے تھے تو شیخ بھی پھر اسے دلجمعی کے ساتھ ذکر کرنے کی دوبارہ تلقین فرماتے تھے ۔

وذكر الشيخ علاء الدين
المومى اليه انه وجد لذلك
فائدة عظيمة فسالته عن اشيا
شيخه فاخبرني انهم ينتمون
لسيد مصطفى البكري فهم من
فرقتنا القراباشية مع اني لم احد
ذلك في كتاب عن مشائخنا ولا
سمعته من احد منهم فكان هذا
الهام الهمه بعض اشياخه من
اهل المغرب وكل على بينة من
وقد اخذت عن الشيخ
المهدي المشار اليه للتبرك
وذكرت بالجمعية المارة الذكر
فما وجدت لها الفائدة التي
اخبرني بها الشيخ علاء الدين
الا انه كان ذكري بها مدة
قليلة وكيف ما كان فلا يترك
ما كان الوصول بسببه ولا يامن
نفسه وشيطانه اذ لا يتخلص
احد من وساوس الشيطان
مادام حيا وان كانت لا تؤثر في
الكامل انَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ
عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ " فالمنفي سلطنة
على قلب عباد الله المخلصين
دون خطراته +

اور شیخ علاء الدین نے جن کا ذکر اوپر آچکا ہے یہ بیان
کیا کہ انھوں نے اس ذکر میں عظیم فائدہ پایا۔
چنانچہ میں نے ان سے ان کے شیخ کے مشائخ کے
بارہ میں دریافت کیا کہ کس سلسلہ سے تعلق تھا؟ تو انھوں
نے مجھے یہ بتایا کہ ان کے سلسلہ کی انتہا سید مصطفی
بکری پر جاکر ہوتی ہے۔ پس اس لحاظ سے تو یہ لوگ
ہمارے ہی سلسلہ قراباشیہ ہی سے ہوئے۔ حالانکہ میں نے اپنے
مشائخ کے اوراد میں اسے پایا نہیں۔ اور نہ میں نے انہیں سے
کسی سے اسکو سنا۔ پس گویا یہ ایک الہام تھا جو اہل مغرب
کے بعض مشائخ کو ہوا اور ہر ایک اپنے رب کی جانب سے بینہ پر ہے۔
اور میں نے بھی شیخ مہدی سے جن کا ذکر اوپر آیا ہے
بیعت تبرک حاصل کی ہے۔ اور جمعیت کے ساتھ مذکورۃ
الصدر ذکر بھی کیا ہے۔ لیکن میں نے تو اس کا وہ فائدہ
نہیں پایا جس کی خبر مجھے شیخ علاء الدین نے دی تھی۔ باقی
یہ ضرور ہے کہ میں نے اس ذکر کو تھوڑے ہی دنوں تک
کیا تھا بہر نوع جو صورت بھی ہو جس چیز کے ذریعہ سالک کو وصول
ہوا ہو اسے اسکو چھوڑنا نہیں چاہئے۔ اور اپنے نفس اور
شیطان کی جانب سے مامون نہیں ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ
وساوس شیطانیہ سے کوئی شخص تازیست خلاصی نہیں
پاسکتا اگرچہ یہ ضرور ہے کہ کامل شخص اسکے اثر اور ضرر سے
محفوظ رہتا ہے (اللہ تعالی نے شیطان کو یہ سنا دیا کہ میرے جو نیک بندے
ہیں، تیری چال اور داؤں ان پر کچھ نہیں چلے گا" مگر اس نص میں شیطان
کی سلطنت یعنی اس کا تسلط اور غلبہ اللہ کے مخلصین بندوں کے قلب
پر ہونے کی نفی کی گئی ہے، اس کے وساوس اور خطرات کی نہیں کی گئی
ہے۔ اسلئے یہ تو ہوتا رہیگا۔

وسمعت من استاذنا رحمہ اللہ تعالیٰ ان السالک بعد اکمال الاسماء۔ ینتقل بعد ذالك للذکر القلبی کالنقشبندیۃ ولعل ھذا فی عامۃ اوقاتہ فاذا وجدت خلوۃ فی بعض الاوقات یذکو بالجھر وھو الذکر الذی کان الوصول بسببہ۔ انتھیٰ +

اور میں نے اپنے استاد رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ سالک اسماء سبعہ کے ذکر کی تکمیل کے بعد ذکر قلبی کی جانب منتقل ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ نقشبندیہ کے یہاں معمول ہے۔ اور شاید کہ یہ ذکر قلبی اس کے عام اوقات کا وظیفہ ہو باقی جب کسی وقت خلوت اور تنہائی پاوے تو پھر ذکر جہری لسانی کرے کیونکہ یہی وہ ذکر ہے جسکے سبب اسے وصول نصیب ہوا ہے۔ انتہیٰ (لہٰذا اس کو بالکلیہ نہیں ترک کر دینا چاہیئے)

الخاتمۃ فی اوراد الطریق وحکم اولئك الفریق

خاتمہ طریق کے اوراد اور اس جماعت کے حکم کے بیان میں

اعلم ان الادعیۃ لھادخل عظیم فی تسھیل الطریق لما فیھا من اظھار الفاقۃ والعجز ولما ان الدعاء مخ العبادۃ بل قال بعضھم ان الاوراد للمرید کالطھارۃ للصلوٰۃ وکالجناح للطائر ولذالك وضع مشائخ الطریق الاوراد والاحزاب ورتبوا اعمال الیوم واللیلۃ ۔ ثم ان الاوراد ماھو عام وھو

جانو کہ ادعیہ کو طریق کے سہل کرنے میں بڑا دخل ہے اسلئے کہ اس میں فاقہ اور اپنے عجز کا اظہار ہوتا ہے نیز اس لئے بھی کہ دعا عبادت کا مغز ہے۔ بلکہ بعضوں نے تو یہاں تک کہدیا ہے کہ مرید کے حق میں اوراد کا درجہ ایسا ہے جیسے طہارت کا نماز کے حق میں یا بازو کا پرند کے حق میں۔ اس لئے مشائخ نے (ہر زمانہ میں) اوراد واحزاب کو جمع کیا ہے اور روز و شب کے اعمال مسنونہ کے مرتب کرنے میں محنت صرف کی ہے۔ پھر یہ سمجھو کہ ان ادعیہ میں سے بہت سی دعائیں تو ایسی ہیں جو کہ عام حالات کے

ما ورد عن الرسول صلی اللہ علیہ وسلم
وعن اصحابہ رضوان اللہ تعالے علیھم
اجمعین ۔ ومنھا ما ھو خاص وھو ما
ورد عن الاشیاخ ثم منھا ما یقال
عقب الصلوات ومنھا ما یقال صباحًا
ومساءً ومنھا ما یقال فی ایام مخصوصۃ
کالایام الفاضلۃ ومنھا ما یقال
عند الحوادث ۔

وفی کتاب الاحیاء للغزالی والمنھل
العذب للسید مصطفے البکری والدر
المنتقیٰ فی اوراد الیوم واللیلۃ والاذکار
للنووی من ذالک الجم الغفیر ولنذکر لک
طرفا مما یحضرنا الاٰن ۔

فاما ما یقرأ خلف الصلوات
فاھم قرأۃ اٰیۃ الکرسی والتسبیح
والتحمید والتکبیر ثلاثا وثلثین و
ذالک اصح ما ورد مما یقال عقب
الصلوٰۃ ۔

واما ما یقال فی الصباح والمساء
فاھم دعاء حفظ الایمان الوارد عنہ
صلے اللہ تعالی علیہ وسلم وھو اللھم
انی اعوذ بک من ان اشرک بک شیئًا

لئے ہیں اور بعض وہ دعائیں بھی ہیں جو رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم سے یا حضرات صحابہؓ سے منقول
ہیں۔ اور بعض ان میں سے خاص دعائیں ہیں جو کہ
مشائخ سے منقول ہیں۔ پھر ان میں سے بھی کچھ
ایسی ہیں جو نمازوں کے بعد پڑھی جاتی ہیں اور
بعض وہ ہیں جو صبح و شام پڑھنے کے لئے ہیں۔
اور بعض ان میں سے ایسی ہیں جو خاص خاص اوقات
میں پڑھی جاتی ہیں۔ مثلاً فضیلت والے ایام میں اور بعض
ان میں سے وہ ہیں جو مخصوص حالت میں پڑھی جاتی ہیں۔
چنانچہ امام غزالیؒ کی احیاء العلوم میں اسیطرح سے سید
مصطفے بکری کی المنہل العذب میں اور کتاب الدر المنتقی فی اوراد
الیوم واللیلہ میں اور علامہ نووی کی کتاب الاذکار میں
ان سب عملوں کا ایک خاصا ذخیرہ موجود ہے۔ ہم یہاں
تمہارے سامنے اس کا کچھ حصہ جو مجھے مستحضر ہے بیان کرتے ہیں۔

سنو! نمازوں کے بعد جو دعائیں پڑھی جاتی
ہیں ان سب میں اہم آیۃ الکرسی کا پڑھنا ہے۔
اسی طرح سے سبحان اللہ، الحمد للہ اور اللہ اکبر کا ۳۳ بار
کہنا ہے۔ چنانچہ نماز کے بعد کے اوراد میں سے صحیح
ترین ورد یہی ہے۔

رہی صبح و شام کی دعائیں تو ان میں سب سے
اہم دعائے حفظ ایمان ہے جو کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم سے ثابت ہے اور وہ یہ ہے کہ تین بار یہ دعا
پڑھے کہ اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں اس بات سے

وانا اعلم واستغفرك لما لا اعلم انك انت علام الغیوب ثلاثا۔

میں تیرے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراؤں. درآنحالیکہ میں جانتا ہوں (کہ تیرا کوئی شریک وسہیم نہیں ہے) اور تجھ سے بخشش طلب کرتا ہوں اس چیز کے بارے میں جسے میں جانتا نہیں. بیشک آپ ہی غیب کے جاننے والے ہیں۔

ومن ادعیة حسن الخاتمة ایضًا اللھم اختم لی منك بخیر فی عافیة من غیر سابقة عذاب ولا محنة ثلاثًا فی الصباح وثلاثًا عند النوم۔

اسی طرح سے حسن خاتمہ کی دعاؤں میں سے ایک دعا یہ ہے تین بار صبح اور تین بار شام کو یہ کہے کہ اے اللہ اپنے فضل سے میرا خاتمہ بخیر فرما یعنی عافیت کیساتھ ہو اسطرح سے کہ نہ تو اسمیں پہلے کے عذاب کی سختی اٹھانی پڑی ہو اور نہ کسی قسم کا تعب و مشقت ہی برداشت کرنی پڑے۔

ومنھا بعد صلوٰة رکعتی الاوابین اللھم انی استودعك دینی فاحفظه علی فی حیاتی وعند مماتی وبعد وفاتی +

انھیں دعاؤں میں سے ایک یہ ہے کہ اوابین کی دو رکعتوں کے بعد یہ کہے کہ اے اللہ میں اپنے دین کو تیرے پاس امانت رکھتا ہوں تو اس کی حفاظت فرما میری حیات میں بھی اور موت کے وقت بھی اور بعد وفات کے بھی۔

ومنھا ان یقول بین سنة الفجر والفریضة اربعین مرة یاحی یاقیوم یابدیع[ه] السموات والارض یاذوالجلال والاکرام

انھیں میں ایک یہ ہے کہ فجر کی سنت اور فرض کے درمیان میں چالیس بار یہ کہے۔ اے حی، اے قیوم اے آسمان اور زمینوں کے بنانے والے۔ اے جلال اور اکرام والے اے اللہ نہیں ہے کوئی معبود سوا آپ کے

[ه] قولہ یابدیع السموات الخ لیکن مشہور یہ ہے یاحی یاقیوم لا الٰہ الا انت اور ایک روایت میں یاصمد چالیس بار پڑھنا آیا ہے۔ اس کو شیخ احمد جنیدی نے اپنے رسالہ الصدق والتحقیق لمن اراد ان یسیر بسیر اهل الطریق میں لکھا ہے اور قل ھو اللہ احد گیارہ مرتبہ اور سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم، سو مرتبہ کا اضافہ کیا ہے۔ جیسا کہ اس کتاب میں بھی دو ورق کے بعد آتا ہے۔ ۱۲ منہ

يا الله لا اله الا انت اسئلك ان تحيي قلبي يا الله يا ارحم الراحمين۔

آپ سے میں سوال کرتا ہوں کہ آپ میرے قلب کو حیات بخشئے اے اللہ اے سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والے۔

ولنرجع لما يقال صباحًا ومساءً

اب پھر صبح و شام کی دعاؤں کے بیان کی طرف لوٹتا ہوں ایک ان میں سے سید الاستغفار ہے یعنی

فمن ذالك سيد الاستغفار اللهم انت ربي لا اله الا انت خلقتني وانا عبدك وانا على عهدك ووعدك ما استطعتُ اعوذ بك من شر ما صنعت ابوء لك بنعمتك علي وابوء بذنبي فاغفرلي فانه لا يغفر الذنوب الا انت۔

یا اللہ تو ہی ہے رب میرا نہیں ہے کوئی معبود سوائے تیرے پیدا کیا تو نے مجھے اور میں بندہ تیرا ہوں اور میں تیرے عہد اور تیرے عذر پر ہوں جہاں تک طاقت رکھتا ہوں پناہ پکڑتا ہوں تیری اپنے اعمال کی برائی سے اقرار کرتا ہوں تیری نعمت کا اپنے پر اور اقرار کرتا ہوں اپنے گناہوں کا پس بخشئے مجھے کیونکہ نہیں بخشتا ہے گناہوں کو کوئی سوا تیرے۔

ومنها اللهم اني اصبحت منك في نعمة وعافية وستر فاتم نعمتك وعافيتك وسترك علي في الدنيا والآخرة ثلاثًا۔

اور انھیں میں سے ایک یہ ہے کہ تین باریوں کہے کہ اے اللہ میں نے صبح کی تیری نعمت عافیت اور تیرے ستر میں پس تو تمام کردے اپنی نعمت۔ عافیت اور ستر کو میرے اوپر دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

وفي المساء يقول امسيت بدل اصبحت فان الله تعالى يحفظ عليه ما ذكر۔

اور شام کے وقت اصبحت کے بجائے امسیت کہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ اس پر مذکورہ امور کی حفاظت فرماتے ہیں۔

ومنها اني في حمى الله ورسوله مرة فلا يتسلط عليه احد بما يكرهه۔

منجملہ ان کے ایک دعا یہ ہے کہ ایک باریوں کہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول کی حفاظت اور پناہ میں ہوں چنانچہ اس شخص پر کوئی شخص کسی برائی کے ساتھ مسلط نہیں ہو سکتا۔

ومنها المسبعات العشر[مہ] وحزب النووی والاوراد الاعلی والوظیفة لشیخ شیخنا السید القصبی والآیتان آخر البقرة۔

انھیں دعاؤں میں سے ایک مسبعات عشر ہے حزب نووی ہے۔ دوراعلیٰ ہے اور ہمارے شیخ کے شیخ سید قصبی کا وظیفہ ہے اور آخر بقرہ کی دو آیتیں ہیں۔

ومنها اللهم صل وسلم وبارك على سيدنا محمد وعلى محبيه بعدد فضائل لا اله الا الله ثلاثاً۔

منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ تین بار یہ کہے کہ اے اللہ صلوٰۃ وسلام اور برکت نازل فرمائیے۔ ہمارے سید محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ان کے محبین پر حسب قدر لا الہ الا اللہ کے فضائل ہیں۔

ومنها اللهم فاطر السموات والارض عالم الغيب والشهادة انی اعهد اليك فی هذه الحيوة الدنيا بانی اشهد ان لا اله الا انت وحدك لا شريك لك وان محمداً عبدك ورسولك فلا تكلنی الى نفسی فانك ان تكلنی

اور انھیں میں سے ایک یہ دعا ہے کہ تین بار یہ دعا پڑھے۔ اے اللہ آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے والے غیب وشہادت کے جاننے والے میں اپنی اس دنیوی زندگی میں تجھ سے عہد کرتا ہوں کہ میں گواہی دیتا ہوں اس بات کی کہ آپ کے سوا کوئی اللہ نہیں ہے آپ تنہا ہیں کوئی آپ کا شریک نہیں اور یہ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپکے بندے اور رسول ہیں لہذا آپ مجھے

مہ (قولہ المسبعات العشر) اور یہ سات بار سورۂ فاتحہ سات بار سورۂ ناس اسی طرح سے سورہ فلق سورۂ اخلاص سورۂ کافرون اور آیۃ الکرسی اور سبحان الله والحمد لله ولا اله الا الله والله اكبر ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظیم کو سات سات بار پڑھنا ہے اور اسکے بعد یہ درود اللهم صل على سيدنا محمد عبدك ونبيك ورسولك النبی الامی وعلى اله وصحبه وسلم سات بار اور اللهم اغفر لی ولوالدی وللمومنين والمومنات والمسلمين والمسلمات الاحياء منهم والاموات سات بار اور اللهم اجعل بی وبهم عاجلا واجلا فی الدين والدنيا والآخرة يا انت له اهل ولا تفعل بنا يا مولانا ما نحن له اهل انك غفور حليم جواد كريم غفور رحيم سات بار اور اللهم صل على سيدنا محمد بعدد معلوماتك دس بار اور یا جبار اکیس بار اور یا جبار اجبر حالی على وفق مرادك ولا تجعلنی جباراً على عبادك انك على كل شیء قدير۔ یہ دعائیں پڑھے۔

الی نفسی تقربنی من الشر و تباعدنی من الخیر وانی لا اثق الا برحمتك فاتخذ لی عندك عهداً توفینیه یوم القیمة انك لا تخلف المیعاد ثلاثاً فمن قرأه کان ممن اتخذ عند الرحمن عهداً فی قوله تعالیٰ لا یملکون الشفاعة الا من اتخذ عند الرحمن عهدا۔

ایک آن کے لئے بھی میرے نفس کے حوالہ نہ کریں۔ اگر آپ نے ایسا کردیا تو آپ مجھے شر سے قریب کردینگے اور خیر سے مجھے بعید کردینگے اور مجھے بجز تری رحمت کے کسی پر بھروسہ نہیں لہذا آپ بھی میرے لئے اپنے پاس ایک عدہ رکھ لیجئے جسکو آپ قیامت میں پورا فرمادیجئیگا (اور وہ وعدہ مغفرت ہے) بیشک آپ وعدہ خلافی نہیں کیا کرتے جو شخص اس دعا کو پڑھ لے گا تو وہ انلوگوں میں سے شمار ہوگا جن سے کہ گویا رحمان نے وعدہ کرلیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کوئی سفارش کا اختیار نہ رکھے گا مگر ہاں جس نے رحمن کے پاس اجازت لی۔

ومنها دعاء الفرج المروی عن الخضر علیه الصلوة والسلام ومن دعا به صباحاً ومساءً دام سروره وهدمت ذنوبه ومحیت خطایاه واستجیب دعاءه وبسط له فی رزقه واعطی امله واعین علی عدوه وکتب عند الله تعالیٰ صدیقا ولا یموت الا شهیداً وهو هذا۔

اور منجملہ انھیں دعاؤں کے ایک کشائش کی دعا ہے جو کہ حضرت خضر علیہ السلام سے مروی ہے۔ جس نے اس دعا کو صبح اور شام ورد میں رکھا تو وہ ہمیشہ خوش رہیگا اسکے گناہ مٹا دیئے جائیں گے اور اسکی خطایا محو کردیجائینگی اور اس کی دعا قبول کی جائیگی اسکے رزق میں وسعت کردیجائیگی اسکی امید پوری کردیجائینگی اور دشمن پر اس کی اعانت کیجائیگی اور اللہ تعالیٰ کے یہاں وہ صدیق لکھا جائیگا اور شہادت کی موت اسکو نصیب ہوگی۔ وہ دعا یہ ہے۔

اللهم کما لطفت فی عظمتك دون اللطفاء وعلوت بعظمتك علی العظماء وعلمت ما تحت ارضك کعلمك بما فوق عرشك وکانت وساوس الصدور کالعلانیة عندك وعلانیة

اے اللہ جس طرح سے کہ تو اپنی عظمت میں سب لطیفوں سے بڑھ کر لطیف ہے اور اپنی عظمت میں جملہ عظماء سے بڑھ کر اور تیرا علم زمین کے نیچے ویسے ہی ہے جیسا کہ تیرا علم اپنے عرش کے اوپر کے متعلق ہے اور سینوں کے وساوس تیرے نزدیک مانند علانیہ کے ہے اور علانیہ قول تیرے

القول كالسر في علمك وانقاد كل شئ بعظمتك وخضع كل ذى سلطان لسلطانك وصار امير الدنيا والآخرة كلهٔ بيدك اجعل لى من كل هم امسيت فيه فرجا ومخرجا۔

نزدیک ایسا ہے جیسے تیرے علم کی چھپی ہوئی کوئی چیز اور تیری عظمت کے آگے دنیا کی سب چیزیں منقاد ہوگئیں اور تیرے دبدبے کے آگے ہر دبدبے والا پست ہوگیا دنیا اور آخرت کے سارے امور تیرے قبضہ میں ہے (تو اے اللہ جب تیری ایسی شان ہے) تو کر دے میرے ہر غم کو جس میں میں نے رات گذاری ہو۔ فراخی اور کشادگی والا

وفى الصباح يقول اصبحت اللهم ان عفوك عن ذنوبى وتجاوزك عن خطيئتى وسترك على قبيح عملى اطمعنى ان اسئلك مالا استوجبه مما قصرت فيه ادعوك امنا واسئلك مستانسا وانك المحسن الى وانا المسيئى الى نفسى فيما بينى وبينك تتودد الى بنعمك واتبغض اليك بالمعاصى ولاكن الثقة بك حملتنى على الجرأة عليك فعد بفضلك واحسانك على انك انت التواب الرحيم۔ انتھی

اور صبح کے وقت یہ کہے میں نے صبح کی اے اللہ اس حال میں کہ آپ کا میرے گناہوں کا بخش دینا اور آپ کا میری خطاؤں سے درگذر فرما جانا اور آپ کا میرے ردی اور قبیح اعمال کی۔۔۔ ستر پوشی کرنا ان سب امور میں مجھے غیرت دلاتی ہے کہ میں آپ سے ایسی چیزوں کا سوال کروں جنکا میں اپنی کوتاہیوں کیوجہ سے مستحق نہیں ہوں تو میں مامون ہوکر تجھے پکارتا ہوں اور مانوس ہوکر تجھ سے سوال کرتا ہوں بیشک آپ ہی احسان کرنے والے ہیں میرے اوپر اور میں برائی کرنے والا ہوں اپنے نفس کی جانب ان امور میں جو میرے اور آپکے درمیان ہیں تو نے مجھے نعمت دیکر اپنی شفقت اور محبت کا ثبوت دیا اور میں نے نافرمانی کرکے تجھ سے بغض و عداوت رکھنے والوں کے ساتھ مشابہت اختیار کی بایں ہمہ آپ کے کرم اور شفقت پر جو مجھے بھروسہ ہے اس نے مجھے اس حالت میں بھی آپ پر جرأت کرنے پر ابھارا۔ بس آپ نے مجھ پر اب تک جس طرح سے فضل و احسان فرمایا اس کا اعادہ فرمایئے۔ بیشک آپ توبہ قبول کرنے والے ہیں اور رحم کرنے والے ہیں۔

ومنها الدعاء الذی لقنه
النبی صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم
لموسی بن جعفر الکاظم فی المنام
حین حبسه الرشید ظلماً فقال
قل هذه الکلمات فانك لا تبیت
اللیلة فی الحبس۔ فلما انتبه من
نومه قالها فکان الامر کذالك
وهی بعد البسملة والحمد للّٰه
والصلوة والتسلیم علیه صلی اللّٰه
تعالیٰ علیه وسلم۔ اللّٰهم یا
سامع کل صوت ویا سابق کل
فوت ویا کاسی العظام ومنشرها
بعد الموت۔ اسئلك باسمائك
العظام وباسمك الاعظم الاکبر
المخزون المکنون الذی لم یطلع
علیه احد من المخلوقین یا حلیماً
ذا الاناءة یا ذا المعروف الذی لا
ینقطع معروفه، ولا یحصی له
عدد فرّج عنی ففرج عنه تلك
اللیلة ببرکة تلك الکلمات۔
ولهن سر عظیم۔

اور منجملہ ان کے ایک وہ دعا ہے جسے نبی کریم صلی اللہ
تعالیٰ علیہ وسلم نے خواب میں حضرت موسیٰ ابن جعفر کاظم کو
تلقین فرمائی تھی جس وقت کہ رشید نے انھیں ظلماً قید کردیا
تھا پس آپ نے فرمایا کہ ان کلمات کو کہہ لو تو شب گذرنے
سے پہلے قید سے نکل جاؤگے۔ چنانچہ جب حضرت موسیٰ ابن
جعفر نیند سے بیدار ہوئے اور اس کو پڑھا تو ایسا ہی معاملہ
ہوا وہ دعا یہ تھی کہ اولاً بسم اللہ پڑھے پھر اللہ تعالیٰ کی
حمد کرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے اور
پھر یہ کہے کہ اے اللہ اے سننے والے ہر آواز کے اور صوت
کے اور اے پالینے والے ہر فوت کے اور اے ہڈیوں کو
گوشت پوست پہنا کر ان کو اٹھانے والے بعد موت کے
میں آپ سے سوال کرتا ہوں آپ کے بڑے بڑے ناموں
کے واسطے سے اور خاصکر آپ کے اس اسم اعظم کے
واسطے سے جو بہت بڑا ہے اور خزانہ میں چھپا ہوا رکھا ہے
جس پر مخلوقات میں سے کسی کو اطلاع نہیں۔ اے وہ ذات
جو نہایت ہی بردبار ہے اور جس کا ہر کام طریقے اور سلیقے سے
ہوتا ہے اور جسکی نیکیاں منقطع نہیں ہوتیں وہ نیکیاں جن کا
کوئی عدد احصا نہیں کرسکتا مجھ کو اس پریشانی سے نجات
دیجئے یعنی قید سے خلاصی عطا فرمائیے۔ چنانچہ ان کلمات
کی برکت سے اسی شب رہا کردیئے گئے اور ان کلمات
کے لئے سر عظیم ہے۔

ویزید فی الصباح ورد السحر وورد استار وفی المساء ورد الاستاذ السید القصبی وھو صلوتہ مشہورۃ مع منظومۃ السید بکری لاسماء اللہ الحسنی و ان کان ضعیف الھمۃ فیقتصر علی صلوات استاذنا الشیخ محمد رشید رحمہ اللہ تعالٰی مع المنظومۃ المعلومۃ وفی الجمعۃ سورۃ الکھف ودلائل الخیرات ووظیفۃ السید القصبی۔

اور صبح کے وقت کی دعاؤں میں وردالسحر اور وردِ استار کا اضافہ کرے اور شام کے اوراد میں استاذ سید قصبی کا ورد جس کا نام صلوت ہے اور مشہور ورد ہے اس کا اضافہ کرے اور اسی کے ساتھ ساتھ سید بکری نے اسمائے حسنی کو جو نظم کیا ہے اس کو بھی پڑھ لیا کرے اور اگر سالک ضعیف الہمت ہو تو چاہیئے کہ ہمارے استاذ شیخ محمد رشید رحمۃ اللہ علیہ کی صلوت مع اسمائے حسنیٰ منظومہ مذکورۃ الصدر پڑھ لیا کرے اور جمعہ کے دن سورہ کہف. دلائل الخیرات اور سید قصبی کا وظیفہ پڑھا کرے۔

(واما الادعیۃ التی بعد الصلوۃ)

(بہرحال وہ دعائیں جو نماز کے بعد ہیں)

فختم الصلوۃ السید البکری کفایۃ وان شاء زاد علیہ بعد صلوۃ الصبح الثلاث آیات اول سورۃ الانعام والثلاث آیات آخر سورۃ الحشر وتقول بین سنۃ الفجر و فریضتہ سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم استغفر اللہ مأۃ مرۃ ثم تضطجع علی شقك الایمن مستقبل القبلۃ وتقول فی اضطجاعك۔

تو سید بکری نے ختم الصلوۃ میں جو دعائیں جمع کردی ہیں وہ بہت کافی و وافی ہیں اور اگر کوئی چاہے تو اس پر کچھ اور زائد کرے. چنانچہ فجر کے بعد تین آیتیں سورہ انعام کے اول کی اور تین آیتیں سورہ حشر کے اخیر کی پڑھ لیا کرے. اور فجر کی سنت اور فرض کے درمیان سبحان اللہ وبحمدہ اور سبحان اللہ العظیم استغفر اللہ سو بار پڑھ لیا کرے پھر قبلہ رو ہو کر دائیں کروٹ پر لیٹ جائے اور تین بار اسی حالت میں یہ دعا پڑھے۔

اللھم رب جبریل ومیکائیل واسرافیل وعزرائیل[ف] ومحمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اجرنی من النار ثلاثًا وتصور نفسك فی ھذہ الضجعۃ انك فی اللحد ثم تجلس وتقول ایضًا بین سنۃ الفجر والفریضۃ یاحی یاقیوم لا الہ الا انت اربعین مرۃ والاخلاص احدے عشرۃ مرۃ ویزید بعد صلوۃ الجمعۃ قراۃ الفاتحہ والصمدیۃ والمعوذتین سبعًا سبعًا اللھم یاغنی یامبدع یامعید اغننی بحلالك عن حرامك وبفضلك عمن سواك ثلاثًا ثم سبحان اللہ العظیم وبحمدہ مأۃ مرۃ ویھدی ثوابھا لوالدیہ ویکثر من الصلوۃ

اے اللہ جو رب ہیں جبریل میکائیل اسرافیل اور عزرائیل اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مجھے دوزخ سے خلاصی عطا فرما اور اپنے اس لیٹنے کے متعلق یہ تصور کرو کہ تم گویا لحد (یعنی قبر) میں ہو پھر بیٹھو اور سنت اور فرض کے درمیان چالیس بار یہ پڑھو یاحی یاقیوم لا الہ الا انت اور گیارہ بار سورۂ اخلاص پڑھو اور جمعہ کی نماز کے بعد سورہ فاتحہ۔ صمدیت (یعنی قل ھو اللہ احد اللہ الصمد الخ) اور معوذ تین سات سات بار پڑھو اور اللھم یا غنی یاحمید یامبدع یامعید اغننی بحلالك عن حرامك وبفضلك عمن سواك تین بار پڑھو پھر سبحان اللہ العظیم وبحمدہ ایک سو مرتبہ پڑھو اور ان سب کا ایصال ثواب اپنے والدین کو کردو اور جمعہ کے دن میں بھی

ف (قولہ وعزرائیل الخ) رسالہ الصدق والتحقیق میں کچھ اور زیادتی بھی ہے یعنی عزرائیل کے بعد حملۂ عرش بھی لکھا ہے اور یہ بھی زیادہ کیا ہے کہ ان کے قول اجرنی من النار کے بعد اللھم اجرنی من النار سات بار کہہ لیا کرے اور سات بار اللھم ادخلنی الجنۃ کہہ لیا کرے اور یوں کہے کہ الموت الموت اللھم کما حکمت علی بالموت اسالك ان تکفینی شر سکرات الموت ویسکت سکتۃ لطیفۃ یتذکر فیھا انہ فی القبر جس میں یہ یاد کرے کہ وہ گویا قبر کے اندر موجود ہے۔ انتھی الخ

عليه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فى
يومها وليلتها ويواظب على الصيغة
الامية مأة مرة بعد عصرها
ويجلس بعد لصلوة العصر فى
مجلسه الذى صلى فيه ويقول
يا الله يا رحمٰن الى ان تغيب الشمس
ويزيد فى يومى العيدين لا اله الا
الله وحده لا شريك له له الملك
وله الحمد يحى ويميت وهو حى
لا يموت بيده الخير واليه المصير
وهو على كل شيئ قدير اربع مأته
مرة بين صلوة الفجر وصلوة العيد
ويزيد ايضًا الاستغفار بين الصلوتين
المذكورتين مأته مرة ويسبح ثلاثًا
تسبيحة ويهدى ثوابها لاموات
المسلمين وذالك فى جميع اليوم و
يزيد يوم عرفة قرأة الصمدية الف
مرة بعد الزوال ثم يدعو بما
شاء ويكثر من هذه الثناء فى
ذالك اليوم وهو الحمد لله بجميع
محامده كلها ما علمت منها وما لم
اعلم عدد خلقه كلهم ما علمت
منهم وما لم اعلم ويزيد يوم

اور رات میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر
درود کثرت سے پڑھو اور مواظبت کرے صیغہ
امیہ پر سو مرتبہ بعد عصر کے اور عصر کی نماز پڑھنے
کے بعد اسی جگہ بیٹھا رہے اور غروب شمس تک
یا اللہ یا رحمن کہتا رہے اور عیدین کے
دن یہ دعا زیادہ کردے لا الہ الا اللہ
وحدہٗ الی آخرہ یعنی نہیں ہے کوئی معبود
سوا اللہ واحد کے جس کا کوئی شریک نہیں اسی
کے لئے ملک ہے اور اسی کے لئے حمد ہے
وہی زندہ کرتا ہے وہی موت دیتا ہے اور وہ خود
زندہ ہے اسے موت کبھی نہ آئے گی اسی کے ہاتھ میں
خیر ہے اور اسی کی طرف لوٹ کے جانا ہے اور وہ
ہر شے پر قادر ہے۔ اس دعا کو نماز فجر اور عید کے
درمیان چار سو مرتبہ پڑھے اسی طرح سے ان دونوں
نمازوں کے درمیان میں چاہے تو سو بار استغفار کا
اضافہ کرے اور تین سو بار سبحان اللہ کا اور اس کا
ثواب اموات مسلمین کو پہونچادے اور یہ معمول
سب دنوں میں رکھے اور یوم عرفہ کے زوال کے بعد
صمدیہ کا وظیفہ ایک ہزار بار پڑھے اور پھر جو دعا چاہے
مانگے اور اس دن اس دعا کی کثرت رکھے یعنی تمام تعریفیں
اللہ کے لئے ہیں جو تعریفیں کہ میرے علم میں ہیں وہ
بھی اور جنہیں میں نہیں جانتا وہ بھی اور محامد
بقدر اس کی کل مخلوقات کے ہیں جنھیں میں جانتا

عاشوراء حسبنا الله ونعم الوكيل
نعم المولى ونعم النصير۔
سبعين مرة وسبحان الله
ملأ الميزان ومنتهى العلم و
مبلغ الرضا وزنة العرش
والحمد لله ملأ الميزان الخ و
لا اله الا الله ملأ الميزان الخ
والله اكبر ملأ الميزان الخ ثم
يقول لا ملجأ ولا منجأ من الله
الا اليه سبحان الله عدد الشفع
والوتر وعدد كلمات الله التامات
كلها اسئلك اللهم السلامة
برحمتك يا ارحم الراحمين
ولا حول ولا قوة الا بالله العلي
العظيم وهو حسبي ونعم
الوكيل وصلى الله على سيدنا
محمد النبي الامي وعلى آله
وصحبه وسلم تسليما كثيرا والحمد
لله رب العالمين سبع مرات۔
واما الاوراد التي تقرأ قبل
النوم فسورة تبارك الملك والواقعة
وآية الكرسي والصمدية والمعوذتين
ثلاثا ثلاثا وسبحان الله ثلاثا و

ہوں وہ بھی اور جنھیں میں نہیں جانتا ہوں وہ بھی
اور عاشورہ کے دن اس دعا کا اضافہ کرے حسبنا
الله ونعم الوکیل نعم المولی ونعم النصیر۔ اسکو ستر بار
پڑھے اور یہ دعا پڑھے۔ اللہ تعالیٰ کے لئے پاکی ہے میزان
بھر کر اور بقدر انتہائی علم کے اور بمقدار اس کی رضا کے اور
بوزن عرش کے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے لئے حمد ہے
میزان بھر کر بقدر انتہائی علم کے اور بقدر اس کی
رضا کے اور بوزن اس کے عرش کے اسی طرح سے لا اله
الا الله کا کلمہ میزان بھر کر بقدر منتہائے علم کے بمقدار اس
کی رضا کے اور بوزن اس کے عرش کے اسی طرح سے الله اکبر
میزان بھر کر بقدر منتہائے علم کے اور بمقدار رضا کے اور بوزن
عرش کے بھر کے لا ملجأ ولا منجاء الخ یعنی نہیں ہے کوئی پناہ گاہ
اور نجات کی جگہ اللہ تعالیٰ سے بھاگ کر بجز اللہ تعالیٰ کے دربار
کے۔ اللہ کیلئے پاکی ہے بمقدار جفت کے اور طاق کے اور بقدر اللہ
تعالیٰ کے کلمات تامات کے اے اللہ میں آپ سے سوال کرتا ہوں
سلامتی کا آپکی رحمت کیساتھ اے ارحم الراحمین نہیں پھرنا ہے
معصیت سے اور نہیں طاقت ہے طاعت کی مگر اللہ علی عظیم کے توفیق
کے ساتھ وہ مجھے کافی ہے اور اچھا کارساز ہے اور اللہ تعالیٰ کا صلوۃ
وسلام ہو ہمارے سید محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کہ نبی امی ہیں اور آپکے
آل پر اور اصحاب پر اور تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو سب عالم
کا پالنے والا ہے اس دعا کو سات بار پڑھے۔ بہر حال وہ دعائیں
جو سونے سے قبل پڑھنی چاہئیں پس ان میں سے سورہ ملک اور سورہ
واقعہ ہے اور آیۃ الکرسی اور صمدیہ اور معوذتین تین تین بار اور

ثلاثین والحمد للہ کذالك واللہ اکبر
اربعًا وثلثین ویقول باسمك ربی
وضعت جنبی وبك ارفعه عند
الاضطجاع اعوذ بعزة اللہ وقدرته
من نزغات الشیطین ان یحضرونی
الحمد للہ الذی علا فقھر و بطن
فخبر وملك فقدر الحمد للہ
الذی یحیی ویمیت وھو علی کل
شیئ قدیر۔ اللھم ان امسکت
نفسی فارحمھا وان ارسلتھا
فاحفظھا بما تحفظ به عبادك
الصالحین اللھم انی اسلمت
وجھی الیك وفوضت امری
الیك والجات ظھری الیك
رغبة ورھبة الیك لا ملجاء
ولا منجا منك الا الیك وصلی اللہ
علی سیدنا محمد النبی الامی و
علی اٰله وصحبه وسلم ثم یقول
استغفر اللہ العظیم الذی لا اله
الا ھو الحی القیوم واتوب علیه
ثلاثا ثم یقرأ اٰیة الکرسی وینام
علی خاتمتھا وقیل یختم ذالك
کله بقول لا اله الا اللہ فلعله

سبحان اللہ اور الحمد للہ ۳۳ بار اور اللہ اکبر ۳۴ بار
اور یہ دعا پڑھے اے میرے رب تیرے نام کیساتھ رکھا میں
نے اپنے پہلو کو اور تیرے ہی نام کے ساتھ میں اسے اٹھایا
اٹھتے وقت میں اللہ کے عزت اور قدرت کی پناہ مانگتا ہوں
شیاطین کے وساوس سے اور ان کے اپنے پاس آنے سے تمام
تعریف اس اللہ کے لئے جو برتر ہو کر غالب ہو گیا اور باطن
میں ہوا پس زبردست ہوا اور مالک ہوا پس قادر ہوا اور
تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس نے زندگی عطا فرمائی اور
موت دی اور وہ ہر شئے پر قادر ہے اے اللہ اگر تو روک لے
میری جان کو تو اس پر رحم فرما۔ اور اگر چھوڑ دے تو اس کو
تو اس کی حفاظت فرما ایسے طریقہ پر جس طرح آپ صالحین
بندوں کی حفاظت فرماتے ہیں۔ اے اللہ میں نے منقاد
کیا اپنے چہرے کو آپ کی طرف اور سپرد کیا اپنے معاملہ
کو آپ کی جانب اور ٹیک دی میں نے اپنی پشت آپکی طرف
آپ کے کرم کی امید کرتے ہوئے اور آپ کے عذاب سے
ڈرتے ہوئے کوئی سہارا اور کوئی بچاؤ نہیں ہے آپ سے بھاگ
کر مگر آپکی جانب اور درود و سلام ہو ہمارے سید محمد صلی
اللہ علیہ وسلم پر جو نبی امی ہیں پھر تین بار استغفار پڑھے
استغفر اللہ العظیم الی آخرہ پھر آیۃ الکرسی پڑھے
اور اسے ختم کرکے سو جائے اور کہا گیا ہے کہ سب سے آخر
میں لا الہ الا اللہ کہے اور پھر سو جائے اسلئے کہ شاید
اسی شب اس کا انتقال ہو جائے تو اس کا آخری
کلام اس دنیا میں یہی کلمہ ہو۔ پھر جب اس کی

يموت في نومه تلك فتكون اٰخر كلامه من الدنيا ثم اذا استيقظ من منامه او تقلب من جنب الى جنب فليذكر الله تعالىٰ واذا قام من النوم فليقل لا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد يحي ويميت وهو علىٰ كل شئ قدير ثلاثا۔

آنکھ کھلے یا ایک کروٹ سے دوسری کروٹ پھیرے تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے اور جب سو کر اٹھے تو تین بار یہ دعا پڑھے

لا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد يحي ويميت وهو علىٰ كل شئ قدير۔

؎ ١٥ ومن الادعية المهمة) یعنی اہم دعاؤں میں سے ایک وہ دعا ہے جو حضرت سیدنا حسنؓ سے مروی ہے اور یہ کہ اس دعا کو انھیں ان کے جد امجد حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم فرمایا تھا اور وہ یہ ہے۔ اللهم اقذف في قلبي رجاءك واقطع رجائي عن سواك حتى لا ارجو احدا غيرك اللهم وما ضعفت عنه قوتي وقصر عنه عملي ولم تنته اليه رغبتي ولم تبلغه مسألتي ولم يجر على لساني مما اعطيت احدا من اليقين فخصني به يارب العالمين انتهى۔

اور انھیں دعاؤں میں سے ایک دعائے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے یعنی اللهم انك تعلم سري وعلانيتي فاقبل معذرتي وتعلم حاجتي فاعطني سؤلي وتعلم ما في نفسي فاغفرلي ذنبي اللهم اني اسئلك ايمانا يباشر قلبي و يقينا صادقا حتى اعلم انه لا يصيبني الا ما كتبت لي ورضني بما قسمت لي۔ انتهى۔

اور انھیں دعاؤں میں سے ایک دعائے شدت ہے جسے امام غزالی رح نے نقل کیا ہے وہ یہ ہے :۔
يا مجلي عزائم الامور يا منتهى همة المهمومين يا من اذا اراد شيا انما يقول له كن فيكون احاطت بنا ذنوبنا وانت المذخور لها يا مذخورا لكل شدة ادخرتك لهذه الساعة فتب علي انك انت التواب الرحيم پھر کہو یا من لا يشغله سمع عن سمع يا من لا يغلطه كثرة المسائل يا من لا يبرمه الحاح الملحين اذقنا برد عفوك وحلاوة مغفرتك انك على كل شئ قدير وصلى الله على سيدنا محمد وعلى اله وصحبه وسلم واستغفر الله العظيم لجميع المومنين والمومنات۔ انتهى منه۔

وقد رتب شيخ شيخنا السيد
القصبي سورة الاخلاص وردا للعوام
الذين لا يقرؤن تقرأ في ليلة السبت
بعد المغرب عشرين مرة وليلة الاحد
ثلثين وهكذا كل ليلة تزيد عشرة
حتى تكون ليلة الخميس سبعين
مرة واما ليلة الجمعة فمأة مرة
وبالجملة فالادعية الواردة عقب
الوضوء وعند روية الهلال و
اول السنة واخرها وعند السفر
والرجوع منه وعند الخوف و
حدوث النعمة ونحو ذالك فاشياء
كثيرة غيران اهمها ادعية حفظ
الايمان وقراءة الاخلاص ثلاثا
في المرض لما روي انه من قرأها
ثلاثا في مرض موته فهو شهيد
ومنها الدعاء المروي عن
ابي هريرة رضي الله عنه ان
رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم
قال له يا ابا هريرة الا اخبرك بامر
هو حق من تكلم به في اول مضجعه
من مرضه نجاه الله تعالى من
النار قلت بلى يا رسول الله قال

اور ترتیب دی ہمارے شیخ کے شیخ سید
قصبی نے سورہ اخلاص کی اور اسے ان عوام کا ورد مقرر
کیا ہے جو زیادہ پڑھے لکھے نہیں ہیں کہ وہ سورہ اخلاص
کو شب شنبہ مغرب بعد بیس بار پڑھے اور شب یکشنبہ کو
تیس بار اور اسی طرح ہر شب دس کا اضافہ کرتے جائیں
یہانتک کہ شب پنجشنبہ کو ستر بار پڑھیں اور پھر شب جمعہ کو
سو بار۔ حاصل کلام یہ کہ یوں تو دعائیں بہت سی ہیں کوئی
وضو کے بعد کی ہے کوئی چاند دیکھنے کی ہے کوئی اول
سال اور آخر سال پڑھنے کی ہے سفر میں جلنے کی
اور سفر سے لوٹ کر پڑھنے کی ہے۔ خوف کے وقت
کی ہے کسی نعمت کے ملنے کے وقت کی ہے اور اس
کے مثل بہت سے مواقع کے لئے دعائیں وارد ہیں مگر
یہ کہ ان سب سے اہم دعائے حفظ ایمان ہے اور
مرض کی حالت میں تین بار قل ہو اللہ پڑھنا ہے اسلئے
کہ مروی ہے کہ جس نے اس سورہ کو اپنے مرض وفات میں
تین بار پڑھ لیا تو وہ شہید شمار ہوگا۔

انھیں دعاؤں میں سے ایک وہ دعاہے جو
ابی ہریرہ رض سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم نے ان سے فرمایا کہ اے ابوہریرہ کیا میں تم کو ایسی
چیز کی خبر نہ دوں جو کہ حق ہے جو شخص اسکو بیماری کی حالت
میں سوتے وقت پڑھے گا تو اس کو اللہ تعالیٰ دوزخ
سے نجات دے گا۔ میں نے عرض کیا کہ ضرور فرمائیے
یا رسول اللہ آپ نے فرمایا کہ یوں کہے کہ نہیں ہے

یقول لا الٰہ الا اللہ یحی ویمیت وھو حی لا یموت سبحان اللہ رب العباد والبلاد والحمد للہ کثیراً طیباً مبارکاً فیہ علی کل حال اللہ اکبر کبیراً ان کبریاء ربنا وجلالہٗ وقدرتہ لکل مکان اللھم ان انت امرضتنی لتقبض روحی فی مرضی ھذا فاجعل روحی فی ارواح من سبقت لھم منک الحسنیٰ وباعدنی من النار کما باعدت اولیاءک الذین سبقت لھم منک الحسنیٰ۔ انتھیٰ۔

کوئی معبود سوائے اس اللہ کے جو زندہ کرتا ہے موت دیتا ہے اور خود وہ زندہ ہے اس کو موت نہ آئیگی پاک ذات اللہ کی جو عباد اور بلاد کا رب ہے تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں ایسی تعریفیں جو بہت زیادہ ہیں اور طیب ہیں مبارک ہیں اور ہر حال میں ہیں اور اللہ اکبر اور کبیر ہیں اور بیشک ہمارے رب کی کبریائی اور اس کی جلالت اور اسکی قدرت ہر مکان اور ہر جگہ موجود ہے۔ اے اللہ اگر تو نے مجھے اسلئے بیمار ڈالا ہے تاکہ میری اسی بیماری میں میری روح قبض کرے تو کردے میری روح کو شامل ان لوگوں کی روحوں میں جنکے لئے تیری جانب سے حسن عاقبت مقدر ہو چکی ہے اور دور رکھ مجھے دوزخ سے جس طرح سے تو نے دور رکھا ہے اپنے ان اولیاء کو جنکے لئے آپکی جانب سے حسن عاقبت مقدر ہو چکی ہے۔

ومنھا ما ذکرہ فی الاحیاء عن سعید بن المسیب قال لما احتضر ابوبکر رضی اللہ عنہ اتاہ ناس من الصحابۃ وقالوا یا خلیفۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم زودنا فانا نراک لما بک فقال ابوبکر رضی اللہ تعالی عنہ من قال ھؤلاء الکلمات ثم مات جعل اللہ روحہٗ فی الافق المبین قالوا وما الافق المبین قال قاع بین یدی العرش فیہ ریاض وانھار واشجار یغشاہ کل یوم مأۃ رحمۃ۔

اور منجملہ انھیں دعاؤں کے وہ ہے جنکو احیاء العلوم میں سعید بن مسیب کی سند سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا آخری وقت ہوا تو ان کے پاس کچھ صحابہ آئے اور انھوں نے عرض کیا کہ اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ ہمیں کچھ توشہ دیتے جایئے اسلئے کہ آپکی جو حالت ہے وہ ہمارے سامنے ہے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے فرمایا جس شخص نے ان کلمات کو کہہ لیا اور پھر مرگیا تو اللہ تعالیٰ اسکی روح کو افق مبین میں کردینگے لوگوں نے پوچھا کہ افق مبین کیا ہے آپ نے فرمایا کہ عرش کے سامنے ایک بہت بڑا میدان ہے جسمیں باغات ہیں اور نہریں جاری ہیں اور درخت ہیں اس میدان پر ہر دن سو رحمت سایہ فگن ہوتی ہے پس جو شخص ان کلمات کو کہہ لیگا تو اللہ تعالیٰ اسکی روح کو اسی جگہ رکھیں گے۔

فمن قال ذالك القول جعل
الله روحهٗ فی ذالك المكان وهو
اللهم انك ابدعت الخلق من غير
حاجة بك اليهم ثم جعلتهم
فريقين فريق للنعيم وفريق للسعير
فاجعلني للنعيم ولا تجعلني للسعير۔
اللهم انك خلقت الخلق فرقًا و
ميزتهم قبل ان تخلقهم فجعلت
منهم شقياً وسعيداً وغوياً ورشيداً
فلا تشقني بمعاصيك اللهم انك
علمت ما تكسب كل نفس قبل ان
تخلقها ولا محيص لها مما علمت فاجعلني
ممن تستعمله بطاعتك اللهم ان
احداً لا يشاء حتى تشاء فاجعل
مشيتك ان اشاء ما يقربني اليك
اللهم انك قدرت حركات العباد
فلا يتحرك شیٔ الا باذنك فاجعل
حركاتي في تقواك اللهم انك خلقت
الخير والشر وجعلت لكل واحد
منهما عاملاً يعمل به فاجعلني به
من خير القسمين اللهم انك خلقت
الجنة والنار وجعلت لكل واحد
منهما اهلاً فاجعلني من سكان

اور وہ کلمات یہ ہیں کہ اے اللہ آپ نے تمام
مخلوقات کو پیدا کیا اس حال میں کہ آپ کو ان کی جانب
حاجت نہ تھی پھر آپ نے ان کو دو فریق بنایا ایک
فریق جنت کے لئے ایک فریق دوزخ کے لئے۔ پس
کر دیجئے مجھ کو جنت والے فریق میں اور مت کیجئے
دوزخ والوں میں سے۔

اے اللہ تو نے مخلوق کو پیدا کیا کئی فرقوں میں
اور انھیں پیدا کرنے سے پہلے ہی ممتاز کر دیا یعنی ان
میں سے بعضوں کو شقی و غوی بنایا اور بعضوں کو
سعید اور رشید بنایا۔ پس اے اللہ اپنی معصیت میں
مجھے مبتلا کر کے شقی نہ بنا اور اے اللہ تو جانتا ہے
نفوس کے پیدا کرنے سے پہلے ہی سے کہ ہر نفس کیا عمل
کرے گا پس اس کے لئے تیرے علم کے مقتضیٰ پر عمل
کرنے سے چارہ نہیں۔ پس اے اللہ مجھے بنا دیجئے ان
لوگوں میں سے جن سے تو نے اپنی طاعت کا کام لیا ہے
اور اے اللہ کوئی شخص چاہ نہیں سکتا جب تک تو نہ
چاہے پس کر دیجئے اپنی مشیت کو یہ کہ میں چاہوں اسی چیز کو
جو مجھے آپ سے قریب کر دے اے اللہ تو نے بندوں کی حرکات
مقدر فرمائی ہیں پس کوئی شے بغیر آپ کی اجازت کے ہل
نہیں سکتی لہذا میری ہر حرکت کو اپنے تقوی میں شامل فرما دیجئے
اور اے اللہ تو نے خیر و شر پیدا کیا ہے اور ان دونوں میں سے
ہر ایک کے لئے عمل کرنیوالے بنائے لہذا اے اللہ ان دونوں قسموں
میں سے جو بہتر ہو مجھے اس میں شامل فرما دیجئے۔ اے اللہ تو نے

جنتك اللهم انك اردت بقوم الضلال وضيقت به صدورهم فاشرح صدري للايمان وزينه في قلبي اللهم دبرت الامور فجعلت مصيرها اليك احيني بعد الممات حيوة طيبة وقربني اليك زلفى اللهم من اصبح وامسى وثقته ورجاءه غيرك فانت ثقتي ورجاي ولاحول ولا قوة الا بالله قال ابوبكر هذا كله في كتاب الله عزوجل انتهى +

جنت اور دوزخ دونوں کو پیدا کیا اور ان میں سے ہر ایک کے ساکنین اور مستحقین بنائے ہیں۔ پس اے اللہ مجھے اپنے جنت کے سکان میں سے بنا دیجئے اے اللہ تو نے ارادہ کیا ہے ایک قوم کو گمراہ کرنیکا اور ان کے سینوں کو تو نے تنگ کر دیا ہے اسی گمراہی کے سبب سے پس اے اللہ میرے سینوں کو ایمان کے لئے کھول دیجئے اور مزین کر دیجئے اس کو میرے قلب میں اے اللہ تو نے امور کا انتظام کیا اور ان سب کا انجام اپنے ہی جانب کیا پس اے اللہ مجھے مرنے کے بعد حیات طیبہ والی زندگی بخشئے اور مجھے اپنی جانب قریب کر لیجئے اے اللہ جو شخص صبح وشام کرے اس حال میں کہ اسکا اعتماد اور اس کا بھروسہ تیرے غیر پر ہو تو وہ جانے یہاں تو ہی میرا بھروسہ ہے اور تو ہی میری امید گاہ ہے اور نہیں ہے پھرنا معصیت سے اور قوت طاعت کی مگر اللہ کی توفیق کے ساتھ۔ ابو بکرؓ کہتے ہیں کہ یہ تمام کی تمام باتیں اللہ عزوجل کی کتاب میں موجود ہے۔

ولنختم ذالك بالصيغة المسماة بصيغة الكبريت الاحمر لكل مهم اخذتها عن الشيخ ابراهيم السقا الازهري رحمه الله تعالى وهي ان تقرأ الفاتحة ليلة الجمعة وليلة الاثنين وبعدها تقرأ اللهم صل على سيدنا محمد الحبيب الشفيع الرؤف الرحيم الذي اخبر عن ربه الكريم ان لله تعالى في كل نفس ماة الف فرج قريب مائة الف مرة في مجلس واحد على طهر كامل مستقبل القبلة الشريفة انتهى +

اور چاہیئے کہ ہم ختم کریں اسکو اس دعا کے ساتھ جس کا نام دعائے کبریت احمر ہے جو کہ واقعی ہر مہم کے لئے اکسیر ہے میں نے اسے اپنے شیخ ابراہیم سقا ازہریؒ سے حاصل کیا وہ یہ ہے کہ تم جمعہ کی شب سورہ فاتحہ پڑھو یا دوشنبہ کی شب میں پڑھو اور بعد اس کے یہ دعا پڑھو اے اللہ درود بھیجئے ہمارے سید پر جن کا نام نامی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے جو کہ حبیب رب العالمین ہیں شفیع المذنبین ہیں اور مومنین کے ساتھ روف ورحیم ہیں جنھوں نے اپنے رب کریم سے یہ خبر دی کہ بیشک اللہ تعالیٰ کیلئے ہر نفس میں ایک لاکھ کشادگی ہے اس دعا کو تقریباً ایک لاکھ بار طہارت کاملہ کیساتھ قبلہ رو ہو کر ایک ہی مجلس میں پڑھے۔

فوائد مهمة

چند ضروری فوائد

الاولی فی بیان من یستجاب دعاءہ

(پہلا فائدہ) ان لوگوں کے بیان میں جنکی دعا قبول ہوتی ہے۔

الثانیة۔ فی بیان اوقات الاجابة

(دوسرا فائدہ) اوقات اجابت دعا کے بیان میں۔

الثالثة۔ فی بیان امکنة الاجابة

(تیسرا فائدہ) اجابت دعا کے مقامات کے بیان میں۔

اما الذین یستجاب دعاءہم فهم المسافر والمظلوم والغازی والصائم والمعسر والشیخ المسدد ای الملازم للسنة وحامل القرآن ومکثر الذکر ودعاء الولد لوالدیه وهما له والحاج والمحرم ومن فرج عن معسر او احسن الیه والدعاء بظهر الغیب ودعاء جمع یؤمن بعضهم علیه ودعاء الثابت عند الفرار والمضطر والامام العادل ومکثر الدعاء والدعاء المعمم۔

پس جن کی دعا قبول ہوتی ہے وہ یہ لوگ ہیں مسافر۔ مظلوم۔ غازی۔ روزہ دار۔ نادار مفلس۔ وہ بوڑھا جو متبع سنت ہو۔ حافظ قرآن۔ کثرت سے ذکر اللہ کرنے والا۔ لڑکے کی دعا والدین کے حق میں مقبول ہوتی ہے اسی طرح سے والدین کی دعا لڑکے کے حق میں حاجی کی دعا۔ احرام والے کی دعا۔ تنگ دست کو مہلت اور کشادگی دینے والا۔ قرض معاف کردینے والا۔ پس پشت کسی مسلم کی دعا دوسرے مسلم کے حق میں۔ اور اس مجمع کی دعا جس میں بعض دعا کریں اور دوسرے لوگ آمین کہیں اور دعا اس شخص کی جو بھگدڑ کے موقع پر دشمنوں کے مقابلہ میں ثابت قدم رہے مضطر کی دعا۔ امام عادل کی دعا بکثرت دعا کرنے والے کی دعا۔ اور دعائے عامہ۔

واما اوقات الاجابة فوقت الافطار والاذان والاقامة وبینهما وعند الباس ای الاصطفاف للجهاد وثلث اللیل الاخیر ونصفه وعند رویة الکعبة والعطاس ونزول الغیث واول لیلة من

بہرحال اوقات اجابت تو ان میں وقت افطار ہے اسی طرح اذان کے وقت۔ اقامت کے وقت۔ ان دونوں کے درمیان میں جہاد کے وقت۔ جہاد سے قبل صف آرائی کے وقت۔ شب کے اخیر تہائی حصہ میں نصف لیل کے وقت۔ جب کعبہ شریف پر نظر پڑے۔ چھینک کے وقت۔ بارش ہوتے وقت۔ جب کی اول شب میں

رجب وليلة النصف من شعبان وليلة العيدين وساعة مجهولة في نهار الجمعة وليلتها وفي السجود وشهر الصيام ووقوف عرفة وبعد ختم القرآن وبعد الأكل فريضة وبين الجلالتين في سورة الأنعام وبعد كل من عليها فان في الرحمن وعند الرقة والقشعريرة والانشراح للدعاء۔

واما امكنة الاجابة فعند الحجر الاسود والملتزم وسائر الاماكن الخمسة عشرة المذكورة في كتاب الحج وفي المساجد الثلاثة وليبدأ الدعاء بالحمد لله والصلوة على النبي صلى الله عليه وسلم في اوله واوسطه واخره وليكن حاضر القلب خاشعًا واعظم الشروط اكل الحلال ولبسه۔

پندرہویں شعبان کی شب میں۔ عیدین کی شب میں۔ جمعہ کے دن کی ایک پوشیدہ گھڑی میں شب جمعہ میں۔ سجدہ کی حالت میں۔ رمضان کے مہینہ میں۔ وقوف عرفہ کے وقت۔ ختم قرآن کے بعد۔ ہر فرض نماز کے بعد۔ اور سورہ انعام میں دو جگہ جو اللہ جلالہٗ کا نام آیا ہے اس کے درمیان میں بھی دعا قبول ہوتی ہے۔ اور سورہ رحمٰن میں کل من علیہا فان کے بعد اور رقت طاری ہونیکے وقت بدن میں جھرجھری ہو کر رونگٹے کھڑے ہونیکے وقت جب دعا کیلئے قلب میں انشراح ہو یعنی دعا کرنے میں جب دل لگے یہ سب اوقات اجابت ہیں۔ بہرحال مقام اجابت تو وہ یہ ہیں حجر اسود اور ملتزم کے پاس۔ تمام ان پندرہ مقامات پر جنکا ذکر حج کے بیان میں آتا ہے۔ تینوں مساجد میں (مسجد اقصیٰ۔ مسجد نبوی۔ مسجد بیت اللہ شریف)۔ اور دعا کو اللہ تعالیٰ کی حمد سے شروع کرے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اول درمیان اور آخر درود پڑھے۔ در حضوریٔ قلب اور خشوع کے ساتھ دعا کرے اور سب سے بڑی شرط (دعائے اجابت کی) حلال کھانا اور حلال پہننا ہے۔

تنبيهات

الاول۔ لا ينبغي للمريد الذي هو تحت تربية المرشد ان يشتغل بشيء من الاوراد والادعية

تنبیہات

تنبیہ اول۔ جو مرید کہ کسی مرشد کی تربیت میں داخل ہو اس کو کوئی وظیفہ اور دعا بدون شیخ کی اجازت کے نہیں پڑھنا چاہیئے۔ اور پہلے کہا گیا ہے کہ بعض مقامات

الا اذا امرة به استاذة وقد
تقدم ان بعض المقامات يجب
للمريد قرأة الاوراد والادعية
فليعتمد فى ذالك اشارة شيخه
الثانى اذا اكمل المريد
السلوك فاحسن الاوراد فى حقه
قرأة القرآن بالتامل والتدبر
غيرانه اذا وجد قلبه فى نوع
اٰخر من الاذكار فليتبعه فرب
شخص يجد قلبه وهمته فى
الاستغفار واٰخر فى الصلوة عليه
صلى الله تعالى عليه وسلم واٰخر
فى الذكر واٰخر فى الفكر واٰخر
فى الادعية واٰخر لا تمكنه
الادعية لسكونه بالرضاء
تحت مجارى الاقدار فليعمل
كل انسان بحسب الداعية
التى يجدها من نفسه ويجد فيها
قلبه فان ذالك[ع] علامة على ان

سلوک میں ایسے آتے ہیں کہ سالک کو اوراد و ادعیہ
پڑھنے کی رغبت زیادہ ہوتی ہے تو چاہیئے کہ اس وقت
بھی اپنے شیخ کی اجازت کو
ملحوظ رکھے۔

تنبیہ دوم۔ سالک کا سلوک جب تمام ہو جائے تو
اس کا بہترین وظیفہ تلاوت قرآن ہے تدبر اور تامل
کے ساتھ۔ بجز اس صورت کے کہ اس کے قلب میں کسی اور
ذکر کا داعیہ پیدا ہو جائے تو خیر اسے ہی کرے۔ اس لئے
کہ بہت سے نفوس کو استغفار میں رغبت ہوتی ہے۔
بہت سوں کو درود شریف سے انس ہوتا ہے کسی کو ذکر اللہ
سے تعلق ہوتا ہے کسی کو فکر ہی میں لذت ملتی ہے کسی کو
دعاؤں میں مزا آتا ہے اور کوئی دعا کی جانب اسلئے
مائل نہیں ہوتا کہ اس کا حال راضی برضائے مولیٰ
رہنا ہوتا ہے اسلئے وہ تقدیر پر قناعت کرکے خاموشی اختیار
کرلیتا ہے۔ جب حالات مختلف ہیں تو ہر انسان کو چاہیئے
کہ وہ اپنے داعیہ قلبی کے مطابق ورد تجویز کرے اور
جس میں اس کو لذت اور سکون ملے اسی کو اختیار
کرے۔ اس لئے کہ قلب کا کسی ایک امر کی جانب
سکون پذیر ہونا یہ علامت[ع] ہے اس بات کی کہ اس

ع (قوله فان ذالك علامة) یعنی یہ جو کہا کہ کسی خاص ورد کی جانب طبیعت کا میلان علامت ہے کہ اس کا
وارد اور مدد اسی باب سے مقدر ہے جو اسے محبوب ہے خواہ ذکر ہو یا فکر تو یہ اس لئے کہ حق تعالیٰ سبحانہ کی امداد انواع
اطاعت کے اعتبار سے مختلف نوع کی ہے۔ پس ان اذکار و طاعات میں سے ہر ایک کے لئے ثواب بھی مخصوص ہے
اور مدد بھی۔ ۱۲

واردهٗ ومددهٗ من ذالك الباب الذی حبب الیه ان کان ذکراً او غیرهٗ ۔

کا وارد اور اس کی امداد اسی دروازہ سے مقدر ہے جو اسکو محبوب ہے خواہ وہ ذکر ہو یا کوئی اور چیز ہو۔

واما حال هذا الحقیر فانی منذ سمعت الحدیث القدسی من شغله ذکری عن مسألتی اعطیته افضل ما اعطی السائلین ما صرت افضل علی الذکر شیئًا من الادعیة وربما یحبب الی فی بعض الاوقات قراٰة القراٰن وقد یحبب الی غیر ذالك من الاذکار ۔

باقی اس حقیر کا حال تو یہ ہے کہ جب سے میں نے یہ حدیث قدسی سنی ہے کہ جس شخص کو میرا ذکر مجھ سے سوال کرنے سے روکدے تو اس کو میں سارے مانگنے والوں سے بڑھ کر دوں گا۔ اس وقت سے میں ذکر اللہ پر کسی اور دعا کو ترجیح نہیں دیتا۔ یوں بسا اوقات تو مجھے تلاوت قرآن بھی محبوب ہو جاتی ہے اور بعض دفعہ دوسرے اذکار

الثالث قد اختلف القوم فی اختیار الدعاء[ف] وعدمه والذی

(تنبیہ سوم) مشائخ کا اس امر میں اختلاف ہے کہ دعا کرنا اولیٰ ہے یا ترک دعاء ابو القاسم قشیری

ف قوله فی اختیار الدعاء الخ یعنی یہ جو کہا کہ مشائخ کا دعا کے اختیار وعدم اختیار کے باب میں اختلاف ہے تو مراد اس سے یہ ہے کہ اسکی اولویت میں اختلاف ہے یعنی یہ کہ بہتر کون ہے تو بعض حضرات نے دعا کو بہتر فرمایا ہے اسلئے کہ اس میں فاقہ اور عجز کا اظہار ہے اور بعض مشائخ نے حکم الٰہی کے تحت سکوت اور جمود اختیار کیا ہے۔ حق تعالیٰ کے تجویز واختیار پر رضا ظاہر کرتے ہوئے اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جنہوں نے دعا کی ہے محض اظہار عبودیت کی خاطر اور اپنے آپ کو مالک حقیقی کے سامنے ذلیل کرنیکے لئے باقی ان کا قلب مطمئن ہے مطلوب ملے یا نہ ملے۔

علامہ شعرانی نے طبقات میں سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمہ سے نقل کیا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ تم از خود نہ حصول نعمت چاہو نہ دفع مصیبت اسلئے کہ ان دونوں میں سے جو تمہارے لئے مقدر ہے وہ تمہیں پہونچکر رہے گی۔ تم پسند کرو یا نہ کرو (تمہارے چاہنے پر کچھ موقوف نہیں) بلکہ تمہارا جو وظیفہ ہے وہ بس یہ کہ نعمت ملے تو شکر کرو اور مصیبت پڑے تو صبر کرو۔ یہانتک کہ مصیبت تم سے ختم ہو جائے۔ غیر اللہ سے اس کا شکوہ نہ کرو اسلئے کہ کسی دوسرے کا کچھ اختیار نہیں۔ فاعل مختار صرف حق تعالیٰ ہیں۔ حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں وان یمسسك الله بضر فلا کاشف له الا هو یعنی اگر تم پر کوئی مصیبت پڑے تو بجز حق تعالیٰ کے کوئی اس کا دور کرنے والا نہیں۔ اور دیکھو

(بقیہ صفحہ ٢٩٧ پر ملاحظہ ہو)

اختارہ ابوالقاسم القشیری ان
الاولیٰ مراعات حکم الوقت فان وجد
فی قلبہ اشارۃ الی الدعاء فالدعاء
اولیٰ وان وجد فی قلبہ اشارۃ
الی السکوت بان جاء فی قلبہ
فی وقت الدعاء شبہ وارد زجر
قبض فالاولیٰ ترک الدعاء فی
ذالک الوقت وان لم یجد فی
قلبہ شیئاً من ذالک فالدعاء
وترکہ سیان ثم یقال ان کان
الغالب علیہ فی ذالک الوقت العلم
فالدعاء اولیٰ لانہ مخ العبادۃ
وان کان الغالب علیہ المعرفۃ
والحال فالسکوت والسکون اولیٰ
اویقال ماکان للمسلمین فیہ
نصیب اوللحق سبحانہٗ تعالیٰ
فیہ حق فالدعاء اولیٰ وما
کان لنفسک فیہ حظ فالسکوت
اولیٰ ھذا فی الطلب من اللہ
اما فی الطلب من المخلوقین

کی رائے اس باب میں یہ ہے کہ اولیٰ وقت اور حالات
کی رعایت ہے۔ یعنی اگر اپنے قلب میں میلان اور
داعیہ دعا کا پاوے تو دعا کرنا اولیٰ ہے اور اگر اپنے
قلب میں سکوت کا اشارہ پاوے یعنی دعا کے وقت اس کے
قلب میں زجر یا قبض کے وارد کے مشابہ کوئی چیز آوے
تو اولیٰ اس حالت میں اور ایسے وقت میں ترک دعا
ہے اور اگر اپنے قلب میں ان امور میں سے کچھ بھی نہ
پاوے تو اس کے لئے دعا اور ترک دعا دونوں برابر ہے
پھر کہا گیا ہے کہ غالب اگر اس پر اس وقت میں
علم ہے تو دعا اولیٰ ہے اس لئے کہ وہ عبادت کا مغز
ہے اور اگر اس پر غالب معرفت اور حال ہے تو
سکوت اور سکون اولیٰ ہے یا یوں کہا جائے کہ جس
دعا میں مسلمانوں کی مصلحت اور نفع ہو یا وہ
حق تعالیٰ کے حق سے متعلق ہو تو دعا ہی کرنا
اولیٰ ہے اور جس دعا میں تمہارے نفس کا
حظ ہو تو وہاں سکوت اولیٰ ہے۔
اور یہ تمام تر تفصیل اللہ تعالےٰ سے
طلب کرنے کے متعلق ہے باقی مخلوق سے
کوئی چیز طلب کرنا تو اس میں
مانگنے کی مطلقاً گنجائش نہیں۔ اس

(بقیہ صفحہ ۲۹۶ بیمار، ملاحظہ ہو) اگر تمہارے پاس تھوڑی سی بھی نعمت ہو تو خبردار اپنے رب کا شکوہ نہ کرنا اس لئے اکثر و بیشتر
ابن آدم پر جو بلائیں نازل ہوتی ہیں اور مصیبتیں آتی ہیں وہ شکوہ ہی کی بدولت آتی ہیں۔ ۱۲ منہ

فلا سبيل اليه البتة لوجوب الياس مما في ايديهم ؎

لئے کہ لوگوں کے ہاتھ میں جو کچھ ہے اس سے ناامیدی (صرف نظرؔ) واجب ہے۔

(وصل) ينبغي للمريد ان يواظب قبل الاجتماع بالمرشد على انواع النوافل من صلوٰة وصيام وصدقة وغيرها. فان كل نوع من الطاعات له اثر مخصوص في تنوير الباطن و بعد الاجتماع بالمرشد يعتمد اشارته

(وصل) مرید کو چاہیئے کہ شیخ کی خدمت میں حاضری سے قبل انواع نوافل پر مواظبت کرے مثلاً نماز سے۔ روزہ سے۔ صدقہ وغیرہ سے۔ اسلئے کہ ہر ہر قسم کی طاعت کو سالک کی تنویر باطن میں ایک خاص دخل ہے۔ لیکن جب شیخ کی خدمت میں آجائے تو پھر اب اس کے ہی اشاروں کا منتظر رہے۔

؎ (قولہ لوجوب الياس مما في ايديهم الخ) یعنی دعا میں جو اوپر تفصیل مذکور ہوئی یہ حق تعالیٰ سے مانگنے سے متعلق تھی رہا مخلوق سے مانگنا اور اسکے سامنے دست سوال دراز کرنا اسکی قطعی گنجائش نہیں اسلئے کہ سالک کیلئے یاس مما فی ایدی الناس واجب ہے اسلئے کہ مخلوق سے طلب کرنا فاقہ کی زیادتی کا موجب ہے۔ بعض عارفین نے کہا ہے کہ مجھ سے نوم و یقظہ کے درمیان کہا گیا کہ خبردار خبردار اپنے فاقہ کی اطلاع اپنے غیر کو نہ کرنا ورنہ میں تمہاری اس سوء ادبی کی پاداش میں تمہارے فاقہ کو طویل کردوں گا (بے ادبی یوں کہ) میں نے تم کو فاقہ میں اسلئے مبتلا کیا تھا تاکہ تمہیں میری جانب فراغت کیساتھ رجوع کا موقع ملے اور تم میری جناب میں تضرع و زاری کرو اور اس باب میں میرے اوپر توکل کرو (مگر تم نے میرے غیر پر اسکا اظہار کرکے سب پر پانی پھیر دیا) میں نے تم کو فاقہ کے ذریعہ ڈھالنا چاہا تھا کہ تم خالص سونا ہوجاؤ لہٰذا تم ڈھلنے کے بعد اب اس میں کھوٹ نہ ملاؤ میں نے تم پر فاقہ کا نشان لگایا تھا اور اسکے ذریعہ اپنے غنی ہونے کو ظاہر کیا تھا۔ اگر تم اس فاقہ کو مجھ سے جوڑ دیتے تو میں تم کو غنا سے جوڑ دیتا اور جب کہ تم نے اسکو میرے غیر سے جوڑ دیا تو میں نے بھی تم سے اپنی معونت کے ذرائع منقطع کردیئے۔ اور میں نے اپنے اغیار کے ذریعہ تیرے اسباب کو ختم کردیا اپنے دروازے سے دھتکارتے ہوئے اور یہ اس لئے کہ جسکو میں اپنا متوکل بنالیتا ہوں وہ کسی چیز کا مالک نہیں رہ جاتا۔ اور جس کو میں خود اس کے نفس کے حوالہ کردیتا ہوں وہ ہلاک ہوجاتا ہے۔ ۱۲ منہ

فيواظب على صلوٰة التهجد والاشراق والضحىٰ والاوابين ونوافل الصلوٰت الخمس وركعتى الوضوء وتحية المسجد وصلوٰة الحاجة والاستخارة والصلوٰة عند الدخول للمنزل والخروج منه وغير ذالك من النوافل الواردة ومثل ذلك كثرة الصيام وعلى الخصوص الايام البيض والايام السود من كل شهر والاشهر الحرم والخميس والاثنين وعشرة ذى الحجة وعاشوراء مع يوم قبله او يوم بعدهٗ ۔	اور نماز تہجد. اشراق. چاشت۔ اوابین اور صلوٰۃ خمسہ کے نوافل۔ تحیۃ الوضو کی دو رکعات۔ تحیۃ المسجد اور نماز حاجت اور نماز استخارہ اور گھر میں داخل ہونے اور اس سے باہر نکلنے کی نماز اور ان کے علاوہ جن نوافل کا تذکرہ حدیثوں میں آیا ہے ان سب کا اہتمام کرے اسی طرح نفل روزہ کی بھی کثرت کرے۔ خاص کر ایام بیض کے روزے اور ہر ماہ کے اخیر کے تین روزے۔ اور اشہر حرم کے روزے اور ہر پنجشنبہ اور دوشنبہ کے روزے اور دسویں ذی الحجہ کا روزہ اور عاشوراء کا روزہ اس طرح سے کہ اس کے قبل ایک دن ملالے یا بعد میں ایک دن رکھ لے۔
واما الحكم فكثيرة منها بل اجلها حكم ابن عطاء الله وحكم السيد مصطفى البكرى وحكم الشيخ محمود الكردى	بہرحال حکم تو یوں تو وہ بہت ہیں مگر ان میں سب سے بڑھ کر حِکَم ابن عطاء اللہ اور حکم سید مصطفی بکری اور حِکَم شیخ محمود کردی ہے اور اس کی شرح ہے جو دادا صاحب شیخ عبدالقادرؒ

(۱) (قوله ومثل ذلك كثرة الصيام) یعنی شیخ کے پاس آنے کے بعد جس طرح سے سالک کو نوافل صلوٰۃ کا اہتمام ضروری ہے اسی طرح سے روزے کی تکثیر بھی اسے رکھنی چاہیئے اس لئے کہ روزہ عبادت کی اساس اور قربات کی مفتاح اور طاعات کا باب ہے اور جس شخص نے روزہ رکھا اسے اس دن عمل صالح کی بھی توفیق ہوگی چنانچہ دنیا میں انہماک کی علامت یہ ہے کہ انسان کو صیام نفل کی توفیق نہ ہو۔

انتہی ۱۲

وشرحها للجد الشیخ عبد القادر الرافعی وھکذا النصائح والمواعظ اکثر من ان تذکر ویجمع الجمیع کلمتان وھما الادب مع اللہ تعالیٰ والادب مع خلقہ۔

رافعی نے فرمائی ہے۔ اسی طرح سے نصائح اور مواعظ بھی احاطۂ بیان سے باہر ہیں مگر ان سب کے لئے جامع یہ دو کلمات ہیں۔ ایک ادب مع اللہ تعالیٰ دوسرا ادب مع المخلوق یعنی خالق اور مخلوق ہر دو کے آداب و حقوق کا لحاظ رکھنا

فاما الادب معہ تعالیٰ فان تعبدہ کانک تراہ والادب مع خلقہ فان توتی الیھم ماتحب ان یوتوا الیک۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ادب تو یہ کہ تم اس کی عبادت اس طرح سے کرو کہ گویا تم اسکو دیکھ رہے ہو اور مخلوق کا ادب یہ ہے کہ تم ان کو وہ تمام چیزیں (یعنی حقوق) دو جنکو تم چاہتے ہو کہ وہ لوگ تمھیں دیں۔

لکن لا باس من ذکر مایحضرنا الاان من الوصایا والحکم علی سبیل التفصیل۔

اس مقام پر کچھ بے محل نہ ہوگا۔ اگر ان بعض وصایا اور حکم کا بالتفصیل ذکر کردیا جائے جو اس حقیر کو یاد ہیں۔

فمن ذلک ما اوصانی بہ استاذی رحمہ اللہ تعالیٰ فی الاجازۃ التی کتب لھا لی حین ماخلفنی وھذا لفظہ۔

منجملہ ان کے ایک وہ وصیت ہے جو میرے استاذؒ نے فرمائی اور بوقت اجازت سند خلافت میں اس کو تحریر بھی فرمادیا جس کے الفاظ یہ ہیں کہ۔

اوصیہ بتقوی اللہ تعالیٰ وھی ان یجعل بینہ وبین مساخطہ وقایۃ والحیاء منہ تعالیٰ بحیث لا یفقدہ حیث امرہٗ ولا یجدہ حیث نہاہ۔ وادامۃ ذکرہ تعالیٰ والاقبال علیہ والترامی فی اعتابہ مبرا

میں ان کو اللہ تعالےٰ کے تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں اور تقویٰ یہ ہے کہ انسان اپنے اور اپنے معاصی کے درمیان ایسی ایک آڑ بنالے اور اللہ تعالیٰ کی شرم اس پر اس طرح غالب آجائے کہ اللہ کے اوامر کے محل سے وہ غائب نہ پایا جائے اور جن امور سے اس نے منع فرمادیا ہے اس کے پاس نہ جائے۔ اور ذکر اللہ اور حضوری پر مداومت اسکو نصیب ہو اور اس کے عتاب سے دوری اور بچاؤ اختیار کرے

من الحول والقوة والضراعة اليه في جميع الاحوال فليس بعد تلاوة كتاب الله تعالى عزوجل عبادة تؤدّى باللسان افضل من ذكره تعالے ورفع الحاجات بالادعية الخالصة۔

لاحول ولا قوۃ الا باللہ کے ذریعہ سے اور اسکی جانب تضرع وزاری کرے اپنے تمام احوال میں۔ چنانچہ کتاب اللہ تعالیٰ کی تلاوت کے بعد کوئی ایسی لسانی عبادت ہی نہیں ہے جو ذکر اللہ سے بڑھکر ہو۔ یا دعاؤں کے ذریعہ اپنی حاجات کے طلب کرنے سے بڑھ کر ہو -

واوصيه ايضاً بترك التدبير والاختيار معه تعالے والرضا بمجاري قضايه ورفع الهمة عن جميع الخلق وحفظ حدود الشرع فان طريقتنا الكتاب والسنة والاحتفاظ بنعمه تعالے وتقيدها بالشكر فانها شديدة النفار والاقتصاد في امر المعيشة فان من وسع طرق المصرف عليه لايبالي[1] من اين يصل الايراد اليه ومن كثرت مطالبه كثرت متاعبه۔

اسی طرح سے میں ان کو وصیت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے آگے اپنی تدبیر اور اختیار کو ترک کریں اور قضا و قدر سے جو امر ظاہر ہو اس پر راضی رہیں اور اپنی قلبی توجہ سب مخلوق سے ہٹالیں. شریعت کے حدود کی حفاظت کریں اس لئے کہ ہمارا طریقہ کتاب و سنت ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی حفاظت کریں اور اس کو شکر کے ساتھ مقید کریں اسلئے کہ وہ بہت جلد بھاگ جانے والی چیز ہے اور دنیوی زندگی گذارنے میں اعتدال اور میانہ روی اختیار کریں اسلئے کہ جس شخص نے اپنے اوپر مصرف کے راستوں کو وسیع کرلیا تو وہ اسکی مطلقاً پرواہ نہ کرے گا کہ ضروریات میں جو کچھ خرچ ہوتا ہے کہاں سے آتا ہے اور ظاہر ہے کہ جسکے مطالبے کثیر ہونگے اسکی مشقت بھی زیادہ ہوگی۔

واوصيه بالتحبب الى الناس فانا مامورون باستمالة القلوب ولو قلب كافر وفي الحديث

اور میں انھیں وصیت کرتا ہوں کہ سب لوگوں کے ساتھ محبت سے پیش آئیں اس لئے کہ ہم مامور ہیں کہ قلوب کو مائل کریں اگرچہ وہ کافر ہی کا قلب کیوں نہ ہو چنانچہ

---

(۱) قوله لايبالي (الخ) ایک وصیت یہ فرمائی تھی کہ امر معیشت میں اقتصاد سے کام لے اس لئے کہ جس

کے مصرف کا باب وسیع ہوتا ہے پھر وہ پرواہ نہیں کرتا کہ ان مصارف میں خرچ ہونے والا مال کہاں سے آتا ہے مطلب یہ کہ وہ پھر نہ حلال دیکھتا ہے نہ حرام اسلئے کہ اس کا مقصود تو صرف ان راستوں کو بند کرنا ہوتا ہے جنھیں اس نے کھول رکھا ہے اور جو شخص اقتصاد اور میانہ روی اختیار کرے گا اور سلف صالح کے نقش قدم پر چلے گا تو اس کے اخراجات کم ہوں گے لہذا اس کے لئے ممکن ہے کہ وہ حرام اور شبہ حرام سے بچ جائے۔ یا اگر شبہ حرام سے نہ بچ سکا تو حرام سے تو بچ ہی جائیگا (اور شبہ حرام سے نہ بچ سکنا اسوجہ سے ہوگا) کہ اس زمانہ میں شبہ حرام بہت عام ہے یہانتک کہ فقہانے یہ فرمایا ہے کہ اس زمانہ میں شبہ کا حکم ساقط ہوگیا ہے۔ لیکن طالب طریق حق کے لئے مناسب نہیں کہ وہ اس باب میں ڈھیل اختیار کرے اور ہرگز تاویل نہ کرے بلکہ احوط کو لے۔ چنانچہ ہمارے مشائخ میں شیخ یحییٰ سالحی حلبی تھے وہ اپنے دراہم کو جو انھیں ملتے تھے مختلف تھیلیوں میں رکھتے جاتے تھے۔ ایک تھیلی میں دراہم کے ساتھ ساتھ کچھ گیہوں کے دانے ہوتے یہ خالص حلال مال کی تھیلی ہوتی۔ چنانچہ اسی میں سے وہ خود کھاتے تھے اور ایک تھیلی تھی جس میں دراہم کے ساتھ ساتھ جو کے دانے ہوتے یہ آمدنی حلت میں پہلے سے کم ہوتی چنانچہ اس میں سے کپڑے بنواتے اور ایک تھیلی تھی جسمیں دراہم کے ساتھ ساتھ فول کے دانے پڑے ہوتے (فول ایک قسم کی دال ہے جو عرب میں ہوتی ہے) اور اسکی آمدنی حلت میں دوسری سے بھی کم ہوتی ہے اسے سواری کے کرایہ وغیرہ میں صرف فرماتے۔ اور آپ کی خدمت میں حاکم طرابلس مصطفیٰ آغا بریرنے کچھ دراہم بطور ہدیہ پیش کئے آپ نے اسے واپس کردیئے (یہ سمجھ کر کہ حاکم کا مال ہے ظلم سے خالی نہ ہوگا) پھر اس نے قسم کھائی اور کہلا بھیجا کہ حضرت یہ مال مجھے والدہ کی میراث سے ملا تھا چنانچہ آپ نے قبول کرلیا مگر دال ہی والی تھیلی میں رکھا۔ ۱۲

(۵۳) قولہ ولو قلب کافر الخ) یعنی یہ جو کہا کہیں انھیں وصیت کرتا ہوں کہ سب لوگوں کے ساتھ محبت رکھیں اور قلوب کی دلداری کریں اگرچہ کافر ہی کا قلب کیوں نہ ہو اسی طرح حسن خلق کا معاملہ بھی ہے کہ سب کے ساتھ حسن خلق کے ساتھ پیش آنا چاہیئے۔ باقی اس پر یہ اشکال نہ کیا جائے کہ ہم تو کافر اور فاسق مجاہر کی اہانت پر مامور ہیں (پس انکے ساتھ کیونکر محبت رکھیں اور حسن خلق برتیں) اسلئے کہ یہ حکم یعنی اہانت اس شخص کے حق میں ہے جو مقام ارشاد تک نہ پہونچا ہو باقی مرشد تو اسکو یہی مناسب ہے کہ سب کی دلداری کرے تاکہ ان کو شیطان کے پنجہ سے نکالے اسی واسطے ہمارے سید شیخ عبدالقادر جیلانی رح نے فرمایا ہے کہ کسی فاسق سے ہنس کر بات نہ کرنی چاہیئے بجز عارف کے کہ وہ اس سے ہنس کے بات کرے تاکہ اسے مانوس کرے اور اس کے فسق سے اسے خلاصی دلائے۔ ۱۲

اتقوا غيظ القلوب ولو قلب بهيمة۔

حدیث میں ہے کہ قلوب کو غیظ میں ڈالنے سے بچو اگرچہ کسی جانور ہی کا قلب کیوں نہ ہو۔

واوصيه ايضًا بحسن الخلق مع الجميع والرفق والتودّدة ولين الجانب۔ انتهى۔

اسی طرح سے میں انھیں وصیت کرتا ہوں کہ سب لوگوں کے ساتھ حسن خلق نرمی محبت اور لین جانب کے ساتھ پیش آویں۔

ومما يحضرنا من المواعظ والنصائح المداومة على تلاوة القرآن بمقدار ما يمكنه المواظبة عليه وقد كان ورد شيخنا كل يوم خمسة اجزاء وتقدم ان القرآن ورد الكمل والمواظبة على اداء الصلوات الخمس في الجماعة والمسجد والصف الاول وتحصيل تكبيرة الامام مع الامام۔ واغتنام الادعية في مظان الاجابة كالمساجد الثلثة ومجالس الذكر وخلف كل فريضة وفي سجود النفل وفي رمضان وعند الفطر من الصوم ووقت السحر ويوم الجمعة وعند الرقة ونزول المطر وفي الليالي والايام الفاضلة وعند

منجملہ ان پند ونصائح کے جو مجھے یاد ہیں ایک یہ ہے کہ تلاوت قرآن شریف کی اتنی مقدار پر مداومت برتی جائے جتنے کی پابندی ہو سکے۔ چنانچہ ہمارے شیخ کا معمول ہر دن پانچ پارے کی تلاوت کا تھا اور یہ بات پہلے بیان کی جا چکی ہے کہ کاملین کا وظیفہ تلاوت کلام اللہ ہی ہے۔ منجملہ ان کے یہ ہے کہ نماز پنجگانہ کو مسجد میں جماعت کے ساتھ صف اول میں شریک ہوکر ادا کرے بلکہ تکبیر تحریمہ کو بھی امام کے ساتھ ادا کرنے کی کوشش کرے اور جو مقامات اجابت دعا کے ہیں وہاں دعا کرنے کو غنیمت سمجھے۔ جیسے مساجد ثلاثہ (یعنی مسجد حرام مسجد نبوی اور مسجد اقصی) اور ذکر کی مجالس اور فرائض کے بعد اور نفل نماز کے سجدوں میں۔ رمضان کا مہینہ وقت افطار وقت سحر۔ یوم جمعہ جس وقت قلب میں رقت پاوے۔ بارش ہوتے وقت۔ شب کی گھڑیوں میں۔ فضیلت والے دنوں میں انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کے مزار کے پاس۔

ضرائع الانبیاء علیهم الصلوات والسلام
واولیاء رضوان اللہ تعالیٰ ورحمۃ علیهم اجمعین +

وملازمته هدیه صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم فی اقواله وافعاله واحواله واخلاقه الا ماکان من خصوصیاته والحذر من ترك العمل بآیة من آی القران اوسنة من سنن الدین علی الدوام والمصارعة الی جمیع ما یمکنه من ابواب البر وفعل الخیر مع الرفق والمقاربة مقدما الاهم مع حسن النیة واحضار القلب مع اللہ تعالیٰ فی جمیع ذلك والخوف من اللہ تعالیٰ وعدم اخافة احد والتخلق باخلاقه تعالیٰ واحبها الیه السخاء فلا یرد سائلا و لو بحسن القول وخصوصا سؤال اللیل ولیحذر اهله من ذلك وحفظ بر الوالدین وبر صدیقهما فی حیاتهما وبعد وفاتهما و صلة الرحم وهی کل قرابة من طرف الابوین واقل ما یکون خفض الجناح واللین وتقدیم

منجملہ ان نصائح کے ایک یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو لازم پکڑے اقوال وافعال کی ہوں یا احوال اور اخلاق کی بجز ان امور کے جو آپ کی خصوصیات سے ہیں کہ ان میں اتباع نہیں ہے۔ اور ایک نصیحت یہ ہے کہ قرآن شریف کی کسی آیت پر بھی اسی طرح سے دین کی سنتوں میں سے کسی سنت پر بھی ترک عمل سے ہمیشہ احتراز کیا جاوے اور جملہ ابواب بر اور نیکیوں کے کرنے میں جہانتک ہو سکے سہولت کے ساتھ سبقت کرنی چاہیئے اور اللہ تعالیٰ کا قرب ڈھونڈھنا چاہیئے۔ اس حال میں کہ نیت اچھی ہو اور ان امور میں جو اہم ہوں ان کو مقدم کرے اور ان تمام اعمال میں اپنے قلب کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ حاضر رکھے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے کسی مخلوق سے نہ ڈرے منجملہ ان نصائح کے ایک یہ ہے کہ تخلق باخلاق اللہ اختیار کر جنمیں سب سے زیادہ پسندیدہ خلق سخاوت ہے چنانچہ کسی سائل کو رد نہ کرے اور کچھ نہ ہو سکے تو اچھی گفتگو کے ساتھ پیش آئے بالخصوص جو سائل کہ رات میں سوال کرنے والا ہو اس سے تو بہت ہی ڈرنا چاہیئے۔ چاہیئے کہ لوگ اس بات میں احتیاط سے کام لیں ایک نصیحت یہ ہے کہ والدین کیساتھ اسی طرح سے انکی زندگی میں بلکہ مرنے کے بعد بھی انکے ملنے والوں کے ساتھ نیکی کا برتاؤ اہتمام کے ساتھ کرے اور صلہ رحمی کرے اسمیں ماں باپ کی طرف کے ہر رشتہ دار داخل ہیں اور صلہ رحمی کا اقل درجہ یہ ہے

الاقرب فالاقرب وكذلك الجيران
ومجالسة الفقراء والمساكين مع
الحذر من كسر قلوبهم والصمت
الا عن خير والصدق في القول
والعمل وبداءة الامور ذوات
البال بالبسملة وختمها بالحمدلة.
والتوقف عن الشروع في
امر ما حتى يعرضه على الشرع
ويعلم حكم الله تعالى فيه فان
كان الشرع يجوزه ويجوز تركه
فلينظر في افعال السلف الصالح
وعباد الله المتقين فان وجد
هم يفعلونه فعل والا ترك
وان راى منهم من يفعل و
منهم من لا يفعل كالدخول
على الامراء مثلاً فليعرض ذلك
على قلبه. فلينظر بماذا يفتيه
فان كان قلبه لم يصل لحد
الفتوى فليعرض على نفسه
ان اشتهته نفسه تركه وان
ابته فعله فان الخير في مخالفتها
والاعتناء بالاستخارة والاستشارة
في مهمات واحترام العلماء والاولياء

کہ ان سے جھک کر اور نرمی کے ساتھ ملے اور جو زیادہ قریبی
رشتہ دار ہو اسکو مقدم کرے اور یہی طریقہ پڑوسیوں کیساتھ برتے
ایک نصیحت یہ کہ فقرا اور مساکین کے ساتھ اٹھے بیٹھے لیکن ان کی
دلشکنی سے بہت زیادہ احتیاط کرے۔ ایک یہ ہے کہ سوا اچھی بات
کے اور کچھ نہ بولے اور قول اور عمل میں سچا ہو اور جو امور مہتم بالشان
ہیں انکے کرنے سے پہلے بسم اللہ اور ختم کے بعد الحمد للہ کہے۔
اور جو کام بھی ہو جب تک کہ اس کو شریعت پر پیش
نہ کرلیں اور اللہ تعالیٰ کا حکم اسکے بارے میں معلوم نہ کرلیں اس
کے کرنے میں توقف کریں۔ اگر شریعت اس کے کرنے نہ کرنے
دونوں کو جائز رکھتی ہے تو اس کے متعلق سلف صالح اور
اللہ کے نیک بندوں کا تعامل دیکھے۔ اگر انھیں کرتا ہوا پائے
تو خود بھی کرے ورنہ چھوڑ دے اور اگر سلف میں سے بعضوں نے کیا ہے
بعضوں نے نہیں کیا ہے۔ جیسے امراء کے پاس آمد ورفت رکھنا (کہ
اس میں مشائخ کا طریقہ مختلف رہا ہے) تو اس کو اپنے
قلب پر پیش کرے تاکہ دیکھے کہ وہ کیا فتویٰ دیتا ہے
اگر اس کا قلب فتویٰ نہ دے سکے تو چاہیئے کہ اس کو
اپنے نفس پر پیش کرے۔ اگر نفس کو اس کے کرنے میں
رغبت ہو تو اس کو چھوڑ دے اور اگر نفس اس سے
ابا کرے تو اس کام کو کرے اسلئے کہ بھلائی نفس کی مخالفت
ہی میں ہے اور ایک نصیحت یہ ہے کہ مہم کاموں میں استخارہ
و استشارہ (مشورہ) سے مدد لے اور ایک نصیحت یہ ہے
کہ علماء۔ مشائخ۔ صلحائے امت۔ اہل بیت نبی۔ اہل
قرآن۔ اہل مکہ اور اہل مدینہ اور یک جدّی

والصلحاء وآل البیت واھل القرآن واھل مکۃ والمدینۃ وابناء الجدو واھل الجذب وذوی الیشبۃ وکافۃ المحسوبین علی اھل الطرق مع معاملۃ کل انسان بما تعطیہ مراقبتہٗ ومحاسبۃ النفس کل لیلۃ فما کان من خیر حمد اللہ تعالی علیہ وما کان من اثم تاب منہ والحذر من اذی الناس عامۃ خصوصًا من صلی الصبح فی جماعۃ فانہ فی ذمۃ اللہ تعالی واذا قمت من المجلس فاختمہ بقول سبحانک اللھم وبحمدک اشھد ان لا الہ الا انت وحدک لاشریک لک استغفرک واتوب الیک او سبحان ربک رب العزت عما یصفون و سلام علی المرسلین والحمد للہ رب العلمین ۔

لوگ اور اہل جذب (یعنی مجذوب) اور بوڑھے لوگ اور جن حضرات کو طریق کے کسی بھی سلسلہ سے تعلق ہو ان سب کا احترام کرے یعنی بے ادبی نہ کرے ۔ یوں معاملہ ہر شخص کے ساتھ اس کے مرتبہ کے مناسب کرے اور ایک نصیحت یہ ہے کہ ہر شب اپنے نفس کا محاسبہ کرے یعنی دن بھر کے کئے ہوئے اعمال کا جائزہ لے اور جو بھلائی دیکھے اس پر اللہ تعالی کا شکر ادا کرے اور اگر کوئی برائی دیکھے تو اس سے توبہ کرے اور ایک نصیحت یہ ہے کہ عوام کو بھی ایذا پہنچانے سے بچے خاصکر اس شخص کو جو فجر کی نماز جماعت سے پڑھے اس لئے کہ وہ اس عمل کیوجہ سے اللہ تعالی کی ذمہ داری میں ہوجاتا ہے اور ایک نصیحت یہ ہے کہ جب تم (کوئی بھی شغل ختم کرکے) مجلس سے اٹھو تو اسکو اس قول کے ساتھ ختم کرو یعنی یہ پڑھو سبحانک اللھم وبحمدک اشھد ان لا الہ الا انت وحدک لاشریک لک استغفرک واتوب الیک یعنی اے اللہ تو پاک ہے اور حمد کے لائق ہے گواہی دیتا ہوں میں کہ نہیں معبود کوئی سوا تیرے تو تنہا ہے تیرا کوئی شریک نہیں میں تجھ سے استغفار طلب کرتا ہوں اور تیری ہی جانب رجوع کرتا ہوں یا یہ دعا پڑھے ،۔

سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العلمین ۔ یعنی آپ کا رب جو بڑی عظمت والا ان باتوں سے پاک ہے جو یہ بیان کرتے ہیں اور سلام ہو پیغمبروں پر اور تمامتر خوبیاں اللہ ہی کے لئے ہیں جو تمام عالم کا پروردگار ہے ۔

(تذئیل فی ذکر سلسلتنا بهذه الطریقة العلیة الخلوتیة تبرگا بذکر رجالها الکرام نفعنا الله تعالی بهم)

تتمہ جس میں ہمارے اس طریقۂ علیہ خلوتیہ کے سلسلہ کا بیان ہے۔ اس سلسلہ کے مشائخ کے ذکر سے برکت حاصل ہونے کیلئے اسکا ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے فیض سے ہمیں مستفید فرمائے۔

وهو انی تلقیت هذه الطریقة عن استاذی الشیخ محمد رشید السالف الذکر وهو تلقاها عن استاذه السید حسن القصبی الحسینی الادریسی صاحب اصل هذا الکتاب۔

وهو تلقاها عن سیدی الشیخ عبد الله الشرقاوی العلامة الشهیر المبشر من حضرته صلی الله تعالی علیه وسلم بان من نظر الی وجهه دخل الجنة وهو تلقاها عن سیدی محمود الکردی و عن سیدی محمد الحفنی وذلک انه بعد وفات سیدی محمد الحفنی تلقی الشیخ الشرقاوی الطریقة عن اخیه الشیخ محمود الکردی شیخ جد هذا الحقیر وصاحب الحکم الشهیرة وسیدی محمد الحفنی

ہمارا سلسلہ یہ ہے کہ میں نے اس طریق کو اپنے استاد شیخ محمد رشید سے جن کا ذکر پہلے گذر چکا ہے اخذ کیا ہے اور انھوں نے اسے اپنے استاد و شیخ سید حسن قصبی حسینی ادریسی جو اس کتاب کی اصل کے مصنف ہیں ان سے لیا ہے۔

اور انھوں نے اسے سیدی شیخ عبداللہ شرقاوی علامہ سے لیا ہے جن کے متعلق یہ بات مشہور تھی کہ انھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار سے یہ بشارت ملی تھی کہ جو شخص تمہارے چہرے کو دیکھے گا وہ جنتی ہے اور انھوں نے اس طریق کو سیدی محمود کردی سے اخذ کیا اور سید محمد حفنی سے بھی طریق کو لیا ہے اور یہ اس طرح کہ جب سیدی محمد حفنی کا وصال ہوگیا تو شیخ شرقاوی نے طریق کو ان کے بھائی اور اس حقیر کے جدامجد شیخ محمود کردی سے لیا جو کہ الحکم نامی مشہور کتاب کے مصنف تھے اور سیدی محمد حفنی نے اسے سیدی مصطفی بکری سے

تلقها عن سیدی مصطفے البکری صاحب ورد السحر واکثر اوراد الطریقۃ بل مجددلها علی الحقیقۃ وھو تلقاها عن الشیخ عبد اللطیف الحلبی وھو تلقاها عن مصطفےٰ افندی الادرنوی وھو تلقاها عن الولی الشھیر المنسوبۃ الیہ ھذہ الطریقۃ علی قرہ باش افندی فیقال لها الطریقۃ القرہ باشیہ وھو تلقاها عن الشیخ مصطفےٰ مصلح الدین وھو تلقاها عن الشیخ اسمٰعیل الجرومی وھو

جو رسالہ ورد السحر کے مصنف بلکہ طریق کے اکثر اوراد کے مولف بلکہ اگر از روئے حقیقت دیکھا جائے تو اس کے مجدد تھے ان سے لیا ہے اور شیخ مصطفے بکری نے اس طریق کو شیخ عبد اللطیف حلبی سے اخذ کیا ہے اور انھوں نے اسے مصطفے آفندی ادنوی سے لیا۔ اور انھوں نے اسے ایک مشہور ولی جنکی جانب یہ سلسلہ منسوب ہے علی قرہ باش آفندی سے لیا ہے اسی لئے اس سلسلہ کا نام طریقہ قرہ باشیہ مشہور ہوگیا اور انھوں نے یعنی شیخ علی قرہ باش نے طریق کو شیخ مصطفے مصلح الدین سے لیا اور انھوں نے شیخ اسمٰعیل جرومی سے اور انھوں نے

ف (قولہ علی قرہ باش افندی) اور یہ بزرگ علی قرہ باش ولی کے نام سے بھی مشہور ہیں۔ حجاز جاتے ہوئے مصر میں ان کا انتقال ہوا۔ چنانچہ ان کی بعض یادگاریں (تبرکات) اسکدار کے ایک مشہور تکیہ میں موجود ہیں جو کہ زیارت گاہ خاص وعام ہے۔ حتی کہ رمضان کی ستائیسویں کو تو عوام کے ساتھ سلطان بھی زیارت کیلئے آتا تھا۔ اور الحمد للہ کہ میں نے بھی ان تبرکات کی زیارت کی ہے۔ اور وہ ایک تاج تھا ایک دلق (جبہ) تھا اور ایک زنبیل تھی۔ چنانچہ جوں ہی میرے سامنے وہ تاج لایا گیا اور اسکی خوشبو مجھے پہونچی فوراً مجھ پر ایک وجد اور کیف طاری ہوگیا اور میں غیر اختیاری حرکت کے ساتھ تھرکنے لگا جیسے سوت کاتنے کی پھرکی ناچتی ہے۔ اس کے بعد زمین پر گر گیا اور سارا بدن پسینہ پسینہ ہوگیا۔ اس نوع کا وجد اس سے قبل مجھے کبھی نہیں ہوا تھا نسبحان اللہ المعطی الوھاب۔ بس پاک ہے وہ ذات جو بخشنے والی اور عطا فرمانے والی ہے۔ جب یہ آثار ان حضرات کے تبرکات کے ہیں تو پھر وہ حضرات خود کیسے رہے ہوں گے۔ سبحان اللہ

انتھیٰ ۱۲

عن الشيخ عمر الفوادی الولی
الشهير ايضا وله تكية معروفة
بدار السلطنة السنية وهو
تلقاها عن الشيخ محی الدين القسطونی
وهو تلقاها عن الشيخ شعبان
القسطونی وسمعت من استاذنا
رحمه الله تعالیٰ ان الشيخ
شعبان اومأ اليه عبد الله فی
طاق المسجد ثمان عشرة سنة
ثم دعا الله تعالیٰ يدعوات لمريديه
استجابها الحق تعالیٰ له
وهی مريدی لا يمسه فقر
يزری به ولا يموت غريقا ولا
حريقا ولا تحت ردم وهذه
الدعوات مستجابة لا يعرف
ان احدا من اهل هذه الطريقه
مات بشئ مما ذكر ولله الحمد۔
وهو تلقاها عن الشيخ خير الدين

شیخ عمر فوادی سے جو کہ مشہور ولی تھے چنانچہ ان
کا تکیہ دارالسلطنۃ السنیہ میں تھا اور لوگوں میں مشہور
تھا اور انھوں نے طریق کو شیخ محی الدین قسطونی
سے لیا تھا اور انھوں نے شیخ شعبان قسطونی سے
طریق کو اخذ کیا تھا اور میں نے انھیں شیخ شعبان کا
واقعہ جن کا اوپر ذکر ہوا ہے اپنے استاد رحمۃ اللہ
علیہ سے سنا کہ انھوں نے مسجد کے محراب میں اٹھارہ
سال تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کی پھر اپنے مریدین
اور متوسلین کے لئے اللہ تعالیٰ سے چند دعائیں کیں
جنھیں اللہ تعالیٰ نے قبول بھی فرمالیا اور وہ
دعا یہ تھی کہ اے اللہ میرے کسی مرید کو ایسا فقرو
فاقہ نہ پہنچے جو اسکے لئے سبب ننگ بنے اور یا اللہ
میرا کوئی مرید نہ ڈوب کر مرے نہ آگ میں جلکر اور نہ
چھت سے دبکر اور ان میں سے ہر ایک دعا قبول ہوئی
چنانچہ ان کے سلسلہ کا کوئی شخص ان طریقوں
سے مرتا ہوا نہیں سنا گیا۔ فالحمد للہ علی ذالک۔
اور انھوں نے طریق کو شیخ خیر الدین
تقادی سے اخذ کیا اور انھوں نے اس

عہ (قولہ لا یعرف ان احدا الخ) بلکہ مجھے تو میرے استاد نے یہ بتایا کہ ان کے استاد سید قصبی نے انھیں
ایک ایسے شخص کو دکھلایا تھا جو کہ پانی میں آٹھ دن تک ڈوبا رہا۔ نہ تھکا نہ مرا پھر اس میں سے زندہ نکل آیا
اور اس نے ان سے کہا کہ ڈوبنے کے بعد مجھے جب ہوش آیا تو میں نے اپنے کو چند عرب کے درمیان پایا جو کہ مجھے گھی
چٹا رہے تھے ان سے پوچھا کہ آج کون سا دن ہے تو معلوم ہوا کہ ڈوبے ہوئے آج آٹھ دن ہو گئے ہیں۔ ۱۲

التقادی وهو تلقاها عن الشیخ چلبی
سلطان الافرائی الشهیر بجمال
الخلوتی وهو تلقاها عن الشیخ محمد
بن بهاؤ الدین الشیروانی ویقال
الارزنجانی وهو تلقاها عن الشیخ
یحیی الباکوری صاحب ورد الستار
وهو تلقاها عن الشیخ صدر الدین
الخیاوی وهو عن الحاج عز الدین
الخیاوی وهو تلقاها عن الشیخ محمد
میرام الخلوتی وهو تلقاها عن الشیخ
حرم الخلوتی وهو تلقاها عن الشیخ
عمر الخلوتی وهو تلقاها عن الشیخ
محمد الخلوتی وهو تلقاها عن اخیه
الشیخ ابراهیم الزاهد التکلانی
وهو تلقاها عن الشیخ جمال الدین
التبریزی وهو تلقاها عن الشیخ
شهاب الدین محمد الشیرازی وهو
تلقاها عن رکن الدین محمد النجاشی
وهو تلقاها عن الشیخ قطب الدین
الابهری وهو تلقاها عن الشیخ ابی
النجیب السهروردی وهو تلقاها
عن الشیخ عمر البکری وهو تلقاها
عن الشیخ وجیه الدین القاضی

طریق کو شیخ چلپی سلطان الافرائی جو کہ جمال خلوتی
کے نام سے مشہور تھے ان سے اخذ کیا اور انھوں
نے شیخ محمد بن بہا الدین شیروانی سے جنھیں
ارزنجانی کہا جاتا ہے طریق کو لیا اور انھوں نے
شیخ یحییٰ باکوری سے جو وردالستار کے مصنف
ہیں ان سے طریق کو حاصل کیا۔ اور انھوں نے
اس طریق کو شیخ صدرالدین خیادی سے لیا اور
انھوں نے حاجی عزالدین خیادی سے اس طریق
کو لیا اور انھوں نے اس طریق کو لیا شیخ محمد میرام
خلوتی سے اور انھوں نے شیخ حرم خلوتی سے اور
انھوں نے شیخ عمر خلوتی سے اور انھوں نے شیخ
محمد خلوتی سے اور انھوں نے اس طریق کو لیا اپنے
بھائی شیخ ابراہیم زاہد تکلانی سے اور انھوں نے
لیا اس کو شیخ جمال الدین تبریزی سے اور
انھوں نے شیخ شہاب الدین محمد شیرازی
سے اور انھوں نے شیخ رکن الدین
محمد النجاشی سے اور انھوں نے لیا اس کو
شیخ قطب الدین ابہری سے اور انھوں نے
لیا اس کو شیخ ابوالنجیب سہروردی سے
اور انھوں نے لیا اس کو شیخ عمر بکری سے
اور انھوں نے لیا اس کو شیخ وجیہ الدین
قاضی سے اور انھوں نے لیا اس کو
شیخ محمد بکری سے اور انھوں نے لیا

وهو تلقّاها عن الشيخ محمد البكري و هو
تلقّاها عن الشيخ محمد الدينوري وهو
تلقّاها عن الشيخ ممشاد الدينوري
وهو تلقّاها عن شيخ الطائفتين الجنيد
البغدادي وهو تلقّاها عن السري
السقطي وهو تلقّاها عن سيدي
المعروف الكرخي وهو تلقّاها عن سيدي
داؤد الطائي وهو تلقّاها عن سيدي
حبيب العجمي وهو تلقّاها عن سيدي الحسن
البصري وهو تلقّاها عن سيدنا علي بن ابي طالب
رضي الله تعالى عنه وكرم وجهه وهو تلقن الذكر
عن سيد الاولين والآخرين حبيب
رب العالمين صلى الله تعالى عليه
وسلم لما روى سيدي يوسف
الكوراني العجمي بسنده الصحيح
رضي الله تعالى عنه ان عليًا رضي
الله تعالى عنه وكرم وجهه سال
النبي صلى الله تعالى عليه وسلم
وقال يارسول الله دُلّني على اقرب
الطرق واسهلها وافضلها عند الله
سبحانه وتعالى فقال صلى الله تعالى
عليه وسلم افضل ما قلت انا والنبيون
من قبلي لا اله الا الله ولو ان

اس کو شیخ محمد دینوری سے اور انھوں نے
لیا اس کو شیخ ممشاد دینوری سے اور
انھوں نے لیا اس کو دونوں طائفوں کے
شیخ جنید بغدادی سے اور انھوں نے لیا
اس کو شیخ سری سقطی سے اور انھوں نے
لیا اس کو سیدی معروف کرخی سے اور انھوں
نے لیا اسکو سیدی داؤد طائی سے اور انھوں نے لیا اسکو
سیدی حبیب عجمی سے اور انھوں نے لیا اسکو سیدی
حسن بصری سے اور انھوں نے لیا اس کو سیدنا
علیؓ ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ و کرم
اللہ وجہٗ سے اور انھوں نے ذکر حاصل کیا
سید الاولین والآخرین حبیب رب العالمین
محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
سے جیسا کہ سیدی یوسف کورانی عجمیؒ
نے اپنی سند صحیح سے یہ روایت کیا ہے کہ
حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وکرم اللہ وجہٗ
نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا
اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے اللہ تعالیٰ کا
قریب ترین راستہ اور سہل ترین راستہ اور افضل
ترین راستہ بتایئے۔ آپ نے فرمایا کہ سب سے بڑھ کر افضل
وہی ہے جو میں نے اور مجھ سے قبل سارے
نبیوں نے کہا ہے یعنی لا الہ الا اللہ
اس لئے کہ اگر ساتوں آسمان اور ساتوں

السموات السبع والارضين السبع
فى كفة ولا اله الا الله فى كفة
لرجحت بهم لا اله الا الله
ثم قرأ رسول الله صلى الله تعالے
عليه وسلم يا على لا تقوم الساعة
وعلى وجه الارض من يقول
الله الله فقال على رضى الله عنه
كيف اذكر يارسول الله فقال
رسول الله صلى الله تعالى عليه
وسلم غمض عينيك واسمع منى
ثلث مرات ثم قل انت ثلاث
مرات وانا اسمع فقال صلى الله
تعالى عليه وسلم لا اله الا الله
ثلاث مرات مغمضا عينيه رافعا
صوته وعلى يسمع ثم قال على
رضى الله تعالے عنه لا اله الا
الله ثلث مرات مغمضا عينيه
رافعا صوته والنبى صلى الله تعالے
عليه وسلم يسمع وبعد تلقينه
صلى الله تعالى عليه وسلم لعلى بمدة
اذن له بالتلقين تلقن على
رضى الله تعالى عنه ابنيه الحسن
والحسين والحسن البصرى وكميل

زمین ایک پلہ میں رکھا جائے اور لا الہ الا اللہ
دوسرے پلہ میں رکھا جائے تو لا الہ الا اللہ ہی
والا پلہ جھک جائے گا۔ پھر رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے علی
(سن لو) قیامت نہ قائم ہوگی جب تک کہ
روئے زمین پر ایک فرد بھی اللہ اللہ کا
کہنے والا موجود رہے گا۔ یہ سن کر حضرت علی
رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ اچھا تو یہ
فرمائیے کہ اس کا ذکر کس طرح کروں رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنی دونوں
آنکھیں بند کرو اور میں تین بار کہتا ہوں۔ سنو
پھر تم تین بار کہنا میں سنوں گا۔ اسکے بعد
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لا الہ الا اللہ،
لا الہ الا اللہ، لا الہ الا اللہ تین بار اپنی دونوں
آنکھوں کو بند کرکے بلند آواز کے ساتھ فرمایا۔ حضرت
علیؓ سن رہے تھے پھر اس کے بعد حضرت علیؓ
نے اپنی آنکھوں کو بند کرکے تین بار لا الہ الا اللہ
بلند آواز سے کہا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
سن رہے تھے۔ پھر ایک مدت تک رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو ذکر کی تلقین فرمائی
اس کے بعد دوسروں کو تلقین کرنے کی انھیں
اجازت دیدی۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے
اپنے دونوں صاحبزادوں حسن وحسین اور حسن بصری

بن زیاد انتھی۔

وقد روی ایضاً انہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لقن اصحابہ الذکر جماعۃ فقد قال شداد بن اوس کنا عند النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فقال علیہ الصلوٰۃ والسلام ھل فیکم غریب یعنی من اھل الکتاب کنا لا یارسول اللہ فامر بغلق الباب وقال ارفعوا ایدیکم فقولوا لا الٰہ الا اللہ فرفعنا ایدینا ساعۃ وقلنا لا الٰہ الا اللہ ثم قال الحمد للہ اللھم انک بعثتنی بھذہ الکلمۃ وامرتنی بھا ووعدتنی علیھا الجنۃ وانک لا تخلف المیعاد۔ ثم قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم الا ابشروا فان اللہ قد غفر لکم وکان فی الحاضرین حینئذ ابوبکر وعمر وعثمان رضی اللہ تعالیٰ عنھم کما ثبت فی روایات کثیرۃ انتھی

(حسن الختام)

فی تعداد المکفرات للذنوب

اور کمیل ابن زیاد کو تلقین فرمایا۔ (یوسف کورانی عجمی کا بیان ختم ہوا۔)

اور یہ بھی مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی جماعت کو اجتماعی طور پر ذکر تلقین فرمایا چنانچہ شداد بن اوس کہتے ہیں کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ آپنے ارشاد فرمایا کہ تم میں کوئی اجنبی یعنی اہل کتاب میں سے تو نہیں ہے ہم نے عرض کیا کہ نہیں یا رسول اللہ کوئی اجنبی نہیں ہے۔ آپنے فرمایا کہ اچھا تو دروازہ بند کردو اور فرمایا کہ اپنے ہاتھوں کو اٹھاؤ اور کہو لا الٰہ الا اللہ چنانچہ ہم سب نے تھوڑی دیر کے لیے اپنے ہاتھوں کو اٹھایا اور کہا لا الٰہ الا اللہ پھر آپنے فرمایا الحمد للہ یعنی یا اللہ تیرا شکر ہے تونے اس کلمہ کے ساتھ مجھے مبعوث فرمایا اور مجھے اسکے (ذکر و تلقین) کا حکم فرمایا اور آپنے مجھ سے اسپر جنت کا وعدہ فرمایا اور بیشک آپ وعدہ خلافی نہیں فرماتے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اصحاب سے فرمایا کہ تمھیں بشارت ہو اللہ تعالیٰ نے تمھیں بخش دیا اور اسوقت حاضرین میں سے ابوبکر و عمر و عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی تھے جیسا کہ بہت سی روایات سے ثابت ہے۔ یہ روایت ختم ہوئی۔

حسن خاتمہ

اس عنوان کے تحت وہ امور شمار کیے

المتقدمة والمتأخرة التي جمعها نظمًا الشيخ عبد الله بن الشيخ محمد الكردي البيتوشي من كتاب تفريج الكروب للشيخ الحطاب وذكرها الامام المنذري والامام السيوطي والحافظ ابن حجر جعلتها ختم هذا الكتاب تفاولًا بان الله تعالى يغفر لنا ولوالدينا ولمشائخنا ولمحبينا ولمن قرأ هذا الكتاب وعمل بما فيه انه هو الغفور الرحيم۔

وهي اسباغ الوضوء على المكاره واطلقه الناظم وان تقول عند قول المؤذن اشهد ان لا اله الا الله مثل قوله وتزيد رضيت بالله ربا وبالاسلام دينًا وبمحمد صلى الله عليه وسلم نبيًا ورسولًا وفي رواية وانا اشهد الخ وان يومن المصلي مع تامين امامه وصلوٰة ركعتي الضحیٰ[ا]

گئے ہیں جن سے اگلے اور پچھلے گناہ معاف ہوتے ہیں جنھیں شیخ عبداللہ بن شیخ محمد کردی بیتوشی نے شیخ حطاب کی کتاب المسمیٰ بہ تفریج الکروب سے اخذ کر کے نظم میں بھی جمع کر دیا ہے اور جنھیں امام منذری علامہ سیوطی اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی بیان کیا ہے۔ میں نے بھی ان مکفرات ذنوب کو اپنی اس کتاب کا خاتمہ بطور فال نیک کے بنایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بھی ہمارے گناہوں کو بخش دیں اسی طرح ہمارے والدین ہمارے مشائخ ہمارے محبین اور ہر اس شخص کو بخش دیں جو اس کتاب کو پڑھے اور اس کے مضامین پر عمل کرے بیشک وہ غفور رحیم ہے۔

وہ امور یہ ہیں: ناگواری کے باوجود وضو کا پانی اعضا میں دور تک پہنچانا صاحب نظم نے اسے چھوڑ دیا ہے موذن جب اشهد ان لا اله الا الله کہے تو اسی کے مثل سے جواب دینا اور تم یہ کلمات بھی زائد کرو کہ رضیت بالله ربا و بالاسلام دینا و بمحمد صلی الله علیہ وسلم نبیا و رسولا اور ایک روایت میں آتا ہے آپ نے فرمایا کہ میں بھی یہ گواہی دیتا ہوں۔ مقتدی کا امام کی آمین کے ساتھ آمین کہنا۔ چاشت کی دو رکعت نماز پڑھنا۔

[ا] قوله وصلوٰة ركعتي الضحیٰ الخ مراد اس سے اور اس جیسے سے یہ ہے کہ جب سے انسان اسکو شروع کرے اس پر مواظبت (پابندی) کرے نہ یہ کہ ایک دفعہ کرلے اور بس ختم۔ میں نے اپنے اکابر سے ایسا ہی سنا ہے اور اللہ تعالیٰ کا کسی پر فضل ہو جائے تو اسکو کون روکنے والا ہے۔ ۱۲

وقرأة الفاتحة والاخلاص والمعوذتين سبعًا سبعًا بعد صلوٰة الجمعة وهو ثان رجله وصلاة التسابيح المشهورة وصلاة القيام في رمضان وهي صلاة التراويح وقيام ليلة القدر وصيام رمضان وصيام يوم عرفة والاحرام بالحج او العمرة من بيت المقدس وكذا الحج المبرور بل ورد انه يكفر التبعات ايضًا والصلاة ركعتين خلف مقام ابراهيم والنظر للكعبة احتسابًا وقرأة الآيات آخر سورة الحشر وتعليم ولدك القران في المصحف ومن عد اربعين مَوْجَةً من موج البحر يكبر عند كل واحدة مرة والاقامة بعكا بقصد الرباط للجهاد وقود الاعمى اربعين خطوة والسعي في حاجة المسلم ولو لم تقضعه ورفع الشوك من الطريق

نماز جمعہ پڑھنے کے بعد اسی طرح بیٹھے بیٹھے سورۂ فاتحہ سورۂ اخلاص قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس سات سات بار پڑھنا۔ صلوٰۃ التسبیح پڑھنا جو کہ مشہور نماز ہے۔ رمضان شریف میں تراویح کا پڑھنا شب قدر میں نوافل پڑھنا، رمضان شریف کے روزے رکھنا اور عرفہ کے دن روزہ رکھنا۔ حج یا عمرہ کا احرام بیت المقدس سے باندھنا۔ حج مبرور نصیب ہونا بلکہ روایات سے تو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس سے حقوق تک معاف ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح سے منجملہ مکفرات ذنوب کے مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نفل پڑھنا بھی ہے اور ثواب کی نیت سے کعبہ شریف پر نظر کرنا بھی ہے اور سورۂ حشر کی آخری آیات کی تلاوت کرنا بھی ہے اور اپنے بچے کو قرآن شریف کی تعلیم دینا بھی ہے اسی طرح سے اس کے بھی گناہ معاف ہوتے ہیں جو دریا سمندر کی چالیس موجوں کو اس طرح سے شمار کرے کہ ہر موج اٹھنے کے وقت اللہ اکبر کہے اور اس کے بھی جو مقام عکا میں جہاد کے انتظار میں چھاؤنی بنا کر مقیم رہے اور اس کے بھی جو کسی اندھے کو چالیس قدم پکڑا کرے چلے اور اس

عہ (قولہ ولو لم تقض الخ) میں نے اپنے عم محترم شیخ مصطفےٰ رافعی سے سنا کہ اگر اسکی حاجت پوری ہوگئی تو اسکے لئے ایک اجر ہے اور نہ پوری ہوئی تو دو اجر۔ میں کہتا ہوں کہ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ حاجت نہ پوری ہونے کی وجہ سے انسان کو ایک قسم کی شکستگی لاحق ہوتی ہے اور اس کا دل ٹوٹ جاتا ہے۔ تو یہ اس کا بدلہ ہو۔ ۱۲

ومرض الغريب الذی ليس عنده من يعرفه والمصافحة مع الصلاة على النبی صلی الله تعالیٰ عليه وسلم ويزيد اللهم اٰتنا فی الدنيا حسنة وفی الاخرة حسنة وقنا عذاب النار. لرواية انس وحمد الله تعالیٰ بعد اللباس وبعد الطعام ومن عمر تسعين سنة وفی بعض رواياتها ضعف والحديث الضعيف يعمل به فی فضائل الاعمال كالصوم والصلوة والاذكار مالم يشتد ضعفه بل ورد ان من بلغه عن الله شیٔ فيه فضيلة فلخذ به ايمانا به ورجاء ثوابه اعطاه الله ذلك وان لم يكن كذلك وقال المناوی وينبغی لمن بلغه شیٔ من فضائل الاعمال ان يعمل به ولو مرة ليكون من اهله. انتهٰی

کے بھی جو کسی مسلمان کی حاجت روائی کی کوشش کرے اگرچہ وہ حاجت نہ پوری ہو سکے۔ اسی طرح امور مکفرہ میں سے راستے سے کانٹے کا پھینک دینا بھی ہے اور کسی غریب الدیار مسافر کی جس کے پاس اسکا کوئی جان پہچان والا نہ ہو۔ تیمارداری کردینا بھی ہے اور مصافحہ بھی ہے جبکہ اسکے ساتھ ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھ لیا جائے اور اس دعا کا بھی اضافہ کریں اللھم اٰتنا فی الدنیا حسنة وفی الاخرة حسنة وقنا عذاب النار۔ کیونکہ انسؓ کی روایت سے ثابت ہے۔ اسی طرح سے کپڑا پہننے اور کھانا کھانے کے بعد الحمد للہ پڑھنا بھی مکفر ذنوب ہے اسی طرح سے نوّے سال کی عمر کا ہونا اور انمیں سے بعض روایات میں اگرچہ ضعف ہے مگر حدیث ضعیف پر بھی فضائل اعمال کے باب میں عمل کر لیا جاتا ہے جیسے روزہ اور نماز اور اذکار پر حدیث ضعیف سے بھی عمل جائز ہے جبتک کہ اسکا ضعف بہت شدید نہ ہو بلکہ روایت میں تو یہاں تک آیا ہے کہ جسکو اللہ تعالیٰ کی جانب سے کوئی ایسی بات پہنچی جسمیں کوئی فضیلت تھی اس نے ایمان کی وجہ اور ثواب کی لالچ میں اسپر عمل کر لیا تو اللہ تعالیٰ اسکو وہ ثواب عطا فرمائیں گے اگرچہ واقعہ میں ایسا نہ ہو۔ علامہ مناوی کہتے ہیں کہ جس شخص کو فضائل اعمال سے متعلق کوئی بات پہنچے تو اسے چاہیئے کہ اس پر عمل ضرور کرے۔ اگرچہ ایک ہی مرتبہ کیوں نہ ہو تاکہ اس فضیلت کا مستحق ہو جائے۔ (انتہی)

واسئل الله تعالیٰ الذی لا يضجره الحاح السائلين ولا

اب میں اس اللہ سے سوال کرتا ہوں جسے سائلین کا الحاح تنگدل نہیں کرتا اور نہ جس کا وسیع

يضيق واسع فضله بمسائلة
المراغبين متوسلاً اليه ببسطة
يديه بالجود وبنبيه المصطفى المحمود
وبرجال هذه الطريقة وكل ولي
له على الحقيقة ان يمن علينا
وعلى احبابنا واخواننا وكل من
نظر في كتابنا هذا بما من به على
مقربي اولياءه وخاصة خلاصة
اصفيائه وان يحفظنا من كل ما
يبعدنا عن حضرته او يشغلنا عن
خدمته وان يهب لنا الحظ الاوفر
والنصيب الاكثر من متابعة نبيه
الاكرم وحبيبه الاعظم صلى الله
تعالى عليه وسلم وان يمن علينا
بنظرة عطف منه تجذبنا الى
منيع حضرته وان ينيلنا جميل عفوه
ومغفرته وان يحفظنا في ديننا
ودنيانا من الآفات وان يختم لنا
ولاحبابنا ولجميع المسلمين -
باسعد الخاتمات وان يجعل هذا
الكتاب خالصاً لوجهه الكريم
وينفع به كل من طالعه بقلب
سليم ويجعله ذخيرة لي يوم

فضل رغبت کرنے والوں کے سوال سے تنگ ہوتا
ہے۔ اس حال میں کہ میں اسکے طرف وسیلہ بنانے والا ہوں
اسکے دونوں ہاتھ کھول کر سخاوت کرنے کو اور وسیلہ بنانے
والا ہوں نبی مصطفےٰ کو جو محمود ہیں اور وسیلہ بنانے والا ہوں
اسکے اس طریق کے جملہ رجال کو اور ہر اس شخص کو جو حقیقتاً
اس کا ولی ہے (ان تمام وسائط اور توسل کے ذریعہ) اس
سے یہ سوال کرتا ہوں کہ ہم پر بڑی کرم اور احسان فرمائے اور ہمارے
احباب پر اور ہمارے بھائیوں پر اور ہر اس شخص پر جو ہماری اس
کتاب کا مطالعہ کرے جو کرم و احسان کہ اس نے اپنے اولیا مقربین
اور مخصوص خواص پر فرمایا ہے اور یہ کہ ہماری حفاظت کرے
ہر اس چیز سے جو ہمیں دور کردے اسکی حضوری سے یا مشغول کردے
اسکی خدمت سے اور یہ کہ عطا فرمائے ہمیں حظ وافر اور بڑا
حصہ اپنے نبی اکرم اور حبیب اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت
کا اور یہ دعا ہے کہ احسان فرمادیں ہمارے اوپر اپنے گوشۂ چشم سے
ایک نظر کرم کا جو ہمیں کھینچ لے انکے محفوظ درگاہ کی جانب
اور یہ درخواست ہے کہ پہنچ جائے ہمکو ان کا عفو جمیل اور مغفرت
جزیل اور یہ سوال ہے کہ حفاظت فرمائیں ہماری ہمارے دین اور
دنیا میں ہر قسم کی آفات سے اور خاتمہ فرمادیں ہمارا اور ہمارے احباب
کا اور جمیع مسلمین کا سعید ترین خاتمہ۔

اور یہ دعا ہے کہ کردیں اس کتاب کو خالص اپنے وجہ
کریم کے لئے اور نفع بخشیں اس سے ہر اس شخص کو جو اس
کا مطالعہ قلب سلیم کے ساتھ کرے اور یہ تمنا ہے کہ
بنادیں اس کو میرے لئے ذخیرہ ایسے دن کا کہ جس

لا ينفع مال ولا بنون والحمد لله اولا واٰخرا وصلى الله تعالىٰ على سيدنا محمد وعلى اٰله وصحبه وسلم۔

دن نہ مال کام آئیگا اور نہ اولاد تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ ؟ لئے ہیں اولاً بھی اور آخراً بھی۔ اللہ تعالی رحمت کا ؟ سلام نازل فرمائے ہمارے سید محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ ؟ جملہ آل واصحاب پر۔

وكان الفراغ من هذا الكتاب في الساعة الثامنة من نهار الخميس خامس عشر شهر جمادى الاولى من سنة احدى وثلاث مائة بعد الالف من هجرة من خلق الله تعالىٰ على اكمل وصف تجاه الكعبة البهيّة ولله الحمد والمنة وهو حسبنا ونعم الوكيل وصلى الله تعالى على سيدنا محمد وعلى اٰله وصحبه وسلم۔

اور الحمد للہ میں نے اس کتاب کی تالیف ؟ سے فراغت بروز پنجشنبہ بوقت ۸ بجے دن بتاریخ ۵ ؟ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۰۱ھ کو پائی۔ ہجرت اس ذات کی ؟ جسے اللہ تعالی نے کامل ترین وصف پر پیدا فرمایا ؟ اور یہ فراغت کعبہ مکرمہ کے زیر سایہ اور بالمواجہ ہوئی ؟ وللہ الحمد والمنۃ اور وہ اللہ ہمیں کافی ہے اور ؟ کارساز ہے۔ اور اللہ تعالی رحمت کاملہ نازل فرمائے اور سلام بھیجے ہمارے سید محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کے جملہ آل واصحاب پر۔

وفى يوم اتمام قد وضعته داخل الكعبة المعظمة ثم لما كان بعد الشروق من نهار الخميس المبارك المصادف سابع شهر جمادى الآخرة من السنة المذكورة دعاني الشيخ عمر الشيبي صاحب النوبة في سدانة البيت المعظم لدخول

اور جس دن کہ میں نے اس کتاب کو ختم کیا اسی دن میں نے اسکو کعبہ شریف کے اندر رکھ دیا پھر ماہ جمادی الاخریٰ کی ساتویں تاریخ کو اسی سن مذکور کے کہ پنجشنبہ کا دن تھا طلوع شمس کے وقت مجھے شیخ عمر شیبی جو صاحب نوبہ کے لقب سے مشہور تھے اور کعبہ کے دروازہ کے پاس موجود تھے بیت اللہ میں داخل ہونے کے لئے مجھے بلایا چنانچہ

البيت المشار اليه فوضعت لنا السُلَّم وصعدنا للكعبة المعظمة وصلينا ما تيسر بالمحل الذى صلى فيه رسول الله صلى الله عليه وسلم ودعونا بما فتح الله تعالى ثم ان الشيخ المومأ اليه تناول هذا الكتاب والطيب يعبق منه وناولنيه وانا فى المصلى المذكور فرفعته على يدى ودعوت الله تعالى بدعوات منها ان الله تعالى ينفع به عباده المؤمنين ويجعله ذخيرة خيرلى عنده فلاحت لى علامة القبول ولله الحمد۔

سیڑھی لگائی گئی اور ہم کعبہ شریف میں داخل ہوئے اور اس مقام میں جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی حسب توفیق نماز پڑھی اور حسب استطاعت اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی پھر شیخ مذکور نے اس کتاب کو مجھے اٹھا کر دیا اس حال میں کہ اس میں سے بہترین خوشبو پھوٹ رہی تھی اور مجھے اس حالت میں دیا کہ میں اسی نماز پڑھنے کی جگہ میں موجود تھا۔ چنانچہ میں نے اس کتاب کو ہاتھ میں لے کر اٹھا لیا اور اسی حال میں اللہ تعالیٰ سے چند دعائیں کیں جن میں سے ایک یہ تھی کہ اے اللہ تو اس کے ذریعہ اپنے مومنین بندوں کو نفع بخش اور اسکو میرے لئے اپنے پاس بہترین ذخیرہ بنالے (یہ دعا میں نے کچھ اس طرح سے کی کہ) خود مجھے بھی قبولیت کے آثار نظر آئے۔ وللہ الحمد۔

ولقد كان مدة مكث هذا الكتاب فى جوف الكعبة ثلاث اسابيع وبعد نزولى من الكعبة الهمنى الله تعالى ان الخصت الدعاء الاتى من كتاب سهام الاصابة فى الدعوات المجابة للامام السيوطى مع حذف الاسانيد ونقص وزيادة وهو هذا

اور اندرون کعبہ اس کتاب کے باقی رہنے کا زمانہ تقریباً تین ہفتہ رہا۔ پھر جب میں کعبہ مکرمہ سے نیچے اترا تو اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یہ بات ڈالی کہ میں آگے آنے والی دعا کو امام سیوطی کی کتاب سہام الاصابہ فی الدعوات المجابہ سے ملخصاً نقل کردوں یعنی اسکی اسانید کو حذف کرکے اور حسب ضرورت اس میں کچھ کمی بیشی کرکے چنانچہ وہ دعا یہ ہے۔

اللهم يا بديع السموات

اے اللہ اے آسمان اور زمین کے

والارض یاذا الجلال والاکرام۔
اسئلک بان لک الحمد لا الٰہ الا انت
الحنان والمنان واسئلک بلا الٰہ
الا انت رب السمٰوات السبع و
رب العرش العظیم۔ واسئلک
بلا الٰہ الا انت رب السمٰوات
السبع ورب العرش الکریم۔
واسئلک بلا الٰہ الا انت رب
السمٰوات السبع والارضین السبع
ومافیھن انک علیٰ کل شیٍٔ قدیر۔
واسئلک بانک انت اللّٰہ لا الٰہ
الا انت الاحد الصمد الذی
لم یلد ولم یولد ولم یکن لہٗ
کفواً احد واسئلک باسمک
العظیم الذی اذا دعیت بہٖ
اجبت واذا سئلت بہٖ اعطیت
واسئلک باسمک الاعلیٰ الاعز
الاجل الاکرم ان تملأ قلبی منک
خشیۃ وتملأ وجھی منک حیاءً
وان تطھر قلبی من کل وصف یبعدنی
عن حضرتک وان تمن علی
برضاک والاستطراح فی بابک
مبرأ من الحول والقوۃ مفوضاً

ایجاد کرنے والے (یعنی بلا سابق نمونہ کے بنانے والے) اے
ذوالجلال والاکرام میں تجھسے سوال کرتا ہوں اس واسطے
سے کہ تیرے ہی لئے حمد ہے کوئی معبود نہیں ہے سوائے تیرے
تو ہی حنّان منّان ہے اور سوال کرتا ہوں تجھسے اسواسطے
سے کہ نہیں ہے کوئی اللہ سوائے تیرے تو رب ہے ساتوں آسمان کا
اور رب ہے عرش عظیم کا اور سوال کرتا ہوں تجھ سے اسکے واسطے
کہ نہیں ہے کوئی معبود بجز تیرے تو رب ہے ساتوں آسمان کا اور رب
ہے عرش کریم کا اور سوال کرتا ہوں تجھسے اسکے واسطے کہ نہیں ہے
کوئی معبود سوائے تیرے تو رب ہے ساتوں آسمان کا اور ساتوں زمین
کا اور ان سب کا بھی جو ان کے اندر ہے۔ بیشک تو ہر شے پر قادر ہے۔
اور سوال کرتا ہوں میں تجھسے بطفیل اسکے کہ تو اللہ ہے کوئی
معبود نہیں ہے سوائے تیرے تو احد اور صمد ہے تیری شان
لم یلد ولم یولد ولم یکن لہٗ کفواً احد ہے اور میں سوال کرتا
ہوں تجھ سے تیرے اس اسم اعظم کے طفیل سے کہ جب تو
اس کے ساتھ پکارا گیا تو تو نے اجابت کی اور جب تو اس کے
ذریعہ سوال کیا گیا تو تو نے دیا اب میں سوال کرتا ہوں تجھ
سے تیرے اس نام کے واسطے سے جو بلند و بالا عزت والا اور بزرگ
و برتر اور مکرم اور معظم ہے (ان تمام وسائل کو پیش کرکے یہ سوال
کرتا ہوں کہ) تو میرے قلب کو اپنے خوف سے بھر دے اور میرے چہرے
کو اپنی حیا سے ڈھانک دے اور یہ کہ تو پاک کردے میرے قلب کو ہر اس
وصف سے جو مجھے تیری حضوری سے دور کرنے والا ہو اور یہ کہ
تو مجھ پر احسان فرما اپنی رضا سے مجھے نواز کرکے اور یہ کہ میں تیرے
دروازے پر پڑا رہوں۔ ہر مانع اور معاون سے صرف نظر

مستسلماً۔

اللهم واسئلك موجبات رحمتك وعزائم مغفرتك والغنيمة من كل بر والسلامة من كل اثم اللهم لا تدع لی ذنباً الا غفرته ولا دیناً الا قضيته ولا حاجة من حوائج الدنيا والآخرة الا قضيتها برحمتك یا ارحم الراحمین۔

اللهم فارج الهم وكاشف الكرب مجيب دعوة المضطر رحمن الدنيا والآخرة ورحيمهما انت ترحمنی فارحمنی رحمة تغنيني بها عمن سواك اللهم اغننی من الفقر واقض عنى الدین وتوفنی فی عبادتك وجهاد فی سبيلك +

اللهم اكفنی بحلالك عن حرامك واغننی بفضلك عمن سواك +

اللهم انی اسئلك من فضلك ورحمتك فانهما بيدك لا يملكهما احدٌ سواك۔

اللهم یا ذا المعروف الذی لا

کرکے اس حال میں کہ خود کو تیرے سپرد اور حوالہ کردوں۔

اے اللہ اور میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تیری رحمت کے موجبات کا اور تیری مغفرت کے اسباب کا اور لوٹ ہر نیکی کی اور بچاؤ ہر گناہ سے۔ اے اللہ مت چھوڑنا ہمارا کوئی گناہ مگر یہ کہ بخشدینا اسے اور نہ کچھ قرض مگر یہ کہ ادا کر دینا اسے اور نہ کوئی حاجت دنیا اور آخرت کی حاجتوں میں سے مگر یہ کہ پورا کردینا اسے اے سب سے بڑھ کر رحم کرنے والے۔

اے اللہ کھولنے والے غم کے اور دور کرنے والے مصیبتوں کے قبول کرنے والے مضطر کی دعا کے دنیا اور آخرت کے رحمان اور ان دونوں کے رحیم آپ رحم فرمائیے مجھ پر اور رحمت فرمائیے مجھ کو ایک ایسی رحمت کہ آپ مجھے بے نیاز کردیں اسکی وجہ سے اپنے ما سوا سے۔ اے اللہ دور کردے مجھ سے فقر کو اور ادا کرادے تو میرے قرض کو اور وفات دے مجھے اپنی عبادت میں اور اپنے راستہ میں جہاد کے اندر۔

اے اللہ بچائیے مجھے حلال روزی دیکر اپنے حرام سے اور بے پرواہ کر دیجئے مجھے اپنا فضل عطا فرما کر اپنے غیر سے۔

اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں تیرے فضل اور تیری رحمت کا سلئے کہ یہ دونوں تیرے ہاتھ میں ہیں سوائے تیرے انکا کوئی مالک نہیں۔

اے اللہ اے کبھی نہ ختم ہونے والے معروف والے

ينقطع ابدا ولا يحصيه غيره يا
من لا يعلم كيف هو الا هو يا
من لا يعلم قدره غيره يارب
يارب يارب يا ارحم
الراحمين يا ارحم الراحمين
يا ارحم الراحمين۔ اجعل لی
من كل ما اهمنی وكربنی من
امر دنیای وآخرتی فرجًا ومخرجًا
وارزقنی من حیث لا احتسب
واغفرلی ذنبی وثبت رجائی
فیك واقطعه عمن سواك لا ارجو
احدا غیرك یا كثیر الخیر یا دائم
المعروف۔ اللهم انی اسئلك مثل
ذلك لاولادی واحبابی واخوانی
فیك فانك لنا مالك وانك علی
كل شیئ قدیر مقتدر۔

اللهم انا نسئلك ایمانا
لا یرتد ونعیما لا ینفد ومرافقة
نبیك صلی الله علیه وسلم فی
اعلی درجة الجنة جنة الخلد
یا مقلب القلوب والابصار ثبت
قلوبنا علی دینك وتوفنا علی احسن
حالة ترضاها

اور جس کے احسانات احاطے سے باہر ہیں۔ اے وہ ذات
کہ جسکی کیفیت کو سوائے اسکے کوئی دوسرا نہیں جانتا اور اے
وہ ذات کہ جسکی قدر کو اس کا غیر نہیں پہچان سکتا۔ اے میرے
رب اے میرے رب اے میرے رب......
اے ارحم الراحمین اے ارحم الراحمین اے ارحم الراحمین
میرے لئے ہر اس معاملہ میں جو مجھ کو رنج و غم میں ڈالے
اور پریشانیوں اور مصیبت میں واقع کرے خواہ دنیا سے
متعلق ہو یا آخرت سے آپ کشائش اور اسکے ازالہ کی سبیل
ایسے طور پر فرما دیجئے کہ مجھے اس کا گمان بھی نہ ہو اور
میرے گناہوں کو بخش دیجئے اور آپ سے جو میری امیدیں
وابستہ ہیں وہ پوری فرما دیجئے اور مجھے اپنے ماسوا سے
کاٹ دیجئے تاکہ میں آپکے سوا کسی سے امید ہی نہ لگاؤں
اے کثیر الخیر اور اے دائم المعروف اے اللہ میں یہی سب کچھ
اپنے اولاد کے لئے بھی آپ سے مانگتا ہوں اور اپنے احباب کے
لئے بھی اور اپنے دینی بھائیوں کیلئے بھی اسلئے کہ آپ ہمارے
آقا ہیں اور بے شک آپ ہر شے پر قادر و مقتدر ہیں۔

اے اللہ ہم آپ سے مانگتے ہیں ایسا ایمان کہ پھر نہ پھرے
اور ایسی نعمت کہ ختم نہ ہو اور رفاقت تیرے نبی صلی اللہ
علیہ وسلم کی جنت کے برترین مقام یعنی جنت خلد میں۔ اے
قلوب اور نظروں کے الٹنے اور پلٹنے والے ہمارے قلوب
کو اپنے دین پر ثابت رکھ اور ہمیں وفات دے اچھے
حال میں جو تو ہمارے لئے پسند کرے

وتلقنا بالروح والریحان راضیا غیر غضبان وارض عنا اخصامنا واقض عنا تبعاتنا وصلی اللّٰہ علیٰ سیدنا محمدٍ وعلیٰ آلہ وصحبہ وسلم وعلیٰ کل عبد مصطفیٰ من اھل الارض والسماء آمین ٥

اور تو ہمیں راحت اور خوشی بہترین ہوا اور عمدہ خوشبو کیساتھ میں ملے اور اس حال میں تیری ملاقات ہو کہ تو ہم سے راضی ہو اور ہم سے غصہ ہوا ہو اور اللہ ہمارے خصوم کو ہم سے راضی کردے اور حقوق العباد کو ہم سے ادا کرادے۔ اور درود و سلام بھیج ہمارے سید محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ان کے آل اور اصحاب پر اور اللہ کے ہر برگزیدہ بندے پر خواہ وہ زمین والوں میں سے ہو یا آسمان والوں میں سے ہو۔ آمین

ختم شد

*

گذارش از مترجم

راقم کتاب کے ترجمہ سے تو اوائل اکتوبر ۶۲ء ہی میں فارغ ہو چکا تھا۔ چنانچہ بقیہ تمام مسودہ حضرت والا نور اللہ مرقدہٗ کے ملاحظہ کیلئے گذارکر ۱۴ یا ۱۵ اکتوبر کو (یعنی وصال سے تقریباً ۴ یوم قبل) دفتر معرفت حق کو بھیجدیا گیا تھا۔ اس شمارہ میں اس کی آخری قسط آپ کے پیش نظر ہے۔

الحمدللہ اس پر مسرت ہے کہ حضرت والا کی یہ خواہش حضرت کے سامنے ہی پایہ تکمیل کو پہونچ گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ اس کے نفع کو عام و تام فرمادے اور اس کے اجر سے حضرت والا کی روح کو شادکام فرمادے۔

ترجمہ میں جو غلطی ہوگئی ہو وہ اس ناکارہ کیجانب منسوب کیجائے (اللہ تعالیٰ اسکو معاف فرمادے) اور جس کسی کو اس سے کچھ نفع پہونچے وہ حضرت والا کا فیض سمجھے۔ اللہ تعالیٰ اس کو قائم و دائم رکھے اور اضعاف فرمائے۔ آخر میں ناظرین کرام سے یہ دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ اس عاصی مترجم کو نیز ان تمام احباب کو جو اس ترجمہ اور اشاعت میں احقر کے معین بنے ہیں اپنی نسبت صحیحہ اور قرب خاص سے نوازے بجاہ السید النبی الکریم علیہ افضل الصلوات والتسلیم

ناکارہ مترجم عفی عنہ
یکم شعبان ۱۳۸۲ھ ۲۳ بخشی بازار الہ آباد

فرائض و نوافل کی تفریق

فرمایا کہ:۔ شریعت مقدسہ میں جس عمل کا جو درجہ ہے اسی کے مطابق اپنا عقیدہ رکھنا چاہیئے اور عمل میں بھی اسی درجہ کا اہتمام کرنا چاہیئے۔ ایسا نہ ہو کہ جو عمل شریعت میں عظیم ہے اس کو تو چھوٹا سمجھ لیا جائے اور چھوٹے ہی کو بڑا سمجھ لیا جائے۔ اگر ایسا کیا جائے گا تو شریعت کا انتظام ہی درہم برہم ہو جائے گا کوئی چیز اپنی جگہ پر نہ رہجائیگی اور جب شریعت کی اتباع نہ رہجائیگی تو پھر مقبولیت ختم ہو جائے گی۔ اس لئے کہ مقبولیت کی راہ منحصر ہے اتباع شریعت میں بغیر ہر امر میں اتباع شرع کے اللہ تعالیٰ تک رسائی ناممکن ہے۔ مثلاً اس زمانہ میں یہ ضلالت آگئی ہے کہ فرائض میں تقرب اور ثواب کم سمجھتے ہیں اور نوافل میں زیادہ بلکہ ولایت اور بزرگی نوافل ہی میں اعتقاد کرتے ہیں فرائض میں نہیں. حالانکہ ان لوگوں کو نہیں معلوم کہ صلوات خمسہ کو اللہ تعالیٰ نے فرض کیا ہے اس پر دلائل قطعیہ قائم ہیں اور نوافل دلائل ظنیہ سے ثابت ہیں تو دونوں کیسے برابر ہو سکتے ہیں۔ جیسے ان کے دلائل میں تفاوت ہے اسی طرح خود فرائض اور نوافل کے درجات میں تفاوت ہے۔ پس ہر مسلمان کے لئے لازم ہے کہ فرائض کی فرضیت کے اعتقاد کے ساتھ ساتھ یہ بھی اعتقاد کرے کہ سب سے زیادہ تقرب اور ثواب فرائض ہی میں ہے۔ اور ولایت کے حاصل کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ یہی ہے. مگر اب اعتقاد اس کے بالکل برعکس ہو گیا ہے عوام تو اکثر اس بدعقیدگی میں مبتلا ہیں کہ نوافل کو اہم سمجھتے ہیں اور خواص ایسی کھلی ہوئی بداعتقادی میں تو کیسے مبتلا ہوتے تاہم اتنا ضرور ہے کہ فرائض کا خاص اہتمام نہیں کرتے عظمت اور وقعت کے استحضار کے ساتھ اُسے ادا نہیں کرتے یہ لوگ بھی عوام کے عقیدہ سے ضرور متاثر ہیں۔ چنانچہ کچھ لوگوں نے اس کا اقرار بھی کیا کہ واقعی فرائض کا اہتمام بہت ہی کم تھا۔ آپ کے بیان سے اب توجہ اس کی طرف ہوئی۔ ان لوگوں کو نہیں معلوم کہ جس طرح لوگوں کے مراتب میں فرق ہوتا ہے ان کے درجات مختلف ہوتے ہیں ویسے ہی اعمال شرعیہ میں بھی فرق ہے۔ بعض فرض ہیں بعض واجب، بعض سنت اور بعض نفل تو یہ سب کیسے برابر ہو سکتے ہیں۔ اور میں کہتا ہوں کہ لوگوں کے مراتب میں جو فرق ہوتا ہے وہ بھی اعمال ہی کے فرق سے ہوتا ہے۔ یعنی جو جس درجہ کا عمل کرتا ہے اسی کے مطابق اس کا درجہ ہوتا ہے اور یہ مصرعہ یہاں

خوب ہی چسپاں ہوتا ہے کہ ؏

گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی

ظاہر ہے اور سب کو معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معراج سے فرائض خمسہ ہی کا تحفہ لائے تھے اور جبریل علیہ السلام نے کئی مرتبہ تشریف لاکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرض نماز پڑھنے کا طریقہ سکھلایا۔ فرائض ہی کی ادائیگی کے لئے مساجد کی بنا ہوئی۔ فرائض ہی کے لئے اذان دی جاتی ہے اور اسی کی ادائیگی کے لئے جماعت کا امر فرمایا گیا ہے تو کیا یہ سب اہتمام شریعت کا یوں ہی ہے۔ اگر فرائض میں عظمت نہ ہوتی تو اس قدر اس کے اہتمام کی کیا ضرورت تھی۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے اعظم و اعلیٰ عبادات میں نماز ہی ہے۔ اب صرف زبان سے تو فرض فرض کہتے ہیں مگر عقیدہ یہ رکھتے ہیں کہ اس میں تقرب اس درجہ نہیں جتنا نوافل میں ہے۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ یہ نفاق نہیں تو اور کیا ہے ؟ یہ تو ایسا ہی ہے کہ کسی بزرگ کی خدمت میں آمد و رفت رکھیں اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ معتقد ہیں مگر دل سے اس کے معتقد نہ ہوں تو کیا ان بزرگ سے اس کو کچھ نفع ہوگا ؟ ان کے فیوض و برکات حاصل ہونگے ؟

اسی طرح جب فرائض کے لوگ معتقد ہی نہ رہے تو فرائض کے فیوض و برکات سے بھی محروم کر دیئے گئے۔ اور نوافل کے معتقد تھے تو اتنی فرصت نہیں کہ اسکو ادا کریں اس لئے اس کے فیوض سے بھی عاری رہے غرض نہ ادھر کے ہوئے اور نہ ادھر کے ہوئے۔ اور اگر کوئی فرائض کے علاوہ نوافل و اذکار کرے بھی تو جب اتنی بڑی بدعقیدگی میں مبتلا ہے پھر اللہ تعالیٰ کو کب گوارا ہوگا کہ اس کو فیوض و برکات عطا فرمائیں۔

علماء نے لکھا ہے کہ نفس نوافل کی جانب زیادہ راغب ہوتا ہے اس کو اس کے ادا کرنے میں زیادہ لذت ملتی ہے۔ اس لئے یہ موقع مزلۃ الاقدام تھا کہ اسکی طرف زیادہ میلان ہونے کے سبب انسان اس کو اپنی جہالت سے افضل بھی سمجھ لیتا۔ اس منشا کو سمجھ کر ان حضرات نے علم کی روشنی پھیلائی تاکہ جہالت کی تاریکی کافور ہو جائے اور سبیل حق واضح ہو جائے صاحب ترصیع الجواہر لکھتے ہیں کہ :-

النفس للنوافل امیل من جھۃ انھا تعمل ماتعمل بتصرفھا واداءھا فلھا فی ذلک لذۃ التصرف والاطلاق وفی الفرائض ھی مقھورۃ تحت حکم التکلیف ومن ھنا واللہ اعلم کانت الفرائض اعظم ثوابا مشقتھا علی النفس من حیث

نفس نوافل کی جانب زیادہ مائل ہوتا ہے اسلئے کہ یہاں جو کچھ وہ کرتا ہے وہ اسی کی جانب منسوب ہوتا ہے اور اسکے کرنے میں وہ خود مختار ہوتا ہے اسکو رائے کی آزادی حاصل ہوتی ہے تو اسکو اس تصرف اور خود مختاری میں ایک گونہ لذت ملتی ہے ـــــ اور فرائض میں تو وہ تکلیف کی قید و بند میں جکڑا ہوتا ہے (زمان و مکان کیف و کم کا پابند ہوتا ہے) شاید یہی وجہ اس کی ہو (واللہ تعالیٰ اعلم) کہ فرائض کی ادائیگی میں ثواب زیادہ ملتا ہے۔ کیونکہ وہ نفس پر شاق

انھا لاحظ لھا فیھا۔ ہوتا ہے اور وجہ مشقت یہ کہ نفس کے لئے اس کی ادائیگی میں اپنا کوئی حظ و حصہ نہیں ہوتا۔ (ترصیع صـ۲) چاروناچار اس کو کرنا ہی پڑتا ہے)

دیکھئے یہاں وجہ بیان فرمادی کہ نفس نوافل کی جانب زیادہ مائل اس وجہ سے ہوتا ہے کہ آزادی سب ہی کو طبعًا پسند ہے اور جس کام کی نسبت اپنی جانب ہو اسکے انجام دینے میں مسرت بھی ہوتی ہے اور نفل کے اندر یہ دونوں باتیں موجود ہیں. کرنے نہ کرنے کی آزادی بھی ہے اور ہماری ہی جانب وہ منسوب بھی ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کا فریضہ ناقصین کی نظروں میں حاکم وقت کی بیگار معلوم ہوتا ہے اور نوافل کا اہتمام اس سے کہیں زیادہ بڑھ کر کیا جاتا ہے۔ یہ بات صحیح ہے لیکن صاحب ترصیع نے آگے یہ جو فرمایا کہ فرض میں ثواب زیادہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ نفس پر شاق ہوتا ہے اور فرائض میں مشقت زیادہ ہے۔ انھیں بزرگوں کی برکت سے کہتا ہوں کہ ایسا نہیں ہے۔ فرائض میں مشقت نہیں ہے۔ مشقت نوافل ہی میں زیادہ ہے پھر بھی نفس اسکی جانب زیادہ مائل جو ہوتا ہے تو یہ اغوائے شیطان کی وجہ سے کہ وہ اس طرح سے اغوا کر کے اسکی نظر میں ایک غیر اہم شے کو اہم اور اہم کو غیر اہم دکھانا چاہتا ہے اور افضل سے ہٹا کر مفضول کی جانب اس کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہے۔

۳ فرض کو اللہ تعالیٰ نے سب پر فرض کر کے نفس پر سہل اور آسان فرمادیا جیسا کہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ اور عقلی قاعدہ ہے کہ البلیتہ اذا عمت طابت۔ مصیبت جب عام ہوجاتی ہے تو خوشگوار بن جاتی ہے۔ اس لئے فرائض میں مشقت نہیں ہے مشقت نوافل ہی میں ہے۔ کہ تنہا کرنا پڑتا ہے۔ باقی اجر جو اُس کا زیادہ ہے تو اس لئے کہ وہ فرض ہے۔ کسی عبادت کو (جو فرض ہو) فرض سمجھ کر اور حکم حاکم کے امتثال کی نیت سے ادا کرنا خود ایک مستقل فضل ہے اور موجب ازدیاد اجر ہے۔ صاحب مرقات فرماتے ہیں کہ:۔

ولا شك ان من قام بالفرائض وترك النوافل افضل من قام بالنوافل و ترك الفرائض والاكثر الناس مبتلون بهذا البلاء ولذا قال بعض العارفين انما حرموا الوصول بتضييع الاصول۔

اور اس میں شک نہیں کہ جس نے فرائض کو تو اچھی طرح ادا کیا لیکن نوافل چھوڑ دیئے تو وہ اس شخص سے کہیں بہتر ہے جس نے نوافل کا تو اہتمام کیا مگر فرائض ترک کر دیئے اور اکثر لوگ اسی مرض میں مبتلا ہیں۔ اسی لئے بعض عارفین نے فرمایا ہے کہ لوگ وصول الی اللہ سے اصول کے ضائع کرنے کی وجہ سے محروم ہوئے۔

(مرقات صـ)

صاحب رسالہ قشیریہ بھی اس عبارت کو ایک مقام پر اس طرح لائے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ:۔

فاول قدم للمريد فى هذه الطريقة ينبغى ان يكون على الصدق ليصح له البناء على اصل صحيح فان الشيوخ قالوا انما حرموا الوصول لتضييعهم الاصول۔ (قشيريہ ص۱۹۰)

اول قدم مرید کا اس طریق میں صدق پر ہونا چاہیئے تاکہ اس کے لئے اصل صحیح پر بناء ہو سکے۔ کیونکہ مشائخ نے فرمایا ہے کہ لوگ وصول سے اس لئے محروم ہوئے کہ انھوں نے اصول کو ضائع کر دیا۔

یعنی اول قدم مرید کا اس طریق میں صدق پر ہونا چاہیئے تاکہ بنا اصل صحیح پر ہو کیونکہ شیوخ نے فرمایا ہے کہ جو لوگ وصول الی اللہ سے محروم رہے ہیں وہ صرف اصول کے ضائع کرنے کی وجہ سے محروم رہے ہیں اور پہلی اصل ان میں سے صدق ہے۔

اور یہاں صاحب مرقات اسی جملہ کو اقامت صلوٰۃ مفروضہ اور اس کی ضرورت کی دلیل میں لائے ہیں، اور فرائض کی پابندی کو اصل قرار دے رہے ہیں چنانچہ جو لوگ اس کے خلاف کرتے ہیں وہ اس اصل کو ضائع کرتے ہیں لہٰذا ان کو وصول سے حرمان لازم ہوگا۔ ان دونوں میں منافی نہیں ہے۔ صدق باطن کے متعلق ہے۔ اور اقامت صلوٰۃ ظاہر کے متعلق ہے۔ پس جو صدق کے ساتھ قدم رکھے گا وہ اقامت صلوٰۃ کو بھی لازم سمجھے گا۔

اس عبارت سے فرائض کی کس قدر افضلیت معلوم ہوئی اور کیسے موقع سے ملا علی قاریؒ اس مقولے کو لائے ہیں اس سے بڑھ کر کوئی موقع اس کے استعمال کا ہو ہی نہیں سکتا کہ لوگ وصول الی اللہ سے محروم ہیں تو اصل حرمان کی وجہ اس کے اصول کا ضائع کرنا ہے ان میں نماز کی فرضیت کا اعتقاد اور اس کی پابندی بھی داخل ہے اور اس اعتقاد اور عمل کے بغیر وصول سے حرمان ہی نصیب ہوگا۔

فرائض سے قرب کی زیادتی پر صریح حدیث قدسی بھی موجود ہے مگر اسکو نہیں دیکھتے جیسا کہ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ ماتقرب الی عبدی بشئ احب الی مما افترضت علیہ ومایزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احببتہ الخ۔ یعنی میرے بندے نے میری جانب تقرب فرائض سے زیادہ کسی شے کے ذریعہ نہیں حاصل کیا۔ اور میرا بندہ بذریعہ نوافل تقرب حاصل کرتا رہتا ہے یہانتک کہ میں اس کو اپنا محبوب بنا لیتا ہوں۔

صاحب مرقاۃ فرماتے ہیں کہ:-

احبها الى الله اداء الفرائض ولذا قال (ومايزال عبدى) اى القائم بقرب الفرائض (يتقرب) اى يطلب زيادة القرب (الى بالنوافل) اى بقرب

سب اعمال سے زیادہ محبوب اللہ تعالیٰ کے نزدیک فرائض کی ادائیگی ہے۔ لہٰذا اس کے اندر نوافل بھی آگئے۔ یہی وجہ ہے کہ قرب فرائض کے بعد فرمایا، کہ ہمیشہ میرا وہ بندہ جو کہ قرب فرائض سے متصف ہو چکا ہوتا ہے نوافل کے ذریعہ زیادتی قرب حاصل کرتا رہتا ہے۔ یعنی وہ قرب جو کہ

طاعات الزوائد علی الفوائض۔ فرض کے قرب پر مزید ہوتا ہے اور علاوہ فرائض کے نوافل سے حاصل ہوتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو درجہ خاص محبوبیت کا حاصل ہوتا ہے وہ محض نوافل سے نہیں ہوتا بلکہ فرائض سے قرب حاصل کرنے کے بعد نوافل سے وہی پہلا قرب مزید ہوجاتا ہے۔ محض نوافل کے قرب سے یہ درجہ جس کا ذکر حدیث میں ہے نہیں مل سکتا۔ حدیث میں اللہ تعالیٰ کی محبت کا جو ذکر ہے وہ دونوں کے جمع کرنے پر ہے۔ چنانچہ صاحب مرقاۃ فرماتے ہیں الجمع بین الفرائض والنوافل اس لئے کہ اصل قرب تو فرائض سے حاصل ہوتا ہے اس پر زیادتی البتہ نوافل سے ہوتی ہے: نافلہ کو نافلہ کہتے ہی ہیں اس لئے کہ وہ فرائض پر زائد ہوتے ہیں۔

اب ہم بزرگان دین کی عبارات کو پیش کرتے ہیں جس سے معلوم ہوگا کہ ان حضرات کے زمانہ میں بھی یہ بلا رہی کہ فرائض کو کمتر سمجھتے تھے۔ چنانچہ ان حضرات کو اس کی طرف توجہ کرنی پڑی اور انھوں نے امت کو اس عظیم ضلالت اور گمراہی سے نکالا اور کتابوں میں اس مضمون کو لکھا چنانچہ سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ نے اس پر ایک مستقل مقالہ ہی فتوح الغیب میں لکھا ہے فرماتے ہیں:۔

المقالۃ الثامنۃ والاربعون[۴۸] قال رضی اللہ عنہ ینبغی للمومن ان یشتغل اولا بالفرائض فاذا فرغ منہا اشتغل بالسنن ثم یشتغل بالنوافل والفضائل فما لم یفرغ من الفرائض فالاشتغال بالسنن حمق ورعونۃ والنوافل قبل الفرائض لم یقبل منہ و اھین فمثلہ کمثل رجل یدعوہ الملک الی خدمتہ فلا یاتی الیہ ویقف بخدمۃ الامیر الذی ھو غلام الملک وخادمہ وتحت یدہ وولایتہ۔

(۴۸ واں مقالہ) فرمایا کہ مومن کیلئے ضروری ہے کہ سب سے پہلے فرائض کی ادائیگی میں مشغول ہو۔ اور جب اس سے فارغ ہوجائے تو سنن رواتب کے ساتھ مشغول ہو اور پھر ان کے بعد نوافل اور فضائل میں لگے۔ پس جب تک کہ فرائض سے فارغ نہ ہو۔ سنن میں مشغول ہونا حماقت اور بے عقلی کی بات ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص فرائض سے پہلے سنن اور نوافل میں مشغول ہوگا تو وہ اس سے مقبول ہی نہ ہونگے بلکہ اس کی اہانت کیجائیگی پس اسکی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص کو بادشاہ اپنی خدمت کیلئے طلب کرے اور وہ بادشاہ کے پاس تو نہ جائے بلکہ بادشاہ کے وزیر کی خدمت کرنے میں لگ جائے جو کہ اس کا غلام اور خادم ہے اور اسی کا ماتحت اور اسی کے زیر نگیں ہے۔

عن علی بن ابی طالب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان مثل مصلی النوافل وعلیہ فریضۃ کمثل حبلی حملت فلما دنا نفاسہا اسقطت فلا ھی ذات حمل ولا ھی ذات ولد وکذلک المصلی لا یقبل

حضرت علی ابن ابی طالبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نفل نماز پڑھنے والے کی مثال جس کے ذمہ فرائض ہوں اس حاملہ عورت جیسی ہے جس کو ایک عرصہ تک حمل رہا ہو اور جب اس نے جنا تو سقط (ناتمام بچہ) جنا ہو کہ نہ تو اب یہ حمل والی ہی کہی جا سکتی ہے اور نہ بچے والی (اس لئے کہ نہ حمل ہی

الله له نافلة حتى يودي الفريضة ومثل المصلي كمثل التاجر لا يحصل له ربحه حتى يأخذ رأس ماله فكذلك المصلي بالنوافل لا يقبل له نافلة حتى يؤدي الفريضة وكذلك من ترك السنة واشتغل بالنوافل الذي لم يرتب ومع الفرائض ولا يوكد امرها ۔

باقی رہا نہ کچھ ہی سالم پیدا ہوا) بس یہی حال اس نمازی کا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسکے نافلہ کو قبول ہی نہیں فرماتے تا آنکہ وہ پہلے فریضہ کو ادا نہ کرے اور مصلی کی تو مثال بس تاجر جیسی ہے کہ ماحصل شدہ مال نفع نہیں شمار کیا جاتا تا آنکہ پہلے اس سے اپنا راس المال نہ نکال لے یہی حال نفل پڑھنے والے کا بھی ہے کہ اسکی کوئی نفل قبول نہ ہوگی یہانتک کہ وہ پہلے فرض ادا نہ کرلے اسی طرح سے جس شخص نے سنن کو ترک کیا اور ان نوافل میں مشغول ہوگیا جو فرض کے ساتھ نہیں ہیں یعنی غیر راتبہ ہیں اور جن کا امر تاکیدی بھی نہیں ہے۔

اس کے تحت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے خوب خوب شرح فرمائی ہے۔ امام غزالیؒ نے بھی الکشف والتبیین میں تحریر فرمایا ہے کہ:۔

وفرقة اخرى حرصت على النوافل ولم يعظم اعتدادها بالفرائض فترى احدهم يفرح بصلوٰة الضحیٰ وصلوٰة الليل وامثال هذه النوافل ولا يجد لصلوٰة الفرض لذة ولا خيرا من الله تعالیٰ لشدة حرصه على المبادرة بها في اول الوقت وينسى قوله صلى الله عليه وسلم ما تقرب المتقربون بافضل من اداء ما افترضه الله عليهم وترك الترتيب بين الخيرات من جملة الشرور۔

ایک اور فرقہ ہے جو کہ نوافل پر تو حریص ہے لیکن فرائض کی عظمت اور اس کی وقعت اسکے قلب میں اتنی نہیں ہے۔ چاشت (اشراق) تہجد اور ان جیسی نوافل ادا کرکے تو خوش ہوتا ہے۔ مگر فرض نماز میں اس کو کوئی لذت نہیں ملتی اور نہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے کچھ خیر ہی پاتا ہے۔ اس لئے کہ نوافل کو اول وقت میں ادا کرنے پر تو حریص ہوتا ہے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اس کو یاد نہیں ہوتا کہ تقرب حاصل کرنے والوں نے کسی چیز سے تقرب حاصل نہیں کیا جو کہ اللہ تعالیٰ کی فرض کردہ چیزوں کے ذریعہ سے حاصل کئے ہوئے تقرب سے بڑھکر ہو۔ اور اچھی چیزوں میں بھی ترتیب کا ترک کردینا قبیح امر ہے۔

اور حضرت مولانا شہیدؒ نے بھی اپنے زمانے میں بنظر غائر لوگوں کے حالات کو دیکھا اور ان کو اسی مرض میں مبتلا پایا تو صراط مستقیم میں خوب ہی خوب لکھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ:۔

علامت تحقیق این معنی در سالک نامقبول این ست کہ آں اہتمامے کہ در ادائے اوراد و مشائخ می نماید عشر عشیر آں

اس معنیٰ کے سالک نامقبول میں پائے جانے کی علامت یہ ہے کہ جیسا اہتمام کہ (اپنے) مشائخ کے بتلائے ہوئے اوراد میں ظاہر کرتا ہے اس کا عشر عشیر (دسواں حصہ) بھی فرض نماز کی ادائیگی میں نہیں ہوتا

دراہتمام ادائے صلوٰۃ مفروضہ نمی کنند بلکہ ہرگاہ شیطان لعین برایں جماعت چیرہ دست می شود آنہارا از راہ حق دور ترمی برد و نماز را مثل بیگار سرکار حاکم وقت می دانند وایں قدر وقت را کہ در نماز و وضو میگذرد رائگاں می انگارند وکارآمد فی خود نمی دانند۔ معاذ اللہ من ذلک

بلکہ جس وقت کہ شیطان لعین اس جماعت پر قابو پالیتا ہے اور اسکو راہ حق سے بہت دور ہٹا دیتا ہے تو یہ لوگ نماز جیسے فریضہ کو بھی دبے کار اور) سرکار حاکم وقت کی بیگار شمار کرنے لگتے ہیں اور جو وقت کہ ان کا وضو نماز میں صرف ہوتا ہے اس کو (معاذ اللہ) ضائع گمان کرتے ہیں۔ اور اپنے کسی کام آنے والا نہیں سمجھتے۔ (العیاذ باللہ من ذلک)

دیکھئے اکابر ہر دور میں نہایت شد و مد کے ساتھ فرض و نفل کے باہمی فرق اور ان میں آپس میں جو تفاوت ہے اسکو بیان کرتے چلے آئے ہیں اور اگرچہ یہ بحث کتابوں میں بھی درج ہے تاہم مصلحین امت کو اپنے اپنے زمانہ میں عوام کے سامنے اسے بیان بھی کرنا پڑا ہے اس لئے کہ کتابوں سے نفع صرف خواص حاصل کرسکتے تھے اور عامۃ الناس کے سامنے تو جب کوئی مسئلہ بیان ہی کیا جائیگا تب ہی ان کی سمجھ میں آسکتا ہے۔

اور یہ بھی عجیب بات ہے کہ باوجود اس کے کہ ہر عامی بھی اتنا جانتا ہے کہ فرض کا درجہ اتنا بڑھا ہوا ہے اور وہ خدا کا مقرر کردہ حکم ہوتا ہے اور نفل ایسی نہیں ہوتی پھر بھی خدا معلوم لوگوں کو کیا ہوجاتا ہے کہ فرض کی اہمیت ان کے قلوب میں اس درجہ نہیں ہوتی جیسی کہ نفل کی ہوتی ہے یہ شیطان کی رہزنی ہے کہ وہ ایک اہم شے کو غیر اہم اور غیر اہم کو اہم بناکر سامنے کردیتا ہے اور اس کو ایسا مزین کردیتا ہے کہ بہت لوگ اس کے دھوکے میں آجاتے ہیں اور گمراہ ہوجاتے ہیں۔ کیونکہ ظاہر بات ہے کہ جب خدا کے فرض کردہ احکام ہی کو آدمی فرض نہ جانے گا اور اس کی عظمت واحترام کو فوت کردے گا اور اس سے ہی بدعقیدہ ہوجائے گا تو گمراہی تو اس کیلئے نقد وقت ہی ہے۔

یہاں سے حضرات انبیاء علیہم السلام کی بعثت کی ضرورت کا بھی اندازہ ہوتا ہے کہ محض کتاب میں حکم کا موجود ہونا اصلاح کے لئے کافی نہیں ہے بلکہ اسکے لئے ضروری ہے کہ کوئی بتانے والا بھی ہو جو لوگوں کو بتلائے کہ یہ گمراہی ہے اور یہ ہدایت ہے چنانچہ حضرات انبیاء علیہم السلام کے بعد ان کے ورثاء اور نائبین یعنی علماء عالمین اور مشائخ محققین بھی ہمیشہ سے یہی کرتے چلے آئے ہیں کہ امت میں جہاں کسی گوشہ سے گمراہی آتے ہوئے دیکھا تو اس کے زائل کرنے کی پوری سعی فرمائی۔ اسی قبیل سے قرب فرائض اور قرب نوافل کا مسئلہ بھی ہے کہ یوں اپنی جگہ نہایت ہی صاف اور واضح مسئلہ تھا مگر شیطان کی رخنہ اندازی

سے گمراہی کا ذریعہ بن گیا ہے۔
شریعت نے بعض چیزوں کو فرض فرمایا تھا اور بعض کو نفل۔ اب کس قدر ضلالت کی بات ہے کہ آدمی فرض کے ساتھ تو نفل کا سا معاملہ کرے اور نفل کو فرض کرلے۔ اس طریقے سے دین سے کیا کامیابی حاصل کرسکتا ہے۔ یہی مطلب ہے اُس ارشاد کا جو کہا گیا ہے کہ انّما حُرِمُوا الوُصول لتضییعھم الاصُول۔ یعنی وصول الی اللہ سے جو لوگ محروم کئے گئے وہ صرف اس وجہ سے کہ انھوں نے اس کے اصول کو ضائع کیا۔
اب اس میں سے کتاب اللہ ایک اصل ہے اور سنت ایک اصل ہے۔ اسی طرح ان کا اتباع ایک اصل ہے اور جو لوگ ان کے سچے مطیع ہیں ان کا اتباع بھی ایک اصل ہے۔ تمام اہل حق کا اجماع ہے کہ فرائض شعائراللہ ہیں اور یہ علی الاعلان ادا کئے جاتے ہیں بعد ایمان کے انھیں کا درجہ ہے۔ اب نفل کو کوئی اس کے برابر یا اس سے زیادہ سمجھے تو یہ صاف اور کھلی ہوئی گمراہی ہے ایسا شخص قطعًا خدا تک کبھی نہیں پہونچ سکتا۔
ایک بات اور باقی رہ گئی، مشائخ معتبرین یہ بھی فرماتے ہیں کہ نسبت صوفیہ غنیمت کبریٰ ہے اور اسکی ترغیب ہمارے کلام میں بھی آگئی ہے۔ لہذا طالب خدا کو اس سے کسی طرح صبر نہیں ہوسکتا۔ کیا خوب کہا گیا ہے ؎

اَلصَّبْرُ یُحْمَدُ فِی الْمَوَاطِنِ کُلِّھَا ‏ ‏ اِلَّا عَلَیْكَ فَاِنَّہٗ مَذْمُوْمٌ

(یعنی صبر ہر موقع پر محمود ہے بجز آپ سے کہ یہاں مذموم ہے) اور اللہ تعالیٰ کی طلب جب کسی پر غالب ہوتی ہے تو اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔ دو ہی چیزیں اس طلب میں طالب کے لئے تسکین بخش ثابت ہوتی ہیں ایک مشائخ سے شدید تعلق دوسرے ان کے بتلائے ہوئے اوراد سے شدید شغف یہ دونوں امر لوازم طلب سے ہیں۔ پس انہماک طلب میں ہوسکتا ہے کہ دوسرے ضروری امر سے غفلت اور عدم التفات پیش آجائے۔ اس قسم کی بہت سی غلطیاں پیش آجاتی ہیں جنکی تفصیل بہت طویل ہے اس لئے مشائخ کاملین طالبین کو متنبہ کرتے رہتے ہیں تاکہ ان کے مقصود میں کسی طرح کا نقصان نہ واقع ہو، مشائخ سے تعلق اور ان کے بتلائے ہوئے اوراد عین طریق ہیں ؎

در راہ عشق وسوسۂ اہرمن بسے است ‏ ‏ ہشدار گوش را بہ پیام سروش دار

اب سنئے کہ اس ضلالت کی وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ ان لوگوں نے دیکھا کہ بزرگان دین نسبت مع اللہ کے لئے ذکر اللہ کو بتلاتے ہیں اور قلب سے غفلت کی نفی کراتے ہیں اور اسکی خود بھی پابندی کرتے ہیں اور سالکین راہ کو بھی اس کا حکم کرتے ہیں تو لوگوں نے سمجھا کہ یہی اصل ہے اور یہی کل طریق ہے۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ ان حضرات

صوفیہ نے جیسے ذکر اللہ کا اہتمام کیا اس سے کہیں زیادہ فرائض کا اہتمام کیا. شریعت کے ہر امر کی اتباع کو ضروری خیال کیا. مگر ناقص لوگوں نے ذکر اللہ کو تو لے لیا اور بقیہ چیزوں کو نسیاً منسیا کر دیا. ذکر اللہ کا انکار نہیں ہے احادیث میں ذکر اللہ کی فضیلت اور اس کے کرنے کی تاکید آئی ہے تو پھر کوئی کیسے انکار کرسکتا ہے. ہاں مگر یہ کہا جاسکتا ہے کہ ذکر اللہ کے ساتھ اور چیزیں بھی ضروری ہیں. ان کا کرنا بھی لازم ہے. چنانچہ رسالہ قشیریہ میں ہے کہ :-

ان القوم فی مکابدۃ اخلاء خواطرھم ومعالجۃ اخلاقھم ونفی الغفلۃ عن قلوبھم لا فی تکثیر اعمال البر الذی لابد لھم منہ اقامۃ الفرائض والسنن الراتبۃ۔

بیشک قوم صوفیہ کا مجاہدہ صرف یہ ہے کہ اپنے قلب سے وساوس دور کرے. اپنے اخلاق رذیلہ کا علاج کرے اور قلب سے غفلت دور کرے. یہ نہیں کہ نیک کام کی تکثیر میں پڑ جائے. بس جو چیزیں اس کے لئے ضروری ہیں وہ فقط فرائض اور سنن راتبہ کی آدائیگی ہے۔

فاما الزیادات من الصلوات النافلۃ فاستدامۃ الذکر بالقلب اتم لھم۔

رہی نفل نمازوں کی زیادتی. تو قلب سے دواماً ذکر کی جانب متوجہ رہنا یہ اس کیلئے دیگر نوافل وغیرہ سے بڑھ کر ہے۔

دیکھئے اس میں شیخ نے نفی غفلت اور استدامۃ بالذکر کو فرمایا ہے. مگر صرف اسی کو تو فرمایا نہیں بلکہ اس کے ساتھ ردی وساوس کو دور کرنے اور اصلاح اخلاق کرنے کو بھی فرمایا نیز استدامۃ بالذکر کو جو فرمایا تو فرائض اور سنن مؤکدہ کے بعد. اب لوگوں نے کیا کیا کہ اخلاء خواطر اور معالجہ اخلاق کو تو چھوڑ دیا بس ذکر کو لے لیا. اسی طرح علامہ شعرانیؒ نے الیواقیت والجواھر میں شیخ اکبرؒ کے کلام کو نقل فرمایا ہے۔ فرماتے ہیں :-

ولا یخفی ان الارث کلہ یرجع الی نوعین معنوی ومحسوس فالمحسوس ھو الاخبار المتعلقۃ بافعالہ صلی اللہ علیہ وسلم واقوالہ واحوالہ۔ واما المعنوی فھو تطہیر النفس من مذام الاخلاق وتحلیتھا بمکارمھا وکثرۃ ذکر اللہ عزوجل علی کل حال بحضور ومراقبۃ　(ص۱۱۱ ج۲)

اور مخفی نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے میراث کی دو قسمیں ہیں ایک معنوی. دوسرے حسی. میراث محسوس (حسی) وہ اخبار منقولہ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال. اقوال اور احوال سے متعلق ہوں اور معنوی میراث، نفوس کو اخلاق دنیّہ (رذیلہ) سے پاک وصاف کرنا. اور مکارم اخلاق سے اسکو مزین کرنا. نیز ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کی کثرت رکھنا. حضور قلب اور دلی توجہ کے ساتھ۔

یعنی وراثت محسوس وہ اخبار ہیں جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال واحوال سے متعلق ہیں یعنی جو حضرات اخبار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حامل ہیں وہ بھی وارث نبیؐ ہیں۔

اور معنوی وراثت یہ ہے کہ اخلاق مذمومہ سے تطہیر کرے اور مکارم اخلاق سے تحلیہ کرے اور ہر حال میں حضور و مراقبہ کے ساتھ ذکر اللہ کرے۔

دیکھئے کہ شیخ اکبرؒ بھی ذکر اللہ کو لا رہے ہیں مگر اس کے ساتھ ساتھ تطہیر نفس کو بھی فرما رہے ہیں۔ تو محض ذکر اللہ سے یہ چیزیں کیسے معاف ہو جائیں گی۔ اور جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال و اقوال ہیں، ان کی اتباع بھی ضروری ہے۔ ان کو وراثت محسوسہ میں لائے ہیں پس یہ سب ضروری ہے۔ ہر ایک کو کرنا ہوگا تب تکمیل ہوگی۔ اگر کسی ایک میں بھی کمی ہوگی تو پھر رخنہ ہے ہرگز کامیابی نہ ہوگی۔

حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ نے بھی فرمایا ہے کہ اوقات خود را بعد ادائے فرض و سنن در شغل باطن گزارد مگر اس سے پہلے شریعت کے احکام کو سیکھنے کو بھی ضروری قرار دیا گیا ہے (قصد السبیل) اور قشیریہ میں بھی یہی ہے فرماتے ہیں:۔

واذا احکم المرید بینہ وبین اللہ تعالیٰ	مرید جب اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان اپنے عقد کو مستحکم کرے تو اس پر
عقدہ فیجب ان یحصل من علم الشریعۃ	واجب ہے کہ شریعت کا علم سیکھے۔
اما بالتحقیق واما بالسوال عن الائمۃ	یا تو واقعی طور سے خود پڑھ کر کے یا کسی جاننے والے سے دریافت کرکے (یعنی)
مایؤدی مافرضہ وان اختلف علیہ	ان امور کا علم حاصل کرے جن سے فرائض کو ٹھیک ٹھیک ادا کر سکے اور اگر فقہاء کے
فتوی الفقہاء یاخذ بالاحوط (قشیریہ ص ۱۹۸)	فتاوے کسی مسئلہ میں (جو اس کو پیش آیا ہے) مختلف ہوں تو ان میں سے احوط کو لے۔

مگر لوگوں نے کیا یہ کہ ایک چیز کو تو لیا اور بہت سی ضروری چیزوں کو چھوڑ دیا۔ حَفِظْتَ شَیْئًا وَّغَابَتْ عَنْکَ اَشْیَآءُ۔

بس اس گمراہی اور غلطی کی وجہ سمجھ میں آگئی وہ یہ کہ مشائخ متقدمین اپنی کتابوں میں ذکر اللہ کو لکھتے ہیں اور اس کی تاکید کرتے ہیں تو احمق لوگوں نے بس اسی کو پکڑ لیا اور اس کے علاوہ جس میں نفس کو مارنا پڑتا ہے۔ اور پابند کرنا ہوتا ہے اس کو چھوڑ دیا۔ اور وظائف مشائخ کے ساتھ چمٹ گئے اور فرائض تک کے منکر ہو گئے۔ مشائخ نے تو محض خلوص اور نیک نیتی سے نفی غفلت اور نسبت مع اللہ کے لئے ذکر اللہ بتلایا تھا اور اس کے ساتھ شریعت کی اتباع کراتے تھے مگر بعد میں آکر ان کے منشا کو نہیں سمجھا گیا اور خود اسی کو مستقل سمجھ لیا گیا۔ شیطان درمیان میں آگیا اور بہت بڑی رہزنی کی کہ شریعت کی ضرورت سے قلب میں انکار پیدا کر دیا اور لائن ہی بالکل بدل دی۔ ہوتے ہوتے بس یہ سلسلہ جوگ ہو کر رہ گیا۔ بس اپنے خود ساختہ مجاہدات و ریاضات اور مشائخ کے اوراد کو تکمیل نفس کیلئے کافی سمجھنے لگے۔ اور شریعت کا استحسان قلوب سے نکل گیا۔

جب ان حالات کو سید صاحبؒ اور حضرت مولانا شہیدؒ نے دیکھا تو سمجھا کہ اس طرح سے تو دین اور شریعت ہی بدنام ہو جائے گی۔ اور سنت کا پتہ بھی نہ رہے گا۔ پس سید صاحبؒ میدان میں آئے اور بہت اصلاح کی حضرت شہیدؒ نے بہت لوگوں کو اس گمراہی اور ضلالت سے نکالا اور شریعت کی عظمت کو دلوں میں اسطرح جاگزیں کیا کہ یہ شریعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی ہے اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے اس سے کبھی استغنا نہیں ہوسکتا۔ اس کا اہتمام لازم ہے، دیکھئے ان حضرات نے توامت پر اتنا زبردست احسان کیا کہ ان کا رشتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جوڑ دیا اس لئے کہ جب شریعت سے جوڑا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی جوڑا۔ شاہراہ ایمان پر لاکر کھڑا کر دیا۔ مگر اب انھیں حضرات کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ حضورؐ کو مانتے ہی نہیں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

بات یہ ہے کہ ان حضرات کو اپنے کو تو منوانا مقصود ہوتا نہیں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو منوانا اور قلب میں انکی وقعت بٹھلانی منظور رہوتی ہے اور شریعت کی حفاظت مطلوب ہوتی ہے۔ اس لئے علی الاعلان ان ابحاث کو منصۂ شہود پر لاتے ہیں۔ کوئی برا کہے یا بھلا۔ چنانچہ لوگوں نے بڑی بڑی مخالفتیں کیں مگر کچھ نہ کر سکے۔ بہت سے لوگوں کو مومن بنادیا اور بہت لوگوں نے آپ کو مانا بھی اور جس کو اپنے کو منوانا ہوگا وہ کبھی ایسی باتیں کہہ نہیں سکتا۔ مؤید من اللہ ہی اتنی جرأت اور ہمت سے مخالف فضا کا مقابلہ کر سکتا ہے۔

چنانچہ دیکھئے حضرت مولانا دہلویؒ نے یہانتک فرمادیا کہ مشائخ کے اوراد کی ادائیگی میں جتنا اہتمام کرتے ہیں فرائض کا اس کے عشر عشیر بھی اہتمام نہیں کرتے۔ اور یہانتک لکھ دیا کہ جب شیطان چیرہ دست ہو جاتا ہے تو نماز کو بیگار بلکہ بیکار سمجھنے لگتے ہیں اور وضو و نماز میں جو وقت صرف ہوتا ہے اس کو ضائع سمجھتے ہیں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

بات بھی بڑی تھی اس لئے کہ جن لوگوں کا یہ حال رہا ہوگا کہ فرائض کی ادائیگی کو تضیع وقت سمجھتے رہے ہوں گے۔ ان کا تو اعتقاد و ایمان ہی سالم نہ رہا اس لئے وہ تو حد کفر تک پہونچ گئے۔ ایسے دور میں ان حضرات نے بڑی محنت کی اور لوگوں کو راستہ پر لائے اور بتلایا کہ شریعت کے ترک سے کبھی مقبولیت تک نہیں پہونچ سکتے۔ چنانچہ صراط مستقیم میں اخلاق محمودہ و مذمومہ پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تطہیر نفس ضروری ہے۔ بدون اس کے محض اوراد سے قبولیت حاصل نہیں ہوسکتی۔ لکھتے ہیں کہ :-

پس مناسب حال ابناء روزگار این ست کہ چنانکہ اشغال و مراقبات بنا بر وصول بمعرفت الٰہی می نمایند ہم چنیں مراقبہ برائے ایں امور ہم پیش گیرند و بدون آں وصول را با بارگاہ قبولیت

پس ابناء زمانہ کے مناسب حال یہ ہے کہ جس طرح سے معرفت حق تک وصول یابی کیلئے اشغال و مراقبات کو اختیار کرتے ہیں اسی طرح سے ان امور کیلئے بھی مراقبہ کرنا چاہئے (یعنی یہ کہ رذائل اخلاق کے ہوتے ہوئے نزول فیض رحمانی اور ورود عنایات ربانی سے محرومی ہی رہے گی) اور بدون اسکے بارگاہ قبولیت تک رسائی کو

غیر ممکن انگارند ہر چند بمقام معرفت می رسند لیکن از باب عنایات در راہ قبول نمی رسند بلکہ از باب دیگر آنجا رسیدہ اند کہ پرسش مقبول و نامقبول آنجا نیست۔

ناممکن سمجھنا چاہیئے۔ اور اگر چہ یہ لوگ معرفت کے مقام تک بھی پہونچ جاتے ہیں مگر عنایات الٰہی کے باب سے اور قبولیت کی راہ سے نہیں بلکہ ایک ایسے دروازہ سے پہونچتے ہیں جہاں مقبول و غیر مقبول کی پرسش ہی نہیں ہے۔

(صراط مستقیم صہ ۶۷)

اس سے معلوم ہوا کہ ہو سکتا ہے کہ اوراد و مراقبات سے کچھ معرفت کا حصہ مل جائے مگر قبولیت اور شے ہے اس کیلئے تطہیر اخلاق مذمومہ اور تحلیہ اخلاق حمیدہ سے کرنا ضروری ہوگا۔ محض اوراد کافی نہیں۔ یہاں حضرت مولانا دہلوی نے یہ بتلایا کہ قبولیت کا مقام حاصل کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرنا ہوگا۔ کہ آپ نے کن اخلاق کو مذمومہ فرمایا ہے اور کن کو حمیدہ، بغیر اس کے آپ معلوم نہیں کر سکتے۔ حضور کی لائی ہوئی شریعت کی اتباع کرنی ہوگی۔ اب اوراد مشائخ کو تو لوگوں نے لے لیا مگر شریعت کو چھوڑ دیا۔ پس جب شریعت ختم تو مقبولیت ختم اور ولایت نام ہے مقبولیت کا جب مقبولیت ختم تو ولایت بھی ختم۔ اب خواہ کچھ بھی کرو جب رشتہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ٹوٹ گیا تو کوئی عمل مقبول نہیں ہے۔ اسی لئے شریعت کی طرف علماء نے زور دیا اور اسکے اہتمام کی ترغیب دی اور لوگوں کا رخ ہی بدل دیا۔ ان حضرات کو اسی کا بہت ثواب ملیگا۔ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں بہت بڑا درجہ پایا ہوگا۔ ایسے ہی لوگ مجدد کہلاتے ہیں یہ تجدید ہی ہے کہ فرائض کی طرف سے جب لوگ بے اعتنائی برت رہے تھے تو اس وقت ان کو توجہ دلائی۔ ۱۲

سنئے ذکر اللہ میں نفع کا یقین ہے اس سے غفلت دور ہوتی ہے نسبت مع اللہ پیدا ہوتی ہے۔ علائق سے قلب صاف ہوتا ہے مگر شریعت کا اہتمام ضروری ہے پہلے لوگوں نے شریعت کے اہتمام کے ساتھ ساتھ اسکو کیا ہے صوفیہ اور مشائخ۔ علماء کو بھی اس پر لائے ہیں اور ان سے ذکر کرایا ہے کہ آپ شریعت کے عالم تو ہیں، اور شریعت کے ظاہری احکام پر آپ کا عمل بھی ہے۔ مگر جب قلب غافل ہے تو حقیقتہً عالم نہیں اس لئے سب کچھ چھڑا کر ان کو ذکر میں لگایا ہے اور یہ نسبت پیدا کرائی ہے۔ غرض ہمارے مشائخ نہایت ہی اعتدال پر تھے جن کو دیکھا کہ ذکر اللہ سے غافل ہیں ان کو ذکر اللہ پر لائے اور جو صرف ذکر اللہ کرتے تھے۔ شریعت کی پابندی نہیں کرتے تھے ان کو شریعت کی پابندی کا امر کیا اور اس پر ان کو زجر کیا۔ گویا جس فریق میں جو خامی پائی اس کی اصلاح فرمائی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ظاہر و باطن دونوں ہی ضروری ہیں فقط ایک پر اکتفا جائز نہیں جس طرح اہل باطن کیلئے ظاہر کی اصلاح ضروری ہے۔ اسی طرح اہل ظاہر کیلئے باطن کی اصلاح ضروری ہے جو لوگ شریعت پر عمل کو ضروری نہیں سمجھتے انھیں باطنیہ یا حشویہ کہا جاتا ہے۔ اسی طرح جو لوگ فقط ظاہر شریعت پر عمل کو

ضروری سمجھتے ہیں ان کو متقشف اور زاہد خشک کہا جاتا ہے اور جو دونوں کے جامع ہیں وہ محقق اور اصلی صوفی ہیں۔

حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں مَنْ تَصَوَّفَ وَلَمْ يَتَفَقَّهْ فَقَدْ تَزَنْدَقَ وَمَنْ تَفَقَّهَ وَلَمْ يَتَصَوَّفْ فَقَدْ تَقَشَّفَ وَمَنْ جَمَعَ بَيْنَهُمَا فَقَدْ تَحَقَّقَ۔ (یعنی جو صوفی ہوا اور فقہ نہ حاصل کی پس بلا شبہہ وہ زندیق ہوا یعنی ٹھیٹ کافر، اسلئے کہ امن میں نہیں ہوتا دین کے برباد کرنے سے اور جو کوئی فقیہہ ہوا اور تصوف حاصل نہ کیا پس بلا شبہہ زاہد خشک اور پھیکا پھاکا مُلّا ہے) اسلئے کہ عالم ظاہر تحصیل نسبت باطن کا محتاج ہے۔ اسی طرح باطنی نسبت والا کتاب و سنت کے حاصل کرنے کا حاجتمند ہے۔ تا جامع النورین اور مجمع البحرین اور یادگار اولیاء سابقین اور وارث الانبیاء والمرسلین ہوجاوے۔ اور جس نے جمع کیا تصوف اور فقہ ہیں پس بلا شبہہ محقق ہوا اور جامع ہوا کمالات ظاہریہ و باطنیہ کا۔

فرقہ باطنیہ کی اصلاح کی طرف علماء محققین ہمیشہ متوجہ رہے اور ان کو اسلام اور اہل اسلام کا ہمیشہ مخالف سمجھا اور لوگوں کو ان کے کید سے آگاہ فرماتے رہے اس طرح اہل اسلام ان کے کید سے محفوظ رہے اور یہ لوگ زیادہ ضرر نہ پہونچا سکے اور بعضوں کی اصلاح بھی ہوگئی۔ اور جو لوگ کہ زاہد خشک تھے بزرگوں کی توجہ ان کی طرف بھی مبذول رہی۔ بہتوں کو اسطرف کھینچ لائے اور وہ باطن پر پورے پورے عامل اور سالک ہوئے۔ مثال میں ابن حجرؒ شارح بخاری پیش کئے جاتے ہیں۔ انھوں نے اپنی تکمیل حضرت شیخ مدینؒ سے کی چنانچہ ان کے رجوع کا واقعہ یہ ہوا کہ انھوں نے ابن فارضؒ کے بعض ابیات کی شرح لکھ کر حضرت شیخ مدینؒ کی خدمت میں برائے تصوب و تقریظ پیش کیا۔ حضرت نے اس کے سرورق پر بس یہ شعر لکھ کر واپس کر دیا ؎

سَارَتْ مُشَرِّقَةً وَسِرْتُ مُغَرِّبًا ۔۔۔ شَتَّانَ بَيْنَ مُشَرِّقٍ وَمُغَرِّبِ

(وہ تو مشرق کی طرف چلی گئی اور میں نے مغرب کی راہ لی۔ اور ظاہر ہے کہ مشرق کے جانے والے اور مغرب کے جانے والے میں کتنا بعد ہوتا ہے۔)

اس سے شیخ کا مطلب یہ تھا کہ آپ تو اب تک فن حدیث کی خدمت میں رہے ہیں۔ اس میدان میں قدم ہی نہیں رکھا تو آپ بھلا اس کے نشیب و فراز کو کیا جانیں اور جو شخص کسی بات کو جانتا ہی نہ ہو وہ اسکی کیا شرح کر سکتا ہے؟ یہ ابیات صوفیہ کے احوال سے متعلق ہیں اس لئے اس کی شرح تو کوئی اہل طریق صاحب باطن ہی کر سکتا ہے۔ کتاب میں لکھا ہے فتنبہ لامر کان عنہ غافلاً۔ یعنی علامہ ابن حجرؒ اب تک جس چیز سے غافل تھے اس پر ان کو تنبہ ہوا اور بات کی تہہ تک پہونچ گئے۔ طریق اور اہل طریق کا اذعان و اعتقاد کر کے پھر شیخ مدینؒ کی خدمت میں رہ ہی پڑے اور وہیں وفات پائی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (الیواقیت صہ ۱۵ ج ۱)

(افادہ) حضرت والا مدظلہ نے اس واقعہ کو سُنا کر یہ بھی فرمایا کہ یہ ان کے خدمت حدیث کی برکت

تھی۔ چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات عالیہ کی شرح اور توضیح میں ساری عمر گذاری تھی اسلئے اللہ تعالیٰ کی غیرت کو یہ گوارا نہ ہوا کہ یہ میرے حبیب کے کلام کا شارح یونہی خالی رہ جائے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ایسے اسباب فرمادیئے کہ ان کا کام بن گیا۔ سچ ہے۔ ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین۔

اسی طرح سے شیخ عبادہ مالکی بھی یعنی شیخ مدینؒ کی خدمت میں رہنے لگے حالانکہ پہلے ان کے منکر تھے مگر بعد میں حضرت کا اقرار کیا اور معتقد ہو گئے۔ ان کے رجوع کرنے کا واقعہ بھی عجیب و غریب ہے۔ نہایت عبرتناک اور سبق آموز ہے۔ طبقات کبریٰ میں موجود ہے۔ وہ یہ کہ "شیخ عبادہؒ" سادات مالکیہ میں کے ایک ممتاز عالم تھے اور اپنے معاصر شیخ مدینؒ پر اعتراض کیا کرتے تھے۔ یوں کہتے تھے کہ یہ طریق جس پر یہ لوگ اپنے کو کہتے ہیں (یعنی تصوف) کیا بلا ہے؟ ہم تو صرف شریعت کو جانتے ہیں اس کے علاوہ سب ڈھکوسلا ہے۔ ان کو شیخ مدینؒ کا انکار تو تھا ہی اس میں مزید اضافہ اس سے ہو گیا کہ شیخ عبادہ کے درس کو چھوڑ چھوڑ کر لوگ شیخ مدینؒ کی مجلس میں آنے لگے۔ سید مدینؒ نے اپنے یہاں منعقد ہونے والی سالانہ محفل مولد میں ایک مرتبہ شیخ عبادہ کو بھی مدعو کیا چنانچہ شیخ عبادہ آئے۔ لیکن شیخ مدین نے اپنے اصحاب سے تاکید کردی تھی کہ جب شیخ عبادہ آویں تو خبردار کوئی شخص اپنی جگہ سے جنبش تک نہ کرے اور نہ ان کی تعظیم کے لئے کوئی شخص کھڑا ہو اور نہ مجلس میں ان کے لئے جگہ ہی کشادہ کیجائے۔ چنانچہ جب شیخ عبادہ آئے تو آکر خانقاہ کے صحن میں کھڑے ہو گئے اور کسی کو متوجہ نہ پاکر خوب پیچ و تاب کھاتے رہے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مارے غصہ کے پاش پاش ہو جائیں گے۔

۱۴

جب اس حالت پر کچھ دیر گذر گئی تو سید مدینؒ نے سر اٹھایا اور حاضرین سے فرمایا کہ بھائی! شیخ عبادہ کے لئے راستہ کشادہ کردو اور ان سے کہا کہ آئیے آپ یہاں میرے پاس تشریف لایئے۔ جب وہ سید مدین کے پاس آکر بیٹھ گئے تو انھوں نے بیٹھتے ہی فرمایا کہ ایک سوال درپیش ہے (اجازت ہو تو عرض کروں) شیخ عبادہ نے فرمایا کہ ضرور ارشاد فرمایئے۔ کہا کہ آیا آپ کے نزدیک مشرکین کے لئے قیام تعظیمی جائز ہے؟ بالخصوص جبکہ ان کی جانب سے کسی قسم کے خوف کا بھی اندیشہ نہ ہو۔ انھوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ سید مدین نے فرمایا کہ اچھا تو آپ کو خدا کی قسم دے کر آپ سے پوچھتا ہوں کہ جب آپ یہاں تشریف لائے تھے اور کوئی کھڑا نہ ہوا تو آپ کو یہ فعل کچھ ناگوار خاطر ہوا تھا یا نہیں؟ شیخ عبادہ نے کہا کہ ہاں بیشک ناگوار ہوا تھا۔ اس کے بعد پھر سید مدین نے ان سے دوسرا سوال کیا کہ اچھا یہ تبلایئے کہ اگر آپ سے کوئی شخص یہ کہے کہ میں تم سے اس وقت تک راضی نہ ہونگا جب تک کہ تم میری ایسی تعظیم نہ کرو جیسی تعظیم اپنی خدا تعالیٰ اپنے بندوں سے چاہتے ہیں۔ تو یہ آپ کے نزدیک کیسا ہے؟ اور اس شخص سے آپ کیا فرمائیں گے؟

شیخ عبادہ نے جواب دیا کہ میں اس سے یہ کہوں گا کہ اے شخص تو کافر ہو گیا۔ جا تجدید ایمان کر۔ اسکے

بعد کچھ دیر تک اسی طرح باہم سلسلہ کلام جاری رہا۔ میرا خیال یہ ہے کہ شیخ مدین نے ان مقدمات کو تسلیم کرانے کے بعد ان کا انطباق فرمایا ہو گا کہ یہی حال آپ لوگوں کا بھی ہے کہ ہم سے بھی اپنی تعظیم ایسی ہی چاہتے ہیں۔ اور نہ ہونے پر ناگواری ہوتی ہے۔ اس کے متعلق بھی تو حکم لگائیے یہ کیسا ہے؟ غرض شیخ عبادہؒ کی سمجھ میں بات آگئی تاآنکہ انہوں نے کھڑے ہو کر اسی بھرے مجمع میں اعلان کیا کہ:-

حضرات! آپ سب لوگ گواہ رہیئے کہ میں آج سیدی مدینؒ کے ہاتھ پر مسلمان ہوتا ہوں اور دین اسلام میں صحیح طور پر داخلہ کا آج میرا پہلا دن ہے اور اول داخلہ ہے۔ پھر تازیست ان کی خدمت میں رہ ہی پڑے حتیٰ کہ وہیں انتقال ہوا اور مقابر فقراء میں مدفون ہوئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (طبقات کبریٰ ص۱۱۳ ج۴)

(افادہ)

حضرت والا دامت برکاتہم نے اس واقعہ کو سنا کر یہ فرمایا کہ اس سے جس طرح شیخ مدین کی کرامت اور اصلاح و تربیت کے معاملہ میں ان کے کمال کا پتہ چلتا ہے اسی طرح سے شیخ عبادہؒ کے بھی کمال خلوص کا اندازہ ہوتا ہے کہ جب ان کو اپنے حال کی معرفت ہوگئی اور بات سمجھ میں آگئی تو فوراً تائب ہو گئے۔ کہاں تو طریق کے منکر اور شیخ مدینؒ پر معترض تھے۔ اور کہاں سب کے سامنے یہ کہہ رہے ہیں کہ میں آج حلقہ بگوش اسلام ہوتا ہوں۔ سبحان اللہ کس قدر بے نفسی اور تواضع کی بات ہے۔ آخر تھے تو عالم ہی۔ کتاب و سنت کے علم نے انکے قلب پر اثر کیا تھا۔ ان میں اخلاص تھا۔ اسی کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت فرمائی۔

۱۵

(اِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِیۡنَ)

مشائخ کے سقوط کا سبب

یوسف بن الحسین گفت بنزدیک ذوالنون رفتم مرا گفت یا بنی صحح حالک مع اللہ لا لیشغلک عنہ شاغل ولا تشتغل بما یقول الخلق منک وانہم لن یغنوا عنک من اللہ شیاء واذا صحت حالک مع اللہ ارشدک للطریق الیہ واقتد لسنۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وظاہر العلم وایاک ان تدعی فی مالیس لک فما اھلک عامۃ المریدین الا الدعاوی

یوسف بن حسینؒ کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ حضرت ذوالنون مصری کی خدمت میں حاضر ہوا تو مجھ سے فرمایا کہ اے بیٹے: اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا حال اور معاملہ درست کرلو بس پھر تم کو ادھر سے کوئی چیز نہ ہٹا سکے گی۔ اور مخلوق تمھارے متعلق جو کچھ کہے تو اس کی وجہ سے مشتغل نہ ہونا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں وہ تمھارا کچھ نہیں کرسکتے۔ اور جب تمھارا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ درست اور صحیح ہوجائیگا تو اللہ تعالیٰ اپنی جانب راستہ کی تمھیں ہدایت فرمادیں گے۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی کرو اور ظاہر علم پر عمل رکھو اور جو چیزیں کہ تمھارے اندر نہیں ہیں انکا دعویٰ کرنے سے خود کو بچاؤ اس لئے کہ عام طور سے مریدین کو دعادی ہی نے ہلاک کیا ہے۔ ۱۲

وقال لہ ایضاً لا تسکن الی مدح الناس ولا تجزع عن قبولھم وردھم فانھم قطاع الطریق واسکن الی ما تحققہ من احوالک سراً لا علناً۔

اور حضرت ذوالنون نے یوسف بن حسین سے یہ بھی فرمایا کہ دیکھو خبردار لوگوں کی تعریف سے کبھی دلی سکون نہ حاصل کرنا یعنی اس سے خوش نہ ہونا اور نہ انکے، رد و قبول کی وجہ سے جزع فزع کرنا اسلئے کہ یہ لوگ قطاع طریق یعنی ڈاکو ہیں انکا تو کام ہی راہ مارنا ہے بس سکون قلبی اپنے ان باطنی احوال سے حاصل کرنا جن سے تم حقیقتاً متصف ہو اور وہ بھی صرف دل ہی دل میں علانیہ نہیں۔

ہم یوسف گفت

الخیر کلہ فی بیت مفتاحہ التواضع والشر کلہ فی بیت مفتاحہ الکبر۔

اسی طرح یوسف سے ایک بات حضرت ذوالنون نے یہ بھی فرمائی کہ جب گھر کی کنجی تواضع ہو تو سمجھ لو کہ ہر قسم کی بھلائی اس میں آگئی اور جب گھر کی کنجی کبر ہو تو سمجھ لو کہ ہر قسم کا شر اس مکان میں ہے۔

سبحان اللہ۔ سبحان اللہ کیا علوم ہیں اور کیا معارف ہیں۔ یہ حضرات تھے اہل طریق۔

ان کے یہاں نہ لمبی چوڑی تقریریں تھیں اور نہ فصیح و بلیغ الفاظ تھے بلکہ سیدھے سادے طریقہ پر چند کلمات فرما دیتے تھے جو کہ سننے والوں کے قلوب میں پیوست ہو جاتے تھے جس کی وجہ سے خلق سے توحش اور بد خلقی سے نفرت اور خالق سے قلبی ربط اور دلی تعلق پیدا ہو جاتا تھا۔ حضرت ذوالنونؒ نے حضرت یوسف بن حسینؒ کو جو نصیحت اور وصیت فرمائی ہے وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے اور صفحات قلوب پر نقش کرنے کے لائق ہے۔ یعنی یہ کہ :

(۱) پہلی بات ان سے یہ فرمائی کہ اے بیٹے! اپنا تعلق حق تعالیٰ سے صحیح کرو بس پھر اس کے بعد کوئی چیز تمھیں ادھر سے ہٹا نہ سکے گی اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ کہ راہ سے ہٹ جاتے ہیں اسکی وجہ یہی ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ان کا صحیح تعلق ہی نہیں ہوا ہوتا۔

(۲) دوسری نصیحت یہ فرمائی کہ مخلوق تمھارے متعلق جو کچھ بھی کہے تم اس سے مشغول نہ ہونا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں وہ تمھارا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔ کیسی عمدہ نصیحت فرمائی ہے دنیا میں دوست دشمن تو سبھی کے ہوتے ہیں بلکہ دیکھا یہ جاتا ہے کہ نیک لوگوں کے مخالف زیادہ ہوتے ہیں اور ان کے بارے میں کچھ کہا سنا بھی کرتے ہیں جس سے ظاہر ہے کہ ان کو رنج بھی ہوتا ہے۔ اب اُن کے اِس رنج و غم کو اپنی اس نصیحت کے ذریعہ کتنا ہلکا کر دیا۔ چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ جس کسی کو تعلق مع اللہ کی دولت نصیب ہو جاتی ہے تو پھر وہ مخلوق کی ذرا پرواہ نہیں کرتا اس لئے کہ یہ حضرات اپنا معاملہ حق تعالیٰ کے ساتھ رکھتے ہیں لہٰذا بس انھیں کی مرضی تلاش کرتے ہیں اور ان کی رضا کے بعد دشمنی خلق کی ان کی نظروں میں کوئی وقعت ہی نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ حضرات تو زبان حال و قال سے ایسے مواقع پر یوں مترنم ہوتے ہیں کہ ؎

گو ہوا دشمن زمانہ ہو مگر اے دل ہمیں
دیکھنا یہ ہے مزاجِ یار تو برہم نہیں

تحریکات کے زمانہ میں کسی صاحب نے خواجہ صاحبؒ کے سامنے یہ شعر حضرت مولاناؒ کے اوپر پڑھا کہ انھیں مخلوق کی مخالفت کی کیا پرواہ ہے ان کا تو حال یہ ہے کہ ؎

گو ہوا دشمن زمانہ ہو مگر اے دل ہمیں
دیکھنا یہ ہے مزاج یار تو برہم نہیں

خواجہ صاحب نے حضرت مولاناؒ سے آکر عرض کردیا کہ فلاں صاحب آپ کے متعلق یہ شعر پڑھتے تھے چونکہ یہ حضرت مولاناؒ کے بالکل حسب حال تھا اس لئے حضرت سنکر بہت مسرور ہوئے اور ایک وجد اور حال سا طاری ہوگیا اور اس میں شک نہیں کہ قلب کی یہ حالت ایک دولت عظمیٰ ہے جسے حاصل ہوجائے وہ بالنصیب ہے کیونکہ یہی تصحیح حالِ قلب موصل الی اللہ ہوتی ہے۔

۳۔ آگے تیسری نصیحت حضرت ذوالنون نے یہ فرمائی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا اتباع کرو اور ظاہر شرع پر عمل کرو اور اپنے آپکو دعاوی کاذبہ سے بچاؤ یعنی جو حال و کیفیت باطنی تمھیں حاصل نہ ہو اس کا دعویٰ نہ کرو اس لئے کہ عام مریدین کو دعویٰ نے ہی ہلاک کیا ہے اب جب کہ بزرگانِ دین نے یہ نصیحت فرمائی ہے تو پھر ہم کو دعاوی کا بھی سمجھنا ضروری ہوگا۔ یہ میرا قول نہیں ہے حضرت ذوالنون مصریؒ فرما رہے ہیں جو بہت بڑے اولیاء میں سے گزرے ہیں۔ (اپنے زمانہ میں علم و ورع میں یکتائے روزگار تھے لوگوں نے ایک دفعہ متوکل سے آپ کی شکایت کی اس نے مصر سے آپ کو بلوایا جب آپ دربار میں پیش ہوئے تو متوکل سے ایسی گفتگو کی اور اس کو ایسا وعظ کہا کہ وہ رو دیا اور نہایت ہی تعظیم و تکریم کے ساتھ آپ کو مصر پہنچا دیا چنانچہ متوکل کا یہ حال تھا کہ جب اس کے سامنے اہل ورع کا ذکر ہوتا تو رو دیتا اور یہ کہا کرتا تھا کہ جس مجلس میں اہل ورع کا تذکرہ ہو تو ضروری ہے کہ حضرت ذوالنون کا بھی ذکر کیا جائے۔ قشیریہ) ۱۸

یہی حضرت ذوالنونؒ فرما رہے ہیں کہ کبھی دعوی نہ کرنا کیونکہ یہ ہلاکت کا سبب بنتا ہے اسی طرح سے طبقات کبریٰ میں شیخ عدی بن مسافر الاموی کا قول نقل کیا ہے کہ اوّل ما یجب علی سالك طریقتنا هذه ترك الدعاوی الكاذبة واخفاء المعانی الصادقة

یعنی ہمارے طریق پر چلنے والوں کے لئے سب سے پہلی چیز جو واجب ہے وہ یہ کہ دعاوی کاذبہ کو ترک کریں اور معانی صادقہ (یعنی اپنے حالات قرب وغیرہ) کو چھپا دیں۔ دیکھئے شیخ عدیؒ بھی وہی فرما رہے ہیں جو حضرت ذوالنون نے فرمایا۔ جسے علامہ شعرانیؒ نے نقل کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ طریق کو دعاوی کاذبہ سے غایت بعد ہے اسی لئے سالک پر لازم ہے کہ وہ پہلے ان کو چھوڑے تب طریق میں داخل ہو کیونکہ انھیں چھوڑے بغیر طریق میں داخل ہونا ایسا ہی ہے جیسے بدون طہارت کے نماز میں داخل ہوجانا۔ اور سنئے :-

حضرت شیخ محی الدین ابن عربی اپنے رسالہ الامر المحکم المربوط فی ما یلزم اہل طریق اللہ تعالیٰ من الشروط کے مقدمہ میں فرماتے ہیں کہ "میری غرض اس عُجالہ کے تحریر سے یہ ہے کہ میں مقام شیخوخت اور مقام مریدیت اور ان ہر دو کے لوازم کو بیان کروں۔ آگے اسکی جو وجہ بیان فرماتے ہیں اس وقت وہی مجھے یہاں بتانا مقصود ہے فرماتے ہیں کہ:

فان الزمان مشحون بالدعاوی الکاذبہ العریضۃ فلا مرید صادق ثابت القدم فی سلوکہ ولا شیخ محقق ینصحہ فیخرجہ من رعونۃ نفسہ واعجابہ برائہ ویریہ لہ عن طریق الحق فالمرید یدعی الشیخوخۃ والریاسۃ وھذا کلہ تخبیط وتلبیس۔ (آداب الشیخ والمرید)

اس لئے کہ زمانہ لمبے چوڑے جھوٹے دعووں سے بھرا ہوا ہے تو کوئی مرید ہی صادق اور سلوک میں ثابت قدم نظر آتا ہے اور نہ کوئی شیخ ہی محقق نظر پڑتا ہے جو مرید کی خیر خواہی کرے اور اسکو نفس کی رعونت اور خود رائی سے نکالے اور طریق حق اسکے سامنے ظاہر کرے۔ پس مرید شیخوخت اور بڑائی کا مدعی ہو جاتا ہے اور یہ سب خبط اور تلبیس ہے۔

دیکھئے شیخ اکبرؒ بھی اپنے زمانہ کے متعلق فرما رہے ہیں کہ زمانہ لمبے چوڑے جھوٹے دعووں سے بھرا پڑا ہے۔ نہ کوئی مرید ہی صادق ملتا ہے نہ کوئی شیخ ہی محقق نظر پڑتا ہے۔ آپ سے کہتا ہوں، کہ کیا یہ حالات اُس زمانہ کے لوگوں کے تھے اور اب اِس زمانہ میں پیر و مرید سب سچے ہی ہیں؟ شیخ جو اپنے زمانہ کے متعلق فرما رہے ہیں کہ زمانہ دعاوی کاذبہ سے بھرا ہوا ہے اسی سے اس زمانہ کا حال معلوم کر لیجئے۔ بات یہ ہے کہ جاہ و شہرت سب کو مطلوب ہوتی ہے اور کسی مرتبے کو صدق و تحقیق کے ساتھ حاصل کرنا بہت مشکل ہوتا ہے اور کسی مرتبہ کا محض دعویٰ کر دینا کچھ بھی دشوار نہیں ہے۔ اس لئے جب صدق و خلوص لوگوں سے رخصت ہو گیا تو اس کی جگہ دعاوی کاذبہ نے لے لی۔ اور تدیّن نہ ہونے کی وجہ سے صدق کا اچھا ہونا اور کذب کا برا ہونا یہ بھی پیش نظر نہیں رہا۔ ورنہ اگر حق تعالیٰ کا یہ ارشاد یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (ترجمہ: اے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان علیکم بالصدق فان الصدق ینجی والکذب یھلک پیش نظر ہوتا تو آدمی سمجھتا کہ صدق منجیات یعنی نجات دینے والی چیزوں میں سے ہے اور

کذب مہلکات یعنی ہلاک کرنے والی چیزوں میں سے ہے۔ مشائخ نے جو کذب دعویٰ سے تحذیر فرمائی تھی تو اسی لئے تاکہ لوگ ہلاکت سے بچیں۔ لیکن یہ منزل آسان نہیں ہے اور نفس کا ان خواہشات اور لذات کا ترک کرنا کوئی کھیل نہیں ہے اس لئے مشائخ منع بھی کرتے رہے اور لوگ مبتلا بھی رہے۔ مشائخ کی اس تنبیہ کا ماخذ یہی نصوص ہیں۔ مگر لوگوں نے توجہ نہ کی چنانچہ آج بھی ہم بس دعوی ہی دعوی دیکھ رہے ہیں اور کسی کو کچھ کہہ نہیں سکتے۔ ع ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم کا مصداق بنے ہوئے ہیں۔ والیہ المشتکیٰ۔

افسوس صد افسوس کہ آج رسمی طور پر تو بہت سی چیزیں موجود ہیں لیکن جو ان سب کی روح تھی یعنی اخلاص اس کا پتہ نہیں۔ یوں مشائخ کے یہاں آمد و رفت بھی جاری ہے پیری مریدی کا سلسلہ بھی قائم ہے مگر اخلاص غائب۔ اور یہی نہیں کہ اخلاص ندارد بلکہ اس کی جگہ دعاوی کاذبہ موجود ہیں۔ ان حالات میں یہ شعر پڑھنے کو جی چاہتا ہے کہ ؎

کعبہ بھی گئے پر نہ گیا عشق بتوں کا
زمزم بھی پیا پر نہ بجھی آگ جگر کی

۲۰

اور اگر ان لوگوں کو اس کا مصداق قرار دیا جائے تو بے محل نہ ہوگا کہ ؎

ادھر دیکھا، ادھر دیکھا اسے دیکھا اسے دیکھا
نہ دیکھا یار کو، اغیار میں دیکھا تو کیا دیکھا

۵۔ آگے حضرت ذوالنون رح نے یوسف بن حسین کو ایک اور نصیحت یہ فرمائی اور اس میں شک نہیں کہ بڑی ہی عمدہ نصیحت فرمائی ہے وہ یہ کہ مخلوق کی مدح کی طرف دل نہ لگانا اور اس سے باطنی خوشی اور قلبی سکون حاصل کرنا نیز مخلوق کے رد و قبول سے نہ گھبرانا یعنی اپنا معاملہ اللہ تعالےٰ سے صحیح رکھنا اور اس فکر میں تو رہنا کہ اللہ و رسول کے خلاف کوئی کام نہ ہوجائے باقی یہ کہ مخلوق تم کو رد کرتی ہے یا قبول کرتی ہے اسکی جانب اصلا التفات نہ کرنا۔ حضرت مولانا رح اس موقع پر بوستاں کا یہ شعر اکثر پڑھا کرتے تھے اور چونکہ یہ حضرت کا خود اپنا حال تھا اس لئے خوب ہی

لطف لیکر پڑھتے تھے اور سننے والوں کو بھی متأثر اور محظوظ فرماتے تھے اور اس میں شک نہیں کہ نہایت ہی عمدہ شعر ہے فرماتے ہیں کہ ؎

ندارند چشم از خلائق پسند
کہ ایشاں پسندیدۂ حق بسند

یعنی یہ حضرات مخلوق سے پسند کئے جانے اور قبول کرنے کی توقع ہی نہیں رکھتے اس لئے کہ یہ لوگ حق تعالیٰ کے پسند کئے ہوئے ہیں یہی ان کے لئے کافی ہے اسی تصور میں سرمست و سرشار رہتے ہیں اور پھر اس کے بعد مخلوق پر ان کی نظر ہی نہیں جاتی کہ وہ لوگ ان کو اچھا سمجھتے ہیں یا بُرا۔ رد کرتے ہیں یا قبول کرتے ہیں۔ اختلافات کے زمانہ میں لوگوں نے حضرت مولاناؒ کے خلاف اشتہارات نکالے۔ علیگڈھ کے ایک صاحب نے بھی دیکھا تو اُن کو یہ خیال ہوا کہ حضرت تو اسکی وجہ سے بہت ہی مغموم ہونگے اور صدمہ کی وجہ سے انتہائی لاغر ہوگئے ہونگے۔ چنانچہ اسی خیر خواہی میں تھانہ بھون کا سفر کیا اور جاکر دیکھا کہ حضرت تو خوب ہشاش بشاش ہیں اور حضرت ہنس بول رہے ہیں۔ بہت ہی تعجب کیا اور حضرت سے اپنا خیال نقل کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ بھائی مجھے اس کا صدمہ کیوں ہوتا اس سے میرا نقصان ہی کیا ہوا۔ بلکہ میں تو دیکھتا ہوں کہ کچھ نفع ہی ہوگیا ہے اس لئے کہ دو ہی قسم کے فائدے ہوسکتے ہیں دینی[1] اور دنیاوی[2] دینی فائدہ تو مجھے یہ ہوا کہ خود اپنے پاس تو کچھ عمل ہے نہیں آج یہ لوگ جو مجھے بُرا بھلا کہہ رہے ہیں کل قیامت میں ان کی نیکیاں مجھے مل جائینگی اور دنیاوی فائدہ یہ ہوا کہ میری آمدنی بڑھ گئی ہے یعنی مجھے جو لوگ ہدیہ اور نذرانہ وغیرہ بھیجتے تھے وہ اب زیادہ بھیجنے لگے ہیں لہذا جب میرا کوئی نقصان ہی نہیں ہوا تو پھر میں رنج و غم کیوں کروں تب اُن صاحب کو معلوم ہوا کہ حضرت مولانا دوسری ہی دولت کے حامل ہیں۔

۶۔ آگے حضرت ذوالنونؒ فرماتے ہیں کہ مخلوق کے رد و قبول سے نہ گھبراؤ کیونکہ یہ لوگ قطاع طریق ہیں ان کے قول کی جانب التفات کروگے تو اُسی میں الجھ کر رہ جاؤگے۔ اور تمھارا راستہ کھوٹا ہوجائے گا لہذا ان سے اور ان کے اس قسم کے اقوال سے دور ہی رہنا

چاہئے۔ دیکھئے یہاں حضرت ذوالنون عوام کو اور مریدین کو قطاع طریق فرما رہے ہیں ورنہ تو عام طور سے جاہل شیخ کو جو کہ طریق سے ناواقف ہو اور مسند شیخت پر بیٹھ کر لوگوں کی راہ مارتا ہو اُسے ہی قطاع طریق یعنی رہزن کہا جاتا ہے لیکن یہاں اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح سے شیخ کبھی مرید کے حق میں قاطع طریق اور رہزن ثابت ہوتا ہے اسی طرح سے کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ جھوٹے مرید اور جاہل عوام بھی شیخ کے حق میں قطاع طریق ثابت ہوتے ہیں جیسا کہ گلستاں میں ایک عابد کا واقعہ لکھا ہے کہ مخلوق سے کنارہ کشی اختیار کرکے جنگل میں زندگی بسر کرتا تھا اور درختوں کے پتے کھا کر گزر کرتا تھا ایک مرتبہ بادشاہ اس کے پاس زیارت کے لئے گیا اور اس سے درخواست کی کہ اگر حضور مناسب سمجھیں تو اجازت دیں کہ شہر ہی میں ایک مقام آپ کے لئے درست کروں تاکہ حضور اس میں قیام فرمائیں امید ہے کہ یہاں سے بڑھ کر عبادت میں یکسوئی اور فراغت قلبی وہاں حضور کو میسر آوے گی۔ اور ایک نفع یہ بھی ہوگا کہ حضور والا کے انفاس قدسیہ کی برکت سے اور لوگوں کو بھی استفادہ کا موقع ملے گا نیز آپ کے اعمال صالحہ کو دیکھ کر لوگ آپ کی اتباع بھی کرینگے۔ زاہد کو بادشاہ کی یہ درخواست پسند نہ آئی اُسکی جانب سے چہرہ پھیرلیا۔ مگر مصاحبین میں سے ایک وزیر نے عرض کیا کہ بادشاہ وقت کا بھی تو کچھ پاس کرنا چاہئے اس لئے اس میں کیا مضائقہ ہے کہ اگر سردست حضرت صرف دو تین دن کے لئے ہی شہر تشریف لے چلیں اور وہاں جاکے قیام ملاحظہ فرمالیں۔ اگر حضور والا اصفائے وقت عزیز میں اغیار کی صحبت سے کچھ بھی کدورت محسوس فرمادیں تو حضور کو اختیار باقی ہے پھر واپس چلے آیئے گا۔ ۲۲

لوگ بیان کرتے ہیں کہ وزیر کی اس گفتگو سے زاہد کو کچھ کچھ اطمینان ہوا اور میں کہتا ہوں کہ اطمینان کیا ہوا اس کی چکنی چپڑی باتوں میں آگیا اور پھنس گیا ناقص تھا اپنے کو محفوظ نہ رکھ سکا۔ بادشاہ کے ہمراہ شہر چلا آیا، شاہی محل اور باغ خاص اس کے قیام کے لئے تجویز ہوا جو کہ نہایت ہی دلکشا اور راحت فزا مقام تھا۔ اسی اثناء میں بادشاہ نے ایک کام یہ کیا کہ نہایت ہی حسین وجمیل کنیز اور ایک بدیع الجمال اور لطیف الاعتدال غلام اسکی خدمت کے لئے بھی بھیجا۔ عابد نے بھی عمدہ عمدہ لذیذ کھانے کھانے شروع کئے اور بیش قیمت لباس استعمال

کرنے لگا اور فواکہ نیز خوشبوئیں استعمال کیں اور ان سب چیزوں سے خوب لطف اندوز ہونے لگا۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ غلام اور کنیز کے حسن و جمال میں بھی نظر کیا اور جیسا کہ عقلمندوں نے کہا ہی ہے کہ حسینوں کی زلف عقل کے پاؤں کی زنجیر ہوتی ہے اور مرغ زیرک کا جال ہوتا ہے اس کا بھی یہی حشر ہوا کہ اس کو حق تعالےٰ کے ساتھ دلجمعی کی جو دولت نصیب تھی ڈ زوال میں آ گئی۔

آگے شیخ سعدیؒ نے اس کے اور بھی حالات لکھے ہیں لیکن مجھے اس واقعہ سے یہاں صرف یہی دکھلانا مقصود تھا کہ بزرگوں کے پاس آنے جانے والے کبھی اس کے حق میں قطاع طریق بن جاتے ہیں۔ چنانچہ دیکھئے یہ درویش اچھا خاصا گوشۂ عافیت میں بیٹھا ہوا تھا لیکن نفس و شیطان نے اسکو لے لیا اور اس کے پاس آنے جانے والوں نے کس کس طرح سے اُسے بہلا پھُسلا کر خواہشات نفس میں اسکو مبتلا کردیا اب ظاہر ہے کہ نفس کے موافق چیزیں ملیں اور پھر انسان ان میں ملوث نہ ہو اور اپنے آپ کو بچا لیجائے بڑا ہی مشکل کام ہے۔ کوئی شیخ کامل اور موفق من اللہ ہی ایسا کرسکتا ہے۔ اسی نوع کے حالات کا مشاہدہ کرکے شیخ اکبرؒ نے یہ فرمایا ہے کہ وقد رأینا شیوخاً سقطوا یعنی ہم نے اپنی ان آنکھوں سے بہت سے مشائخ کو ساقط ہوتے دیکھا ہے یعنی وہ پھر شیخ ہی نہیں رہ گئے اور حق تعالیٰ کی نظر اعتبار سے ساقط ہوگئے اس منقبد کے واقعہ سے ہم کو یہ سبق ملا کہ شیخ کو مرید کی ہر بات نہیں مان لینی چاہئے۔ مرید تو ناقص ہوتا ہی ہے وہ تو ہر قسم کی بات کہے گا یہ شیخ کے ذمہ ہے کہ اس بات میں اور اپنے حالات میں غور کرے اور یہ دیکھے کہ اس کا کوئی ضرر دینی یا دنیوی تو مجھ پر مرتب نہ ہوگا۔ اگر ضرر کا شائبہ بھی دیکھے تو اس کام کو ہرگز نہ کرے یہاں اُن بزرگ سے یہی چوک ہوئی کہ اپنے نفس میں نظر نہیں کی یعنی اُس کے ضعف اور قوت کا اندازہ نہیں کیا اور بادشاہ سے انکار کرنے کے باوجود وزیر کے کہنے میں آ ہی گئے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان بزرگ نے بادشاہ سے جو انکار کیا تھا اس میں بھی صادق نہیں تھے۔ وہ انکار بھی ریاکاری اور تصنع سے تھا ورنہ بدل جانے کا کیا مطلب۔

۲۳

اور دوسرا سبق اس واقعہ سے یہ بھی ملا کہ یہ اہل دنیا بزرگوں کی سیرت سے تو بہت دور

ہوتے ہیں لیکن اُن کی اصطلاحات اور اُن کی مرغوبات سے خوب واقف ہوتے ہیں اور ایسا طریقہ اختیار کرتے ہیں جس سے وہ شیخ انھیں واقف راہ سمجھے اور اپنے احباب میں سے شمار کرے اور حقیقتاً یہ لوگ اغیار اور قاطع راہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ دیکھئے یہاں وزیر نے صفائے وقت عزیز اور صحبت اغیار اور کدورت یہ سب الفاظ اسی لئے استعمال کئے کہ یہ بزرگوں کے احوال سے متعلق امور ہیں اسی کی وجہ سے انھیں دھوکہ ہوا کہ انھوں نے سمجھا کہ اسے میرا صفائے وقت عزیز ہے اور اغیار کی صحبت سے جو کدورت ہوسکتی ہے وہ اسے بھی ناپسند ہے۔ اس لئے اسکو مخلص اور ناصح سمجھ کر اسکی باتوں میں آگیا۔ بہرحال وزیر گو سبب بنا لیکن اصل نقص خود اُسی زاہد کا ہی تھا کہ جو ذرا سے چرکے میں پھسل گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص ابتدا سے صادق اور مخلص نہ تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے مخلصین کو ضائع نہیں فرماتے بلکہ ریاکار تھا۔ پس جیسی اس کی نیت تھی ویسی ہی اس کی برکت ظاہر ہوئی۔

جی چاہتا ہے کہ تتمیم کلام اور مزید افادہ کے لئے اس متعبد کا بقیہ حال بھی بیان کردوں تاکہ سقوط کا سبب معلوم ہو جائے آگے شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ کچھ دنوں بعد پھر بادشاہ کو اس زاہد کی زیارت کا شوق ہوا اس کے پاس آیا۔ اور عابد کو دیکھا کہ پہلی جیسی حالت نہیں ہے بلکہ اس سے بالکل بدلا ہوا ہے۔ یعنی سرخ و سفید ہو رہا ہے اور خوب موٹا تازہ ہوگیا ہے۔ برلنے گاؤ تکیہ لگا ہوا ہے اور ایک غلام طاؤسی پنکھا لیے ہوئے اسکے سر پر جھل رہا ہے۔ بادشاہ کو اسکی سلامت حالی سے مسرت ہوئی پھر مختلف قسم کی باتیں باہم ہوتی رہیں یہاں تک کہ بادشاہ نے آخر میں کہا کہ مجھے ان دونوں جماعتوں یعنی جماعت علماء اور جماعت صوفیہ سے جس قدر محبت ہے کسی اور کو شاید ہی ویسی ہو۔ ایک عقلمند وزیر جہاندیدہ اور آزمودہ کار بھی اس کے ساتھ تھا (اب ہوسکتا ہے کہ یہ وہی وزیر ہو جس کے کہنے سے زاہد یہاں آیا تھا یا کوئی دوسرا ہو) اس نے جب یہ دیکھا کہ زاہد کی تو باطنی دولت ہی لٹ گئی اور بادشاہ ہے کہ اسکی ظاہری خوشحالی ہی کو دیکھ کر مسرور ہے تو اس نے عرض کیا کہ جہاں پناہ دوستی کی تو شرط یہ ہے کہ آپ ان دونوں جماعتوں کے ساتھ نیکی کا معاملہ کریں جس کی صورت یہ ہے کہ علماء کو تو مال دیجئے تاکہ اور دوسرے لوگوں کو بھی علم کا شوق ہو اور وہ بھی علم حاصل کریں

اور زاہدوں کو کچھ نہ دیجئے تاکہ اپنے زہد پر قائم رہیں۔

آپ نے دیکھا کہ باطنی دولت کی تحصیل سے زیادہ دشوار اسکی حفاظت ہوا کرتی ہے اگر حفاظت میں کوتاہی کیجاتی ہے تو پھر شیخ بھی ساقط ہوجاتا ہے تا بہ مرید چہ رسد۔ یہی وجہ ہے کہ مشائخ محققین نے مریدین کو ایسی چیزوں سے بچنے کی نصیحت کی ہے جو اُن کے طریق سے ساقط ہوجانے کا سبب بنے چنانچہ صاحب رسالہ قشیریہ نے اپنے کتاب کے آخر میں الوصیۃ للمریدین کے عنوان سے ایک باب ہی قائم فرمایا ہے اُس میں فرماتے ہیں کہ:

ومن شان المرید التباعد عن ابناء الدنیا فان صحبتھم سم مجرب لانھم ینتفعون بہ وھو ینتقص بھم قال اللہ تعالیٰ ولا تطع من اغفلنا قلبہ عن ذکرنا۔ قشیریہ ص۲۰۳	مرید کی شان سے یہ ہے کہ ابناء دنیا یعنی دنیا داروں سے دور ہی رہے اس لئے کہ ان کی صحبت آزمودہ زہر ہے کیونکہ وہ لوگ تو اس سے کچھ نہ کچھ نفع حاصل بھی کرلیتے ہیں لیکن یہ تو ان کی صحبت کی وجہ سے اپنے مقام سے گم ہوجاتا ہے بلکہ آہستہ آہستہ ختم ہی ہوجاتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ آپ مت اطاعت کیجئے اسکی جس کے قلب کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کردیا ہے۔

۲۵

دیکھئے اس میں تصریح ہے کہ مرید و سالک کو ابناء دنیا سے دور رہنا چاہئے اس لئے کہ یہ لوگ اغیار ہیں اور ان کی صحبت سم قاتل ہے اور یہاں بھی ضرر کا منشاء خود مرید ہی کا ضعف ہوتا ہے کیونکہ دنیا داروں سے اختلاط کی وجہ سے اسکی نیت بگڑ جاتی ہے اور یہ بدنیت ہوجاتا ہے باقی وہ لوگ چونکہ اس سے اس کی دینداری کے سبب سے ملتے ہیں اس لئے انھیں تو نفع ہی ہوتا ہے کہ کچھ نہ کچھ دیندار ہوجاتے ہیں لیکن اس کا ضرر ہوجاتا ہے کہ اپنے درجہ سے کم ہوجاتا ہے اور خلق و خالق کی نظروں میں ساقط الاعتبار ہوجاتا ہے۔ اب یہاں یہ سمجھئے کہ اس سقوط کے اسباب مختلف ہوتے ہیں۔ مکاتیب رشیدیہ میں ہے کہ:-

"یہ امر حاصل شدہ جاتا ہے یا عدم اہتمام سے جاتا ہے کہ اسکی چنداں آدمی نگہداشت نہیں کرتا یا معصیت کی شئامت سے فرو ہوتا ہے یا کھانے کے نشیب و فراز سے۔ سو تلاش کرکے اگر ثالث امر ہے تو احتیاط چاہئے اور جو ثانی ہو استغفار و ترک ابتلاء اس کا چاہئے اور جو اول ہے تو

مناجات و اظہار عجز و انکسار بدرگاہ واہب العطیات اور اپنی غفلت پر ملامت نفس کو۔ مجملاً علاج یہ ہے بہرحال کثرت استغفار و ندامت ضروری ہے۔"

(مکاتیب رشیدیہ ص۲۹)

دیکھئے مشائخ نے سقوط کے اسباب بھی بیان فرمادئے ہیں کہ ان وجوہ سے شیخ بھی اپنے مقام سے ساقط ہوجاتا ہے اب آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا یہ سقوط صرف شیخ ہی کے لئے ہے مرید کے لئے نہیں ہے؟ مریدین سب کامل ہی ہوتے ہیں؟ نیز کیا یہ چیزیں پہلے ہی زمانہ والوں کے لئے تھیں؟ اب اس زمانہ کے لوگوں کے لئے نہیں ہیں؟ حالات سے تو معلوم ہوتاہے کہ اس زمانہ میں طریق باقی ہی کہاں رہ گیاہے اور کتنے لوگ اس میں داخل ہی ہوتے ہیں لہذا اس معنی کر اگر آپ یہ کہہ دیں کہ مریدین ساقط نہیں ہوتے تو صحیح بھی ہے کیونکہ کسی چیز سے ساقط ہونے کے لئے پہلے اس میں داخل ہونا ضروری ہے۔ جو سرے سے طریق میں داخل ہی نہ ہوا ہو تو وہ ساقط کیا ہوگا۔ بہرحال جو لوگ بھی داخل ہوتے ہیں کبھی وہ ابتدا یا توسط یا انتہا میں ضرور **۲۶** کسی نہ کسی ایسے امر کا ارتکاب کرلیتے ہیں جو اُن کو ان کے مقام پر باقی نہیں رہنے دیتا اور محققین کے نزدیک یہ لوگ طریق سے خارج ہوجاتے ہیں گو بزعم خود وہ اپنے کو داخل ہی سمجھتے رہیں۔

مشائخ کی ان تصریحات سے آپ کو معلوم ہوگیا کہ سقوط پیر کا بھی ہوتاہے اور مرید کا بھی اس لئے کہ وہ اسباب سے متعلق ہے جو بھی اُن اسباب کو اختیار کریگا نتیجہ اس کا اُس کے سامنے آئے گا۔ گلستاں کی حکایت سے شیخ کے سقوط کا حال معلوم ہوا اور صاحب رسالہ قشیریہ کے بیان سے مرید کا حال معلوم ہوا کہ ابنار دنیا کی صحبت ان کے حق میں سم قاتل ہوتی ہے۔ اسی طرح سے یہی علامہ قشیری ایک دوسرے موقع پر سالک کے لئے مال وجاہ سے خروج کو واجب فرماتے ہیں اور اسکو بھی اس کے حق میں سم قاتل قرار دیتے ہیں گویا ان کے متعلق بھی کہا جاسکتا ہے کہ یہ بھی قطاع الطریق ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

اذا اراد الخروج عن العلائق سالک جب کہ علائق سے نکلنا چاہے تو سب سے اس پر لازم

فاولها الخروج عن المال.... ..... فاذا خرج عن المال فالواجب علیه الخروج عن الجاه فان ملاحظة الجاه مقطعة عظیمة ومالم یستوعند المریدقبول الخلق وردهم لایجیئ منه شئ بل اضرالاشیاء له ملاحظة الناس ایاه لعین الاثبات والتبرک لافلاس الناس عن هذا الحدیث وهو لعدلم یصح الارادة فکیف یصح ان یتبرک به فخروجهم من الجاه واجب علیهم لان ذلک سم قاتل لهم۔ (قشیریہ ص۱۹۹)

ہے کہ جب مال سے نکلے۔ اور جب مال سے نکل چکے تو اب اس پر واجب ہے کہ حب جاہ سے نکلے۔ اس لئے کہ حب جاہ بھی مقطع عظیم یعنی قاطع طریق ہی ہے۔ چنانچہ جب تک مرید کی نظروں میں مخلوق کا رد اور قبول یکساں نہ ہوجائے گا اس سے کچھ ہو ہی نہیں سکتا بلکہ مضرترین اشیار اسکے حق میں، لوگوں کا اس کو تبرک کی نگاہ سے دیکھنا اور یہ سمجھنا ہے کہ یہ ہوگئے ہیں۔ اس لئے کہ عوام تو ان سب باطنی امور سے ناواقف ہوتے ہیں کسی کا ظاہر اچھا دیکھا اور اسکو بزرگ سمجھ لیا حالانکہ وہ ابھی ارادت بھی درست نہیں کئے ہوتا پھر بھلا اس کو متبرک سمجھنا کیونکر صحیح ہوسکتا ہے لہذا سالکین راہ کے لئے جاہ سے نکلنا واجب ہے اس لئے کہ یہ سم قاتل اور آزمودہ زہر ہے اور قاطع طریق ہے۔

۲۷

دیکھئے یہاں فرما رہے ہیں کہ مرید پر جاہ سے نکلنا بھی واجب ہے کیونکہ یہ جاہ وغیرہ بھی قطاع طریق ہی ہیں اس لئے کہ جب تک سالک کے نزدیک مخلوق کا قبول اور ان کا رد یکساں نہ ہوجائے اس سے کچھ نہیں ہوسکتا یہی وہ نصیحت ہے جسے حضرت ذوالنونؒ کے ارشاد میں ابھی آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ آگے فرماتے ہیں کہ سب سے زیادہ مضرترین شے سالک کے حق میں لوگوں کا اس کو یہ سمجھنا ہے کہ یہ ہوگیا ہے اور اس کے ساتھ تبرک کا معاملہ کرنا ہے اس لئے کہ عوام کالانعام تو ان باطنی امور کو سمجھتے نہیں کہ جاہ کیا ہوتا ہے اور اس کا ضرر کیا ہوتا ہے وہ تو جاہ میں مبتلا ہیں جس کی وجہ سے اسکی ارادت تک صحیح نہیں پھر اس کے متعلق یہ سمجھنا کہ یہ کچھ ہوگیا ہے اور اسکو تبرک کی نگاہ سے دیکھنا یہ کب جائز ہے۔ امام غزالیؒ نے ریا کی یہ تعریف فرمائی کہ هو طلب الجاه بواسطة العبادات یعنی عبادت کے ذریعہ آدمی جاہ طلب کرے تو ان کے فتوی کی رو سے تو یہ شخص ریاکار ہے

مخلص نہیں ہے بلکہ مشرک ہے اس لئے کہ حدیث شریف میں ریا کو شرک خفی فرمایا گیا ہے پس جو شخص طریق سے اس درجہ دور ہو اس کو طریق میں داخل سمجھنا بلکہ واجب التعظیم اور واجب التبرک سمجھنا کس قدر خرلبطہ ہے۔ یہی طریق کا فاسد کرنا ہے جس کا اس زمانہ میں وقوع مشاہد ہے کہ ایسے ہی لوگوں کے ہاتھ میں تصوف کی باگ ڈور ہے جو مشائخ کے نزدیک بلکہ اللہ تعالےٰ کے نزدیک اس سے ذرا بھی حصہ نہیں پائے ہوئے ہیں لہذا سب سے پہلی چیز جو سالک کے لئے ضروری ہے وہ یہ ہے کہ علائق اور شوروغل سے نکلے اس لئے کہ اس طریق کی بنار فراغ قلب پر ہے اورجس قلب میں غیراللہ موجود ہو خواہ وہ مال کی محبت ہو یا داعیہ جاہ ہو وہاں اللہ تعالیٰ کا تعلق کس طرح پایا جاسکتا ہے ؎

ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں
ایں خیال است و محال است وجنوں

اسی کو کہا گیا ہے ؎

تعلق حجاب است و بے حاصلی　　　　چو پیوند ہا بگسلی واصلی

۲۸ حاصل یہ کہ یہ جاہ وغیرہ ایسی چیزیں ہیں کہ انسان کو ہلاک کرکے رکھ دیتی ہیں اس کے متعلق بھی اگر کہا جائے کہ من ھنا سقط من سقط من المشائخ والمریدین تو برمحل ہوگا۔

اس موقعہ پر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ جب کہ شیخ اور سالک کے سقوط کا ذکر کیا گیا ہے اور اس کے اسباب بھی بیان کئے گئے ہیں تو یہاں اس سقوط سے بچنے کا طریقہ بھی بیان کردیا جائے تو اسکے متعلق سنئے۔ صاحب ترصیع الجواہر المکیہ شیخ کے آداب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ لابد للشیخ ایضا من وقت مع ربہ یعنی شیخ کے لئے ایک مخصوص وقت ایسا بھی ہونا چاہئے جسمیں وہ اپنے رب کے ساتھ تنہا رہے۔ دوسرے لفظوں میں اس کا مطلب یہ ہوا کہ خلوت کا اہتمام رکھے یعنی جس طرح سے ابتدار امر میں خلوت ہی اختیار کرنے کی وجہ سے اس نے یہ ترقی کی تھی تو اب اس حالت میں بھی اس کو نہ بھولے اور نہ چھوڑے۔ کیونکہ اسی کی وجہ سے نفس کو حضور مع اللہ یعنی نسبت کے استمرار میں قوت حاصل ہوئی تھی لہذا اگر اس کو چھوڑ دیگا تو پھر نفس اپنی اصل کی طرف لوٹ جائیگا۔ جیسا کہ صاحب ترصیع نے اہتمام خلوت کی یہی

وجہ تحریر فرمائی ہے۔ لکھتے ہیں کہ :

وذلك ان النفس انما حصلت لها القوة باستمرار العادة فی الحضور مع الحق سبحانه وتعالیٰ وترك ماسواه فی الظاهر والباطن فاذا ترك الحضور رجعت النفس لطبعها وعادتها فان مالم تنفطر النفس عليه سريع الذهاب ومتیٰ لم يتفقد الشيخ حاله فی كل يوم بالامر الذی حصل له هذا التمكين كان مخدوعا فتفقد الانس ويجد الوحشة (ترصیع الجواہر)

اور یہ اسلئے کہ نفس کو حق تعالیٰ سبحانہ کے ساتھ دوام حضور کی جو ایک عادت سی ہوجاتی ہے اسکی وجہ سے نیز چونکہ اپنے ظاہر اور باطن ہر اعتبار سے ترک ماسوا کرچکا ہوتا ہے اس لئے اسکے نفس کو ایک قوت حاصل ہوجاتی ہے لہذا جب وہ اس حضور میں کچھ فتور کرلیتا ہے تو نفس پھر اپنی اصل (یعنی غفلت) کی جانب لوٹ جاتا ہے اور اسکی عادت قدیمہ عود کر آتی ہے اس لئے کہ جو حالت نفس کی فطری اور پیدائشی نہیں ہوتی بلکہ عارضی اور کسبی ہوتی ہے تو وہ اس سے بہت جلد ختم ہوجاتی ہے اور (بات یہ ہے کہ) شیخ اگر اپنی حالت کا جائزہ ان معمولات کے اعتبار سے جن کی وجہ سے وہ تمکین کے درجے کو پہنچا ہے نہ لیتا رہے تو سمجھو کہ وہ دھوکے میں پڑا ہوا ہے انس کا اس سے خاتمہ ہوجائے گا اور وحشت کو اپنے لئے لازم حال پائے گا۔

دیکھئے اس سے معلوم ہوا کہ شیخ کو بھی تکمیل کے بعد اپنے حال کا تفقد کرتے رہنے کی ضرورت ہے۔ یعنی جن اسباب کے اختیار کرنے کی وجہ سے وہ مقام تمکین تک پہونچا ہے اسے برابر اختیار کئے رہنا چاہیئے۔ یعنی ان میں خلل نہیں آنے دینا چاہیئے کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ مشیخت کے بعد ان امور میں اسکے مقام کے مناسب اس سے تقصیر ہوجاتی ہے جس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ خدہ شدہ وہ طریق ہی سے ساقط ہوجاتا ہے جب ایسا ہے تو یہ تفقد احوال کس قدر اہتمام کی چیز ٹھہری۔ یہی وجہ ہے کہ بزرگوں نے تکمیل کے بعد بھی اپنا ورد وغیرہ تک بدستور جاری رکھا ہے جیسا کہ حضرت جنیدؒ کا قصہ مشہور ہے۔ کہ ان سے کسی نے پوچھا کہ اب تو آپ واصل ہوگئے ہیں پھر تسبیح کیوں رکھتے ہیں؟ انھوں نے کہا کہ واہ جس چیز کی بدولت یہ مقام مجھے حاصل ہوا ہے اسی کو چھوڑ دوں۔

اسی طرح سے ایک واقعہ امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب طور پر تشریف لیجانے لگے تو راستے میں ایک پتھر کو دیکھا کہ زار و قطار رو رہا ہے آپ نے اس سے رونے کا سبب پوچھا اس نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے جہنم کے بارے میں فرمایا ہے کہ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ یعنی اس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہونگے۔ مجھے یہ خوف رُلا رہا ہے کہ کہیں میں بھی اس کا ایندھن نہ بنوں۔ آپ اللہ تعالےٰ سے ملنے کیلئے جا رہے ہیں میرے لئے بھی سفارش فرمادیجئے گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب طور پر پہنچے تو لذت مناجات کے آگے کچھ کہنا یاد ہی نہ رہا۔ اللہ تعالیٰ ہی نے یاد دلایا کہ کسی کا پیغام لائے ہو؟ عرض کیا جی ہاں۔ ایک پتھر روتا ہوا ملا تھا اس نے ایسا ایسا کہا ہے۔ فرمایا اس سے جاکر کہہ دینا کہ تمھارے اس خوف و خشیت کی بدولت میں نے تم کو اس سے مستثنیٰ کردیا یعنی تم دوزخ میں نہ ڈالے جاؤگے۔ موسیٰ علیہ السلام نے واپس آکر اسکو یہ بشارت سنا دی۔ کچھ دنوں کے بعد پھر ایک مرتبہ آپ کا اُدھر سے گذر ہوا دیکھا کہ اب بھی وہ رو رہا ہے پوچھا کہ بھائی اب تیرے رونے کا کیا سبب ہے؟ تیری تو دوزخ سے رہائی ہوگئی ہے عرض کیا کہ واہ۔ جس رونے کے سبب سے اس عذاب سے بچا ہوں اسی کو چھوڑ دوں۔ ۳۰

دیکھئے ان واقعات سے معلوم ہوا کہ جب کسی کو کوئی دولت کسی ذریعے سے ملتی ہے تو وہ اُس دولت کی تو قدر کرتا ہی ہے اس ذریعے اور سبب کی بھی قدر کرتا ہے چنانچہ شیخ کامل بھی اسی لئے تکمیل کے بعد اپنے حال کا تفقد برابر کرتا رہتا ہے اس طرح پر یہ طریق کا ایک اصول ہی بنا دیا گیا اور یہ کہا گیا کہ اگر شیخ اپنی حالت کا جائزہ اپنے ان معمولات کے اعتبار سے جن کی وجہ سے وہ تمکین کو پہنچا ہے نہ لیتا رہے تو سمجھو کہ وہ دھوکے میں پڑا ہوا ہے۔ چنانچہ دیکھا جاتا ہے کہ آج مرید تو بجائے خود رہے مشائخ تک کو اسکا اہتمام نہیں کہ وہ اس اصول لابد للمشیخۃ ایضا من وقت مع ربہ پر عامل ہوں۔ لہٰذا اس کا انجام یہی ہوتا ہے کہ مریدین ان کو لے بیٹتے ہیں یعنی انکی باطنی دولت کے سلب ہونے کا سبب بنجاتے ہیں اسی کو صاحب ترصیع نے فرمایا کہ من ھذا المکان سقط من سقط من الشیوخ اور اسی کے متعلق شیخ اکبرؒ نے فرمایا ہے کہ " قد رأینا شیوخاً سقطوا۔

بلا شبہ مشائخ کے لئے مریدین کا ہجوم اور اُن کا ان حضرات کے بدن پر ٹوٹ کر گرنا بڑا ہی خطرناک ہے اور اس میں شک نہیں کہ یہ اُن کے لئے ایک بڑی آزمائش اور سخت ابتلاء ہے اور طریق کا دشوار ترین عقبہ ہے جس سے بجز صدق و اخلاص کے نکلنا مشکل ہی ہے ایسے ہی مواقع پر نیت کا صحیح رکھنا بہت دشوار ہو جاتا ہے۔ پھر آدمی اپنی نیت ہی کی خرابی کی وجہ سے رعونت نفس اور انانیت وغیرہ میں مبتلا ہو جاتا ہے اسی لئے مشائخ محققین نے ہر زمانہ میں مخلوق کو فتنہ ہی جانا ہے اور خود بھی اس سے بچے ہیں اور اپنے مریدین کو بھی اہتمام کے ساتھ اُس سے بچایا ہے چنانچہ حضرت خواجہ محمد معصوم رح جو کہ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے خلف رشید ہیں مکتوبات معصومیہ کے مکتوب سی و ششم میں لکھتے ہیں کہ :

مقصود از سیر و سلوک شیخی و مرید گرفتن نیست۔ مقصود ازاں ادائے ۲۱ وظائف بندگی است بے منازعت نفس و نیز مقصود نیستی و گمنامیست و زوال رعونت و انانیت امارہ کہ معرفت بآں مربوط است۔ ہر کہ بہ ایں کس رجوع می کند و انابت می آرد .را از حق باز داشتہ بخود مشغول می سازد و ہر کہ رجوع نمی آرد اورا بحق می دارد ممنون او باید شد ؎

یارب ہمہ خلق را بمن بدخو کن
وز جملہ جہانیاں مرا یکسو کن
روئے دل من صرف کنی از ہر جہتے
در عشق خودم یک جہت و یک رو کن

والسلام اولاً و آخراً
(مکتوبات معصومیہ)

سیر و سلوک سے مقصود شیخ بننا اور مرید بنانا نہیں ہے بلکہ اس سے مقصود بندگی کے وظائف کا اس طرح سے ادا کرنا ہے کہ نفس کی آمیزش اور منازعت باقی نہ رہے اسی طرح سے طریق کا مقصود نیستی اور گمنامی کی تحصیل ہے اور نفس کی سرکشی اور خود رائی کو دور کرنا۔ اس لئے کہ معرفت کا حصول اسی کے ساتھ وابستہ ہے۔ جب ایسا ہے تو اب جو شخص کسی ایسے شخص کی جانب رجوع ہو اور اس سے تعلق کا اظہار کرے تو اس نے گویا اس کو حق سے پھیر کر اپنی جانب مشغول کر لیا اور جو شخص ایسے شخص کی جانب رجوع نہیں کرتا تو وہ اسکو حق تعالیٰ کے ساتھ رہنے کا موقع دیتا ہے لہٰذا اس کا شکر گزار ہونا چاہئے۔

اے رب تو تمام مخلوق کو مجھ سے برگشتہ کردے ایسا کہ میری جانب رخ ہی نہ کریں اور اس طرح سے مجھے تمام دنیا والوں سے یکسو فرما دیجئے اور میرے دل کو ہر طرف سے پھیر دیجئے اور اپنے عشق میں مجھے یکسو اور ہمہ تن متوجہ فرما دیجئے۔ والسلام

دیکھئے حضرت خواجہ معصوم قدس سرہٗ اپنے زیرِ تربیت سالک کو کیسا لکھ رہے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے بھی شیخ سے قلت مرجوعہ کی شکایت کی ہوگی اس پر حضرت نے انھیں کس طرح مقصود اور غیر مقصود کو سمجھایا ہے اور اس عقبہ سے نکالا جو کسی درجہ میں ان کے حق میں سبب فتنہ بن سکتا تھا۔ بہرحال یہ عقبہ سخت سہی تاہم اللہ کے سچے بندے اس سے گزر گئے ہیں اور اپنے سفر کو ان قطاع الطریق سے کھوٹا نہیں کیا۔ اسی طرح سے ابھی میں نے بیان کیا ہے کہ حب مال اور حب جاہ بھی کبھی سالک کی راہ مار دیتے ہیں۔ لہذا اگر ان دونوں کو بھی اور اسی طرح سے ان تمام رزائل نفس اور کوتاہیوں کو بھی جن میں پڑکر سالک طریق سے منقطع اور ساقط ہوجاتا ہے قطاع الطریق کہا جائے تو کچھ غلط نہ ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مشائخ نے اصلاح کے لئے نفس ہی کو جو پکڑا ہے تو یہ بالکل صحیح راستہ ہے لیکن افسوس ہے کہ آج اسی کی بحث کو طاق نسیان پر رکھ دیا گیا ہے اور عوام تو خیر عوام ہی ہیں ان خواص سے تعجب ہے کہ آج ان کے یہاں بھی اس کی بحث باقی نہیں رہی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

۳۲

اور میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ یہ لوگ اسکی بحث بھولے نہیں ہیں بلکہ قصداً اس کی جانب سے چشم پوشی اختیار کی گئی ہے کیونکہ اہل نفس کے لئے خطوظ نفس کا چھوڑنا اور نفس کو خدا کے لئے مارنا بہت مشکل کام تھا اس لئے اس زمانے میں اسکو تصوف سے خارج ہی کردیا گیا ہے حالانکہ یہی اصل تصوف ہے۔ اب لوگ صرف چند رسوم پر اتر آئے ہیں بلکہ اب سے بہت پہلے سے یہی حال ہوگیا ہے۔ چنانچہ سیدنا شیخ احمد کبیر رفاعیؒ اپنے زمانہ کے صوفیوں کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

اے صوفی یہ کیا بیہودگی ہے پہلے صوفی بنجا تاکہ ہم بھی تجھے صوفی کہیں میرے پیارے کیا تیرا یہ گمان ہے کہ یہ طریقت تیرے باپ کی میراث ہے؟ تیرے دادا سے سلسلہ بسلسلہ چلی آرہی ہے؟ تیرے پاس بکر و عمر کے نام سے آجائیگی؟ تیرے شجرہ نسب میں داخل ہوجائے گی؟ تیرے خرقہ کے گریبان پر تیری کلاہ پر منقش ہوجائیگی؟ تو نے اس سرمایہ (طریقت) کو سمجھ لیا ہے کہ ادنیٰ لباس ہو۔ ایک کلاہ ہو ایک لاٹھی ہو ایک گدڑی اور بڑا سا عمامہ ہو؟

بزرگوں کی سی شان وصورت ہو؟ نہیں خدا کی قسم اللہ تعالیٰ ان چیزوں کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تو تیرے دل کو دیکھتا ہے۔ تیرے دل میں خدا کے اسرار اور اسکے قرب کی برکت کیونکر ڈالی جائے کہ وہ تو کلاہ وخرقہ، تسبیح اور عصا اور ٹاٹ کے حجابوں میں گرفتار ہوکر اللہ تعالےٰ سے غافل ہو رہا ہے، یہ عقل کس کام کی جو نور معرفت سے کوری ہے یہ سر کس کام کا جو جوہر عقل سے خالی ہے۔ اے مسکین تونے اس جماعت جیسے کام تو کئے نہیں اور ان کا لباس پہن لیا؟ عزیزمن! اگر تو اپنے دل کو مارکر خوف کا لباس پہنتا اور ظاہر کو لباس ادب سے آراستہ کرتا اور نفس کو ذلت کا لباس پہناتا اور انانیت کو فنا کا لباس پہناتا اور زبان کو ذکر کے لباس سے آراستہ کرتا اور ان سب حجابوں سے جن میں تو پھنسا ہوا ہے چھوٹ جاتا اس کے بعد یہ لباس پہنتا تو تیرے لئے اچھا ہوتا اور بہت بہتر ہوتا۔

پھر کچھ آگے فرماتے ہیں کہ:

اے مسکین تو اس وقت اپنے وہم پر چل رہا ہے اپنے خیال پر راستہ طے کر رہا ہے اپنے جھوٹ اور عجب و غرور کے ساتھ چل رہا ہے انانیت اور تکبر کی ناپاکی لادے ہوئے ہے اور سمجھتا ہے کہ میں بھی کچھ ہوں۔ بھلا یہ کیونکر ہوسکتا ہے۔ تکبر کے ساتھ تو یہ راستہ ایک قدم بھی طے نہیں ہوسکتا۔ تواضع کا علم سیکھ، حیرت کا سبق پڑھ۔ مسکنت اور انکسار کا علم حاصل کر۔"

دیکھئے سیدنا رفاعیؒ نے جاہل صوفیوں کی کیسی خبر لی ہے جنھوں نے کہ رسوم صوفیہ کو لے کر حقیقت تصوف کو نظر انداز ہی کر دیا تھا۔ مشائخ محققین کا ہر زمانہ میں یہی کام رہا ہے کہ انھوں نے رسم سے لوگوں کو نکالا ہے اور حقیقت کی طرف دعوت دی ہے۔ چنانچہ یہی سیدنا رفاعیؒ عالم وصوفی کے باہمی نزاع کو نہایت ہی مؤثر عنوان سے ختم کراتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

" طریقت عین شریعت ہے اور شریعت عین طریقت ہے۔ دونوں میں صرف

لفظی فرق ہے اصل اور مقصود اور نتیجہ دونوں کا ایک ہے میرے نزدیک جو صوفی فقیہہ یعنی عالم کی حالت پر انکار کرے یقیناً مبتلائے قہر ہے اور جو فقیہہ صوفی کی حالت پر انکار کرے وہ بھی راندۂ درگاہ ہے۔ ہاں اگر کوئی عالم صرف اپنی زبان سے حکم کرتا ہو۔ شریعت کی ترجمانی نہ کرتا ہو یا صوفی اپنے طور پر راستہ طے کر رہا ہو شریعت کے موافق نہ چلتا ہو تو پھر ایک دوسرے کو برا کہنے میں کسی پر گناہ نہیں۔ اسی سلسلہ میں آگے فرماتے ہیں کہ:

صوفی عارف اس وقت کیا کریگا جب اُس سے کوئی عالم عارف یہ سوال کرے کہ کیا تم اپنے مریدوں سے یوں کہہ سکتے ہو کہ نماز نہ پڑھو۔ روزہ نہ رکھو۔ گناہوں سے نہ بچو اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود پر قائم نہ رہو۔ تم کو خدا کی قسم کیا وہ اس کے جواب میں حاشاللہ اور نعوذ باللہ کے سوا کچھ اور بھی کہہ سکتا ہے؟

۳۴

اسی طرح فقیہہ عارف اس وقت کیا کرے گا جب کوئی صوفی عارف اس سے یہ کہے کہ کیا تم اپنے شاگردوں سے یہ کہہ سکتے ہو کہ ذکراللہ زیادہ نہ کرو مجاہدات کے ذریعہ نفس سے جنگ نہ کرو، اللہ کے لئے سچا اور کامل اخلاص حاصل کرنے کی کوشش نہ کرو۔ تمھیں خدا کی قسم کیا وہ بھی اس کے جواب میں حاشاللہ اور استغفراللہ کے سوا اور کچھ کہہ سکتا ہے۔ بس اب معلوم ہوگیا کہ دونوں کی اصل اور مقصود اور نتیجہ ایک ہی ہے صرف لفظ کا فرق رہ گیا اور کچھ نہیں۔

(یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ کی فرضیت اور گناہوں کی حرمت پر دونوں کا اتفاق ہے اسی طرح کثرت ذکراللہ اور مخالفت نفس اور تحصیل اخلاص کی ضرورت پر بھی دونوں متفق ہیں صرف اتنی بات رہ گئی کہ نماز روزہ وغیرہ بجالانے اور گناہوں سے بچنے کا نام لوگوں نے شریعت رکھ لیا اور کثرت ذکر، مخالفت نفس اور تحصیل اخلاص کا نام تصوف رکھ لیا مگر نام

کے بدلنے سے حقیقت تو نہیں بدل جاتی)

"پس جب صوفی کو لفظوں کا پردہ اصل اور مقصود کے سمجھنے سے روک دے وہ جاہل ہے اور اللہ تعالیٰ نے کسی جاہل کو ولی نہیں بنایا اور جب عالم کو یہ لفظی حجاب حقیقت سمجھنے سے روک دے وہ بھی محروم ہے اے اللہ میں اُس علم سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں جو نفع نہ دے"

البنیان المشید ص ۱۵۸

دیکھا آپ نے یہ ہے حقیقی تصوف اور یہ حضرات تھے محققین صوفیہ کہ صحیح تعلیمات پیش فرماتے تھے اور دین کو غیر دین کی آمیزش سے پاک رکھتے تھے آج جو گمراہی ہوگئی تو اسکی وجہ یہی ہے کہ کوئی صحیح طریق کا بتانے والا بھی نہیں اور مشائخ اور مریدین کو ان کی کوتاہیوں پر کوئی ٹوکنے والا نہیں۔ پہلے ایسا نہیں تھا بلکہ ایسے ایسے مشائخ موجود تھے جو شریعت اور طریقت کے جامع ہوتے تھے اس لئے علماء اور مشائخ کی بھی اصلاح کرتے تھے کیونکہ یہی لوگ گمراہی کا سرچشمہ ہیں زلۃ العالِم زلۃ العالَم (عالِم کی لغزش سے عالَم کی لغزش ہے) مشہور ہی ہے اور اسی طرح سے جو شیخ آداب طریق کی رعایت نہ کرنے کی وجہ سے مشیخت سے ساقط ہوجائے گا وہ بھی مریدین کے لئے فتنہ ہی ہے۔ ابھی آپ نے حضرت رفاعیؒ کے کلام میں دیکھا کہ رسمی صوفیوں کی کس قدر مذمت بیان کی۔ یہ اسی لئے تاکہ لوگ گمراہی میں نہ پڑیں اور اپنے آپ کو ان قطاع الطریق سے بچائیں۔ ہر زمانہ میں مصلحین امت نے یہی کام کیا ہے چنانچہ امام غزالیؒ نے تو ایسے لوگوں کو بہت تیز کہا ہے اور اپنے زمانہ کے اکثر صوفیوں کو رسمی ہی قرار دیا ہے اپنی کتاب احیاء العلوم کے آداب السفر میں فرماتے ہیں کہ:

اس زمانہ کے اکثر و بیشتر متصوفین (یعنی جو لوگ کہ حقیقۃً تو صوفی نہیں ہیں مگر ان کا لباس پہن رکھا ہے) جبکہ ان کے باطن فکر کے لطائف سے اور عمل کے دقائق سے خالی ہوتے ہیں اور ان کو خلوت میں اللہ تعالیٰ کے اور اس کے ذکر کے ساتھ کوئی انس بھی نہیں ہوتا۔ نیز یہ لوگ بطال اور کاہل بھی ہوتے ہیں یعنی نہ تو ان کا کوئی پیشہ اور حرفہ ہی ہوتا ہے نہ کوئی اور مشغلہ ہوتا ہے۔ اس وجہ سے بطالت ان کی اور مالوف طبع ہو جاتی ہے یعنی

۲۵

کام کرنا ان پر شاق ہوتا ہے۔ کسب کے طریق کو دشوار سمجھتے ہیں لوگوں سے سوال کرنا اور پیشہ گداگری اختیار کرنا ان کو آسان معلوم ہوتا ہے ایسے لوگوں کو شہروں کے مسافر خانے جو آنے جانے والوں کے لئے بنائے جاتے ہیں پسند ہوتے ہیں۔ یہ لوگ ان خدام کو بھی جو قوم صوفیہ کی خدمت گزاری کے لئے تیار رہتے ہیں مسخر کر لیتے ہیں یعنی پھانس لیتے ہیں۔ اور یہ لوگ خود اپنے دین اور عقل کا استخفاف کرتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کی نیت خدمت قوم سے سوائے ریا اور سمعہ کے کچھ نہیں ہوتی اور یہ کہ ان کا شہرہ بلند ہو جائے یا یہ کہ کثرت متعلقین کا حیلہ بیان کر کے بذریعہ سوال لوگوں سے اموال حاصل کریں۔ غرض جب ایسا مذاق رکھنے والوں کے لئے خانقاہوں میں کوئی نافذ ہونے والا حکم نہیں ہوتا اور نہ مریدین ہی کے حق میں ان کی تادیب نافع ہوتی ہے اور نہ ان پر ان کی کچھ دار و گیر ہی ایسی ہوتی ہے جو کہ قاہر ہو یعنی لوگوں کو برائیوں سے روک سکے۔ تو یہ لوگ کرتے یہ ہیں کہ صوفیہ کی گدڑی پہن لیتے ہیں اور خانقاہوں میں تفریح کا سامان مہیا کر لیتے ہیں جس کی وجہ سے وہ ایک سیرگاہ و تفریح گاہ بن جاتی ہے اور کبھی بزرگوں کی جماعت کے کچھ الفاظ بھی سیکھ لیتے ہیں پھر اپنے کو دیکھتے ہیں کہ ہم ظاہری لباس و ہیئت میں سیر و سیاحت میں الفاظ و عبارت میں اور ظاہری شکل و صورت میں قوم صوفیہ سے مشابہت رکھتے ہیں تو اپنے بارے میں بھی ان کو یہ حسن ظن قائم ہو جاتا ہے اور یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ ہم بھی کوئی اچھا کام کر رہے ہیں (ظاہر ہے کہ یہ بات خلوص کے خلاف ہے اور اعجاب نفس ہے) اور ظالم سمجھتے یہ ہیں کہ ہر کالی چیز کھجور ہی ہوتی ہے۔ اور گمان کرتے ہیں کہ کسی کے ساتھ ظاہری مشارکت حقائق کی مساوات کو واجب کرتی ہے۔ حالانکہ بہت بعید ہے یہ ان کا خیال، اور نہایت درجہ احمق ہے وہ شخص جو شحم (چربی) اور ورم میں تمیز نہ کر سکے یعنی یہ نہ جانے کہ یہ موٹائی چربی کی ہے یا ورم کی وجہ سے بدن پھولا ہوا ہے۔ پس یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے مبغوض ہیں۔ ۳۶

احیاء العلوم ص ۲۴۸ ج ۲

دیکھا آپ نے جیسا حضرت رفاعیؒ نے فرمایا تھا کہ لوگ کلاہ گدڑی اور عمامہ اور لاٹھی کے ذریعہ بزرگ ہونا چاہتے ہیں اسی طرح سے امام غزالیؒ بھی فرما رہے ہیں کہ بس اس زمانہ میں

بزرگوں سے ظاہری شباہت رہ گئی ہے ان کے الفاظ اور آداب ظاہرہ کو لوگوں نے اختیار کر رکھا ہے۔ اور حقیقت تصوف کہ وہ نفس کے مارنے کا نام تھا اور اللہ تعالیٰ سے صحیح اور سچا تعلق پیدا کرنے کا نام تھا اس کا کہیں پتہ نہیں۔ ظاہر ہے کہ جب لوگوں نے خانقاہوں کو دکان بنا لیا اور رسوم صوفیہ کو تحصیل دنیا کا آلہ قرار دے لیا تو پھر اب دین کہاں باقی رہا۔

حضرت رفاعیؒ اور امام غزالیؒ کا کلام آپ نے ملاحظہ فرمایا ان لوگوں نے دنیادار پیروں کی کیسی قلعی کھولی اب سعدی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد سنئے فرماتے ہیں کہ ؎

صورت حال عارفاں دلق است — ایں قدر بس چو روی در خلق است
در عمل کوش و ہر چہ خواہی پوش — تاج بر سر نہ و علم بر دوش
ترک دنیا و شہوت و ہوس — پارسائی نہ ترک جامہ و بس
در فزا گند مرد باید بود — بر مخنث سلاح جنگ چہ سود

۴۷ یعنی اگر مخلوق ہی مقصود ہے تو عارفوں کی ظاہری صورت تو گدڑی ہے انسان اس لباس کو پہن لے اور مخلوق کی نظروں میں بزرگ بن جائے اور صحیح چیز تو یہ ہے کہ عمل میں کوشش کرو اور جو چاہے پہنو۔ سر پر تاج رکھو۔ کاندھے پر علم رکھو۔ بزرگی صرف کسی مخصوص لباس کے پہن لینے یا ترک کر دینے کا نام نہیں بلکہ دنیا شہوت اور ہوس کے چھوڑنے کا نام بزرگی ہے۔ اگر میدان جنگ میں ریشمی کپڑا استعمال کیا جائے تاکہ اس پر تلوار نہ اثر کرے تو ٹھیک ہے لیکن اس کا پہننے والا مرد شجاع ہونا چاہئے۔ ورنہ تو کسی مخنث کو سلاح سے آراستہ کرنے میں کیا فائدہ۔ اسی طرح سے ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ ؎

...ست بچہ کار آید و تسبیح و مرقع — خود را ز عملہائے نکوہیدہ بری دار
حاجت بکلاہ برکی شتنت نیست — درویش صفت باش و کلاہ تتری دار

یعنی صرف گدڑی اور تسبیح اور پیوند دار کپڑا خدا تعالیٰ کے راستہ میں کیا نفع دے سکتا ہے اپنے کو اخلاق ذمیمہ اور اعمال مذمومہ سے پاک وصاف رکھنا چاہئے۔ تم کو برکی ٹوپی پہننے کی ضرورت نہیں بلکہ درویشوں کا خلق اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ ٹوپی چاہے ترکی ہی پہن لو۔ اور یہ سب اسی وقت ہوتا ہے جب کہ صحیح دین اور حقیقی طریق کے بتانے والے نہیں رہ جاتے۔

یا بہت کم ہوجاتے ہیں۔ جب یہ حالت ہوجاتی ہے تو دنیا داروں کو تخبیط اور تلبیس کا موقع مل جاتا ہے اس لئے کہ شیخ محقق ہی رسم و حقیقت میں فرق کرتا ہے اور لوگوں کو ریا و اخلاص سمجھاتا ہے طالبین کو نفس کی رعونات اور اعجاب سے نکالتا ہے لیکن جب کوئی شیخ کامل ہی نہیں رہ جاتا تو پھر ناقص لوگ کاملین کی جگہ لے لیتے ہیں اور واقع میں وہ کچھ ہوتے نہیں اس لئے شیخوخت اور ریاست کا دعویٰ کرتے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ زمانہ دعاوی کاذبہ سے بھر جاتا ہے اور پھر نہ کوئی مرید ہی صادق رہ جاتا ہے اور نہ کوئی شیخ ہی محقق رہ جاتا ہے چنانچہ شیخ اکبرؒ اپنے رسالہ میں اسی بدحالی پر افسوس کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان الزمان مشحونٌ بالدعاوی الکاذبۃ العریضۃ فلا مرید صادق ثابت القدم فی سلوک ولا شیخ محقق جیسا کہ سابقاً اس پر گفتگو گذر چکی ہے۔

اب ظاہر ہے کہ جب یہ لوگ مدعی ہوجائیں گے تو پھر اپنے نقص پر ان کی کیا نظر ہوگی اور نفس کی اصلاح کی جانب وہ کیا توجہ کریں گے نتیجہ یہ ہوگا کہ رعونت نفس، انانیت عجب اعجاب اور دعویٰ ہی میں مبتلا رہیں گے جن سے بڑھ کر طریق میں کوئی رذیلہ نہیں مشائخ نے ان رذائل کو طریقت میں بمنزلہ کفر قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں ؎ ۳۸

فکر خود و رائے خود در عالم رندی نیست
کفر است دریں مذہب خود بینی و خود رائی

کفر اس لئے کہا کہ جس طرح سے اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے انکار کی وجہ سے آدمی کافر ہوجاتا ہے اسی طرح سے طریقت میں جب اپنی رائے اور فکر پر ہی چلا تو انقیاد اور اتباع کہاں رہا اور جب اتباع شیخ نہ رہا تو اتباع نفس و شیطان سے کہاں نکلا اور یہ طریق کے بالکل ضد ہے جیسے اسلام کی ضد کفر۔ اسی لئے مثنوی میں مولانا رومؒ نے اسی کبر و پندار کے ترک کو یعنی اپنے نقص پر نظر رکھنے اور خود کو ناقص سمجھنے کو کلید کامیابی فرمایا ہے چنانچہ فرماتے ہیں ؎

ہر کہ نقص خویش را دید و شناخت   سوئے استکمال خود دو اسپہ تاخت (دفتر اول ص ۱۹۶ ج ۲)

یعنی جو شخص کہ اپنے نقص اور کمی کو پہچان لے گا وہ اپنی تکمیل میں نہایت تیز گام اور تیز رفتار ہوگا۔ آگے فرماتے ہیں ؎

زاں نمی پرّد بہ سوئے ذوالجلال　　کو گمانے می برد خود را کمال

یعنی جس کو حق تعالےٰ کی طرف عروج روحانی حاصل نہیں ہوتا تو وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ اپنے کو کامل سمجھتا ہے ؎

علتے بدتر ز پندار کمال　　نیست اندر جانت اے مغرور ضال

یعنی سچ یہ ہے کہ پندار کمال سے بڑھ کر انسان میں کوئی علت نہیں اور اس کبر و پندار کا نکالنا کوئی کھیل نہیں ہے۔ آگے مولناؒ فرماتے ہیں کہ دل و دیدہ سے بہت سا خون بہتا ہے اس وقت یہ خود بینی دماغ سے نکلتی ہے۔ یعنی سخت ریاضات خصوصاً تذلیل نفس کی ضرورت پڑتی ہے۔ ابلیس کی علت یہی انانیت تو تھی اور یہ مرض ہر شخص کے اندر کم و بیش موجود ہے۔ جس کے لئے اسے کسی پیر کامل کی خدمت میں جانا ضروری ہوگا۔ اور اس کے آگے خود کو اس طرح سے پیش کرنا ہوگا جیسے مردہ بدست زندہ۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ یہ چیز آسان نہیں ہے یعنی اپنے نفس کا دشمن ہو جانا آسان نہیں اور اللہ تعالیٰ کے لئے نفس کو اس کے خواہشات سے روکنا آسان نہیں ہے۔ کوئی مخلص اور موفق من اللہ ہی اس وادیٔ پُرخار میں قدم رکھ سکتا ہے۔ پہلے زمانہ میں یہی چیزیں تھیں یعنی مریدین اپنے نفس کی اصلاح کرتے تھے اور مشائخ کے یہاں بھی تعلیم و تربیت کا غایت درجہ اہتمام تھا چنانچہ ان رذائل سے نہ صرف مریدین ہی کو نکالتے تھے بلکہ اپنے اولاد اور متعلقین کی تربیت بھی یہ حضرات ابتداہی سے اسی نہج پر کرتے تھے۔ آپ کے سامنے اس کا ایک نمونہ پیش کرتا ہوں۔ دہلی میں ایک بزرگ کی خانقاہ میں کسی شخص نے دو دو آنہ پیسے سب سالکین کو تقسیم کرنے شروع کیے ان بزرگ کے صاحبزادے بھی وہاں موجود تھے اُس نے انھیں بھی دینا چاہا صاحبزادے نے ہاتھ کھینچ لیا۔ شیخ اس منظر کو دیکھ رہے تھے دونوں کو بلایا اور صاحبزادے سے کہا کہ تم نے پیسے کیوں نہیں لئے؟ ہاتھ کیوں کھینچ لیے؟ اسی لئے نا کہ یہ صدقہ تھا۔ اچھا اگر یہ شخص سو روپیہ دیتا تب تو لے لیتے اس وقت کیا صدقہ نہ ہوتا۔ اُس کے بعد اس دینے والے کی طرف مخاطب ہوئے اور ہاتھ پھیلا کر کہا کہ لاؤ وہ پیسے مجھے دو اور پھر اپنے لڑکے سے کہا کہ تمھارا باپ تو صدقہ ہی میں پلا ہے۔

سبحان اللہ کیا تربیت تھی اور کس قدر اہتمام تھا اپنے متعلقین کے اخلاق کی نگرانی کا۔

اسی ایک معاملہ سے صاحبزادے کے دماغ سے کبر و نخوت اور جاہ کا استیصال ہی فرما دیا۔
افسوس آج یہی چیز ہم میں باقی نہیں رہی خود مشائخ اصول طریق پر پورے نہیں اترتے تو پھر مریدین و متعلقین کا تو پوچھنا ہی کیا اور وجہ اسکی یہی ہے کہ نفس کی جانب سے غفلت ہوگئی اس کے تقاضوں کے مارنے کے بجائے۔ اسکی شہوات کو پورا کیا جاتا ہے حالانکہ مشائخ متفقہ طور پر یہ فرما رہے ہیں کہ نفس کو اُس کے حقوق تو دے جائیں گے لیکن حظوظ سے اسکو بچایا جائے گا۔
آج اس کا اہتمام آپ کہیں دیکھتے ہیں ؟ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ اس زمانہ میں حظوظ ہی کو حقوق کا درجہ دے دیا گیا ہے یعنی لوگ حظوظ نفس میں اس درجہ منہمک ہوگئے ہیں اور اُن کی تحصیل کا اس قدر اہتمام ہے کہ جیسے حقوق کا ہوا کرتا ہے حالانکہ وہ مبتدی اور منتہی سب کے لئے مضر ہے ایک عالم جو کہ صاحب باطن بزرگ بھی گذرے ہیں فرماتے ہیں کہ:

افادہ۔ باید دانست کہ استماع غناً بے مزامیر و اختلاط امارد بدون شہوت اگرچہ از ممنوعات شرعیہ نیست لیکن اقبال ایں امور را درحق سالکین راہ حق خصوصاً درحق طالبین راہ نبوت خالی از خلل ہم نباید فہمید۔ بیانش آنکہ امثال ایں امور ہم درحق مبتدیان مضراست وہم درحق منتہیان اما درحق مبتدیان پس تفسیرش آنکہ جمیع ارباب طب روحانی اتفاق کردہ اند برآنکہ سالکین راہ حق را ایفائے حقوق نفس ضروراست واتباع حظوظ آں مضر لاسیما حظوظے کہ لذات آں درصلب نفس راسخ گردد و حلاوت آں درسویدائے دل مستحکم نشیند

جاننا چاہئے کہ بدوں مزامیر کے اشعار کا سننا اسی طرح سے بدوں شہوت کے اختلاط امارد رکھنا اگرچہ ممنوعات ۴۰ شرعیہ میں سے نہیں ہے تاہم اس قسم کی چیزوں کو سالکین راہ حق کے حق میں بالخصوص طالبین راہ نبوت کے حق میں خالی از خلل و نقصان بھی نہ سمجھنا چاہئے۔
تفصیل اسکی یہ ہے کہ جملہ ارباب طب روحانی یعنی مشائخ حقانی کا اس پر اتفاق ہے کہ سالکین راہ حق کو نفس کے حقوق تو ادا کرنے ضروری ہیں لیکن اس کے حظوظ کا اتباع مضر ہے بالخصوص وہ خواہش نفس جس کی لذت صلب نفس میں راسخ ہو چکی ہو اور جس کی حلاوت قلب کی گہرائیوں میں مستحکم ہو چکی ہو اور نفس اس کی طلب میں حیران و سرگرداں رہتا ہو کیوں کہ بالکل ظاہر ہے کہ یہ چیزیں حقوق نفس کے قبیل سے نہیں ہیں اس لئے

و نفس در طلب آں ھیماں و سرگرداں گردد و پُر ظاہر است کہ امثال ایں امور از قبیل حقوق نفس نیست چہ گاہے بسبب ترک آن ضعف و ناتوانی در جسم پدید نمی آید چنانکہ بسبب ترک اکل و شرب۔

کہ اُن کے ترک سے جسم میں کسی قسم کا ضعف اور ناتوانی رونما نہیں ہوتی جیسی کہ کھانے پینے کے چھوڑ دینے سے عام طور پر ہوجایا کرتی ہے۔

صراط مستقیم ص۹۷

دیکھیے اس میں تصریح ہے کہ مشائخ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ نفس کے حقوق تو دے جائیں گے لیکن خطوظ سے اس کو بچایا جائے گا یہی وجہ ہے کہ جب بھی کسی نے اس اصول کے خلاف کیا تو نتیجہ اس کا بُرا نکلا جیسا کہ ابھی متعبد کے واقعہ میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ وہاں اُس کے طریق سے سقوط کا سبب اس کا انہماک فی اللذات والشہوات ہی بنا۔ پس جملہ حظوظ نفسانی سے احتراز از بس ضروری ولازم ہے۔

۴۱

فرمایا کہ اب اتنے دنوں کے بعد اس بڑھاپے میں جبکہ کسی چیز کی تحصیل کا وقت باقی نہیں رہا یہ بات سمجھ میں آئی کہ انسان کو کسی کمال کی تحصیل سے جو چیز مانع ہوتی ہے وہ اس کا کبر و عار ہے، کیونکہ یہی چیز اس کو کسی کامل کے آگے جھکنے سے منع کرتی ہے، ورنہ ہر ہی زمانہ میں اہل کمال رہتے ہیں جن سے کمال حاصل کیا جاسکتا ہے مگر اسی عار و استکبار کی بنا پر ان کے سامنے جھکتے نہیں اسلئے کچھ حاصل بھی نہیں ہوتا کورے کے کورے ہی رہ جاتے ہیں۔ آدمی جب اپنی خودی و تکبر کو چھوڑتا ہے تب کچھ حاصل ہوتا ہے ع ہر کجا پستیست آب آنجا رود

میں حضرات اہل علم کو خصوصاً اس جانب متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ آج علماء اور طلبہ کو کوئی کمال جو نہیں حاصل ہو رہا ہے تو اس کی وجہ یہی ان کا عار اور تکبر ہے، یہی ان کی راہ مارے رہتا ہے اس کو اگر سمجھ لیں اور ہمت کر کے اسکو ترک کر دیں تو کمال کے درجہ کو پہنچ سکتے ہیں، چنانچہ جن لوگوں کو کمال حاصل ہوا ہے وہ اپنے کو مٹانے اور کسی کے آگے خود کو گرانے اور اپنے کبر و عار کو ختم کرنے ہی سے حاصل ہوا ہے!

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللهِ۔